زمین زاد
حنا کامران
090449542

ناول

حنا کامران

زمین زاد

ہم زمین زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے
خود کے نہ سہی تو، تمہارے ہوتے

اس کی آنکھوں میں دھواں بھر چکا تھا۔ مرچیں اتنی زیادہ تھیں کہ سر چکرا اٹھا، ہاں۔۔ اس کا سر چکرا ہی تو رہا تھا۔ اس چکراتے سر میں جب بصارت دھندلی پڑ رہی تھی اور پلکیں سلو موشن میں محوِ حرکت تھی۔۔ اسے وہ سب نظر آیا جو نظر نہیں آنا چاہیے تھا۔ (سب نظر کی بات تھی یہ کہانی نظر پر ہی مشتمل تھی)

خون، مٹی، دھول، دھواں اور لاش!

"تم نے کہا تھا میرا یقین کرو میں نے کیا، اب اس کے آگے کیا؟ ہاں۔" خون تھوکتے زخموں سے چور بدن والے کی آواز اپنے حواس مختل کرتی لڑکی کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ گرنے والی تھی، کہنے والے کا بدن ڈول رہا تھا۔

”تم نے مجھے مار دیا، مبارک ہو۔“ تیز آگ کا گولہ آسمان سے زمین کی طرف رختِ سفر باندھ گیا۔ انسانی بدن کو رختِ سفر پر لے جانے کیلیئے۔

”ہم زمین زاد نہ ہوتے، تو ستارے ہوتے۔“ اس کا دماغ مکمل طور پر ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ پیچھے کی جانب گرنے لگی تھی جب کسی نے اس کی بغلوں کے گرد بازو ڈال کر سے تھام لیا۔ وہ اس میں جھول گئی تھی۔

”خود کے نہیں تو، تمہارے ہو۔“ اس کا جملہ مکمل نہیں ہو پایا تھا۔ آگ کے گولے نے اس لڑکے کے سر کے بیچوں بیچ نشانہ بنایا تھا۔ جونہی گولی نے اس کے سر کے پرخچے اڑا کر خون کے چھینٹے لڑکی کے کپڑوں پر ڈالے وہ ماؤف دماغ سے چیخ اٹھی۔

”زمین زاد!“ ایک اور گولی چلی تھی۔ اس کی آواز اتنی تیز تھی کہ ایلاف جھٹکے سے نیند سے اٹھ بیٹھی۔ ایسے کہ اس کے بال تکیے سے سرکتے ہوئے کندھوں پر آن گرے۔ دل میں ڈر و وحشت تھی اور ماتھے پر پسینہ، سانس کی رفتار بھی تیز تھی۔ اس نے جھٹ سے لیمپ کے بٹن پر ہاتھ مار کر اسے آن کیا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ صد شکر وہ کہیں نہیں تھی سوائے اپنے بیڈ کے۔ ہاں اس کا بیڈ اس کے وجود کو سہارے ہوئے تھا۔ بیڈ شیٹ جس پر اس کی تصاویر پرنٹ تھیں سلوٹوں زدہ تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے ہی پانی منہ میں انڈیلا ایسے کہ آدھا پانی اس کے اندر جا رہا تھا اور آدھا چھلکتے ہوئے اس کے ریشمی ہاف وائٹ نائٹ ڈریس کو بھگو رہا تھا۔ وہ جلدی سے چادر کو اپنے اوپر سے اتار کر باہر کی سمت لپکی۔ اس کا رخ انیشہ کے کمرے کی طرف تھا۔

ایک، دو، تین۔

تیسری دستک کے بعد بکھرے بالوں والی کا چہرہ دروازے کے اس پار سے نمودار ہوا۔

انیشہ نے نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا جو پچھلے ایک ماہ سے اسی وقت اس کے دروازے کے پار پائی جاتی تھی۔

"وہ پھر خواب میں آیا، نائٹ میئر نے ایک بار پھر مجھے ڈرا دیا ہے۔" انیشہ کے سر کے پیچھے سے گھڑی نظر آتی تھی۔ گول گھڑی بالکل سادہ تھی۔ رنگ شاکنگ پنک، اس کی سفید سوئیاں سوا تین کا وقت بتا رہی تھیں۔

"تم نے اس خواب کو کچھ زیادہ سر پر سوار کر لیا ہے اور کچھ نہیں۔" وہ ہاتھ سے جمائی روکنے کے دوران بولی تھی۔ ایلاف کی بٹنوں والی شرٹ آدھی ٹراوزر میں اڑسی تھی تو آدھی باہر تھی۔

"ایسا نہیں ہے کچھ تو ہے جو وہ مجھے۔۔۔ دکھائی دیتا ہے۔" اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ انیشہ کو اپنی جڑواں پر ترس آیا وہ ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں کھینچ لائی تھی۔

"کچھ نہیں ہے پاگل، اگر شراحیل کو پتا چل گیا نا تو وہ تم سے بہت خفا ہوگا۔" وہ اس کے منگیتر کی بابت بات کر رہی تھی۔ "کہ تم اس کے علاوہ کسی اور مرد کو خواب میں دیکھ رہی ہو۔ تم جانتی ہو نا کہ وہ کتنا پوزیسو ہے تمہیں لے کر۔" وہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی یہ الفاظ در و دیوار نے سنے تھے۔ رات بیت رہی تھی اور اس بیتی رات میں ایلاف کی نیند ایک بار پھر سے اڑ چکی تھی۔

ایک بار پھر سے۔

اکتیس دن آج مکمل ہوئے!

☆......☆......☆

ڈائننگ ٹیبل پر اس وقت چمچوں اور کانٹوں کا شور مچا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ سب کے ہاتھوں میں اپنی اپنی فساد کی جڑ تھی یعنی کہ موبائل فون، ممی اپنے فرینڈ گروپ میں

آج کے ناشتے کی تصاویر پوسٹ کر رہی تھیں تو انیشہ گڈ مارننگ کی سٹوری انسٹاگرام پر لگا رہی تھی۔ ثمر میچ کی اپ ڈیٹس لے رہا تھا تو ڈیڈی میلز چیک کرنے میں مصروف تھے۔ اس پوری تصویر میں ایک انسان تھی جس کے ہاتھ میں سیل فون تھا اور نہ ہی وہ منہ میں کچھ ڈال رہی تھی۔ اس کی غائب دماغی ابھی ابھی ڈائننگ ہال میں گڈ مارننگ کا نعرہ لگاتے شراحیل نے نوٹ کی تھی۔ سب نے اس کو مسکرا کر وش کیا اور اپنے اپنے سیل فونز رکھ دیے۔ ان کا کام ہو چکا تھا باقی کی اپ ڈیٹس انہوں نے ناشتے کے بعد لینی تھیں۔

''تم ٹھیک ہو ایلی؟ یقیناً نہیں۔'' وہ جو خاموشی سے کانٹے کو پلیٹ میں یہاں سے وہاں ہلا رہی تھی، شراحیل کی آواز پر چونکی، وہ یہاں کب آ کر بیٹھا اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔

''ہوں، ہاں نہیں میں، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ سب اسی کی جانب متوجہ تھے۔ وہ فضول میں ہی مسکرا دی۔ شراحیل نے روز کی طرح آگے جھک کر واز میں سے پھول نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ ثمر کی موجودگی میں یہ چیز اسے بری طرح خجل کرتی تھی۔ وہ اب بھی اس کے ہاتھ سے پھول پکڑتے ہوئے پھیکی سی ہو گئی۔

''اگر تم ٹھیک ہوتی تو تھینک یو بولتی۔ مطلب تمہارا دماغ حاضر نہیں ہے۔ چلو آؤ تم سے کچھ باتیں کروں۔'' وہ کھڑا ہو کر ہاتھ آگے بڑھا رہا تھا۔ ثمر نے اپنی بہن کے تاثرات نوٹ کیے۔ وہ لب کاٹتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''مگر تم کچھ کھا نہیں رہی۔'' اس کا انداز باز پرس سا تھا، اپنائیت بھری باز پرس، احساس میں ڈوبی اور متفکر سی باز پرس، سب کے لبوں پر مبہم سی مسکان آن دوڑی۔

''کھا لے گی تم بیٹھ جاؤ اور یہ بتاؤ کیس کیسے چل رہے ہیں تمہارے؟'' شراحیل نے ہاتھ

پیچھے کو کھینچا تھا۔ ثمر کی طرف مڑ کر مسکرا کر دیکھا اور کرسی پھر سے سنبھال لی۔

''اچھے چل رہے ہیں۔ ان فیکٹ آج تو کامیابی کا دن بھی ہے۔'' غفور صاحب ستائش بھری آواز میں بولے۔

''بھئی ایسی کون سی جیت ہے جو ہمارے شراحیل کو حاصل نہ ہو۔''

وہ ان کے بھائی کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا وہی بھائی جو ٹورنٹو میں بمعہ فیملی مقیم تھا۔ ان کا بھائی ایک بزنس مین تھا (ایک کرپٹ بزنس مین) اللہ نے انہیں تین بیٹے ہی عطا کیے تھے۔ شراحیل سے بڑے ان کے دونوں بیٹے ان کے ساتھ بزنس میں شامل تھے مگر شراحیل کو وکالت میں دلچسپی تھی اس لیے وہ ہاورڈ سے وکالت کی ڈگری لے کر پاکستان آ گیا تھا۔ اس نے ٹورنٹو کو پاکستان پر ترجیح اس لیے دی تھی کیونکہ یہاں وہ رہتی تھی جس سے اسے محبت تھی۔ ایلاف کو اس نے بہت آسانی سے حاصل کر لیا تھا، کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ڈائریکٹ اپنے چاچو سے ایلاف کو مانگا اور دونوں فیملیز نے بصد شوق اس رشتے کو قبول لیا۔ ایلاف کو بھی اس معاملے میں چنداں اعتراض نہ تھا۔ شراحیل اچھا تھا، گڈ لکنگ اور ویل مینرڈ انسان اسے اور کیا چاہیے تھا بھلا، سو اس نے اس کے نام کی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی۔ وہی انگوٹھی جسے انگوٹھے سے ہلاتے ہوئے وہ انڈے کے ٹکڑے کانٹے کے ذریعے منہ میں لے رہی تھی۔

''یہ تو آپ نے ٹھیک کہا، خوش قسمتی کا ہما ہر وقت میرے سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔'' اس کی نظریں بیساختہ ایلاف کی طرف اٹھیں۔ ''مگر میری جیت پر تاج تب سجے گا جب ایلی اپنے نیوز پیپر میں اسے فرنٹ پیج پر ٹاپ پر رکھے گی۔''

سب ہنس پڑے تھے۔ ایلاف نے نیپکن سے منہ تھپتھپایا اور کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

''میں چلتی ہوں۔'' کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ زرینہ نے گردن موڑ کر اسے وہاں

سے جاتے دیکھا تھا پھر وہ شراحیل کی آواز پر اس کی جانب متوجہ ہوئیں جو کہہ رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ایلی کو کوئی پرابلم ہے۔ اس کے ڈارک سرکل روز بہ روز بڑھتے جا رہے ہیں۔" انیشہ نے اس کی عمیق نگاہی پر پہلو بدلا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں رسٹ کلر کا چمچ کانٹا تھا جو وہ اب پلیٹ میں واپس رکھ رہی تھی۔ ویسے ہی کانٹے اور چمچ سب کے ہاتھوں میں بھی تھے۔

"ہوسکتا ہے کوئی کام کی پرابلم ہو، ویسے جو دن رات لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا رہتا ہے اس کے ڈارک سرکل ہونا معمولی بات ہے، سکرین چہرے کے ساتھ آنکھوں کی رونق کو بھی چھین لیتی ہے تم زیادہ پریشان نہ ہو۔" جواب دینے والی زرینہ تھیں، ایپل جوس کا سپ لیتے ہوئے وہ انہیں تسلی دے رہی تھیں۔ ان کے تسلی دینے پر انیشہ نے گہرا سانس لیا اور اٹھ کر جانے لگی۔

"امید کرتا ہوں ایسا ہی ہو، معاملہ کچھ اور نہ ہو۔" وہ ابھی ڈائننگ روم کے دروازے تک ہی پہنچی تھی جب اسے یہ آواز سنائی دی۔

"کم آن کول ڈاؤن، زیادہ حساس مت ہوا کرو۔" یہ ثمر تھا جو اس کی پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ انیشہ نے دروازے پر ہاتھ رکھا۔

"میں اس کے بارے میں حساس ہو جاتا ہوں، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے تم اچھے سے جانتے ہو۔"

اس نے دروازے سے ہاتھ کو پھسلا کر خود کو دائیں طرف موڑ لیا۔ آوازیں اب بند ہو چکی تھیں۔ اندر کیا بحث ہو رہی تھی اس سے وہ انجان تھی۔

☆......☆......☆

وہ اس وقت آفس میں تھی۔ اس کی انگلیاں تیزی سے لیپ ٹاپ کی کیز پر چل رہی تھیں۔ ایک سیاہ پیج کا عکس اس کی آنکھوں میں جھلملا رہا تھا جس پر چار حصوں میں لمبی لائنز کی صورت لفظ نیچے کی طرف حرکت کیے جا رہے تھے۔ وہ لفظ سبز رنگ کے تھے۔ گہرا نہ ہلکا درمیانے شیڈ کا سبز رنگ۔ اسے اس سبز رنگ کے لفظوں میں کچھ نظر آیا تھا تبھی وہ کرسی کھینچ کر آگے کو ہوئی۔ بڑا سارا چشمہ اس کی آنکھوں پر لگا ہوا تھا۔ شولڈر کٹ بالوں کی ہائی ٹیل پونی بندھی تھی جس کی چونچ اس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ اس کی گردن قدرے لمبی تھی۔ اس نے چند بٹن پش کر کے ان لفظوں میں سے روح کھینچی، وہ ساکن ہو چکے تھے۔ وہ ابھی تیر کے ذریعے اس حصے کو کاپی کر رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھول کر اس کا چیف اندر داخل ہوا۔

"ویلڈن ایلاف، تمہاری بنائی گئی کرائم رپورٹ نے تہلکہ مچا دیا ہے جس طرح تم نے۔"

وہ اس کی جانب اشارہ کر رہے تھے۔ ایلاف نے نامحسوس انداز میں لیپ ٹاپ کی سکرین کو گرایا اور کرسی کی بیک پر پشت کو ٹکائے انہیں دیکھنے لگی جو مزید کہہ رہے تھے۔ "اس مافیا گروپ کی دھجیاں بکھیری ہیں، ضرور حکومت تمہیں تمغہ امتیاز سے نوازے گی۔"

وہ ان کی بات پر مسکرا دی جسے بچوں کی بات پر مسکرایا جاتا ہے۔

"مجھے کوئی تمغہ نہیں چاہیے چیف، ان بچوں کی زندگی زیادہ اہم تھی جو سو کالڈ سائنٹسٹس کی لیب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں نے تو بس اپنا کام کیا ہے۔ امید ہے عدلیہ بھی اپنا کام بخوبی کرے گی اور ان درندوں کو پھانسی ضرور چڑھائے گی۔"

ڈائی بالوں اور قدرے موٹے پیٹ والا اس کا چیف سیاہ میز کی سطح پر ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا، ایک مجسٹریٹ کی بیٹی سے میں اسی طرح کی بہادری کی امید

رکھتا ہوں۔ تم مجھے کبھی مایوس نہیں کرتی ہو، کھانا کھانے چلیں آج؟“

اس نے زبردستی لبوں کو پھیلایا، سینے پر بازو باندھے وہ طنز بھرے لہجے میں ان سے کہہ رہی تھی۔

”میں ضرور چلتی آپ کے ساتھ مگر وہ کیا ہے نا شراحیل آنے والا ہے۔ اسے بالکل اچھا نہیں لگے گا اگر میں یہاں نہیں ہوں گی، آپ تو جانتے ہیں اس کی نیچر کو۔۔۔ جانتے ہیں نا؟“

اور وہ کیسے نہیں جان سکتا تھا۔ وہ شراحیل ہی تو تھا جس نے ایک بار اسے ایلاف کے ساتھ فلرٹ کرتے دیکھ لیا تھا۔ ایک گھونسا تو پڑا ہی تھا منہ پر، ساتھ میں کورٹ کا نوٹس بھی آ گیا تھا جسے اللہ اللہ کر کے اس نے ایلاف کی منتیں کروا کر ختم کروایا تھا۔ چیف نے جلدی سے گڑبڑا کر کوٹ کا کالر درست کیا اور گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔ تم مزے کرو۔“ وہ دروازہ کھول کر باہر گیا۔ اس کے جاتے ہی ایلاف نے گہرا سانس بھرا تھا۔

”ٹھرکی بڈھا۔“ عینک کو آنکھوں سے اتار کر وہ کلائی میں بندھی گھڑی کو دیکھ رہی تھی جس میں شراحیل کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ یہ گھڑی شراحیل نے اسے اس کی پچھلی سے پچھلی سالگرہ پر دی تھی۔ اس نے لیپ ٹاپ آن کیا۔ جیسے ہی سکرین پر نظر ڈالی اسے زور کا دھچکا لگا۔ سکرین بلینک تھی بالکل بلینک، اس نے جلدی سے کیز کو چھیڑا مگر بے سود۔ وہ چلی تھی اور نہ ہی انہیں چلنا تھا۔

”ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔“ وہ خود سے ہمکلام ہوئی۔ سیاہ سکرین پر سبز رنگ کے الفاظ ابھرنے لگے۔ وہ الفاظ جس نے ایلاف کو ششدر کر دیا تھا وہ یہ تھے۔

”اس دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے ڈیئر۔۔۔ ایلی۔“ وہ آواز نکالے بنا لفظوں کو آنکھوں

سے پڑھ رہی تھی۔اس کے لب نیم وا تھے اور آنکھیں سکرین پر مرکوز۔

''یہ نہیں ہوسکتا،تم مجھے کیسے سن سکتے ہو۔کون ہو تم؟''اس کی نظریں ابھی بھی سکرین پر ہی جمی تھیں جیسے اگر وہ انہیں ہٹائے گی تو پتھر کی بت بن جائے گی اور اسے فی الحال ایسا بننے کا بالکل شوق نہیں تھا۔

''ہاہاہا،ابھی سے جان جاؤ گی تو گیم کھیلنے کا مزہ کیسے آئے گا۔''ایک کے بعد دوسرا پیغام سکرین پر ابھرا تھا۔اوپر اس دنیا میں کچھ بھی ہوسکتا ہے والا میسج تھا اور نیچے ابھی کا آیا ہوا۔

''مجھے کوئی گیم نہیں کھیلنی۔''اس کی آواز قدرے کپکپا اٹھی تھی۔اس نے گلا کھنکار کر اسے درست کیا۔

''اچھا کیا ایسا ہے، پر ہم تو پچھلے ایک ماہ سے گیم کھیل رہے ہیں۔کیا نہیں کھیل رہے؟ بھول گئی کیا ہاں۔لڑکیاں جلد بھول جاتی ہیں ویسے تمہیں اپنے ایکسس کو اتنی دیر تک آن نہیں رکھنا چاہیے تھا۔اب دیکھو نا میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔''

وہ دوسروں کے ساتھ ایسا کرتی تھی اور آج خود اس کے ساتھ یہ سب ہو رہا تھا۔اس نے بے بسی سے پھر سے کیز کو چھیڑنا چاہا مگر ناکام گئی۔اس کا کمپیوٹر اب اس کا کہاں رہا تھا۔

''کون ہو تم؟''

''جان جاؤ گی تو کانپ جاؤ گی۔''سکرین میسجز سے بھرنے لگی تھی۔سیاہ سکرین، سبز حروف، چیلنجنگ آنکھیں، بے بسی کی انتہا۔

''کون ہو تم۔''اس بار وہ اونچی آواز سے بولی تھی۔میسج نہیں آیا۔کچھ توقف ہوا اور پھر لفظ ایک بار پھر سے ایسے سکرین پر ابھرنے لگے جیسے وہ خود سے ٹائپ کر رہی ہو،ایک ایک کر کے تھوڑے تھوڑے۔

”مجھے مجھ پر چیخنا بالکل پسند نہیں۔ جو مجھ پر چلاتا ہے میں اس کی آواز بند کر دیتا ہوں۔ میرے خیال سے تم اتنی جلدی اس دنیا سے نہیں جانا چاہو گی۔ ہے نا؟“

ایلاف نے مٹھیاں بھینچی تھیں۔ اس کی ناک کے نتھنے پھولنے، پچکنے لگے۔

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟“

”آف کورس۔ کتنی ذہین ہو تم۔“

دفعتاً دروازہ کھلا تھا۔ اس نے نظریں سکرین سے ہٹا لیں۔ وہ پتھر کا مجسمہ نہیں بنی تھی۔ قیاس آرائی کی۔ ایک بار پھر سے موت ہوئی۔ سوٹڈ بوٹڈ وجیہہ شراحیل دروازے کے فریم میں کھڑا مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

”یقیناً میں نے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا، چلیں لنچ پر۔“ دروازہ پورا کھلا تھا اور وہ اس کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ ایلاف نے سکرین پر ہلکی سی نگاہ ڈالی جہاں۔ ”او بوائے فرینڈ نائس، میرے ساتھ بھی چلو نا کسی دن ڈیٹ پر۔“ لکھا تھا۔ زہر خند انداز میں اس نے سکرین گرائی، لیپ ٹاپ بیگ میں رکھ کر زپ بند کی اور اسے ہاتھ میں تھامے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نہیں تم نے نہیں کیا، انفیکٹ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔“ وہ جانتی تھی اندر سکرین پر میسجز کی بھرمار ہو رہی ہو گی مگر اس وقت پرواہ کسے تھی۔ وہ مسکرا دی۔

”شکریہ آفٹر یو۔“ وہ اس سے آگے نکلی تو شراحیل اس کے آفس پر ایک نگاہ ڈال کر دروازہ بند کر گیا۔ وہ گاڑی کو ریورس کر رہا تھا جب بیک ویو مرر سے پیچھے دیکھتے ہوئے وہ ایلاف سے مخاطب ہوا۔

”ایک بات پوچھوں؟“

اس نے گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگا کر رخ مکمل طور پر شراحیل کی جانب کیا۔

"ہمم۔"

گاڑی اب روڈ پر ڈل چکی تھی شراحیل ایک ہاتھ سے سٹیرنگ کو تھامے اسے دیکھ کر بولا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" ایک نظر اس پر ڈال کر وہ واپس ونڈ وسکرین پر نگاہ گاڑ گیا۔ ایلاف نے سینے پر بازو باندھ رکھے تھے۔ پشت گاڑی کے دروازے سے ٹکی تھی اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھا رکھی تھی۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟"

شراحیل نے ایک طرف گاڑی روکی اور اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے اس کی طرف مڑا۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ تم جانتی ہونا تمہارا کچھ بھی مجھ سے چھپانا مجھ سے بالکل برداشت نہیں ہوتا۔" اس کے ہر انداز سے حاکمیت چھلکتی تھی جو ایلاف کو کبھی پسند نہیں تھی۔ دفعتاً اس کا موڈ بگڑا تھا۔

"اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟"

ایلاف نے چہرہ ونڈ سکرین کی طرف موڑا، گھنے درختوں کا سایہ اس پر پڑ رہا تھا۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ۔"

اس کی بات شراحیل نے درشتی سے درمیان میں کٹ کی۔

"تمہارا ذاتی مسئلہ؟ اور میں کہاں ہوں، تمہارا کچھ ذاتی نہیں رہا ہے مجھ سے کنیکٹ ہونے کے بعد۔ تم اپنی زندگی کے ایک ایک پل سے مجھے آگاہ کرو گی یہ تمہارا فرض بن چکا ہے۔" اس کی آواز غراہٹ بھری تھی جو اُن قدآور درختوں نے بھی سنی تھی۔ ایلی نے آنکھیں بند کر کے خود پر بند باندھا۔

"ہمارا نکاح نہیں ہوا ہے ابھی۔" وہ کنٹرولڈ انداز میں اسے باور کروا رہی تھی۔ ایش گرے

پینٹ کوٹ میں ملبوس جمے ہوئے بالوں والے لڑکے کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' وہ اس کے اس جملے سے حیران تھا۔ ''میں تو کب سے نکاح کے بارے میں بات کر رہا ہوں مگر تم ہی ٹال جاتی ہو، پتا نہیں تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر لیتی ہو۔''

ایلاف نے گہرا سانس بھرا۔

''شراجیل! انسان کا کچھ پرسنل بھی ہوتا ہے۔ تم سے انگیجڈ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ہر چھوٹی بڑی بات تمہیں بتاتی پھروں۔ فار گاڈ سیک ایسا نہیں کرو میرے ساتھ۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''یعنی تم مجھ سے چیزیں چھپاتی آئی ہو، مجھ سے جو تمہارے لیے کھلی کتاب ہے، تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔''

ایلاف نے نظر اس کی طرف کی، کھڑے نقوش والا وہ وجیہہ مرد واقعی اس کیلئے مخلص تھا۔ اسے اپنی غلطی پر پشیمان ہوا۔

''مجھے لگا تھا تمہارے ساتھ آؤں گی تو موڈ فریش ہو جائے گا مگر شاید میں غلط تھی، تم میری پریشانی کی وجہ جاننا چاہتے ہو حالانکہ تم اچھے سے جانتے ہو میں اپنی کرمنل رپورٹ کی وجہ سے تھوڑی سی پریشان ہوں مگر چونکہ تمہاری تسلی نہیں ہوتی اس لیے تم خود پتا کروا سکتے ہو۔ آئی نو تمہارے کافی سارے سورسز ہیں۔''

شراجیل کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

''تم مجھ سے کس طرح سے بات کر رہی ہو؟ یہ تم تو نہیں ہو ایلی۔''

ایلاف نے اس بات پر زور سے آنکھیں میچ کر چہرہ گاڑی کے دروازے کی سمت موڑ دیا۔

یہ اس کا خفا ہونے کا انداز تھا جو بچپن سے لے کر اب تک اس کے ساتھ تھا۔ شراحیل ایک بار پھر حیران ہوا، ماتھے پر بل پڑے اور رخ ونڈ سکرین کی طرف مرکوز کر لیا۔

''فائن۔'' دبی دبی سی آواز۔

''فائن ایلی، فائن۔'' اس نے گاڑی کو حرکت دی تھی۔ وہ دھول مٹی اڑاتا اسے آگے لے گیا۔ اچھے سے جانتا تھا اب چاہے سر پھوڑ لو اس نے کوئی جواب نہیں دینا ہے۔ یہ اس کی شروع سے عادت تھی۔

☆......☆......☆

کھلبلی کا سا سماں تھا۔ قدم برق رفتاری سے یہاں سے وہاں دوڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سب کے بوٹ ایک ہی کے رنگ تھے اور وہ تھا چمچماتا سیاہ رنگ، بس فرق تھا تو برینڈ کا، قیمت کا اور پالش کا جو اُن بوٹوں پر اپنی تہہ جمائے ہوئے تھی۔ بے عیب سفید ماربل کا فرق ان سیاہ بوٹوں میں مقید شخص کے چہروں کو اپنی مرمریں سطح پر منقش کر رہا تھا۔ ہاں بس فرق یہ تھا کہ فرش ان کی آواز کو نہیں سن سکتا تھا مگر درو دیوار تو سن سکتے تھے نا۔

''اس کے پاس پورے بیس ہوسٹیج ہیں۔'' فرش پر نظر آتے چہروں میں سے ایک بول رہا تھا۔ اس کے لب واضح ہلتے ہوئے دکھائی پڑتے تھے۔

''چھ عورتیں، چار بچے اور دس مرد۔''

وہ جسے بتا رہا تھا اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے متفکر لہجے میں دریافت کیا۔

''مرد دس کیوں؟ کون کون ہے اس میں؟'' فرش سے بوٹ اور بوٹوں سے چہروں کی طرف نگاہ پڑی، ایک ستائیس کی عمر کو چھوتا لڑکا تھا تو دوسرا چالیس کی عمر میں پایا جاتا تھا۔ لڑکا سانولا اور پرکشش تھا جبکہ مرد پھیکا شلجم اور سپاٹ تھا۔

''افسوس کے ساتھ، ایک سپریم کورٹ کے جج کا بیٹا ہے۔'' وہ ساتھ ہی رکھے کمپیوٹر کی مرر سکرین پر انگلی پھیرتے ہوئے انفارم کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ نام لے رہا تھا ویسے ویسے چہرے سلائیڈ ہو کر سامنے آتے جا رہے تھے۔

''شوگر ملک کے آنر کا بھتیجا، سابقہ وزیر اعظم کا بھائی اور ایک کور کمانڈر کا بیٹا ہے۔ باقی سب عام انسان ہیں سوائے ایک کے۔'' وہ بیتاب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے کہ کیوں اس نے بتانے میں وقفہ لیا وہ عجلت میں دریافت کر رہے تھے۔

''وہ کون ہے بھلا؟'' گہرا سانس لیتے ہوئے لڑکے کے منہ سے الفاظ برآمد ہوئے۔ مانو اس صدی کے آخری الفاظ ہوں۔

''روس کا سفیر'' اس نے بم چھوڑا تھا۔ وہ بے ساختہ میز پر ہاتھ ٹکا گئے۔ ثمر کے ان لفظوں نے انہیں شدید دھچکا پہنچایا تھا۔

''اس نے اپنی مانگیں بتائیں'' بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئے تھے۔ ثمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اسے سپریم کورٹ کے جج، شوگر ملک کے آنر اور سابقہ وزیر اعظم کی گردن چاہیے۔ اسی صورت میں وہ سب کو زندہ چھوڑے گا۔''

گہرا سکوت لمحے بھر کو وہاں پھیل گیا جیسے دوڑتے بوٹوں کی آواز تھم گئی ہو مگر وہ نہیں تھمی تھی۔ شور ویسے ہی تھا بس پریشانی کی انتہا تھی جس نے ڈپٹی کمشنر کے اعصابوں کو چیخ دیا تھا۔

''اور روسی سفیر کا کیا چکر ہے۔'' ثمر نے یونیفارم کی جیب میں ہاتھ ڈالے مرر سکرین پر چلتی سلائیڈز ایک تصویر پر آ کر رکی تھیں فربہی مائل پنسل مونچھوں والے پھیکے سے روسی سفیر پر، ثمر نے ڈپٹی کمشنر کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور پھر پرسکون انداز میں گویا ہوا۔

”انڈر پریشر، وہ اس کے تھرو ہمیں ٹف ٹائم دینا چاہتا ہے۔ عالمی دنیا میں کہرام لانا چاہتا ہے۔“ اس بات پر انہوں نے تلخی سے سر جھٹکا۔

”اب بھی کوئی کہرام بچتا ہے کیا؟ اسے چھوڑیں گے نہیں ہم، نام کیا ہے اس کا۔“

ثمر کی گھڑی میں الارم بج چکا تھا یہ الارم ریڈ کی طرف اشارہ دے رہا تھا۔ اسے فوراً سے پیشتر اپنی ٹیم کے پاس پہنچنا تھا۔

”زمین زاد!“ اس نے دو لفظ منہ سے نکالے تھے۔ اس کے بعد وہ انہیں سیلوٹ مارتا ہوا عجلت میں وہاں سے نکل پڑا۔ اس الارم کا مطلب وہ بھی بخوبی جانتے تھے اس لیے اسے نہیں روکا۔

”زمین زاد کو قبر زاد نہ بنا دیا تو میرا نام بھی ڈپٹی کمشنر یاور نہیں۔“

اور وہ زمین زاد جس کی وجہ سے پورے پولیس ڈپارٹمنٹ اور سپیشل فورس میں تہلکہ مچ چکا تھا اس کی کال ایلاف کے کمپیوٹر پر آ رہی تھی۔ یہ اس کا سٹڈی روم تھا جو کسی لڑکی کا کمرہ کم ایک ہیکر کا اڈا زیادہ لگتا تھا۔ کمرے میں ایک بیڈ اور صوفہ تھا۔ ایک دیوار پر سنگھار میز کے ساتھ کپڑوں کا سٹینڈ بھی رکھا ہوا تھا جس پر اس کے کپڑے لٹک رہے تھے جبکہ دوسری دیوار جو بیڈ کراؤن کو سہارا دیے ہوئے تھی وہ خالی تھی اور اس کے عین سامنے بنی دیوار پر ڈھیر سارے کاغذوں کے ٹکڑے، چٹس، تصاویر اور رپورٹس لگی ہوئی تھیں۔ وہ دیوار ردی کی دکان لگتی تھی دیکھنے والوں کو جبکہ سمجھنے والوں کیلئے وہ ایک خزانہ تھا ریسرچ کا خزانہ۔

اس نے گہرا سانس بھر کر ہیڈ فونز کو کانوں سے لگایا۔ اس کے کمرے کی ایک دیوار جو بچی تھی وہ اس کے کمپیوٹرز کی جگہ تھی۔ رائٹنگ ٹیبل پر تین کمپیوٹر لائن قطار میں رکھے تھے جبکہ باقی کے دو سٹینڈ کے ساتھ دیوار پر موجود تھے۔ تین دیوار گیر ایل ای ڈیز بھی تھیں اور ایک لیپ ٹاپ جسے چارج کرتے ہی اس کا لیپ ٹاپ جی اٹھا، جی اٹھنے کے بعد کال موصول کرنے لگا۔

زمین زاد کی کال!

"تم نے مجھے اکتیس دن پریشان کیے رکھا، معلوم نہیں تھا کہ حقیقت بن کر سامنے آؤ گے۔"

سبز بٹن پش کر کے وہ چھوٹتے ہی بولی تھی۔ اس کی بات کے اختتام پر ایک بھاری مردانہ قہقہہ ابھرا، اس کے بعد گلا کھنکارنے کی آواز آئی تھی۔

"مجھے لگا تم مسلمان ہو سلام تو کرو گی ہی مگر تم نے تو شکایتی بیویوں کی طرح شکوے کرنا شروع کر دیے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کی آواز سن رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے نہیں تھے۔ سیاہ سکرین پر زمین زاد کی ڈی پی نظر آ رہی تھی۔ ڈی پی ایک کیکٹس کے پودے کی تھی جبکہ ایلاف کی ہمنگ برڈ، ہیکنگ کی دنیا میں اس کا نام بھی تو یہی تھا۔۔۔ ہمنگ برڈ!

"ویسے میری عادت ہے پریشان کرنے کی مجبوری ہے، اب تو لمبے عرصے کیلئے پریشان ہونے کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

ایلاف نے نچلہ لب تر کیا۔ ہیکرز کیلئے اس طرح کی سچویشنز معمولی ہوتی تھیں۔ اس نے ایسے کئی کیسز تنہا ڈیل کیے تھے مگر اس بار جو تھا وہ کوئی عام نہیں تھا۔ اس کی آواز اس کا انداز ایلاف کو کہہ رہا تھا کہ وہ چوکنا ہو جائے کیونکہ اس بار پالا کسی تگڑے سے پڑا ہے۔

"کون ہو تم؟" اس کی محظوظ مسکراہٹ کی آواز ہیڈ فونز میں سے با آسانی اس تک پہنچ گئی۔

وہ دل کو ڈھارس بندھا رہی تھی کہ سب ٹھیک ہے مگر سب ٹھیک نہیں تھا یہ دماغ اسے بتا چکا تھا۔

"بتایا تو تھا۔" ایک ادا سے کہا گیا، ساتھ میں ایک آواز بھی ابھر رہی تھی جیسے وہ شرٹ کے بازوؤں کو کھینچ کر کہنی تک لا رہا ہو۔

"زمین زاد ہوں میں بھول گئی۔۔۔ یو بھلکڑ۔"

ایلاف زچ ہوئی، اسے یکدم لگا جیسے سب کچھ بہت بور چل رہا ہو۔ سب ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا جیسا ہو رہا ہے بالکل بھی نہیں۔

”مجھ سے کیا چاہتے ہو تم اور مجھے ڈھونڈا کیسے؟“

وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔

”میں نے تھوڑی تمہیں ڈھونڈا ہے وہ تم ہو جس نے مجھے تلاشا تھا یونو۔“ وہ لمحے بھر کو رکا پھر توقف کے بعد بولا۔ ”مجھے تم سے کیا چاہیے؟“

ایلاف کے کان کیا پورا بدن سماعت بن گیا۔

”مجھے تم سے آں چھوڑو بھی تم شرما جاؤ گی۔“

ایلاف نے ہیڈ فونز اتار کر میز پر پٹخے، کڑوے منہ کے ساتھ اس کے لبوں پر بہت بری گالی نے دم توڑا تھا۔ کال ڈسکنیکٹ کر کے وہ خود سے کہہ رہی تھی۔

”سارے مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں فلرٹی۔“

وہ انیشہ کے کمرے میں آئی جو بیڈ پر الٹی لیٹی ہوئی ٹیب پر موی دیکھنے میں مگن تھی۔ اس کے سامنے بٹر پاپ کارن کا باؤل رکھا تھا جس میں سے ایک ایک کر کے وہ منہ میں ڈال رہی تھی۔ کھٹکے کی آواز پر مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بارہ بجے تھے۔ انیشہ نے فلم کو پاؤس کیا اور سیدھے ہوتے ہوئے بولی۔

”کیا پھر سے زمین زاد کا دورہ پڑا ہے تمہیں مگر ابھی کیسے ممکن ہے۔“ اس نے گھڑی کی اور نگاہ ڈالی اور پھر واپس اپنی جڑواں کو دیکھنے لگی۔ ”ابھی تو شام کے پانچ بج رہے ہیں۔“

”اس نے کال کی تھی۔“

انیشہ سمجھ نہیں پائی۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”کس کی بات کر رہی ہو؟“

ایلی چلتے ہوئے اس کے پاس آئی، بیڈ کی پائنتی پر ٹکی اور اس کی طرف چہرہ کر کے بولی۔

”زمین زاد کی۔“

انیشہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا، باہر بجلی کڑکنے کی آواز سنائی دی تھی۔ صد شکر کہ محکمہ موسمیات کی پیشین گوئی سچ ہوئی ورنہ گرمی نے ان کا تندوری چکن تو ضرور بنا دینا تھا۔

”یعنی تم کہہ رہی ہو خوابوں والا بندہ حقیقت میں تمہارے سامنے آن کھڑا ہوا ہے۔ کم آن، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کام کو کچھ زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا ہے تم نے۔“

ایک وہی تو واحد گواہ تھی جو اس کی ہیکنگ کے شوق کے بارے میں جانتی تھی۔ باقی سارے تو یہی سمجھتے تھے کہ اس نے اتنے سارے کمپیوٹرز اپنی رپورٹنگ سکلز کو بہتر کرنے اور ریسرچ ورک کیلئے رکھے ہوئے ہیں۔

”ایسا ہی ہوا ہے، اس نے کہا ہے میں نے اسے تلاشا ہے اس نے مجھے نہیں، یعنی مجھ سے کہیں کوئی بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ میں پھنس گئی ہوں انیشہ، پھنس گئی ہوں۔“

انیشہ کئی سیکنڈز اس کی بات سن کر سناٹے میں رہ گئی۔ وہ اس کی لاڈلی بہن تھی۔ اس کی جڑواں، ہم راز اور ہم دم، اس کی تھوڑی تھوڑی جھلک دینے والی، دومنٹ چھوٹی مگر رعب جھاڑنے والی، ذہین اور نڈر۔

بچپن سے ہی اسے کچھ نیا کرنے کا شوق تھا۔ وہ دنیا کو فتح کرنا چاہتی تھی۔ عام زندگی اور عام موت سے اسے سخت چڑ تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ مرے تو لوگ اسے صدیوں یاد رکھیں۔ زندہ رہے تو ہر کوئی اس کا نام لے۔ اسے کاہلی، سستی اور وقت کی بربادی سے نفرت تھی۔ ذہین اتنی تھی کہ ٹاپ کرتی تھی پڑھائی میں نہیں دیگر ایکٹوٹیز میں۔

ہیکنگ کا بخار اسے چودہ سال کی عمر میں چڑھا تھا جب اس کی جان سے عزیز بہن کی اس کے کلاس فیلو نے تصاویر لیک کر دی تھیں۔ کیپشن ''مائی فرسٹ لوانیش'' تھا جس پر سب آتے جاتے ہوٹنگ کرنے لگے تھے۔ وہ دونوں بہنیں اس وقت نیویارک کے بورڈنگ میں ہوتی تھیں۔ انہیں ٹیب رکھنے کی اجازت تھی۔ ایلاف نے اس ٹیب کو ہی اپنا ہتھیار بنایا اور وہ کر دکھایا جو کبھی بھی روتی بسورتی انیشہ نہیں کر سکتی تھی۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو؟''

وہ رات کا وقت تھا جب نیویارک کی سردیوں سے گھبرا کر نہیں بلکہ بورڈنگ کی سڑی بسی پہرے دار سے چھپ کر کمبل میں منہ دیے ایلاف اپنے ٹیب میں مگن تھی۔

''میں اس ڈچ لڑکے کو دن میں تارے دکھانے کا انتظام کر رہی ہوں۔'' بات کرتے کرتے اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔ دو ماہ کی ریاضت گویا وصول ہو گئی۔

''مطلب کیا کرنے والی ہو؟'' وہ سرگوشی میں بولی تھی تا کہ نیچے بیڈ پر لیٹیں دو روسی لڑکیاں ان کی پھسپھساہٹ سے اٹھ نہ جائیں۔

''لیس، لیس، لیس۔'' اس کا لیس بھی سرگوشی نما لیکن جوش سے لبریز تھا۔ ''یہ دیکھو۔''

یہ اس ڈچ لڑکے کی فیس بک اور واٹس ایپ آئی ڈی تھی جو اب ایلاف کے کنٹرول میں تھی۔ انیشہ یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کی آئی ڈی سے اب انیشہ کی تصاویر غائب تھیں۔ واٹس ایپ کا اباؤٹ بھی چینج تھا اور دونوں کی ڈی پیز ایک ہی لگی گئی تھی جس میں وہ ڈچ لڑکا میک اپ کیے لڑکیوں کے لباس میں موجود تھا۔ اس کی تصویر کی تبدیلی کا سہرا بھی ایلاف کو ہی جاتا تھا۔ واٹس ایپ کے اباؤٹ میں اور فیس کے اباؤٹ میں دونوں میں ہی ایک کیپشن تھا اور وہ یہ تھا۔

"میں کراس جینڈر ہوں۔ میل فی میل دونوں میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ آپ مجھے کال کر کے ڈیٹ فکس کر سکتے ہیں۔" ساتھ ہی اس کا سیل فون نمبر بھی تھا۔ اگلے ڈیڑھ سال تک وہ ڈچ لڑکا بڑی بری طرح ذلیل ہوا تھا۔ اس نے کسی بھی لڑکی کو تنگ کرنے سے کانوں کو ہاتھ لگا لیا تھا۔ یہ ایلاف کی شروعات تھی پھر وہ ماہر سے ماہر ترین ہوتی گئی۔ بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتے ہوئے اس نے کئی سرکاری آئی ڈیز اور نیوز چینلز کی سٹریمنگ ہیک کی تھیں۔ بیشمار پوشیدہ ڈاکومنٹس تھے جن کی کاپی فائلز اس کے پاس محفوظ تھیں۔ اس کی آئی ڈی کا نام 'ہمنگ برڈ" تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ میل ہے یا فی میل لیکن جب اسے کمپیوٹر پر کوئی کال موصول ہوتی تھی تو وہ وائس چینجر ایکٹویٹ کر دیا کرتی تھی۔ یوں کال کرنے والا سمجھتا تھا وہ آدمی ہے۔ اس کی انفارمیشنز لیک کرنے والی دھمکیوں اور لب و لہجے سے گھبرا کر اسے دوبارہ کال نہیں کی جاتی تھی۔ سب سمجھتے تھے کہ وہ ایک فارنر ہے جبکہ وہ پاکستانی تھی۔ اسلام آباد کے سیکٹر نمبر چار کے ایک گھر میں بیٹھی ستائیس سالہ لڑکی غیر ملک کے لوگوں کو بھی ٹف ٹائم دے رہی تھی مگر وہ بھی اس تک نہیں پہنچ سکے تھے تو پھر یہ کون تھا جو کہتا تھا کہ وہ اس تک پہنچی ہے۔ یہ کون تھا جو اسے اس کے حقیقی نام سے پہچانتا تھا آخر کون۔

"کیا وہ ہمنگ برڈ کو جانتا ہے؟"

اس نے سر کو نیچے کر کے نفی میں ہلایا۔ ایلاف کی اگلی بات نے گویا انیشہ کے سر سے چھت کھینچ لی۔

"وہ ایلاف کو جانتا ہے اس نے مجھے ایلی بھی کہا ہے۔"

ڈر، خوف، پریشانی کیا کچھ نہیں تھا انیشہ کے چہرے پر۔ وہ سمجھ نہیں پائی کیا جواب دے۔ کس طرح کاری ایکشن پیش کرے۔ وہ ماؤف ہو گئی تھی بالکل سن۔

”تم فکر نہ کرو، اس کی کوئی نہ کوئی مانگ ضرور ہوگی میں سب فکس کر دوں گی۔“

انیشہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”تم کچھ عرصے کیلئے اپنے کمپیوٹرز آف کر دو۔“ اس نے انیشہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”نہیں، میں اپنا خوف اس پر ظاہر نہیں کروں گی۔ یوں وہ اور کانفیڈنٹ ہو جائے گا۔“ وہ اسے کہہ کر ایک ماہ پہلے کو یاد کر رہی تھی جب اس نے وہ سب کیا تھا جو شاید کوئی بھی کرنے کو نہ سوچے۔ یہی وجہ ہوگی جو وہ انسان اس کے پیچھے پڑا تھا۔ اس نے ایک ماہ پہلے کیا، کیا تھا بھلا؟

☆......☆......☆

ایک ماہ پہلے۔

”استغفراللہ۔“ تپتی دھوپ میں وہ نیوز رپورٹر اور کیمرہ مین کے ساتھ ایک مزار کے باہر کھڑی تھی جہاں ایک لمبی لائن صحن کے احاطے سے لے کر ہال تک جاتی تھی۔ وہ لوگ یہاں زیارت کرنے آئے ہوئے تھے۔ کوئی کنارے پر رکھے چراغوں میں تیل ڈال کر مانگ میں بھر رہا تھا تو کوئی درختوں پر رنگ برنگے دھاگے باندھ کر بالکل زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کر کے اپنی مراد پوری ہونے کی اپیل کر رہا تھا۔ کس سے کر رہا تھا بھلا؟ جی ہاں ایک بلند قامت بوڑھے درخت کو وسیلہ بنایا جا رہا تھا۔ اس درخت کو وسیلہ بنا رہے تھے جو خود کسی کے حکم کی بدولت آج تک جاویدہ تھا۔ اس ہستی کی جس کا نعم البدل کوئی نہیں ہے جو خالق حقیقی ہے جس کے قبضے میں کل کائنات ہے۔ اس نے تو جس کے لیے دنیا بنائی اسے وسیلہ نہیں ٹھہرایا تو یہ درخت کس کھیت کی مولی تھے۔ ایلاف ان جاہلانہ رسومات کو دیکھ کر رپورٹرز سے بولی۔

"فاریہ، آپ لوگ ریکارڈنگ کریں میں ذرا ایک چکر لگا آؤں۔"

اس کے ہاتھ میں اس کا ڈی ایس ایل آر تھا۔ وہ آن سکرین رپورٹر نہیں تھی ہاں آف سکرین اسے ہر کوئی جانتا تھا۔ خبریں ڈھونڈنا، معلومات اکٹھی کرنا اور انہیں ایلی کے نام سے نیوز اور اخبار میں چھپوانا یہ اس کا کام تھا۔ عوام میں سے کوئی نہیں جانتا تھا ایلی کون ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ وہ کام کرتی تھی۔ وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے گلے میں لٹکتے کیمرے سے تصویر اتار لیتی۔ ابھی بھی وہ ایک چاکلیٹ براؤن رنگ کے بچے کی تصویر اتار رہی تھی جس کے سر پر بال بہت تھوڑے تھے، گلے میں موٹا تعویز لٹک رہا تھا اور کپڑے بوسیدہ تھے۔ وہ تقریباً چھ برس کا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے وہ اس کے پاس آکر رکا۔ ایلاف نے اس کی ایک تصویر لی اور مسکرا کر پوچھنے لگی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

دفعتاً ایک آدمی بچے کے عقب میں نمودار ہوا، سورج سر پر تھا اور سائے چھوٹے تھے۔ ایلاف نے سائے پر سے نظر ہٹا کر اوپر دیکھا۔ کندھے پر چیک دار صافہ ڈالے سرمہ سے بھرپور آنکھوں والا آدمی کہہ رہا تھا۔

"بلو ہے یہ میم صاب، میرا سپوت۔" بات کے اختتام پر وہ بچے کو اٹھا رہا تھا۔ بچہ اس آدمی کے لمس سے پھوٹ کر رو دیا۔ ایلاف نے غور کیا، اس آدمی کی شکل اور بچے کی شکل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں تک کہ رنگ بھی میچ نہیں کرتا تھا۔ آدمی گندمی رنگت کا حامل تھا جبکہ بچہ کچھ زیادہ ہی چاکلیٹی رنگ کا تھا۔ آدمی موٹے نقوش کا حامل تھا جبکہ بچے کے نقوش بھینچے بھینچے سے تھے۔ اس کے دماغ میں الارم بجا، بچے تو باپ کے لمس سے کلکاریاں مارنا شروع ہو جاتے ہیں تو یہ کیسا باپ تھا جس کے چھوتے ہی وہ بچہ بلک اٹھا تھا۔

"تمہارا بیٹا؟" اس نے مشکوک پنے سے اسے گھورا۔

"جی میم صاب، یہ میرا ہی بچہ ہے۔ ابھی کٹ کھا کر آیا ہے اس لیے مجھ سے گھبرا رہا ہے۔"

ایلاف نے بازو سینے پر باندھے۔ اس کی گردن کو چھوتی پونی دھوپ کی تمازت سے ڈارک براؤن رنگ کی شیڈ چھلکا رہی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے یہ تمہارا بیٹا ہے؟" اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ بندہ گھبرا گیا پھر جھٹ پٹ بولا جیسے منجھے ہوئے جھوٹے بولتے ہیں۔

"آہو جی، میں کیوں جھوٹ بولوں گا، یہ میرا ہی پتر ہے۔"

ایلاف آنکھیں چندھی کر کے چند قدم آگے آئی، کان میں لگے بلوٹوتھ کو ایسے ہی چھیڑا۔ چھیڑنے کے بعد بولی۔

"سکاڈ، بندہ پکڑا گیا ہے، میرے سامنے ہی کھڑا ہے فوراً اندر آؤ۔"

اور وہ بندہ جو بچے کو گود میں پکڑے ہوئے تھا شش و پنج میں مبتلا اسے دیکھے گیا جو مزید کہہ رہی تھی۔

"ہاں اغوا کار کی ہی بات کر رہی ہوں۔"

یہ بات سن کر اس آدمی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بچے کو گود سے اتارتے ہوئے وہ پسینے میں شرابور ہوتا بولا۔

"او میم صاب، یہ کس قسم کا الزام لگا رہی ہو مجھ پر۔ میں کوئی اغوا کار نہیں ہوں۔"

اب یہ پسینہ گرمی کے سبب تھا یا ڈر کے، اللہ ہی بہتر جانتا تھا اور جس انداز میں اس نے بچے کو پنچا تھا صاف معلوم ہوتا تھا یہ اس کا اپنا بچہ نہیں ہے۔ کوئی بھی باپ اپنے بچے کو اس طرح

سے ٹریٹ نہیں کرتا۔

''اچھا تو پھر کیا ہو تم؟''

کوئی سکاؤنہیں تھا، کوئی کال نہیں گئی تھی مگر اس کا کانفیڈنس کمال کا تھا۔ ایک یہ اعتماد ہی تو ہوتا ہے جو سامنے والے کو چاروں شانے چت کر دیتا ہے۔ اگر اس اعتماد کو خود میں بحال کرنے کی صلاحیت آپ میں ہو تو، ورنہ تو ذرا سی بھی کوتاہی مشکل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

''میں وہ۔'' اس نے آس پاس دیکھا۔ لوگوں کا جم غفیر یہاں سے وہاں منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''وہ میں۔'' اور پھر یک لخت ہی اس نے دوڑ لگا دی تھی۔ ایلاف یہی تو چاہتی تھی کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے اور وہ بھاگ گیا تھا۔ اس کا پلان کامیاب گیا تھا۔ کسی کا بھی پلان کامیاب ہو سکتا ہے اگر اس کیلئے بہتر حکمت عملی اختیار کی جائے تو ورنہ کوشش کیے بنا ناکامیوں کا رونا تو ہر کوئی روتا ہے اور بلیم قسمت کو کرتا ہے۔ ایسے لوگ بیکار ہوتے ہیں بالکل بیکار، کم از کم میری نظروں میں تو ضرور، آپ کی ہوں یا نہ ہوں۔

اس آدمی کا کچا چٹھا کھولنے کیلئے اس کی تصویر کیمرے میں محفوظ تھی۔ وہ سہمے ہوئی بچے کی طرف بڑھی، پنجوں کے بل نیچے بیٹھی اور اس کے آنسوؤں اور پسینے سے بھرے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ کا نام کیا ہے بیٹا؟'' اس کے ہاتھ کی ہتھیلی اور انگلیوں کے پورے نم ہو گئے تھے۔

''شبیر۔'' وہ توتلی زبان میں بولا تھا۔ ایلاف مسکرا دی۔ ان دونوں کے پاس سے ایک دھونی والا بابا گزرا تھا۔ موٹی لکڑی کی مالائیں گلے میں ڈالے، سبز چوغہ اور کھچڑی بالوں و داڑھی والا وہ بابا ان دونوں کے اوپر بھی دھوئیں کے بادل لہرا کر آگے چلا گیا۔ اس کے پاؤں پھٹے ہوئے اور جوتوں سے عاری تھے۔ چوغہ قدرے چھوٹا تھا تبھی پاؤں میں پہنے چاندی کے

کڑے نظر آرہے تھے۔

''شبیر، آپ کی امی کہاں ہیں؟''

وہ بچہ مڑا، دھونی والے بابا نے ایک نظر ان دونوں پر ڈالی اور اپنا کام کرتا آگے بڑھ گیا۔

''وہ اندر تھیں۔''

اس کے ہاتھ کے اشارے پر اس نے سر اٹھا کر اس کی سائیڈ سے دیکھا اور پھر اسے گود میں اٹھا کر اندر بڑھ گئی۔ تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد اس بچے کی ماں اسے مل گئی تھی۔ روتی بلکتی ماں کو سخت جھاڑ پلا کر وہ باہر آئی تھی وہاں جہاں اس کا کریو اپنا کام ختم کر چکا تھا۔

''تم کہاں تھی ایلاف؟'' پوچھنے والا کیمرہ مین تھا وائپس سے ہاتھوں کو صاف کرنے کے بعد وہ سینی ٹائزر لگا رہی تھی لگانے کے دوران ہی جواب دیا۔

''سٹوری ڈھونڈنے گئی تھی اور وہ مل بھی گئی۔''

وہ تینوں مسکراتے ہوئے باہر کی اور چل دیے تھے۔ اس بات سے انجان کہ کوئی بڑی عمیق نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی ان کا دشمن بن چکا ہے۔

☆......☆......☆

شراحیل خوشی سے مغلوب چہرے کے ساتھ اپنے کوٹ کے سامنے کا بٹن کھولتے ہوئے ٹیرس پر آیا جہاں ایلاف کتاب کی ورق گردانی کے ساتھ ساتھ موسم اور کافی سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ بوتل سے نکلے جن کی طرح اس کے سامنے آن کر بیٹھ گیا۔ ایلاف تھوڑی سی چونکی اور پھر مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ایک خوشی کی خبر ہے۔'' اس کی آواز بھی کھنکھناتی سی تھی۔ وجیہہ سادہ مرد کرسی کو آگے کھینچ کر گھٹنوں پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ ایلاف نے ٹانگ پر سے ٹانگ اتاری۔

”کس قسم کی خبر؟“ اسے بھی اشتیاق ہوا، ہوائیں چل رہی تھیں۔ سورج بس غروب ہوا ہی چاہتا تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی سرخ سی کرنیں دونوں کے وجود پر سپاٹ لائٹس کی طرح پڑ رہی تھیں۔ آسمان پر کہیں کہیں بنفشی بادلوں کے ٹکڑے بھی سیر کو نکلے ہوئے تھے۔ نیچے لان میں امرود کے درخت پر بیٹھی کوئل راگ الاپنے میں مصروف تھی۔ اس کی آواز ان دونوں تک آ رہی تھی۔

”تمہارا ویزہ اپروو ہو چکا ہے۔ ہم کل شام کو فلائے کر جائیں گے۔“

وہ دھک سے رہ گئی، تحیر ملے تاثرات کے ساتھ سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس شراحیل کو دیکھنے لگی تھی، دیکھنے کے بعد پوچھ رہی تھی۔

”میرا ویزہ، میں کہاں جا رہی ہوں؟“

کوئل کی کوک جو اس پر اچھا اثر ڈال رہی تھی اب سماعت پر گراں گزرنے لگی تھی جبکہ شراحیل تو اس شریر موسم اور ان قدرتی گیتوں کا اسیر ہوتے ہوئے حلاوٹ بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

”تم اور میں چھٹیوں پر جا رہے ہیں پیرس، پچھلے سال بتایا تو تھا کہ میں جونہی فری ہوں گا تمہیں اپنے ساتھ گھمانے لے جاؤں گا اور یہ تمہاری سالگرہ کا گفٹ ہے۔ میں نے کہا تھا نا میرا تحفہ سب سے اچھا ہوگا۔“

وہ خوش تھا مگر ایلاف خوش نہیں تھی۔ وہ لبرل تھا مگر ایلاف نہیں تھی۔ اسے لگتا تھا منگنی ہوگئی ہے تو وہ شرعی طور پر اس کی ہوگئی ہے مگر ایلاف ایسا نہیں سوچتی تھی۔ اسے برا لگا بہت بہت زیادہ برا، کتنا اچھا ہوتا جو اس کی سالگرہ نہیں آتی۔ کتنا اچھا ہوتا اگر تیس ستمبر نہ آتا، کتنا اچھا ہوتا ناں!

”ہمارے ساتھ کون کون جائے گا؟“ وہ جانتی تھی کوئی نہیں جائے گا مگر پھر بھی یہ سوال

داغ دیا، اس سوال نے شراحیل کی خوشی پر داغ ضرور لگایا تھا۔ سورج کی سرخ مدھم پڑتی روشنی میں اسے سامنے بیٹھے اپنے منگیتر کے چہرے کی خوشی بھی مدھم پڑتی دکھائی دی تھی۔

"یہ سوال بہت بے تکا ہے۔ ہم دونوں میں کسی دوسرے کا کیا کام؟" خوشی کے ساتھ آواز کی لوچ بھی مدھم پڑ گئی، خفا انداز، خفا انداز بیاں۔

"پر ہم دونوں اکیلے کیسے جا سکتے ہیں۔ ہم میرڈ نہیں ہیں اور میرا ایک بھائی ہے۔ میں، میں ڈیڈ کو کیا کہوں گی؟"

شراحیل کے تو مانو اس کی بات سے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ وہ چونک کر گھٹنوں پر سے ہاتھ ہٹا گیا۔ آنکھوں میں حیرتوں کا جہاں اکٹھا کیے اس سے دست سوال ہوا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو ایلاف؟ وہ جس کے پاس باہر کی ڈگری موجود ہے۔ تمہاری سوچ کیسی ہوتی جا رہی ہے۔ تم مجھے ڈرا رہی ہو۔"

ایلاف نے گردن موڑ لی تھی۔ اس کی کتاب جو وہ پڑھ رہی تھی کرائم پر مبنی ایک ناول تھا وہ اوندھے منہ میز پر رکھا ہوا تھا۔ کوئل کے کوکنے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ ہوائیں بھی ویسے ہی چل رہی تھیں بس روشنی تھی جو ان سے روٹھ گئی تھی۔ پہلے سورج نے اپنی کرنوں کی چادر شراحیل سے کھینچی اور پھر سرکاتے سرکاتے وہ ایلاف کے اوپر سے بھی اپنے پلو کو کھینچ گیا۔ دھوپ اب ریلنگ کے سرے پر تھی اور ایلاف کی نظروں کی مکین بنی ہوئی تھی۔

"میں نے یہ سب تمہارے گھر والوں کی رضامندی سے ہی کیا ہے۔ تم ثمر کی بات کر رہی ہو۔ کیا نہیں جانتی وہ سات دنوں بعد لندن اپنی کولیگ کے ساتھ ڈیٹ کرنے جا رہا ہے۔ تم اس سے حیا کھا رہی ہو جسے اس چیز کی پرواہ ہی نہیں۔"

ایلاف نے آنکھیں بند کر کے کھولیں، اسے شرمندگی نے آن گھیرا تھا اس لیے نہیں کہ وہ

شراحیل کو منع کر بیٹھی تھی بلکہ اس لیے کیونکہ ثمر کی حرکت اسے نازیبا لگ رہی تھی۔
"ہم جس سوسائٹی کا حصہ ہیں اس میں یہ سب نارمل ہے، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر ہم ڈیٹ پاکستان میں کریں یا باہر اپنی اپنی استطاعت کی بات ہوتی ہے۔"
اس نے گردن موڑ کر شراحیل کی طرف دیکھا جو اسے قائل کرنے کی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ یہ وہ انسان تھی جو کبھی کسی مرد کے قریب نہیں پھٹکی تھی۔ یہ اس کی فطرت میں ہی نہیں تھا اگر ہوتا بھی تو وہ اپنے دین کی بات کو اہمیت دیتی۔ ان زمین زادوں کی باتوں کو نہیں۔
"درست کہا، سب کی اپنی اپنی استطاعت ہوتی ہے۔ میری استطاعت نہیں ہے ڈیٹ کرنے کی، بات ختم۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ اسے دوٹوک کہہ گئی تھی۔ کہہ کر شراحیل کو لاجواب کر گئی۔
"تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔ تم سمجھ رہی ہوں میں وہاں تمہارے ساتھ۔۔۔ مطلب آٹھ سالوں بعد بھی تمہیں میرے کردار پر شک ہے۔" وہ جتنی بے یقینی سے پوچھ سکتا تھا پوچھ رہا تھا۔ ان کی منگنی کو آٹھ سال ہو چکے تھے۔ کم عمری کی منگنیوں میں محبتیں بھی بڑی زوردار انداز میں پروان چڑھتی ہیں۔ خاص کر لڑکیوں کے معاملے میں۔ اگر لڑکی کی منزل شادی ہو تو اور ایلاف وہ لڑکی تھی جس کی منزل شادی نہیں تھی۔ منگنی بھی اس نے اپنے ڈیڈی کے کہنے پر کر لی تھی ورنہ وہ یہ بھی نہ کرتی تبھی یہاں پر الٹ سسٹم تھا۔ شراحیل اس کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا تھا جبکہ وہ۔۔۔ ایلاف نے گہری سانس خارج کی۔
"میں نے ایسا نہیں کہا مجھے تم پر یقین ہے۔"
شراحیل نے سر کو طنزیہ انداز میں جھٹکا دیا۔ سورج کی کرنیں اب ریلنگ سے پھسل کر زمین پر جا گری تھیں۔ کوئل بھی پر مار کر کہیں اڑ کر چلی گئی تبھی تو اب فقط چڑیوں کے چہچہانے کی

آوازیں آ رہی تھیں۔

''اگر تمہیں مجھ پر یقین ہوتا تو تم حامی بھرتی یوں مجھے ہرٹ نہ کرتی۔'' اس نے جھٹ سے کہا تھا۔

''میں ضرور حامی بھروں گی ہر جگہ جانے کی جہاں تم لے کر جایا کرو گے مگر ابھی نہیں، جب ہماری شادی ہوگی تب۔''

''تو کر لو شادی پھر۔'' وہ بے طرح روٹھ چکا تھا۔ اتنا زیادہ کہ آواز بھی انجانی سی لگ رہی تھی۔ ''پچھلے تین سالوں سے کہہ رہا ہوں نکاح کر لو مجھ سے۔ اب ہماری عمر ہو چکی ہے مگر پتا نہیں تمہیں ایسے کون سے جھنڈے گاڑنے ہیں جن کی تم منتظر ہو، جن کی وجہ سے تم میری زندگی کے خوبصورت دن ضائع کر رہی ہو۔ ایک معمولی سی رپورٹر آخر کر بھی کیا سکتی ہے۔''

یہ بات ایلاف کے دل میں تیر کی طرح لگی تھی۔ اس کے چہرے پر یکدم روہانسا پن چھایا اور گلے میں گولا اٹکنے لگا۔ اس نے منگنی کی انگوٹھی اتار کر میز پر پٹخی اور انگلی اٹھاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''آئندہ مجھے میری کامیابی کا طعنہ مت دینا۔ رہی تمہارے خوبصورت دنوں کی بات۔'' اس نے خوبصورت کو چبا کر ادا کیا تھا اور آواز کو حتی المقدور متوازن رکھا۔ ''تو یہ انگوٹھی کسی ایسی لڑکی کی انگلی میں پہنا دو جو تمہاری ہر جائز و ناجائز بات پر سر تسلیم خم کر دے۔ یوں بھی ایک معمولی سی رپورٹر ایک برانڈڈ ڈائمنڈ رنگ کے قابل نہیں ہوتی۔''

وہ اس کی ڈھائی کروڑ کی انگوٹھی کو میز پر پٹخ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ لفانی اینڈ کو کی انگوٹھی بے مول سی پلاسٹک کی میز پر پڑی تھی۔ شراحیل نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ ایلاف اسے بہت زیادہ پیچیدہ لگنے لگی تھی اب، اتنی زیادہ کہ کبھی کبھی وہ اپنے اور اس کے رشتے کے

بارے میں سوچنے لگتا تھا مگر اس کی سوچ کو پھونک مار کر وہ محبت اڑا دیتی تھی جو اسے ایلاف سے تھی۔

بہت زیادہ تھی!

☆......☆......☆

ثمر اپنا بیگ پیک کر رہا تھا۔ یہ رات کا وسط تھا جب انیشہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔ بیڈ پر چند ایک جینز رکھی تھیں اور وہ وارڈ روب میں سر دیے ٹی شرٹس اور گرم سٹف کو کھنگال رہا تھا تا کہ اسے اس چھوٹے سے بیگ پیک میں ٹھونس سکے۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر اس نے وارڈ روب سے منہ باہر نکال کر رخ موڑا۔ انیشہ کو دیکھ کر اس کے کندھے یکدم ڈھلکے تھے۔

"تھینک گاڈ، تم آ گئی اب جلدی سے مجھے بتاؤ میں کون سی شرٹس لے کر جاؤں؟ لڑکیوں کی چوائس یوں بھی خاصی اچھی ہوتی ہے۔"

انیشہ نے دروازہ بند کیا اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تمہارا تو نیا کیس آیا تھا نا تم بتا رہے تھے ڈیڈ کو۔"

ثمر نے اس کی بات سن کر جواب دیا۔

"وہ ڈپٹی کمشنر سنبھال رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے اگر کام نہ بنا تو اس کیس کو مجھے سونپیں گے، میری صلاحیتوں سے وہ اچھے سے واقف ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اس لیے میں نے سوچا کیوں نہ یہ چند آزادی کے دن آرام سے گزارے جائیں۔ اچھا بتاؤ نا مجھے ان میں سے کون سی شرٹس اچھی رہیں گی؟"

اس نے بیڈ پر رکھی چند ان پیک شرٹس کی جانب اشارہ کیا۔ وہ اب وارڈ روب سے ٹیک

لگا کر کھڑا ہو چکا تھا۔ بیڈ پر موجود گہرا نیلا بیگ کھلا ہوا پڑا تھا۔ ان میں چند جینز نفاست سے تہہ کر کے رکھی ہوئی تھیں جبکہ باقی بیڈ پر تہہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ اس کی شیونگ کٹ بھی ساتھ ہی رکھی تھی۔

''کیوں تم نے اپنی گرل فرینڈ سے نہیں پوچھا؟'' طنز نکلا تھا منہ سے، وہ تھا تو اس سے ایک سال بڑا مگر بے تکلفی ان بہن بھائیوں میں ایسی تھی جیسے ہم ایجز میں ہوتی ہے۔ وہ دس سال بھی اس سے بڑا ہوتا تب بھی وہ ایسے ہی بات کرتی۔ آخر کو بہن بھائی ہوتے اس طرح بات کرنے کو ہیں کیوں نہیں ہوتے کیا؟

''ارے نہیں اسے چھوڑو تم بتاؤ۔'' اس نے ہاتھ جھلاتے ہوئے قدرے خفت بھرے انداز میں کہا۔ انیشہ کی اگلی بات نے اس کی خفت میں مزید اضافہ کیا تھا۔

''تو پھر چھوڑ دو اسے۔''

یکدم ہر طرف سکوت سا چھا گیا۔ ثمر کو اس کی بات سے اعتراض ہوا تھا۔

''انیشہ!'' وہ اپنی بہن کی بات پر استعجاب میں آ گیا۔

''فرض کرو اگر تمہاری طرح کوئی مجھے باہر لے کر جا رہا ہوتا کوئی نامحرم، تو تمہارا کیا ردعمل ہوتا۔''

انیشہ کی بات پر یکدم ثمر کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔ صاف دکھتا تھا اس کے چہرے پر غصہ چھا چکا ہے۔

''انیشہ! اپنے لفظوں پر غور کرو۔'' وہ دبے لہجے میں بولا تھا۔ وہ یونہی ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھی رہی۔

''میں لفظوں پر کروں اور تم جو اپنے فعل پر نہیں کر رہے ہو اس کا کیا؟ جانتے ہو کتنی شرمندگی ہوئی مجھے جب یہ پتا چلا تھا کہ تم ویکیشنز پر ''کسی اور'' کے ساتھ جا رہے ہو۔ ہم فیملی ٹرپ بھی رکھ سکتے تھے اور یہی میرا اور ایلاف کا پلان تھا مگر انجوائے۔'' اس کے لٹھ مارتے

انداز نے ثمر کو دانت کچکچانے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس کی بہن تھی تبھی وہ اس پر چیخنا نہیں چاہتا تھا نہ ہی وہ اس بات کو پسند کرتا تھا۔ وہ اگر اس سے دس سال بھی چھوٹی ہو کر ایسی بات کرتی تو وہ نہ چیختا۔

"شرمندگی کس بات کی، میں اور وہ ریلیشن میں ہیں۔" اس نے جیسے اپنے لفظوں کو چبا کر ادا کیا تھا۔ مغربیت اب ہر گھر میں بس چکی تھی۔ کیا صحیح ہے کیا غلط اس بات پر سب نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہمارا دین کیا کہتا ہے، ہمارے اصول اور ویلیوز کیا ہیں یہ سب جیسے مائنس ہو چکا تھا۔ پلس تھا تو فقط دنیا کی رنگینیاں، احساس تھا تو صرف انہی چیزوں کا باقی سب تو جیسے ثانوی ہو کر رہ گئی تھیں۔

"اگر اس ریلیشن کا نام شادی ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

ثمر کے اعصاب اب جواب دے رہے تھے۔ اسے انیشہ کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔ وہ ضرور ممی سے کہے گا کہ اسے کسی اچھے سے سائکاٹرسٹ کو چیک کروائیں۔

"تم جا سکتی ہو یہاں سے، میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں۔"

انیشہ کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا ثمر کس ڈگر پر چل رہا ہے مگر وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ اپنے بھائی کا نظریہ بدل دے گی۔

"میں تو جا رہی ہوں مگر امید کرتی ہوں تم نہیں جاؤ گے۔"

اور وہ چلا گیا تھا۔ اگلی صبح اسے معلوم ہوا کہ ثمر پہلی فلائٹ سے ہی پاکستان کو چھوڑ گیا تھا۔ ظاہر ہے اس نے اکیلے تھوڑی جانا تھا اس کے ساتھ اس کی سو کالڈ گرل فرینڈ بھی گئی ہو گی جس کے ثمر سے پہلے بہت سے افیئر رہ چکے تھے۔ وہ جانتی تھی وہ دونوں جلد ہی ایک دوسرے کو چھوڑ دیں گے مگر تب تک ان دونوں کی ان آوارگیوں کو قبولنا بہت دشوار تھا بہت زیادہ دشوار۔

"شراحیل نے ڈیڈی سے تمہاری شکایت کی ہے۔" جم کے شور میں انیشہ کی آواز محتاط سی تھی۔ وہ جانتی تھی اس بات سے ایلاف پھٹ پڑے گی۔ غصہ کی تھوڑی تیز جو تھی لیکن وہ نہیں پھٹی تھی۔ پک ڈک مشین یوز کرتے ہوئے وہ خاموش تھی اور کچھ کھوئی کھوئی سی بھی۔

"اس نے کہا ہے کہ تمہیں اس کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ وہ تم سے فوراً شادی کرنا چاہتا ہے اور ڈیڈی اس کی بات پر غور کر رہے ہیں۔"

اس سارے عرصے میں وہ پہلی بار بولی تھی۔ مشینوں کا شور تا ہنوز قائم تھا اس کے ساتھ ہی انگلش سونگ بھی فضا میں گونج رہا تھا۔

"کس بات پر غور کر رہے ہیں؟" مشین چھوڑ کر وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسا کر اس میں پاؤں کی انگلیوں کو جکڑ رہی تھی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ پاؤں کو گردن کے پیچھے لے جا رہی تھی۔ انیشہ نے ڈمبل کو نیچے رکھا اور گیند پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمہاری شادی کی۔"

ایلاف نے نظریں اٹھائیں، پاؤں کو آزاد کیا اور تھوڑا آگے جھک کر کہنے لگی۔

"کس کے ساتھ؟"

اس کے سوال پر انیشہ کو بری طرح دھچکا لگا تھا۔ وہ اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "شراحیل کے ساتھ۔ اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے بھلا، تم اسی کی تو منگیتر ہو۔"

"میں نہیں ہوں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں فوراً کہا تھا۔ کہہ کر انیشہ کو پزل کر دیا۔ تیز انگلش سونگ اور مشینوں کے شور میں گھری وہ نہایت الجھے ہوئے انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"سچ کہہ رہی ہوں، میں نے کل صبح ہی اس کی انگوٹھی اسے واپس لوٹا دی ہے۔ میں ایسے کسی بھی انسان سے شادی نہیں کر سکتی جس کی ڈیمانڈز بیباک ہوں۔ یہ میری فطرت نہیں ہے بہتر ہوگا وہ کوئی اور ڈھونڈ لے۔"

انیشہ اس کی بات سے بہت کچھ سمجھ گئی تھی۔ اسے برا لگا تھا شراحیل کیلئے بھی اور اپنی جان سے عزیز بہن کیلئے بھی مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھی ماسوائے اس کے کہ سب ٹھیک ہونے کا انتظار کرے۔ پتا نہیں کب سب ٹھیک ہوگا۔

"ثمر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ چلا گیا ہے۔" اس نے اپنے تئیں بم چھوڑا تھا۔ ایلاف خاموش نہیں رہی۔

"پہلے پہل مجھے بھی یہ لگتا تھا کہ وہ لڑکی ان کی گرل فرینڈ ہے۔"

انیشہ اس کی بات سے چونکی۔

"کیا مطلب؟"

جم سوٹ میں ملبوس ایلاف تھکن کے سبب تھوڑا سستانے کی غرض سے سیدھی ہوئی۔

"مطلب اس لڑکی کے ساتھ ثمر کام کے سلسلے میں جڑا ہے۔ کام ختم ہوگا وہ اسے چھوڑ دے گا۔"

انیشہ نے گیند پر سے خود کو اٹھایا۔

"تم کیسے جانتی ہو یہ سب؟" وہ حیرت میں گھری دریافت کر رہی تھی۔ خود کو مرر میں دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"بس جان لیا لیکن یہی سچ ہے، ہم اپنے بھائی کے ساتھ کبھی کبھی زیادتی کر جاتے ہیں۔"

انیشہ کو کل رات کی باتیں یاد آئیں۔ مسکراتے ہوئے اس نے سر جھٹکا تھا۔

”ٹھیک کہتی ہو ہمیں خیال رکھنا چاہیے۔“ پھر اسے یکدم شراحیل یاد آیا تھا۔ ”کم از کم تمہیں ایک بار تو اپنے اور شراحیل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ پاگل ہے تمہارے پیچھے۔“

ایلاف دائیں آنکھ کو مسلا۔

”کوئی کسی کیلئے پاگل نہیں ہوتا سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اب میں اس کے متعلق کوئی بات نہیں سنوں گی۔ مجھے آج کے آج کم از کم سو کیلریز تو برن کرنی ہی ہیں۔ چلو اٹھ جاؤ تم بھی بہت کرلیا آرام۔“ اس سے پہلے انسٹرکٹر آتی وہ انیشہ کو کھینچ کر مشینوں کی طرف لے گئی تھی۔

☆......☆......☆

سورج چڑھ چکا تھا۔ گول جادوئی گیند نے ہر طرف اپنی شعائیں پھینکنا شروع کیں۔ ان شعاؤں میں اس کا چیمبر بھی ڈوبا ہوا تھا جس کی سیاہ ماربل کی دیواریں چم چم کر رہی تھیں۔ دیواروں کو عبور کرو تو ایک کمرہ تھا جو خالی تھا کیوں؟ کیونکہ اس کمرے میں موجود انسان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ اس وقت کمرۂ عدالت میں تھا جہاں کیس کی سنوائی ہو رہی تھی۔

”میری بیٹی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اسے ان کے بیٹے نے ورغلایا ہے تبھی وہ گھر سے بھاگ گئی تھی۔“

کچہری کا ماحول بالکل بھی ویسا نہیں ہوتا جیسے ٹی وی کی سکرینز پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ تمیز دار لوگ، سجی ہوئی عدالت، جج کے ہاتھ میں ہتھوڑا اور وکیل کا چیخ چیخ کر جج صاحب جج صاحب پکارنا ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا کچھ بھی نہیں۔

بدتمیز، بھانت بھانت کے لوگ ہوتے ہیں، غنڈے اور نظر باز لوگ یہاں سے وہاں منڈ لاتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ جج ایک کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے اور ساتھ ریڈر ٹائپ کرنے میں مگن رہتا ہے لیکن وہاں عدالت نہیں سجتی۔ ایک لائن میں بے تحاشا وکلا کے ساتھ بے تحاشا

انصاف کے طلبگار لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔ نام پکارا جاتا ہے اور وہ وکیل کے ہمراہ آگے بڑھ کر جج کے سامنے اپنا مدعا دوہراتے ہیں۔ جج کو لگتا ہے کہ وہ سچ بول رہے ہیں یا کیس میں گواہ زیادہ ہیں تو انصاف دے دیتا ہے۔ نہیں تو پھر تاریخ پر تاریخ، تاریخ پر تاریخ والا معاملہ چلتا چلا جاتا ہے۔

شراحل تاریخ والے معاملے سے کوسوں دور تھا۔ اس کی سکلو اتنی ہائی تھیں کہ وہ پہلی باری میں ہی جج سے فیصلہ سن لیتا تھا اور فیصلہ ہمیشہ اس کے حق میں ہی آتا تھا جیسے آج آنے والا تھا۔

''او بی بی، تمہاری بیٹی کوئی کاکی منی نہیں ہے جو ورغلائی جائے۔ اپنی مرضی سے اس نے نکاح کیا ہے۔ اب وہ نہیں آنا چاہتی تو کاہے کی زبردستی ہے۔'' جج اکتایا سا بول رہا تھا۔

شراحیل نے فاتحانہ نگاہ اس لڑکے پر ڈالی جس کے ہاتھ میں سوں سوں کرتی لڑکی کا ہاتھ تھا۔ وہ سوں سوں اس لیے کر رہی تھی کیونکہ اسے زکام تھا۔

''تم بتاؤ بیٹا، شوہر کے ساتھ بسنا ہے یا گھر جانا ہے۔''

اس لڑکی نے سرخ ناک کے ساتھ اپنی ماں کی جانب دیکھا اور پھر اس ہاتھ پر غور کیا جو اسے مضبوطی سے تھامے ہوا تھا۔ اس کے کان میں وہ الفاظ گونجنے لگے جو اسے دہری اذیت میں مبتلا کر رہے تھے وہ یہ تھے۔

''فیصلہ میرے حق میں نہ دیا تم نے تو یقین کرو میں تمہارے گھر کا نام و نشان اس دنیا سے مٹا دوں گا اور یقین کرو میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہوگی۔ پھر چاہے پوری زندگی جیل میں سڑوں مگر تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو نہیں چھوڑوں گا میں۔''

لڑکی نے گہرا سانس لیا اور مدھم آواز میں بولی۔

"بسنا ہے جج صاحب۔"
لڑکے نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ وہ غنڈہ ضرور تھا لیکن اس سے محبت کرتا تھا۔ اس محبت کے تحت ہی وہ اسے گھر سے لے کر گیا تھا اور سب سمجھے تھے وہ بھاگ چکی ہے۔ وہ بھاگی نہیں تھی بلکہ گھر کے اندر سے اغوا کی گئی تھی۔
"ٹھیک ہے، لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ جائے گی۔" جج نے فیصلہ سنایا اور کاغذ پر قلم گھسیٹنے لگا۔ لڑکی کی ماں برے دل کے ساتھ وہاں کھڑی رہی تھی جبکہ وہ غنڈہ اس لڑکی کا ہاتھ تھامے ہی شراحیل کے پاس آیا اور اسے ہاف ہگ ڈال کر بولا۔
"شکریہ جناب، آپ کی باقی فیس میز پر پہنچ جائے گی۔ دعا گو ہوں رب تعالیٰ سے وہ تمہیں بھی تمہاری محبت عطا کرے۔"
پیچھے سے اس لڑکی کی ماں آگے آئی اور زہر خند لہجے میں بولی۔
"ایک ماں سے اس کی بیٹی کو چھین کر تم دونوں محبتوں کی دعائیں بانٹ رہے ہو۔ تمہیں تو بددعا نہیں دے سکتی کہ میری بیٹی تمہاری دست میں ہے لیکن ہاں وکیل صیب، آپ کبھی خوش نہیں رہو گے۔"
اور یہ بات شراحیل کے دل پر داغ کی طرح جم گئی تھی۔ جیت کی خوشی سے مسکراتا چہرہ یک لخت تاریک پڑا۔ اس نے خود کو کنٹرول کیا اور کلرک کے ذمے سب کام چھوڑ کر آفس میں آن بیٹھا۔ اس کا دل خراب ہو چکا تھا بری طرح خراب۔
"سر، آپ کو کچھ دوں؟"
شراحیل نے اثبات میں سر ہلایا اور مدھم آواز میں بولا۔
"کافی لاؤ۔" حکم صادر کرنے کے بعد وہ کوٹ کی جیب میں سے وہ انگوٹھی نکال رہا تھا جو

اس نے ایلاف کے لیے دل سے خریدی تھی۔ اسی ایلاف کیلئے جس نے اسے بیدردی سے اس کے آگے پٹخ دیا تھا۔ کافی آ گئی تھی اس نے سر کو مسلا، مسلنے کے دوران وہ انگوٹھی کو نظروں میں کیے بیٹھا رہا۔ انگوٹھی کی مدھم خیرہ کر دینے والی روشنی میں اسے صبح کے مناظر یاد آنے لگے جو کہ یہ تھے۔

''چاچو! آپ نے کہا تھا آپ ایلی سے بات کریں گے۔''

وہ اس وقت گالف کلب میں تھے۔ اورنج ٹراوزر، سفید شرٹ، کیپ اور سفید ہی بوٹ میں ملبوس ہدف پر نگاہ ٹکائے ہوئے۔ شراحیل آج بھی اپنے مخصوص لباس میں موجود تھا، ٹکسیڈو، جل سے جمے بال اور اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔

''میں نے کی تھی۔'' انہوں نے ہٹ کیا گول ہو چکا تھا۔

''اس نے بتایا ہے وہ تمہیں انگوٹھی واپس کر چکی ہے۔''

شراحیل نے لب کاٹے۔ پل بھر کو اسے شدید خفت محسوس ہوئی تھی۔ سر کو ہلاتے ہوئے وہ ان سے کہہ رہا تھا۔

''وہ کر چکی ہے اور میں چاہتا ہوں وہ خود مجھ سے یہ واپس لینے آئے۔''

غفور نے ایک اور بار بال کو ہٹ کیا مگر اس بار نشانہ نہیں لگا تھا۔ وجہ شراحیل کی بات تھی انہوں نے سر اٹھا کر اس کے مغرور چہرے پر نگاہ ڈالی اور گالف سٹک کو زمین پر ٹکا کر بولے۔

''میں نے بھی اسے یہی کہا تھا لیکن ہم کسی کو فورس نہیں کر سکتے بیٹا، یہ سراسر اس کا اپنا فیصلہ ہو گا تم دل کو مضبوط کر لو۔''

اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ خفت، غصہ اور انسلٹ۔ کیا کچھ نہیں تھا جو اسے گالف کلب کی سبز کٹی ہوئی گھاس پر کھڑے محسوس ہو رہا تھا۔

”یعنی کہ آپ مجھے انکار کر رہے ہیں۔“ بے یقینی کی حدوں کو پھلانگتے ہوئے وہ صدمے کے زیر اثر پوچھ رہا تھا۔ ”آٹھ سال کے بعد آپ مجھے کہہ رہے ہیں دل کو مضبوط کرلوں۔ کیسے؟“

چمکتا سورج چادر میں جڑے اس تارے کی مانند تھا جو دور سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں روشنی کی طرح پڑتا ہے۔ جس سے نگاہ چرائی جاتی ہے اور ہاتھ آنکھوں کے آگے رکھ کر اس سے بچا جاتا ہے۔ دلفریب مگر چھپا دینے والی روشنی۔

”نہیں یہ انکار نہیں بس محتاطی ہے۔ جس کے بارے میں، میں آگاہ کر رہا ہوں۔ تم میری نظر میں میری بیٹی کیلئے پرفیکٹ ہو لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ وہ تھوڑی دقیانوسی سوچ کی مالک ہے اور کسی حد تک میں اس کی سوچ کی قدر کرتا ہوں۔“

شراحیل نے ہاتھ پھیلا کر سر کو جھٹکا تھا۔

”اس سب میں میرا کیا قصور ہے۔ فقط اس کے کہ میں اسے چاہتا ہوں۔“

غفور صاحب نے گہرا سانس بھرا۔ دور سے گالف جیپ میں انہیں اپنا ایک دوست آتا ہوا نظر آیا۔

”پریشان نہ ہو شیر، تمہاری لگن سچی ہوئی تو قدرت تمہارے ہی حق میں فیصلہ کرے گی۔“

وہ اس کا شانہ تھپتھپاتے اپنے دوست کی طرف بازو کھول کر بڑھ رہے تھے جو جیپ سے اتر کر وہیں آ رہا تھا۔ شراحیل نے ان دونوں کو بغل گیر ہوتے دیکھا۔ اس وقت جو مرچیں اس کی آنکھوں میں لگی تھیں ویسی ہی مرچیں اب بھی اس کی آنکھوں میں آن پڑی تھیں۔ اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے آنکھوں کو مسلا اور موبائل فون اٹھا کر نوٹیفیکیشن چیک کرنے لگا۔ کافی ویسی ہی رکھی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ دھواں چھٹ چکا تھا۔ جھاگ بیٹھنے لگا تھا۔ اس نے

عزتِ نفس پر پاؤں رکھ کر نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگا لیا۔
صبح سے چل چل کر اس کی ایڑیاں دکھنے لگی تھیں۔ سوئیوں اور ٹیسوں کا احساس ان میں پوری شدت سے جاگ اٹھا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی پٹرولیم جیلی کا مساج دھیرے دھیرے اپنی ایڑیوں پر کر رہی تھی کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے فون کی آواز پر قدرے رک کر گردن اٹھائی پھر موڑ کر اسے تھوڑا اونچا کیا تو لیمپ کی زرد روشنی کے نیچے رکھے موبائل پر شراحیل کا نام پھیکے چاند کی مانند جگمگا اٹھا۔ سانس کو چھوڑتے ہوئے اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ بھی دوڑی تھی۔ آٹھ سال پرانا تعلق تھا آسانی سے کیسے ٹوٹ سکتا تھا۔ تھوڑا سا جھک کر اس نے سبز بٹن کی طرف انگوٹھے کو سکرول کیا اور واپس اپنی پوزیشن میں چلی گئی۔
”کیسی ہو؟“ سوال میں تھکن تھی وہ اس تھکن سے بے نیاز دو انگلیوں کو سست روی سے ایڑیوں کے گرد پھیرتے ہوئے بولی۔
”اچھی ہوں۔“ جواب فارمل سا دیا گیا۔ شراحیل کو امید تھی وہ اس سے پوچھے گی۔ ”تم کیسے ہو؟“ مگر اس نے نہیں پوچھا تھا یعنی وہ واقعی والا اس سے خفا ہو چکی تھی۔ اسے اب برا لگا۔
”میں نہیں ہوں۔“ اب بھی خاموشی ہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں لوشن لے کر پاؤں پر پنڈلیوں سے انگلیوں تک ہاتھ کو سلائیڈ کیا اور پھر انہیں تلوؤں تک لے گئی۔
”تم نے جب سے انگوٹھی واپس کی ہے میں ایک دن بھی ٹھیک نہیں رہا ہوں۔ کیا تمہیں ذرا پرواہ نہیں ہے اس چیز کی؟“ وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ”میری فیلنگز جو تمہارے لیے ہیں کیا ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟“ وہ لفظوں کو ادا کرتے ہوئے افسردہ محسوس ہوا۔
ایلاف نے گردن فون کی جانب موڑی جیسے اس میں سے وہ اسے دیکھ لے گی۔ وہ ایسا کر سکتی تھی مگر اس نے نہیں کیا کیونکہ وہ ابھی تھکی ہوئی تھی اور اس کی ایڑیاں بری طرح دکھ رہی تھیں۔

''تمہیں انگوٹھی واپس لے لینی چاہیے ایلاف، اگر تم نے وہ واپس نہ لی تو تم اچھے سے جانتی ہو مجھے کیسا فیل ہوگا۔ میں تم سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تم میرا امتحان لیتی رہو۔'' وہ اس کا پورا نام لے رہا تھا مطلب وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اس کے دل کو ٹھیس پہنچی ہے۔ ایلاف کو یکدم محسوس ہوا کہ وہ واقعی اسے چاہتا ہے۔ اس کی تمنا کرتا ہے۔ کال کٹ چکی تھی۔ ٹوں ٹوں کی آواز اس کے کمرے میں گونجنے لگی۔ اس نے آنکھیں موندیں، شراحیل کا مسکراتا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا پھر اس کی دلگرفتگی میں لپٹے الفاظ اس کے اردگرد دائرہ بنانے لگے۔

''تم سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تم میرا امتحان لیتی رہو۔'' اس نے تھک کر آنکھیں کھولیں۔ مسکراتا چہرہ غائب ہوچکا تھا اداسی میں لپٹے الفاظوں کا دائرہ اب بھی وہاں موجود تھا۔

''تمہیں انگوٹھی واپس لے لینی چاہیے ایلاف، اگر تم نے واپس نہ لی تو تم اچھے سے جانتی ہو مجھے کیسا فیل ہوگا۔'' اور وہ اسے برا محسوس نہیں کرواسکتی تھی۔ یہ اس کی نیچر میں نہیں تھا اس لیے وہ کل جائے گی اور اس سے انگوٹھی واپس لے لی گی۔ وہ فیصلہ کرچکی تھی۔

☆......☆......☆

''جس گروہ کے بارے میں ایلاف نے ریسرچ ورک کیا ہے اور رپورٹ بنا کر ہمیں دی ہے وہ خاصے خطرناک قسم کے لوگ ہیں۔ ان کے بارے میں اگر ہم چھاپ دیں گے تو مجھے لگتا ہے وہ ہمیں تھریٹ ضرور کریں گے اس لیے۔۔۔''

چیف ایڈیٹر کی بات زرینہ نے درمیان میں قطع کی تھی۔

''اس لیے کیا مبشر صاحب؟''

وہ آج یہاں موجود تھے کیونکہ انہیں اس رپورٹ کو پبلش کرنے سے پہلے ایک بار پھر سے بات کرنی تھی۔ کھانے کی میز کے گرد بیٹھے تمام نفوس خاموشی سے ان کی بات سن رہے تھے۔ وہاں انیشہ، ثمر اور غفور صاحب بھی موجود تھے۔ شراحیل کا کیس تھا اس لیے وہ نہیں آسکا تھا اور ایلاف کسی ضروری کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔

''میں نے سوچا میں ایک بار پوچھ لوں۔'' زرینہ کے دوٹوک انداز پر وہ گڑبڑا سے گئے تھے، فوراً سے تصحیح کرتے ہوئے بولے۔ ایلاف میں زرینہ کی جھلک تھی اس کا ایٹی ٹیوڈ بھی تو ان پر ہی گیا تھا۔

''میری بچی نے دن رات ایک کرکے، آپ کے معمولی سے اخبار اور نیوز چینل کیلئے یہ رپورٹ تیار کی ہے۔ اس کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے پڑ چکے ہیں۔ سکن مرجھانے لگی ہے اور آپ اس کی ریاضت پر لات مارتے ہوئے ہم سے مشورہ لینے آئے ہیں کہ آپ ان معلومات کو ٹی وی پر نشر کریں یا نہیں، آپ کو اپنے لفظوں کا احساس ہے؟ میری بچی کی ڈیڈیکیشن کا احساس ہے؟'' مبشر صاحب کو جھاڑتے ہوئے وہ یہ بھول گئی تھیں کہ سامنے بیٹھا انسان ان کی اولاد نہیں ہے جسے وہ کچھ بھی کہہ لیں مگر وہ ماں تھیں اور مائیں ہر جگہ، ہر ایک کے سامنے اپنا ماں پنا ظاہر کردیتی ہیں۔ بنا سوچے بنا سمجھے۔ ہاہاہا اور یہی بات تو سب سے کیوٹ ہوتی ہے ماؤں کی۔

''میں تو صلاح لینے آیا تھا، آپ تو خوامخواہ میں خفا ہوگئی ہیں۔'' مبشر صاحب کو اپنے اخبار کیلئے ''معمولی'' لفظ بڑا کھٹکا تھا۔ وہ خود بیشک کرپٹ کردار کے انسان تھے مگر ان کا اخبار اور نیوز چینل معیاری تھا۔ پکی، اچھی اور کونٹینٹ سے بھری خبریں چھاپتا تھا۔ غفور صاحب نے ان کی بات چیت کے دوران مداخلت کرنا مناسب سمجھا۔ وہ کہہ رہے تھے جو کہ یہ تھا۔

”نہیں نہیں مبشر صاحب، خفا ہونے کی کوئی بات نہیں ہے اور آپ کو ڈرنا بھی نہیں چاہیے۔ مافیا گروپ کی ایسی کی تیسی اگر وہ آپ کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی دیکھیں بلکہ یقین کریں اس خبر کے نشر ہونے پر جتنا فیم آپ کو آپ کے چینلز کو ملنا ہے پاکستان کی تاریخ میں رقم کیا جائے گا۔“ وہ ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ مبشر صاحب کو اپنا حوصلہ بڑھانا کم ایلاف کی تعریف زیادہ لگی اس میں۔

”ڈرتا تو میں نہیں ہوں غفور صاحب، یہ بات آپ بھی اچھے سے جانتے ہیں۔ بس تھوڑا سا محتاط ہو رہا تھا کہ کوئی ایلی تک نہ پہنچ جائے۔“

ثمر نے نیپکن سے منہ تھپکا اور ریسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

”جس طرح آج تک کوئی ایلی کو نہیں جان سکا، آگے بھی نہیں جانے گا۔ مت بھولا کریں وہ کس کی بہن ہے۔“ ان پر مسکراہٹ اچھال کر، سر کو ایک بار اثبات میں جھٹکتے ہوئے وہ وہاں سے گیا تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ کے دوران ہی غفور صاحب بولے۔

”بس معاملہ ہی ختم، آپ کل ہی بریکنگ نیوز چلائیے اور نوٹ چھاپیے۔“ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے ماحول کو خوشگوار کر رہے تھے جہاں ان کا قہقہہ گونج رہا تھا وہیں کافی دور کچہری کے حبس بھرے ماحول میں ایلاف تیز تیز قدم اٹھاتی شراحیل کے چیمبر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے گلے میں چینل کا کارڈ سبز پٹی سے منسلک جھول رہا تھا۔ بالوں کی حسبِ معمول ہائی ٹیل پونی تھی جس کی چونچ اس کی گردن کی ہڈی کو چھو رہی تھی۔ آنکھوں پر سفید فریم والے گلاسز لگے تھے۔ کھلا سیاہ پلازو اور چھوٹی سی چاکوں والی چیک دار شرٹ پہنے وہ سیل فون میں مصروف شراحیل کے چیمبر کے اندر داخل ہوئی۔ اندر آتے ہی اس نے سر کو اٹھایا تھا۔ نفاست سے سجا مغربی طرز کا وہ چیمبر کہیں سے بھی اس کچہری کا حصہ نہیں لگتا تھا جہاں پان تھوکتے لوگ یہاں

وہاں منڈلاتے ہوئے نظر آتے تھے۔

''میم! آپ کیلئے جوس لاؤں؟'' کلرک کی آواز پر وہ پلٹی سیل فون میز پر رکھ چکی تھی۔

''ہاں بالکل لیکن ٹھنڈا مت لانا۔تازہ لانا برف نقصان دیتی ہے۔''

کلرک ہدایت سنتے ہی دروازے کے پیچھے غائب ہوگیا۔ایلاف نے شیڈز اتار کر اپنے سیل فون کے ساتھ رکھے اور تھوڑا سا چل کر میز پر رکھے فریم کے پاس آ کر رکی۔لکڑی کے چوکور چوکھٹوں کے درمیان شیشے میں قید شراحیل کا چہرہ مسکراتا ہوا سا تھا مدھم مگر پروقار مسکراہٹ۔

''تم اچھی چوائس ہو سکتے ہو اگر تم خود پر سے مغربیت کا رنگ اتار دو تو۔'' فریم کو واپس رکھتے ہوئے وہ مڑی اور کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔کلرک اس دوران اورنج جوس رکھ کر چلا گیا تھا۔شیشے کے گلاس میں سٹرا کو گول گول ہلاتے ہوئے وہ سپ بھر رہی تھی جب جھٹکے سے دروازہ کھول کر عجلت میں شراحیل اندر داخل ہوا اور اس کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''تمہیں مجھے بلالینا چاہیے تھا۔ابھی ناصر نے بتایا تو میں دوڑا چلا آیا۔'' اس کا سانس واقعی پھولا ہوا تھا اور پسینہ بھی چہرے پر چمک رہا تھا۔ناجانے کیوں اس لمحے ایلاف کو خود پر رشک آیا تھا۔اس رشک کے اثر ہی سے اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا تھا۔

''میں چاہتی تھی جس طرح میں تم تک خود آئی ہوں اسی طرح تم بھی خود ہی آؤ میرے بلانے پر نہیں،اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو پہناؤ انگوٹھی۔'' آنکھوں سے اشارہ وہ ہاتھ کی جانب کرتے کہہ رہی تھی۔شراحیل کو ایک لمحے کیلئے سمجھ نہیں آئی وہ کیا کرے مگر پھر فوراً سے حواسوں کو قابو میں لاتے ہوئے وہ کوٹ کی پاکٹ سے انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی میں ڈال چکا تھا۔

''امید کرتا ہوں اسے دوبارہ تذلیل نہیں ہوگی۔'' انگوٹھی پر چھوٹے چھوٹے جڑے ہیرے

ایل ای ڈی لائٹس میں جگر جگر کر رہے تھے۔ وہ شراحیل کے گرم ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے اس کی مٹھی بنا گئی۔ وہ مٹھی اس کی گود میں دھری تھی۔

''میں نے تذلیل نہیں کی تھی۔'' اسے خوامخواہ شرمندگی ہوئی۔ شراحیل کی تھکن سے چور آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''مگر مجھے تو لگی تھی۔ دیکھو آئندہ ایسا مت کرنا، میں نہیں چاہتا مجھے میری محبت کی ناکامی کا طعنہ ملے اور سب سے بڑھ کر اس کا دکھ۔''

وہ ہنس دی، شراحیل نے گرمی کے سبب کوٹ اتار کر کرسی کی بیک پر ڈالا اور سرخ ٹائی ڈھیلی کر دی۔

''تمہاری باتیں بہت فلاسفانہ ہونے لگی ہیں۔ کون یقین کرے گا کہ محترم ہاورڈ یونیورسٹی سے بریسٹری کی ڈگری لے کر آئے ہیں۔ ہمم، بتاؤ؟'' ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر وہ اسے دلچسپ لگی تھی۔ شراحیل نے مخمور نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جب دنیا اس بات کا یقین کر سکتی ہے کہ ایک برٹش کینیڈین فقط اپنی محبت کی خاطر اسلام آباد کی گرمی کو جھیل رہا ہے تو وہ میری ڈگری پر بھی یقین کر لے گی۔ ویسے مجھے کسی خراج کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہو تو۔۔۔۔ کسی چیز کی گنجائش نہیں بچتی۔''

ایلاف کے دل نے یکدم سے ایک بیٹ مس کی۔ شراحیل کی اگلی بات پوری طرح سے اس کا دل دھڑکا گئی تھی۔

''نکاح کر لو مجھ سے۔ یقین کرو تمہارے ہر خواب میں قدم قدم تمہارے ساتھ رہوں گا، تمہارا حوصلہ بڑھایا کروں گا، تم جو کہو گی وہ کیا کروں گا، گھر کی ذمہ داری کوئی بوجھ نہیں ہو گا تم پر، فیملی بھی تب ہی بڑھائیں گے جب تمہاری رضا ہو گی۔ ٹرسٹ می ایلی ایک سے بھلے دو

ہوتے ہیں اور دو سے بھلے ایک، تم ہم دونوں کو ایک کر دو پلیز۔" وہ ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا۔
اس کا گرم ہاتھ ایلاف کے ہاتھ پر آن پڑا۔ ایلاف نے نچلا لب تر کیا اور بدقت تمام بولی۔
"میں تمہیں سوچ کر بتاتی ہوں۔"
"بالکل بھلے ایک ہفتہ لے لو لیکن کوشش کرنا فیصلہ میرے حق میں ہو۔"
وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ شراحیل نے اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ کو دبا کر اعتماد کا
احساس دلایا پھر وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا۔
"چلو اٹھو، ہائی ٹی پر چلتے ہیں لانگ ڈرائیو کریں گے اور اس کے بعد ایک زبردست سا
ڈنر۔ چلو چلو اٹھو شاباش۔" وہ اسے کہنی سے تھام کر کھڑا کر رہا تھا۔ اس کے چیمبر کی در و دیوار
میں ان دونوں کی ہنسیاں گونجنے لگیں۔ وہ ہنسیاں جو فقط انہی دنوں کی عنایت تھی پھر تو شاید
صدیاں بیت جائیں انہیں اس طرح کی ہنسیاں ہنسنے میں۔

☆......☆......☆

مشرق سے ایک بگولہ اٹھ رہا تھا مصیبتوں کا بگولہ جس میں دکھ و رنج، الم و غم، پریشانی و تفکر
شامل تھا۔ وہ بگولہ آسمان پر گول گول گھومتے ہوئے اس کی تلاش میں تھا جسے اس نے اپنی
لپیٹ میں لینا تھا۔ کھلکھلاتے، مرجھاتے سب گھروں کو پیچھے چھوڑ کر وہ اسلام آباد کے سیکٹر نمبر
چار میں واقع ایک بنگلو کے آگے آ کر رکا جہاں کی نیم پلیٹ پر مجسٹریٹ غفور رحمان درج تھا۔
بگولے نے آہستہ آہستہ اس گھر کے چکر کاٹنے شروع کیے اور وہ ان چکروں کے دوران اس
پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا اور لو اس نے لے بھی لیا۔
"پریشانیوں کی دنیا میں خوش آمدید ہو آپ سب کو۔" وہ بگولہ کہہ رہا تھا مگر کوئی نہیں سن سکتا
تھا اس کی بات، یہ زبان سمجھنے کے لیے ابھی مٹی کے پتلوں کو مزید پکنا تھا۔ پک کر کندن بننا

تھا۔ کندن بن کراس سب پر نظر ثانی کرنی تھی جس پر کوئی بھی عام انسان نہیں کیا کرتا، فقط ان کے جو چنے جاتے ہیں یا پھر آزمائے جاتے ہیں۔

کمرے میں گھور اندھیرا تھا۔ اتنا کہ عام آنکھ سے کچھ بھی واضح دکھائی نہ پڑتا ہو، جیسے اس سمے نہیں پڑ رہا تھا۔ بہت کم لڑکیاں ہوتی ہیں جو لائٹس آف کر کے سوتی ہیں۔ ان میں ایلاف کا شمار بھی ہوتا تھا۔ اسے روشنی میں قطعی نیند نہیں آتی تھی اس لیے وہ لیمپ کو بھی آف رکھتی تھی۔ آج بھی اس کا چاند والا لیمپ آف تھا اور باہر موسم کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی اور ساتھ ہی بادل بھی گرج رہے تھے۔ ان گرجتے بادلوں اور چمکتی بجلی میں ایک سایہ سا اس کے کمرے میں نمودار ہوتا ہوا دکھائی پڑا۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ آنکھیں کھولنے کی وجہ تیز ہوا تھی جو اس کے کمرے میں آ رہی تھی اور ہاں شیشے کی کھڑکی کی ٹک ٹک بھی۔ اس نے اپنا وزن کہنیوں پر ڈال کر خود کو قدرے اٹھایا اور گہرا سانس خارج کیا۔

''اسے بند کرنا کیسے بھول گئی میں۔'' وہ خود سے ہمکلام ہوئی تھی۔ ہونے کے بعد وہ چادر کو ٹانگوں سے ہٹا رہی تھی جب ایک بار پھر سے زور سے بجلی چمکی۔ اس چمکتی بجلی میں اسے اپنے بیڈ پر کسی وجود کا سایہ سا بنتا ہوا دکھائی دیا۔ کھچڑی بال، لمبی داڑھی اور ہاتھ میں کاسہ۔۔۔ ہاتھ میں کاسہ؟ وہ یکلخت چونکی۔ چونک کر گردن اوپر کو اٹھائی اور اندھیرے میں آنکھوں کو پٹپٹا کر اس وجود کو کھوجنے کی سعی کرنے لگی جس کا سایہ اس کے بیڈ پر پڑ رہا تھا۔

''کون ہو تم؟'' پوچھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ بجلی ایک بار پھر سے زور سے چمکی۔ اب کے اس سایہ کا چہرہ اسے نظر آیا جو عین اس کے بیڈ کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں کاسہ اور دوسرے میں پسٹل تھامے۔ وہ اسے پہچان گئی۔ یہ وہی جوگی تھا جس نے اسے دربار میں

دھونی دی تھی۔

''اللہ کا بندہ ہوں بیٹا سوال کرنے آیا ہوں۔'' بھاری، غراتی باور کرواتی آواز ایلاف کو کچھ بہت غلط ہونے کا احساس ہوا۔

''سوال وہ بھی رات کے اس وقت میرے بیڈروم میں، مانگنے کا یہ کون سا طریقہ ہے بابا جی؟'' وہ گھبرا رہی تھی مگر اپنی گھبراہٹ اس نے ظاہر نہیں کی۔ وہ خوف جو کرائم رپورٹ کے پبلش ہونے کے بعد اس کے دماغ میں کنڈلی مار گیا تھا وجود لیے اب سامنے کھڑا تھا۔

''مجھے یہی طریقہ مناسب لگا جو بھی تمہارے پاس موجود ہے اس کاسہ میں ڈال دو۔ اللہ تمہاری عمر دراز کرے میں نہیں چاہتا کسی کی روح اس پیتل میں لے کر جاؤں۔'' دھمکی تھی اور بڑی سخت دھمکی تھی۔ اس نے نامحسوس انداز میں اپنے ہاتھ میں پہنے بریسلٹ کو گھمانا شروع کیا۔ وہ بریسلٹ جس میں الارم بٹن تھا اور جو شمر نے اس کے کارنامے کے بعد اس کے ہاتھ میں لاکر ڈال دیا تھا۔ صد شکر اس نے ایسا کیا تھا ورنہ تو بہت برا ہو جانا تھا۔

''آپ مجھے دھمکی نہیں دے سکتے۔'' ایک، دو، تین اور یہ رہا چوتھا موتی وہ موتی جو موتی نہیں بلکہ بٹن تھا۔ اس نے انگوٹھے کو بٹن پر فکس کیا اور اس جوگی کا بھدا قہقہہ سننے لگی، قہقہہ لگانے کے بعد وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''درست کہا بٹیا رانی ہم آپ کو دھمکی نہ ہی دے سکتے مگر ہاں آپ کی جان ضرور لے سکتے ہیں۔'' پسٹل کو لوڈ کر کے وہ اس پر تانے کہہ رہا تھا۔ اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے کے سائیوں سے مخاطب تھے کہ اب بجلی چمکنا بند ہو چکی تھی اور باہر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔

''کون کس کی جان لیتا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' کہتے ساتھ ہی اس نے بٹن کو پش

کر دیا تھا۔ پورے گھر میں گویا امرجنسی نافذ ہو گئی ہو۔ ہر طرف سائرن کی آواز گونج اٹھی تھی۔ ساتھ میں قدموں کے دوڑنے کی بھی۔

"آہ، سرپھری لڑکی، تمہاری موت ہے۔ نہیں بچو گی تم بالکل بھی نہیں بچو گی۔" پسٹل کو نیچے کر کے وہ ایک جست میں ہی کھڑکی پھلانگ کر رفو چکر ہو گیا تھا۔ یکدم اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور تمام لائٹس آن ہو گئیں۔ اس کی اور والہانہ انداز میں لپکنے والا ثمر تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟ کون آیا تھا کیا ہوا؟" وہ اس کے سر کو سینے پر رکھے سوالات کی بھرمار کر رہا تھا۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ انیشہ اس کا ہاتھ تھامے بیٹھ گئی۔

"شکل نہیں دیکھی وہ بس دھمکی دے کر گیا ہے۔" غفور اور زرینہ پر نظر ڈال کر وہ تحمل سے کہہ رہی تھی۔ ثمر نے اس کے بالوں پر لب رکھے اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیڈ کی پائنتی کی طرف گیا جہاں کیچڑ میں لتھڑے جوتوں کے نشان موجود تھے۔

"جانتا تھا ایسا ہی ہو گا اس لیے حفاظتی طور پر تمہیں وہ بریسلٹ پہنایا تھا۔" وہ بات کرنے کے دوران ان نشانات کی تصویر اتارتے ہوئے کال ملانے لگا۔

"لیکن تم پریشان مت ہو تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے۔ تم تک پہنچنے والا ہر ہاتھ کاٹ کر رکھ دوں گا۔" اس کی کال پک کر لی گئی تھی۔ وہ زرینہ کو دیکھ رہا تھا جو ایلاف کو خود سے لپٹا کر پیار کر رہی تھیں۔

"ہاں سہیل، جوتوں کے نشان اٹھوانے ہیں جلدی سے پہنچو۔" کال ڈسکنیکٹ کر کے وہ غفور کے پاس آیا جو ماتھے کو کھڑے ہو کر سہلا رہے تھے۔ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انیشہ! ایلاف کو اپنے کمرے میں لے کر جاؤ اور گھبراؤ نہیں میں

اٹھا ہوا ہوں۔" وہ جانتا تھا انیشہ کتنے چھوٹے دل کی ہے تبھی تسلی دی۔ ایلاف ماں سے الگ ہونے کے بعد اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آئی اور بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"تم سے کس نے کہا تھا کہ لائٹ آف کر کے سویا کرو۔" دروازے کو اچھے سے لاک کرنے کے بعد وہ اس کے پاس آ کر بیٹھی جس کی آنکھیں نیند سے شدید بوجھل تھیں۔

"اس سب کا تعلق لائٹ آف کرنے سے نہیں بلکہ اس انفارمیشن سے ہے جو میرے پاس ہے وہ سب جو میں نے اب تک کسی کے ساتھ شیئر نہیں کیا۔" انیشہ متحیر انداز میں اسے تکنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ ایلاف آخر کہہ کیا رہی ہے۔

"تم کہہ رہی ہو وہ سب جو تمہارے ادارے والے پبلش کر چکے ہیں جس کی وجہ سے پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی ہے اور کئی لوگوں کی گرفتاریاں ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تمہارے پاس کچھ ایسا ہے جو انہیں خطرے میں ڈال سکتا ہے، جس کی وجہ سے وہ یہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ کیا ایسا ہے؟" انیشہ کی خوف زدہ آواز پر اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلانا مناسب جانا۔ اس نے تو ابھی بس چند ایک اداروں کی نام اور ان میں ہونے والے کالے کاموں کی لسٹ انہیں دی تھی۔ اصل مواد تو اب بھی اس کے پاس تھا اور اس نے غلط کیا جو اسے خود تک محدود رکھا۔ کل وہ سب ٹی وی اسٹیشن تک ان کلپس اور فائلز کو لیک کر دے گی جو اس کے پاس تھا۔ ان مافیا گروپ نے غلط کیا جو اس سے پنگا لے لیا۔ اب انہیں آج کے واقعہ کا حساب دینا ہو گا اور یہ حساب بہت سخت ہونے والا ہے ان کیلئے بہت زیادہ سخت۔

"تم کیا کرتی پھر رہی ہو ایلاف، مجھے اب خوف آنے لگا ہے تمہاری حرکتوں سے۔" انیشہ حقیقتاً گھبرا گئی تھی۔ ایلاف نے اس کا سر تھپکا اور بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹرسٹ می، اب سو جاؤ صبح جابز پر بھی جانا ہے ہم

دونوں کو۔" وہ کروٹ بدل گئی تھی۔ ایسے کہ اسے نیند آئی ہو مگر اب نیند کس کافر کو آنی تھی بھلا۔

☆......☆......☆

ہیکرز کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سر فہرست وائٹ ہیٹ ہیکرز، بلیک ہیٹ ہیکرز، گرے ہیٹ ہیکرز، گرین ہیٹ ہیکرز، بلیو ہیٹ ہیکرز اور ریڈ ہیٹ ہیکرز شامل ہیں۔ ہر ہیکر کا کام منفرد اور نیت پر منحصر ہے کہ آیا وہ اپنی سکلز کو اپنے مفاد کیلئے استعمال کرتے ہیں یا پھر عوامی بہبود اور ملک کی ترقی اور اس کی حفاظت کیلئے۔

گرے ہیٹ ہیکرز بلیک اور وائٹ کے درمیان میں آتا ہے۔ سفید ٹوپی ہیکرز اچھے قسم کے ہیکرز ہوتے ہیں امن والے جو حکومت کیلئے کام کرتے ہیں۔ یہ پیشہ ور ہوتے ہیں۔ یہ حکومت کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کے مطابق کام کرتے ہیں۔ انہیں آپ اخلاقی ہیکرز کا نام دیں تو غلط نہ ہوگا جبکہ سیاہ ٹوپی یعنی بلیک ہیٹ ہیکرز اس کے بالکل متضاد ہوتے ہیں۔ ان کی نیت غلط ہوتی ہے۔ وہ ایسے سسٹم تک رسائی حاصل کرنے کیلئے دوسرے سسٹمز پر حملہ کرتے ہیں جہاں ان کے پاس داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی یعنی وہ کسی دوسرے کا سسٹم بغیر اس کی اجازت کے اپنے قابو میں کرلیتے ہیں۔ اسلامی رو سے وہ چوری کے مرتکب ہوتے ہیں اور سزا کے حقدار بھی۔

سسٹم کو اپنے قابو میں کرنے کے بعد اکثر و بیشتر وہ اسے تباہ کردیتے ہیں یا پھر ڈیٹا کو استعمال کرتے ہوئے وہ بلیک میلنگ شروع کردیتے ہیں اور یوں ناجائز پیسہ بٹورتے ہیں جو کہ اب پاکستان میں بھی بہت کامن ہو چکا ہے۔ ہر تیسرے کونے سے اس طرح کا مینڈک نکلتا ہے اور اپنی مانگیں پوری کروانے کیلئے بلیک میلنگ شروع کردیتا ہے۔ یوں وہ ناجائز پیسے کمانے کے ساتھ ساتھ ناجائز کانفیڈینس بھی حاصل کرلیتا ہے جو اسے مزید گناہ کرنے پر ابھار

دیتا ہے اور وہ گناہ پر گناہ کیے چلا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بتا چکی ہوں کہ گرے ہیٹ ہیکرز بلیک اور وائٹ کے درمیان میں آتے ہیں تو ان کیلئے یہ کہنا بجا نہ ہو گا کہ وہ تصدیق شدہ نہیں ہوتے یعنی وہ گمنام ہیکرز ہوتے ہیں جن تک رسائی قدرے مشکل ہوتی ہے۔ (بلیک ہیٹ ہیکرز شہرت اور اپنی دھاک بٹھانے کیلئے خود کی پہچان کروا دیتے ہیں۔ یہ وہی ہوتے ہیں جن کے مافیا گروپس اور اسمگلرز کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ مل کر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ اسمگلرز انہیں کثیر رقم دے کر خطیر رقم نکلوانے کا کام کرتے ہیں۔ بلیک ہیٹ ہیکرز بکاؤ ہوتے ہیں۔) زیادہ تر ان کے محرکات اور مقاصد ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو لوٹتے ہیں اور نہ ہی ان کی مدد کرتے ہیں بلکہ وہ کمپیوٹر میں موجود خامیاں تلاش کر کے انہیں درست کرتے ہیں۔ کریک ڈیفنس اور سسٹمز کے ساتھ تجربہ کرتے رہتے ہیں۔ ضرورت پڑتی ہے تو چپکے سے کبھی کسی کے سسٹم میں جا بیٹھتے ہیں انہیں تنگ کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ لوگوں کو ان سے تنگ ہونے سے بچانے کیلئے، ایلاف کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ وہ گرے ہیٹ ہیکر تھی جو اپنے مفاد کیلئے دوسروں کے سسٹم ہیک نہیں کیا کرتی تھی بلکہ کسی تفریح کی خاطر یا پھر کمپیوٹر میں موجود ٹریفک کو کم کرنے کی خاطر ایسا کر لیتی تھی۔

اس نے ایک کلک دبایا تھا اور ساری معلومات ڈارک ویب کے حوالے کر دی تھیں۔ ڈارک ویب کے بارے میں تو اب بچے بچے کو پتا ہے کہ وہاں کس قسم کی سرگرمیاں ہوتی ہیں اور کون کون موجود ہوتا ہے۔ وہ جانتی تھی اب پیشہ ور مجرم اور اسی کی طرح پوشیدہ ہیکرز اس مافیا گروہ کی دھجیاں اڑا دیں گے جنہوں نے کل اسے مارنے کی واردات کی تھی۔ کسی کی اتنی ہمت کے وہ ایلاف کو مار سکے۔ ہنہہ۔

اب ان کی معلومات کھلونا ہونے والی تھی اور نیلام بھی، جانے کتنی بولیاں لگیں گی۔ جانے کون کون اسے محفوظ کر کے کس کس انداز میں استعمال کرے گا۔

''ہمنگ برڈ کی طرف سے ڈارک ویب کو ٹریٹ۔'' یہ اس کا کیپشن تھا۔ یہ کل رات کے واقعے کی سزا تھی۔

اپنی آئی ڈی پر پوسٹ کر کے اور کام ختم کرنے کے بعد اس نے کیز پر انگلیاں چلائیں اور ایک ویب سائٹ کھول لی۔ یہ اسی مافیا گروہ کی ویب سائٹ تھی جنہوں نے کل سنگین جرم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ویب سائٹ کل سے اس کے کنٹرول میں تھی۔ اس نے وہاں سے ایک نمبر لیا اور لیپ ٹاپ سے ہی کال ملالی۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ کال کے پک کرنے کا انتظار کرنے لگی۔ اس کا انتظار زیادہ طویل نہیں تھا۔ ایک بھاری آواز اس کے ہیڈ فونز میں ابھری تھی۔

''ہیلو، ساجد قصائی بات کر رہا ہوں۔ کون؟'' آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آدمی بھاری جثے کا ہے۔ ایلاف نے مسکراہٹ کو اس آدمی تک منتقل کیا اور ایک بٹن پش کر کے بولی۔

''میں اس قصائی کی موت ہوں، تمہیں وارن کرنے کیلئے فون کیا ہے۔'' مردانہ آواز پر وہ سٹپٹا گیا۔ کس مائی کے لال میں اتنی جرأت تھی کہ وہ ساجد قصائی کو دھمکی دے سکے ہاں؟

''اوئے کاکے۔ ہوش میں تو ہے۔ جانتا ہے کس سے بات کر رہا ہے۔ تیری۔'' اس آدمی کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ وجہ وہ سب سننا تھا جو کہ وہ کبھی بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔

''بیوی کا نام ثمینہ ہے۔ عمر یہی کوئی چھتیس کے لگ بھگ، چار بیٹیاں واؤ ماشاءاللہ تم تو بڑے خوش نصیب ہو۔'' اس نے جان بوجھ کر وقفہ لیا اور پھر سکرین پر نظر آتے اس کے بیٹے کو دیکھ کر بولی۔

”بیٹا تمہارا قد میں چھوٹا رہ گیا۔ اسے کچھ کھلایا پلایا کرو۔ قصائی کی اولاد ہو کر اتنا دبلا پتلا مزا نہیں آیا دیکھ کر۔“

”کک، کون؟“ ساجد کی سیٹی گم ہوئی تھی۔ بیٹیوں پر اس کا خون کھولا تھا مگر بیٹے کا سن کر اس کی جان پر بن آئی تھی۔ ایک ہی تو بیٹا تھا۔ وہ بھی جانے کتنی منتوں، مرادوں سے حاصل کیا تھا۔ اسے کچھ ہو جائے گا تو وہ تو کہیں کا نہیں رہے گا۔ اس نے فون کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا جیسے بات کرنے والے کی گردن دبوچ رکھی ہو۔

”تمہیں پتا ہے تم لوگوں کا مسئلہ کیا ہے۔ تم نا اپنے اور اپنی فیملی کیلئے بہت حساس ہوتے ہو لیکن دوسروں کے خاندانوں کیلئے جانور۔“

ساجد کے اردگرد اس کے پٹھو اکٹھے ہو چکے تھے۔ ایک جو موبائل ریپئرنگ کا کام کرتا تھا اس کے سیل فون کے ساتھ کچھ اٹیچ کر کے اسے لیپ ٹاپ سے کنیکٹ کر چکا تھا۔ باقی سب تو بس کھڑے سن رہے تھے۔

”جب دوسروں کے بچوں کو اغوا کر کے انہیں چائنیز لیب میں بھجواتے ہو تب تمہارا دل کیوں نہیں کانپتا، تب اتنا خوف آواز میں کیوں نہیں گھلتا جتنا اپنے بچوں کا سن کر ہوتا ہے۔“

ساجد قصائی کا کارندہ جلدی جلدی لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا اور بار بار اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نفی میں مایوسی سے سر ہلا دیتا تھا جیسے اسے ٹریپ کرنے میں اسے ناکامی ہو رہی ہو اور اسے ہو بھی رہی تھی تبھی تو وہ اتنا الجھا ہوا تھا۔

”دیکھ کاکے! میں یہاں لیکچر سننے نہیں بیٹھا سیدھا سید ھا مدعے پر آ۔“ ایلاف نے اپنا وزن کرسی پر گرایا اور تحمل سے گویا ہوئی۔

”ایلی کا پیچھا چھوڑ دو۔ اس نے کچھ نہیں کیا اور نہ ہی اس کے پاس کچھ ایسا ہے جو وہ تمہیں

دے سکے، سب کچھ میرے پاس ہے وہ میں ہی تھا جس نے ساری معلومات اس تک پہنچائی تھی۔"

"نہ تُو نے ہمیں بیوقوف سمجھا ہوا ہے۔ ہمارے بندے نے خود اسے دربار میں دیکھا تھا اور وہ کسی سکواڈ کے ساتھ تھی۔ ہمارا آدمی وہاں سے نہ نکلتا تو پکڑے جانا تھا اس نے۔"

ایلاف نے جھٹ سے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

"وہ تو اب بھی پکڑا جائے گا بلکہ پکڑا گیا ہوگا کیونکہ جس طرح میں نے ایلی کو معلومات بھیجی تھیں اسی طرح پولیس کو اس تک پہنچا دیا ہے۔ یقین کرو اگر تم ایلی کو پکڑ بھی لو گے نا تو بھی تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ وہ مجھے نہیں پہچانتی، دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا صرف تم ظالموں کو نہیں آتا۔"

ساجد قصائی نے مٹھیاں سختی سے بھینچیں۔ اس کا نکما کارندہ ابھی تک لیپ ٹاپ میں لگا ہوا تھا۔ اس کی جگہ اگر سکرپٹ کڈیز (نابالغ ہیکرز) ہوتا تو شاید وہ بھی کچھ کر پاتا لیکن جو سامنے بیٹھا تھا وہ تو کوئی بالکل ہی ناکارہ سا لگتا تھا جسے اب ساجد قصائی آگ بگولہ ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"پھر بھی اس چھوکری کو تو ہم نہیں چھوڑیں گے اتنا تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کوئی پہنچی ہوئی چیز ہے اور ایسی چیزوں کو کون ہاتھ سے جانے دیتا ہے۔"

ایلاف چند لحظے سکرین پر نظریں گاڑے بیٹھی رہی پھر اس نے کرسی کی پشت کو چھوڑا اور دونوں کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر بولی۔

"فائن، تمہاری دو بیٹیاں جو اس وقت کالج میں ہیں آج رات گھر نہیں آئیں گی۔ ذرا پریشان نہ ہونا ڈیڈی جی آپ، اور نہ ہی متحرک ہونا کیونکہ اگر ایسا کیا تو ایک بٹن کی دوری پر

ہے بومب۔"

ساجد کا دل حلق کو آن پہنچا۔ اگر اس کی بیٹیوں کو کچھ ہو گیا تو وہ کیا کرے گا۔ جوتے کی مل کا آنر جو بہت بڑا تمبا کو سمگلر تھا اس کی بڑی بیٹی پر دل ہار بیٹھا تھا۔ اسی سال اس سے شادی کرنا چاہتا تھا تو دوسری جانب رستم خان تھا جو اغوا ہوئے بچوں کا چائنہ کے ساتھ کاروبار کرتا تھا۔ وہ اس کی دوسری بیٹی میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اگر اسے بھی کچھ ہو گیا تو وہ وہاں سے بھی نہیں بچے گا یعنی دونوں طرف سے اس کی درگت بننی تھی۔ اس نے چٹکیوں میں فیصلہ کیا اور گھٹنے ٹیک دیے۔

"اچھا ٹھیک ہے چھوڑ دیتے ہیں تمہاری محبوبہ کا پیچھا۔"

ایلاف کو زور سے ہنسی آئی اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کا گلا گھونٹا تھا۔ وہ اسے سن رہی تھی جو مزید کہہ رہا تھا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھنا ساجد قصائی کسی مائی کے لال سے نہیں ڈرتا۔"

ایلاف نے کال کاٹ دی تھی۔ ہیڈ فونز کانوں سے ہٹا کر وہ کہہ رہی تھی۔

"کسی مائی کے لال سے نہیں بلکہ اب سب مائی کے لالوں سے ڈرو گے تم۔" وہ اپنی کامیابی پر ہنس رہی تھی تو دوسری طرف ساجد قصائی لیپ ٹاپ میں گھسے اپنے بندے کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"نا میں پوچھوں حرام کھاتے ہوئے بھی تیری عقل نہیں چلتی جو اس کا پتہ نہیں کھوج سکا، وہ کل کا چھوکرا مجھے دن میں تارے دکھا گیا اور تو ان پلاسٹک کے بٹنوں سے ہی لڑتا رہا۔ تف ہے تجھ پر۔" اس کے سر کو زمین پر پٹختے ہوئے وہ تلملا کر آگے کو بڑھا تھا۔

☆......☆......☆

ساجد قصائی سے بات کرنے کے بعد وہ ٹیرس پر چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی جب

حواس باختہ سا شراحیل وہاں آن موجود ہوا۔ اس کی کہنی تھام کر شدید تفکر بھرے انداز میں وہ اس سے دریافت کر رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو۔ کیا ہوا تھا؟ ثمر نے جیسے ہی مجھے سب بتایا میری تو جان پر بن آئی۔ تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا؟"

اوراس آخری ایک جملے پر ایلاف کا دل یکدم تاریک ہوگیا۔ وہ جو اس کی پریشانی پر خوشی سی محسوس کر رہی تھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ سفید چائے کا مگ جس پر ڈریمر لکھا تھا، کو ہاتھ میں تھامے وہ گرل سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ آٹھ بجنے والے تھے اور نو بجے اسے آفس کیلئے نکلنا تھا۔

"یہاں پر بھی تمہیں اپنی ہی پڑی ہے شراحیل، میرے بعد تمہارا کیا ہوتا؟ کتنی سلفشنس ہے نا اس ایک جملے میں یعنی تمہیں میری موت کی پرواہ نہیں ہے بلکہ خود کے اکیلے رہ جانے کی ہے۔ واؤ۔" ایلاف کا ایک ہی مائنس پوائنٹ تھا وہ ہر بات منہ پر کر دیا کرتی تھی یہ سوچے بنا کہ بات کہنے کا وقت ہے بھی یا نہیں۔

"تم کیا کہہ رہی ہو ایلی، تم پاگل واگل تو نہیں ہو گئی ہو کیا، میں یہاں پر تمہاری پریشانی میں گھلا جا رہا ہوں اور تم ہو کہ مجھے طعنہ دے رہی ہو۔ کمال ہے۔" وہ اس کی کہنی چھوڑ چکا تھا۔ رات کی بارش کے آثار ہر سو موجود تھے۔ درخت، گرل، ٹیرس سب ابھی تک بھیگے ہوئے تھے۔ موسم اب بھی ابر آلود تھا۔ گدلے بادلوں نے آسمان کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ کسی بھی وقت وہ زمین پر حملہ کیلئے تیار تھے کبھی بھی بارش برس سکتی تھی۔

"اول روز سے کہہ رہا ہوں تمہیں ان سب چیزوں سے دور رہو۔ ایک نارمل لائف جیو ہر لڑکی کی طرح لیکن تم ہو کہ پتا نہیں تم پر کون سے بھوت سوار ہیں۔"

ایلاف نے ضبط سے چائے کا گھونٹ بھرا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے جس نے چند

روز پہلے اس سے کہا تھا کہ شادی کے بعد وہ اس کے ساتھ ساتھ ہوگا اور کیا ہوگا؟ وہ انسان جو ابھی اس کے کام کے اتنا خلاف دکھ رہا ہے بعد میں کیا کرے گا۔ ایلاف نے ابھی یہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کرلیا کہ وہ فی الحال ابھی اس سے شادی نہیں کرے گی۔

''جو تمہیں کچھ دیکھنے ہی نہیں دے رہے ہماری پریشانی اور نہ ہی محبت۔''

ان کے گھر کے باہر پولیس کی نفری موجود تھی۔ ایک مجسٹریٹ کے ہاں اتنی بڑی واردات ہو اور پولیس نہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ جانتی تھی اب کچھ عرصے کیلئے اس پولیس نے یہیں رہنا ہے ان کی حفاظت کے لیے۔

''تم کچھ عرصے کیلئے بیجنگ جا رہی ہو اور یہ میں نے نہیں کہا ہے انکل نے فیصلہ کیا ہے۔ ایسے مت دیکھو مجھے ایلی تم انکار نہیں کر سکتی۔'' ایک دو بوندیں گرنی شروع ہو چکی تھیں۔ وہ اس وقت انیشہ کے روم کی ٹیرس پر تھی۔ اس کا کمرہ اس وقت ثمر کی کسٹڈی میں آچکا تھا اور وہاں چند ایک پولیس افسر موجود تھے۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے شراحیل جس سے بچنے کیلئے میں چھپتی پھروں۔ میں کہیں نہیں جا رہی ہوں ابھی تو بالکل بھی نہیں۔''

اور وہ جانتا تھا سامنے کھڑی لڑکی کتنی ہٹ دھرم ہے۔ اس نے غصے سے مٹھیاں بنائیں۔ ایک بوند اس کی ناک کی چونچ پر گری تھی۔ وہ پانی کی ٹھنڈک کو نظر انداز کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''بات چھپنے کی نہیں بلکہ حفاظت کی ہے۔ ہر چیز کو الٹ مت لیا کرو تم، اب غصہ کیوں کر رہی ہو یار، بند کرو ایسے دیکھنا۔'' وہ ماتھے پر بل ڈالے غصیلی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

شراحیل نے ہاتھ پھیلائے مانو حیرت ظاہر کی ہو۔

''تم ڈیڈی کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔''

شراحیل ہولے سے مسکرایا۔اس چٹکی پر غصہ خوب جچتا تھا۔اس نے بھی گرل سے ٹیک لگائی، بوندوں کی رفتار میں تیزی آچکی تھی۔

"ویل یہ تو سچ ہے کیونکہ آہ آہ ظالم انسان۔"

اس کی بات سنتے ہی ایلاف نے اس کی انگلی گرما گرم چائے میں ڈبودی۔چائے اتنی گرم تھی کہ شراحیل کی انگلی سرخ ہوچکی تھی۔وہ اسے ہلاتے ہوئے ایلاف کے پرسکون چہرے کو دیکھ رہا تھا جس نے چائے کا آدھا خالی مگ میز پر رکھ دیا تھا۔

"تم بہت ظالم ہو ایلاف۔" وہ انگلی سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ایلاف آگے بڑھی اور اس کی ٹائی کو درست کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تو ابھی ٹریلر ہے اس سے بھی زیادہ ظلم کرسکتی ہوں میں، اگر تم نے ڈیڈی کو مجھے باہر بھیجنے سے نہ روکا تو، پورا ہاتھ جلادوں گی اور تم جانتے ہو میں یہ کرلوں گی۔" ٹائی کو تھپک کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔انیشہ ان دونوں کو شیشے سے دیکھ رہی تھی۔ایلاف اس کے پاس سے گزر رہی تھی جب وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"بدتمیز کچھ تو لحاظ کیا کرو۔"

پھر وہ ٹیرس پر آگئی جہاں شراحیل سرخ انگلی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کہیں ثمر نے تو اسے ٹریننگ نہیں دی ہے جو یہ اس طرح کی حرکتیں کرتی پھرتی ہے۔"

اس کی انگلی میں جلن ہونے لگی تھی۔واثق امید تھی کہ چھالے پڑجائیں گے۔انیشہ نے کاندھے اچکادیے۔وہ میز کے پاس رکھی کرسی پر آکر بیٹھی اور بولی۔

"پتا نہیں یہ دونوں بہن بھائی کس پر چلے گئے ہیں۔سخت خرانٹ اور روڈ میں تو ان کی بہن لگتی ہی نہیں۔"

مسلسل ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ انیشہ کے بالوں میں بارش کے قطرے ہیرے کی طرح گرنے لگے۔ ایلاف نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے شراحیل کے الفاظ سنے۔

"بالکل ٹھیک کہتی ہو نمبروں پر تو ایلاف محترمہ آتی ہیں۔"

اس کے لبوں پر مسکراہٹ آن دوڑی تھی۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے مڑی۔ تھوڑی دور سیڑھیاں تھیں جس کی گرل پر ہاتھ رکھے وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر رہی تھی۔ اس نے دیکھا نیچے لاؤنج میں کچھ آفیسرز کے ساتھ ثمر کھڑا راز و نیاز کر رہا تھا۔ اسے دور سے دیکھ کر وہ ہاتھ کے اشارے سے قریب آنے کا کہہ رہا تھا۔

ثمر اس کا پیارا بھائی سپیشل فورس کا ہیڈ آفیسر چارمنگ اور نڈر، وہ اس وقت گھر کے لباس میں ہی تھا۔ گرے فارمل پینٹ پر سفید شرٹ پہنے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے جیب میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اس کی ایپل کی رسٹ واچ شائن کر رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آ کر رکی۔

"جوتوں کے جو نشان تھے ان کے پیش نظر ایک خاکہ ہمارے آفیسر نے بنایا ہے۔"

ثمر کے کہتے ہی ایک آفیسر آگے بڑھا اور کاغذ کو کھول کر اس کے سامنے کیا۔ کھچڑی بالوں والا وہ درویش اس کی نظروں کے سامنے تھا وہ یقیناً یہی تھا۔

"ٹوٹے ہوئے چند بالوں نے اور اس قمیض کے ٹکڑے سے معلوم ہوا ہے کہ واردات میں ملوث کوئی بھکاری یا پھر جوگی تھا۔ یہ چہرہ اس لیے بنوایا ہے تاکہ تم پہچان سکو کہ آیا یہ وہی ہے یا نہیں، اگر تم نے تھوڑی سی بھی اس کی جھلک دیکھی ہے تو۔"

وہ ثمر اور اس کے ساتھیوں کی سکلز سے حد درجہ متاثر ہوئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے بھائی کی اتنی کونیک سروس ہے یا پھر یہ اس لیے تھا کیونکہ واردات اس کے گھر میں اس کی بہن کے ساتھ ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے اگر کسی اور کے ساتھ ایسا ہوتا تو وہ کبھی بھی اتنی جلدی کام نہ نبٹاتا۔

”یہ وہی ہے۔“ اسے خود کی مدھم آواز سنائی دی۔ ”میں نے تھنڈر کی روشنی میں ہلکا سا دیکھا تھا، ایسے ہی خدوخال تھے۔“

ثمر اس کے گرد بازو کیے کھڑا تھا تصدیق پر جھٹ بولا۔

”پرفیکٹ پھر آج ہی اسے حراست میں لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہر طرف ناکہ بندی کر دو۔ یہ آدمی مجھے کسی بھی صورت زندہ چاہیے۔“ آرڈر دے کر وہ یونہی بازو کے ہالے میں اسے لیے سائیڈ پر آیا۔ وہ اس کی چھوٹی بہن تھی اور اسے بہت عزیز تھی۔ کنسول میز کے پاس وہ آکر رکا اور اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں قید کرتے ہوئے بولا۔

”میں جو کہوں گا وہ مانو گی۔“ پیار بھری دھونس تھی۔ ثمر کا ہالہ اس کیلئے حفاظتی شیلڈ تھا۔ وہ جانتی تھی جب تک اس کا بھائی اس کے ساتھ ہے وہ ہر مصیبت سے محفوظ ہے۔

”یہ ملک نہیں چھوڑوں گی بھائی، میں اتنی ڈرپوک تو نہیں ہوں کہ چھپتی پھروں۔“

ثمر نے دور کھڑی اپنی ٹیم کو دیکھا اور پھر ایک قدم آگے بڑھ کر کہنا شروع ہوا۔

”تم جانتی ہو جب تم دونوں پیدا ہوئی تھیں تو سب سے زیادہ خوش میں تھا۔ انیشہ کیلئے خوش تھا مگر جب پانچ منٹ بعد اللہ نے مجھے ایک اور گڑیا دی تو میں خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔ ممی تمہارا نام کچھ اور رکھنا چاہتی تھیں مگر میں نے زور دے کر ایلاف رکھا اور ان سے ڈیل کی کہ انیشہ کو وہ رکھیں گی اور تمہیں میں رکھوں گا پھر جب ڈاکٹرز نے کچھ دن بعد کہا کہ تم نہیں بچو گی تو یقین کرو اس خبر کے ساتھ میں بھی مر گیا تھا۔ بہت رویا تھا۔ کھانا پینا بند کر دیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں مجھے میگرین کا اٹیک ہو گیا تھا۔“ وہ ہنسا ایلاف کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

”میں نے بیماری میں بھی تمہارے لیے دعا کی تھی اور اللہ نے میری دعا سن لی۔ تم چار ماہ

بعد صحت مند ہو کر گھر لوٹ آئیں۔ پھر کیا تھا میرا پورا وقت تمہارے ساتھ گزرتا تھا۔ تمہارے ساتھ سوتا تھا، تمہارے ساتھ کھاتا تھا، تمہارے ساتھ کھیلتا تھا۔ یوں رفتہ رفتہ ہم بڑے ہوتے چلے گئے۔ ممی نے آرڈر دیا کہ اب تم بارہ سال کی ہوگئی ہو اور میں تمہارے ساتھ روم شیئر نہیں کرسکتا۔ میں تب بھی بہت رویا تھا اتنا کہ خود کو بیمار کرلیا۔"

اب کے وہ ہنسی تھی۔ آ ئبرو کھجاتے ہوئے وہ مزید اس سے کہہ رہا تھا۔

"عمر کم تھی اور گھر کا ماحول اچھا تھا اس لیے ان نزاکتوں کو نہیں جانتا تھا اس لیے ممی کے سمجھانے پر کوئی ضد نہیں کی اور چپ چاپ اپنا بوریا بستر اپنے کمرے میں سیٹ کروالیا۔ جانتی ہو اس دن سے میرے دل میں عہد جاگ اٹھا تھا کہ اپنی بہنوں کی جان سے بڑھ کر حفاظت کرنی ہے۔ انہیں زندگی کی ہر مشکل سے بچا کر رکھنا ہے۔ اس دن کے بعد میں ایک سینسٹو بھائی سے حساس بھائی بن گیا تھا جو اپنی بہنوں کیلیئے ایک شیلڈ کا کام کرتا ہے۔ ان کا پیرنٹس کی طرح خیال رکھنا جانتا ہے۔ شراحیل کے حق میں، میں اس لیے ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ چاہنے سے زیادہ تمہاری عزت وقدر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہی میں تم دونوں کے ٹرپ کے خلاف بھی نہیں تھا کیونکہ میں جانتا ہوں وہ تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں کرسکتا۔ مجھے تم پر آنکھ بند کر کے یقین ہے اور میں جانتا ہوں میری بہن اپنے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دے گی اتنی تو تم مضبوط ہو، ہو نا؟"

اس نے سوال کیا تھا۔ نم آنکھوں اور عزت کے بوجھ سے مغلوب دل کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ثمر نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے پر رکھا تھا۔ مہنگی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرا گئی۔

"گڈ گرل۔" وہ اسے خود سے الگ کر رہا تھا۔ کر کے کہہ رہا تھا۔ "بائی دا وے میں بھی

تمہارے روپوش ہونے کے حق میں نہیں ہوں بس بھائی ہونے کے ناطے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ زور زور سے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں آپ کی ہر بات مانوں گی بھائی۔"

ثمر نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا اور وہ کہا جو شاید کبھی ایلاف سننا نہیں چاہتی تھی۔اس کے الفاظ میز پر رکھے سرخ پھولوں نے بھی سنے تھے جو کہ یہ تھے۔

"اس طرح کی سرگرمیاں بند کردو،ان مافیا گروہ سے دور رہو۔یہ بہت بہت ظالم ہوتے ہیں ایلاف،ان کے سینے میں دل نہیں ہوتا کوئی خوف نہیں ہوتا۔یہ بے رحم ہوتے ہیں۔تم جانتی ہو انیشہ اور تمہارے لیے میری محبت۔۔۔میں،میں برداشت نہیں کر پاؤں گا۔"

ثمر کے ہاتھوں میں اب بھی اس کا ہاتھ قید تھا۔وہ ہاتھ جو پہلے گرم تھا اب ہولے ہولے سرد ہونا شروع ہو چکا تھا۔ایلاف نے پلکیں جھپکتے ہوئے سر کو اثبات میں ہلایا پھر اسے اپنے الفاظ سنائی دیے۔وہ الفاظ جو وہ کبھی بھی حلق سے برآمد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جیسا آپ،آپ کہیں۔"

ثمر نے ایک بار پھر سے اسے سینے سے لگایا۔ایلاف کا آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک گیا۔ محبتیں واقعی ظالم ہوتی ہیں۔وہ،وہ کام کروا لیتی ہیں جن کو کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔ رشتوں،محبتوں اور زنجیروں میں فرق ہے بھی کہاں تینوں ایک ہی کام کرتی ہیں اور وہ ہے قید جیسے ابھی ایلاف ہوگئی تھی ثمر کی محبت اور اس کی انسیت میں قید۔

☆......☆......☆

اور بس یہی تھا جو اس نے کیا تھا۔اس نے سارا ڈیٹا ڈارک ویب کے ہاتھوں کر دیا تھا۔

ساجد قصائی اور مافیا گروپ کی جو درگت بنی تھی وہ خبروں کی سرخیوں میں تو خیر ہرگز نہیں تھی ہاں انٹرنیٹ پر ان کے جرائم اور لوٹ مار ہو جانے کی بڑی بڑی تفاصیل موجود تھیں اور یہ تفصیلات صرف انہی کے ہاتھوں میں تھی جو کمپیوٹر میں کمانڈ رکھتے ہیں۔ عام لوگ پھر بھی ان کے بلیک میل ہو جانے والی باتوں سے قاصر تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسا کیا کر بیٹھی ہے کہ وہ زمین زاد جو کرائم رپورٹ بنانے کے ٹھیک ایک دن بعد سے اس کے خوابوں میں آ رہا ہے حقیقت میں کیسے اس تک آن پہنچا ہے۔ اسے نہیں معلوم تھا بالکل بھی نہیں۔

"مجھے نہیں پتا تم مجھ تک کیسے پہنچے۔ میں ضرور تم کو نہیں جانتی ہوں گی۔ تمہاری جینڈر بھی مجھ سے مخفی ہے اور۔۔۔"

اس کی بات قہقہہ لگا کر قطع کر دی گئی۔ ایلاف نے کچھ پل خود کو روک لیا اور اسے سنا جو مزید کہہ رہا تھا۔

"میری آواز سے تمہیں کیا لگتا ہے، ہاں؟" اس کے متانت سے پوچھنے پر ایلاف نے گہرا سانس بھرا تھا اور پھر وہ کہا جو مزید زمین زاد کو ہلا گیا۔

"آواز تو میری بھی ایسی ہی تھی مگر تم نے مجھے پکڑ لیا۔ تم کیسے جانتے ہو کہ ہمنگ برڈ ایک لڑکی ہے ایک پاکستانی لڑکی؟"

سکرین بلینک تھی سوائے ایک چکور ڈبے کے جس میں مرد کی شیپ بنی ہوئی تھی۔ گرے رنگ کی شیپ کسی بھی نقوش سے عاری۔

"پھر وہی سوال تمہارے پاس اور کچھ ہے پوچھنے کو؟ چلو پوچھو مت میں تمہیں کچھ دکھاتا ہوں۔ گیٹ ریڈی فار دا سرپرائز۔"

اور اچانک وہ سکرین جو بلینک تھی پر پہلے رنگین لائنز ابھرنے لگیں اور اس کے بعد ایک

منظر واضح ہوا تھا۔ خطرناک دل دہلانے والا منظر۔ وہ منظر جیسے شاید ہی وہ دیکھنا چاہتی ہو۔ ایک گودام کا منظر جہاں نیلے ٹین پڑے تھے اور ان ٹینوں کے پاس زخمی حالت میں وہ لوگ تھے جن کو وہ ثمر کے توسط سے جانتی تھی۔ اس ملک کے امراء اور چند عام لوگ جن کے ہاتھ پیچھے کو ڈکٹ ٹیپ سے بندھے تھے اور ہونٹوں کو کھول کر باریک سا کپڑا اس میں سے گزار کر سر کے پیچھے باندھا گیا تھا۔ دو لوگ زخمی تھے۔ اتنے کہ ان کا خون زمین پر خشک ہو چکا تھا اور آنکھیں درد سے بوجھل تھیں۔

”یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔ تم مجھے یہ سب کیوں دکھا رہے ہو۔ کون ہو تم؟“

کیمرے کا رخ بدلا گیا۔ منہ پر نقاب، سر پر ہڈ اور بھنوؤں تک آتے سیاہی مائل بھورے بال جو گیلے سے محسوس ہو رہے تھے یا پھر وہ گیلے نہیں بلکہ جیل شدہ تھے۔

”تم عورتیں سوال بہت کرتی ہو۔ اب اپنا کیمرہ آن کر لو مادام کیونکہ میں ہمنگ برڈ کو اچھے سے جانتا ہوں۔“

اس نے چھوٹا سا آئی فون کیمرے کی طرف لہرایا جس میں اس کی تصویر موجود تھی۔ اس تصویر میں وہ سر اونچا کیے ہنس رہی تھی اور یہ وہ ہنسی تھی جو اس وقت ایلاف کو زہر لگی۔ چند لمحے اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور پھر بٹن پش کر دیا۔ ہائی ٹیل پونی، بڑے بڑے چشمے اور سخت چہرے کے ساتھ ایلاف اس نقاب پوش کی نظروں کے سامنے تھی۔ وہ ستائش سے ابرو کو اچکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہائٹ فائیو سکس، بیچلر ان ماس کمیونیکیشن، گرے ہیٹ ہیکر، مجسٹریٹ کی بیٹی اور وکیل کی منگیتر۔ دلچسپ۔“

اس نے سر پر سے ہڈ اتارا۔ گول گول سپرنگ والے بال چمکتے ہوئے اس کی نظروں کے

سامنے تھے۔ وہ گرے جرسی کو بازوؤں تک چڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''حسین مگر بیوقوف۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے نقاب کی گرہ کھولی۔ وہ ناک سے ڈھلک کر گردن پر جا گرا۔ گہری بھوری آنکھیں، کھڑی ناک اور پتلے پتلے ہونٹ۔ وہ چیونگم چباتے ہوئے مسکرایا۔ ایلاف جو سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی نقاب گرنے پر ڈھیلی ہو بیٹھی۔

''میں تمہیں نہیں جانتی۔ تم پاکستانی لگتے بھی نہیں ہو۔''

وہ ہاتھ کی تالی بجاتے ہوئے بولا۔ ''درست پہچانا میں پاکستانی نژاد ہوں یو نو واٹ میری ماں بھی پاکستانی نژاد تھی۔ دلچسپ نا۔''

اس کے پیچھے کسی نے ایک آدمی کو تھپڑ رسید کیا تھا تبھی وہ مڑ کر دیکھنے کے بعد سیدھا ہوا۔

''تمہارے ملک کے لوگ بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ مجھے تعریف کرنی پڑے گی کہ انہوں نے مجھے خاصا ٹف ٹائم دیا۔''

سکرین پر اب صرف وہی تھی۔ چمکتے ہوئے سیاہی مائل سپرنگ بالوں والا جس کی ہڈکی ڈوریاں اوپر نیچے جھول رہی تھیں اسے طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایلاف نے ہاتھ باہم پھنسائے اور دوٹوک لہجے میں بولی۔

''مجھے یہ سب دکھانے کا کیا مقصد ہے، تم چاہتے کیا ہو۔ سیدھا مدعے پر آؤ۔''

وہ اچھی اردو بول رہا تھا۔ ایسی جیسی کوئی بھی پاکستانی بول سکتا ہے۔ ایلاف سمجھ گئی اس کا تعلق یقیناً کئی عرصے پاکستان کے ساتھ رہ چکا ہے۔

''مدعے پر آؤں۔'' اس نے ہونٹ اچکائے اور پھر وہیں سے بات جوڑی۔ ''آ جاتا ہوں۔ ان لوگوں کو دیکھ رہی ہو؟'' اس نے رخ تھوڑا سا موڑ کر خوف میں ڈوبے مغوی لوگوں

کی طرف اشارہ کیا اور پھر سیدھا ہوا۔ ''یہ تبھی بچ پائیں گے جب تم وہ سب کرو گی جو میں کہوں گا۔''

ایلاف ٹھٹک گئی تھی۔ ٹھٹک تو اس کے کمرے کی ہر شے گئی تھی۔ نیم اندھیرے کمرے میں اسے خود کی سانسیں سنائی دیں۔

''مثلاً؟''

وہ لڑکا جو عمر کے لحاظ سے لگ بھگ ستائیس کا لگتا تھا چہرے کو دونوں ہاتھوں سے رگڑتے ہوئے اپنے وزن کرسی کی بیک پر گرا کر بولا۔

''حکومت سے کہو میری مانگیں پوری کرے۔ مجھے ان سب کی گردنیں چاہئیں جن سب کے سپوت یہاں پر ہیں۔ اگر حکومت نے ایسا نہ کیا تو میرے پاس ایسی آڈیوز اور ویڈیوز ہیں جن کے لیک ہونے پر ملک میں تباہی مچ جائے گی اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو۔۔۔ انیشہ بیچاری کو سفر کرنا پڑے گا۔'' اس کے سفاک لفظوں پر ایلاف نے میز کو دونوں ہاتھوں میں جکڑا اور آگے جھکتے ہوئے غرائی۔

''خبردار، اگر تم نے اپنی زبان سے میری بہن کا نام لیا تو، زبان کاٹ دوں گی تمہاری میں۔''

وہ دونوں ہاتھوں کو سیز فائر کے سے انداز میں کھڑا کر کے پھر سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا جن کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھی۔

''جی دار ہے سیکھو کچھ اس سے۔'' انہیں شرم دلانے کے بعد وہ واپس اس کی طرف مڑا۔ گردن کو تھوڑا سا ٹیڑھا کیا اور ایک ہاتھ کو کرسی کے ہتھے پر ٹکا کر آگے کو جھک کر بولا۔

''تمہاری اس گستاخی پر ایک جان تو گئی آج۔۔۔ سیوو ون۔'' اس نے ایک حبشی کا نام

پکارا جو آرڈر ملتے ہی گولی نیم مردہ بزنس مین کے بیٹے پر چلا چکا تھا۔ تین گولیوں کے ساتھ تین جھٹکے لگے اور وہ لڑکا ساکت ہو گیا۔ ایلاف کی جان اچھل کر حلق میں آئی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔ اسے یقین نہیں آیا وہ بندہ یہ سب کر چکا ہے۔ تیز سانس ٹھنڈے وجود اور پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر کہیں بھی سفاکیت کے آثار نہیں دکھتے تھے۔ جن کی روح سفاک ہو وہ یونہی بے قصور نظر آیا کرتے ہیں۔

''تم ایک، تم ایک درندے ہو، جانور، سائکو پیتھ، بے رحم۔'' اسے نہیں پتا تھا کب آنسو نکلے نکل کر اس کے گلابی ہونٹوں کو بھگو گئے۔ وہ حقارت بھرے لہجے میں اس انسان سے کہہ رہی تھی جس کے ماتھے پر بل بن چکے تھے۔

''ایک سیکنڈ، تم پھر میری انسلٹ کر رہی ہو۔ ہاں، تم نے ابھی ابھی ایسا ہی کیا، تم جان گئی ہونا کہ میں کتنا خطرناک ہوں پھر بھی یہ جرأت کی تم نے، تم نے غلط کیا۔''

ایلاف نے کال کاٹ کر سکرین کو آواز کے ساتھ بند کیا تھا۔ کرنے کے بعد وہ اپنا سر تھام چکی تھی۔ اسے رونا آ رہا تھا بہت زیادہ رونا۔ اس نے منہ پر سختی سے ہاتھ باندھے، ماتھے پر بال اکٹھے ہو چکے تھے اور اس کی بھنویں آپس میں مل چکی تھیں۔ اس کا دل بری طرح گھبرا اٹھا تھا اتنا کہ اسے متلی ہونے لگی تھی۔ پورا بدن شل ہوا اور متورم آنکھیں لوہے کی ہو کر بند ہونے لگیں۔ اس کے سر میں ٹیس اٹھ رہی تھی۔ وہ کرسی پر بے جان سی سر گرا گئی۔

ایک جان اس کے سامنے ضائع ہوئی تھی۔

ایک قتل وہ دیکھ چکی تھی۔

نظر کی بات تھی، یہ کہانی نظر پر ہی مشتمل تھی۔

”اس واقعہ کا میری بیٹی نے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔اسے مناؤ انیشہ کہ یہ کچھ عرصے کیلئے شراحیل کی مام کے پاس چلی جائے۔“

اس کے حواس مکمل طور پر بیدار نہیں ہوئے تھے۔وہ شاید ابھی غنودگی کے عالم میں تھی جب ڈیڈی کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں۔اسے اپنے کمرے میں غیر معمولی چھل پہل محسوس ہوئی تھی۔سب اس کے کمرے میں کیوں ہیں؟اس نے پلکوں کی باڑ کو ہولے سے جنبش دیتے ہوئے سوچا۔دماغ کام کرنے لگا تھا۔اس کام کرتے دماغ نے اسے بتایا کہ اس کی مام پریشانی کے عالم میں اس کے سرہانے بیٹھی ہیں۔وہ کوئی یخ گیلی سی چیز اس کے ماتھے پر رکھ رہی ہیں۔انیشہ ڈیڈی کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی ہے اور شراحیل سامنے صوفے پر ٹھس بیٹھا ہے۔

”یہ نہیں مانے گی ڈیڈی،آپ کوئی اور حل نکالیں۔“

انیشہ کی بات پر غفور نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے شراحیل کو تکا جو یک ٹک بے سدھ لیٹی ایلاف کو دیکھ رہا تھا۔وہ نیم وا آنکھوں سے ان سب کو دیکھنے کی سعی میں تھی جو آنکھوں کے دھندلکے میں کھو سے رہے تھے۔

”ٹھیک ہے پھر اگر یہ ایسے وہاں نہیں جائے گی تو میں شراحیل کے ساتھ اسے رخصت کر دوں گا۔کسی طور تو مجھے اسے یہاں سے بھیجنا ہے نا۔“اس نے فیل کیا تھا کہ اس کی ماما کا ہاتھ اس کے ماتھے پر گیلی پٹی رکھتے ہوئے لرزا ہے۔لرزا وہ ڈیڈی کی اگلی بات پر تھا جو کہ یہ تھی۔

”اگر میں نے ایسا نہ کیا تو واثق امید ہے وہ اسے زک ضرور پہنچائیں گے اور میں نہیں چاہتا میں اپنی ایک اور اولاد کا دکھ دیکھوں۔“

''اللہ نہ کرے غفور۔'' زرینہ نے ان کی بات درمیان میں قطع کی۔ کمرے کا ٹمپریچر تھوڑا اگرم تھا تبھی انیشہ نے ریموٹ اٹھا کر اے سی آن کر دیا۔ آہستہ آہستہ ٹھنڈک کمرے میں پھیلنے لگی۔

''ایسی باتیں مت کریں۔ ہماری بچی کو کچھ نہیں ہوگا۔'' انہوں نے سفید پٹی اٹھا کر دوسرے باؤل میں نچوڑی اور اسے برف والے باؤل میں ڈال کر بھگونے لگیں۔

''اور یہ مضبوط ہے سب ہینڈل کر سکتی ہے۔'' برف ملے پانی میں سن ہوتی انگلیوں کے ساتھ انہوں نے پٹی کو ہلکے سے ہتھیلیوں کے درمیان میں دبایا۔ تھوڑا سا پانی آبشار کی مانند باؤل میں برف کے ٹکڑوں سے ٹکرایا تھا۔

''آپ کی انہی باتوں نے اسے سر چڑھا رکھا ہے۔ مائیں بچیوں کیلیے حساس ہوتی ہیں اور آپ ہے کہ انہیں کوئی اور ہی درس دیتی رہتی ہیں۔''

کمرے میں سردی بڑھ چکی تھی۔ شراحیل تا ہنوز ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اور انیشہ یونہی کھڑی ان دونوں کی بحث کو سن رہی تھی۔

''مجھے اپنی بچیوں کو کمزور نہیں بنانا غفور، انہیں ہر حالات کا مقابلہ کرنا آنا چاہیے۔ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا۔ ہم کب تک ان دونوں کے سروں پر رہیں گے یا ثمر کب تک انہیں پروٹیکٹ کرتا رہے گا۔'' وہ وہی گیلی پٹی اس کے ماتھے پر دوبارہ رکھ رہی تھیں۔ اس کا بخار ٹوٹ چکا تھا۔ بدن کا درجہ حرارت نارمل ہونے لگا۔

''انہیں اپنے معاملات کو خود سلجھانا ہوگا۔ ہر فیز کو جھیلنا ہوگا بس میں نے کہہ دیا جو ایلاف چاہے گی وہی ہوگا اور آپ اسے فورس نہیں کریں گے۔'' وہ دوٹوک بات کر کے چپ ہو گئی تھیں۔ ان کے چپ ہوتے ہی شراحیل کمرے سے اٹھ کر گیا تھا۔ ان تینوں نے اسے وہاں

سے جاتے دیکھا۔اس کی باڈی لینگویج صاف بتا گئی تھی کہ وہ ناراض ہو چکا ہے۔ناراض کس بات پر ہوا ہے سب جانتے تھے۔

”ٹھیک ہے آپ کی بیٹیاں ہیں آپ کچھ بھی کریں۔“ غفور بھی غصے میں ہاتھ جھلاتے ہوئے وہاں سے گئے۔انیشہ نے بند دروازے کی طرف دیکھا اور پھر ممی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”ڈیڈی وہ سب تو نہیں کریں گے ناجو کہہ کر گئے ہیں۔آپ ایلاف کی شادی ابھی نہ ہونے دینا ممی پلیز۔“

زرینہ نے دونوں باؤل اٹھا کر سائیڈ پر رکھے اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھ کر بولیں۔

”آپ بے فکر رہو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ایلاف نے کہاں خود کو پھنسالیا ہے۔مجھے صرف سچ سننا ہے۔انیش جھوٹ نہیں بولنا۔“

اور وہ جو لب کھولنے ہی والی تھی ایلاف کی آدھی کھلی آنکھوں پر چپ کر گئی۔وہ اپنی بہن کی رازداں تھی۔اسے وہ راز حاصل تھا جو اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔وہ ایلاف کا راز تھا اور اس کے پاس امانت تھا۔امانت میں خیانت کرنے کا وہ سوچ نہیں سکتی تھی اور جھوٹ بول کر اللہ کی لعنت حاصل کرنے کا اسے کوئی شوق نہیں تھا۔وہ پھنس گئی تھی اور مزید پھنسی رہتی اگر ادھ کھلی آنکھوں والی مکمل بیدار نہ ہو جاتی تو۔

”ممی۔“ اس کی نقاہت سے بھری آواز سرد کمرے میں گونجی۔انیشہ پر تفتیشی نگاہ گاڑے بیٹھی زرینہ اس آواز پر چونک کر گردن موڑ گئیں۔انہوں نے دیکھا ایلاف کہنیوں کے بل اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا رہی ہے۔اس کے شولڈر کٹ بال تھوڑے سے بکھرے تھے اور آنکھوں کے حلقے کچھ زیادہ ہی واضح ہو چلے تھے۔

”مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“ گیلی آنکھوں کے ساتھ سینے پر سلک کی شہد رنگ چادر

پکڑے نیم دراز ایلاف نے انہیں وہ سب بتا دیا تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ بتائے گی۔ آنسو ایک بار پھر اس کے گالوں پر لڑھک گئے تھے۔ تھوڑے سے کھلے دروازے سے اندر آتا ثمر اس کی ساری روئیداد سن کر وہیں جم گیا۔ اس کی سماعت میں جھکڑ چل رہے تھے۔ یقین کرنا دشوار ہوا کہ اس کی بہن وہ سب کر سکتی ہے جو وہ کہہ رہی ہے۔
کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں پہلے سا منظر ہو چلا تھا۔ غفور غصے و تفکر میں وہیں کھڑے تھے جہاں سے کچھ دیر قبل گئے تھے۔ شراحیل بھی ویسے ہی بیٹھا تھا جیسے پہلے بیٹھا تھا۔ وہ خفا ہو کر جا رہا تھا جب ثمر نے اسے مین گیٹ پر پکڑ لیا۔ وہ ابھی ڈیوٹی سے لوٹا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ شراحیل بنا گپ شپ لگائے یا خفا ہو کر یہاں سے جائے۔ اس کی ساری باتیں سن کر وہ تسلیاں دیتا ہوا اسے اوپر لا رہا تھا جب اس نے وہ سب سنا جو اسے سننا نہیں چاہیے تھا۔

سب سماعت کی بات تھی۔

یہ کہانی سماعت پر مشتمل تھی۔

”مجھے بتاؤ میں حیران ہوں یا غصے سے چیخوں میری بہن مجھ سے چھپا کر یہ سب کرتی رہی اور مجھے کچھ اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔ تم جانتی ہو تم نے مجھے کتنا ہرٹ کیا ہے۔“

وہ یونیفارم میں اچھا دکھتا تھا مگر غصے میں وہ بہت برا لگا کرتا تھا جیسے اس وقت لگ رہا تھا۔ بات پریشانی کی تھی بہت زیادہ پریشانی کی۔

”میں اس کیس میں نہیں تھا تمہارے لیے میں اس کیس میں آؤں گا۔“

”ایم سوری بھائی۔“

غفور صاحب اس کے لفظوں سے تاؤ میں آ گئے۔ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنی بیٹی پر شاؤٹ کریں گے مگر وہ کر رہے تھے۔

”سوری؟ اب سوری کی کیا گنجائش۔ تمہیں معلوم بھی ہے کیا کردیا ہے تم نے، وہ اشتیاق صاحب جن کے بیٹے کی ڈیڈ باڈی اس کے کمرے سے ملی ہے جانتی ہو کون تھا وہ؟ نہیں جانتی نا، کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ بھی تمہاری طرح ہی تھا۔ کیا ہوا پھر؟ مارا گیا۔ وہ بھی اپنے ہی گھر میں اپنے ہی کمرے میں، تمہیں لگتا ہے تم یہ سب کر کے بچ سکتی ہو ایلاف۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا۔“

اس کے ڈیڈی زندگی میں پہلی بار اس پر چیخ رہے تھے۔ وہ زندگی میں پہلی بار اسے تم کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔ کیوں؟ کیونکہ انہیں اس کی جان عزیز تھی لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ غصے میں انسان اپنی اخلاقیات ہی بھول جائے۔ ہم انسان ایسا کیوں کر دیتے ہیں۔ کیوں آپے سے باہر ہونے کے بعد ہم سامنے والے کے جذبات اور اپنی تربیت کو فراموش کر دیتے ہیں۔ کیوں ہم بھول جاتے ہیں کہ غصے میں نکلے ہمارے الفاظ سامنے والے کے دل پر کس قدر گراں گزر رہے ہیں؟ شاید اس لیے ہی غصے کو حرام قرار دیا ہے اور اشرف المخلوقات کو انسان کا درجہ ملا ہے۔ انسان سب کچھ کر سکتا ہے سب کچھ اور آپ کو ایک بات بتاؤں پستی انسان کا سب سے مرغوب مشغلہ ہے۔ گہرائیوں میں جانا اسے زیادہ پسند ہے۔ گناہ میں لذت ہے اور یہ لذت سب کچھ کروا سکتی ہے سب کچھ۔

”کول ڈاؤن ڈیڈی، بچی ہے۔“ ثمر بہت کنٹرولڈ اعصاب کا مالک تھا۔ اس کی شاکی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ اس سے خفا ہو چکا ہے۔ ایلاف کی ٹھوڑی کانپی۔

”ایم سوری۔ آپ لوگ جو کہیں گے میں کروں گی۔“ وہ رو رہی تھی اور اس کا رونا شراحیل کے دل پر بہت گراں گزر رہا تھا۔ اس نے پہلو بدلا مانو کمرے کے سرد ماحول سے اکتا گیا ہو۔

”ڈن، تم ابھی کے ابھی اپنا سارا سسٹم آف کرو اور پیکنگ کرو بیجنگ تمہارا منتظر ہے۔“

غفور نے انگلی کھڑی کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ زرینہ درمیان میں مداخلت کرنے ہی والی تھیں کہ ایلاف کی نحیف آواز پر سب کی سیٹی گم ہو گئی۔ خاص کر ثمر کی۔

"اگر میں نے ایسا کیا تو وہ سارے ہوسٹجز کو مار دے گا۔ اس نے آج ایک کو مار بھی دیا۔"

"اس نے کس کو مارا؟" ثمر یکلخت ہی اس کے بیڈ کی پائنتی کے قریب آیا اور سختی سے اسے تھام کر پوچھنے لگا۔

"اس نے کس کو مار دیا؟"

اس ملک کے تقریباً سارے امرا کی اولادیں اس ایک آدمی کے شکنجے میں تھے۔ وہ آدمی جس نے ایک ہفتے سے انہیں تگنی کا ناچ نچایا ہوا تھا۔ ان کی پوری ٹیم متحرک ہو چکی تھی مگر وہ پھر بھی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ کون تھا، کیا تھا، کیسا دکھتا تھا وہ نہیں جان پائے تھے۔ بس اتنا معلوم تھا کہ وہ ایک نقاب پوش ہے جو انہیں مسلسل بلیک میل کیے چلا جا رہا ہے۔

"وہ کوئی لڑکا تھا۔"

ثمر نے شدت سے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

"تم نے اس کی شکل دیکھی تھی؟"

سوال مرنے والے کیلئے تھا یا مارنے والے کیلئے، پتا نہیں مگر کمرے کے گمبھیر ماحول میں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اس کے سر ہلاتے ہی ثمر نے مکا اپنی ہتھیلی پر جڑا اور نچلا لب دانتوں میں لے کر اسے کچل دیا۔

"اوکے تم ابھی ریسٹ کرو شام کو ملتے ہیں۔" وہ سب کو سراپا سوال چھوڑے اس کمرے سے گیا تھا۔ غفور اور شراحیل نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

☆......☆......☆

"سگریٹ پھونکنے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے، مسائل حرکت و پلان سے حل ہوتے ہیں۔"

یہ اسی دن کی ڈھلتی سی شام تھی جب آسمان سے بادل پریوں کی طرح زمین پر اتر رہے تھے۔ مارگلہ کے پہاڑ سفید چوغہ خود پر چڑھائے پورے اسلام آباد کے رکھوالے بنے ہوئے تھے۔ مانو انہیں تعینات کیا گیا ہو رعایا کی حفاظت کیلئے، مضبوط بلند پہاڑ جو دور سے سیاہ جبکہ قریب جانے سے سیاہی مائل سبز نظر آتے تھے اس کی کھڑکی سے باآسانی دیکھے جاسکتے تھے۔ اس کی جسے زمین زاد کہتے ہیں۔

"مسائل، زندگی کی تلخ حقیقت ہے نا؟" بھوری آنکھوں کو ہولے سے جنبش دے کر اس نے اپنے دوست کو دیکھا۔ وہ ٹیڑھا بیٹھا تھا ایسے کہ مارگلہ کے پہاڑ اس کے گال کو چھوتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ہوئے دھواں فضا میں چھوڑا، پل بھر کو سیاہ پہاڑ دھوئیں میں گم ہوگئے۔

"بات صحیح ہے لیکن کڑوی بھی ہے، پاکستان آنے کا پلان غلط تھا۔" جینز کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے وہ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس برہان تھا جو لگ بھگ بتیس برس کو چھوتا تھا۔ سیاہ ہڈ کو گردن کے پیچھے گرائے کرلی بالوں والے نے اس بات کا جواب بڑے مدبرانہ انداز میں دیا۔ وہ کہہ رہا تھا جو برہان سن رہا تھا۔

"غلط تو بہت کچھ ہو چکا ہے، اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

چین سموکر نہ صرف خود کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ کی امانتوں میں بھی خیانت کا باعث بنتے ہیں۔ جسم کا ہر اعضاء اللہ کی امانت ہی تو ہے جسے ہم انسان بڑی سہولت کے ساتھ اپنی مرضی سے زک پہنچاتے رہتے ہیں۔ اچھا زک مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم خود کو چوٹ

پہنچا رہے ہیں۔نہیں بالکل بھی نہیں، کوئی بھی کبھی بھی خود کو چوٹ نہیں پہنچانا چاہے گا کیونکہ اس سے درد ہوگا اور درد انسان کی گڈ لسٹ میں کبھی بھی نہیں آیا ہے اس لیے ہم یہاں پر زک سے مراد اس چیز کو لیں گے جن کو ہم نے کبھی نوٹ ہی نہیں کیا یا آپ لوگوں نے کیا ہو۔ میں نے نہ کیا ہو۔عام سی چیزیں ہیں آسان سی چیزیں ہیں جیسے برش کو سکپ کر دینا اور ایسا کر کے اپنے دانتوں کو نقصان پہنچانا۔ پیٹ میں ہزار ہا جراثیم کی فری اینٹری کرنا۔ یہ دانتوں اور صحت کیلئے زک ہی ہے۔اسی طرح ناخن کٹ نہ کرنا، ان کی تہوں میں چھپے میل کو دانتوں میں رگڑتے ہوئے منہ میں داخل کرنا اور پھر حیضہ، ٹائیفائیڈ اور متلی جیسی بیماریوں سے گزرنا۔ سکن کی حفاظت نہ کرنا، اسے اچھے سے واش نہ کرنا، گرد کی تہہ اس میں جما کر خود کو ڈارک کلر کا کر دینا سکن کیلئے زک ہے۔ ٹائم پر واش روم نہ جانا اور گردوں جیسی مضر بیماریوں کے ساتھ لڑنا یہ تھوڑی سی چیزیں تھیں جو جسم کو زک پہنچانے کی کیٹگری میں آتی ہیں مگر جو چین سموکر کرتے ہیں وہ از حد زیادتی ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے پورے جسم کو بھی نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں جی پورے جسم کو اور بیحد نقصان۔

''جو غلط ہو چکا ہے اسے یاد رکھ کر مزید کوتاہیاں کرنا دانائی نہیں ہے سراسر بیوقوفی ہے۔''

اس کے ہونٹوں، سگریٹ پکڑنے کے سٹائل سے لگتا تھا وہ دس بارہ سالہ پرانا سموکر ہے۔ ہونٹ چاکلیٹ براؤن نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی دانت کالے پڑے تھے جو کہ عموماً اس طرح کے کیسز میں نارمل ہوتا ہے یعنی وہ اپنی اچھی حفاظت کرتا تھا لیکن ایسی حفاظت کا کیا کرنا جو آپ کے اندر کا نظام ہی ضائع کر دے۔

''اور یہ بیوقوفی ہی میری زندگی ہے۔''

وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ سر اونچا کر کے، آنکھوں کو چندھیائے ایک اور طویل کش بھرا اتنا

طویل کہ اس کی گردن کی رگیں ابھر گئیں پھر اس نے گردن موڑ کر دھواں برہان کی سمت چھوڑا جو سرکل کی صورت نکلا تھا۔ ڈھیر سارے گول گول دائرے جو برہان کو ہدف بنائے ہوئے تھے اس کی طرف بڑھ گئے۔

''تم کہتے ہو ہمارے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے کیونکہ ہماری فیملیز نہیں ہیں۔'' دھواں برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اسے چھوڑنے کی شدت اتنی تھی کہ دائرے بالکل ڈونٹس کی شکل کے بنتے ہوئے کھڑے ہوئے کے قریب جا رہے تھے۔ وہ ان دائروں میں سے بیٹھے ہوئے کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

''لیکن ایک چیز ابھی بھی ہمارے پاس ہے جو قیمتی ہے۔'' اس تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ سب دائرے ہوا کی نذر ہو گئے، تحلیل ہوئے، بے وجود ہوئے، مدغم ہوئے اور آخر میں فنا۔

''وہ زندگی ہے۔''

دھواں چھٹا تھا چھٹنے کے بعد برہان کا چہرہ واضح نظر آنے لگا جو تاہنوز جینز کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے کھڑا تھا۔ کلین شیو عام سی شکل و صورت والا برہان، وہ ہولے سے مسکرایا۔

''تم آزاد ہو۔'' سگریٹ ایک انچ بچ گئی تھی۔ اس نے اب کش لینا بند کر دیے تھے۔

''زندگی بچاؤ اور۔'' ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتے ہوئے کرسی کے ہتھے پر سگریٹ والا ہاتھ جمائے وہ اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ مارگلہ کے پہاڑ رخ بدلنے پر اب اس کے ماتھے کے پاس آ گئے تھے۔

''واپس چلے جاؤ یوں بھی ایبک سلطان کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' بھاری گمبھیر آواز، سر پر جمے سپرنگ والے ڈارک چاکلیٹ براؤن بال اور ہلکی سی داڑھی سیاہ ہڈ اور جینز میں اس کا رنگ کھل رہا تھا۔ پاؤں کے قریب رکھی سٹیل کی چھوٹی سی ڈسٹ بن میں اس نے سگریٹ کا بڈ

ڈالا اور سر پر ہڈ اوڑھ لیا۔

"تم دکھ دیتے ہو۔" برہان نے کہا تھا۔

"شاید میں اس میں ماہر ہو چکا ہوں۔"

وہ ڈسٹ بن جو سٹیل کی تھی میں قریباً بیس کے قریب سگریٹ کے بڈز موجود تھے جو بتا رہے تھے کہ یہ انسان پچھلے کچھ گھنٹوں سے عمیق سوچوں میں غرق تھا۔ اس کے استغراق کو برہان نے ہی آ کر توڑا تھا جو اس کے کھڑے ہونے پر بے چینی سے پوچھ بیٹھا۔

"کہاں جا رہا ہے؟" اس کا سوال عجلت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک نے میز پر رکھا سیاہ ماسک اٹھایا۔ اس کی ڈوریوں کو کانوں کے پیچھے اڑساتے ہوئے وہ اسے جواب دے رہا تھا۔

"ہوا خوری کو، پاکستان کی سڑکوں نے مجھے یاد کیا ہوگا میں اس کی یادوں کو مٹانے جا رہا ہوں۔"

وائے بی آر کی چابی اس نے اٹھائی ضرور تھی مگر دونوں ہی جانتے تھے کہ اس نے اس کا استعمال نہیں کرنا ہے۔

"تمہیں نہیں جانا چاہیے۔ تم اس لڑکی کو اپنا چہرہ دکھا چکے ہو۔" قدم بڑھاتے ہوئے وہ چندپل کو رکا پھر مڑ کر برہان کو دیکھا جس نے مارگلہ کے پہاڑوں کو اپنی اوٹ میں کر لیا تھا۔ ماسک قدرے نیچے کر کے وہ مسکراتے ہوئے لبوں کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"ابھی تو اور بھی بہت کچھ دکھانا ہے اسے، صرف چہرہ کافی نہیں ہے۔" کہہ کر وہ آنکھ مارتا ہوا باہر آیا۔ ماسک پھر سے اس کی ناک کی ہڈی پر جما ہوا تھا۔ برہان نے کھڑکی میں آ کر دیکھا وہ باڑ کے درمیان بنے لکڑی کے گیٹ کی چٹخنی کو ہٹاتے ہوئے ہڈ والی جرسی کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے دائیں سائیڈ پر مڑ گیا تھا۔

”تمہیں پتا ہے مجھے تمہارے چلنے کا اسٹائل بہت اچھا لگتا ہے۔ تم مستی میں، اپنے آپ میں گم چلتے ہو آس پاس کیا ہو رہا ہے کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ مطلب ایسا ہونا چاہیے انسان کو بے فکر اور خوش۔ ہے نا۔“

لوگوں کے درمیان چلتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر سب پر ایک نظر ڈالی تھی۔ سب تھے مگر وہ نہیں تھی۔ سانس تھا مگر زندگی نہیں تھی، جسم تھا لیکن روح نہیں تھی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں نمی در آئی، چلتے لوگ، ٹھہرے پہاڑ، تیرتے بادل اور ساکن زمین سب جیسے سمندر بن گیا ہو، گیلا، گہرا ظالم سمندر۔

”تمہیں پتا ہے ایک تمہاری سب سے اچھی بات کیا ہے؟ تم بہت پازیٹو ہو، سینسٹو بھی اور بہت کیئرنگ بھی، تم وہ انسان ہو جو ہنستا ہے جیتا ہے اور جینا سکھاتا ہے۔“ اس نے قدموں میں تیزی لائی کہاں وہ چل رہا تھا اور کہاں اب وہ دوڑ رہا تھا ہوا کو چیرتے ہوئے، دل کو مارتے ہوئے یادوں کو مسلتے ہوئے۔

”تم میں شکر گزاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے وہ وقت جب تمہارے شوز کے لیسز ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکے تھے اور تم اس کے ہر دھاگے کو جوڑتے ہوئے کہہ رہے تھے ایک دن میں اس سے بہترین جوتے خریدوں گا اور اس کے لیسز کبھی نہیں ٹوٹیں گے۔ تم نے احتجاج نہیں کیا تھا۔ تم نے عزم کیا تھا اور یہ عزم ہی تمہاری سب سے بڑی پاور ہے۔“

اور آج اس کے پاؤں میں وہ جوتے تھے جن کو اکثر امراء، غرباء کی طرح شیشے پر ہاتھ رکھ کر تکا کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کیا کرنا ان اوور ایکسپنسو جوتوں کو لے کر ان کے لیے دوسری برینڈز ہی کافی ہیں۔ وہ ایک شاپ کے پاس سے گزرا تھا، گزر کر رک گیا تھا۔

”اگلی بار جب یہاں آؤ تو مجھے یہ بیگ خرید کر دینا۔ تمہیں پتا ہے مجھے یہ بہت پسند ہے

لیکن میری پہنچ سے دور ہے۔ میں جب اسے لینے کیلئے پیسے جوڑتی ہوں تو گھر کے حالات دیکھ کر ارادہ ترک کر دیتی ہوں۔ تم دلاؤ گے نا مجھے یہ بیگ۔"

ثقافت سے بھرپور اس دکان کے باہر آ کر رکا رک کر پھولی ہوئی سانس سے اس بیگ کو تک رہا تھا جو ایک ڈمی کی کہنی میں اٹکایا گیا تھا۔ اس ڈمی نے سفید شرٹ کے ساتھ اجرک والی سکرٹ پہنی ہوئی تھی۔ تنکوں والی ہیٹ اس کے سر پر تھی اور کہنی پر تنکوں والا بیگ ہی لٹک رہا تھا جس کے درمیان میں کنول کا کپڑے والا پھول چپکا ہوا تھا۔ اس پھول کے درمیان میں سرخ موٹا نگ تھا جس میں ماسک والے کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ دکان کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا جہاں سیاح بھرے ہوئے تھے۔ کچھ شاپنگ کر رہے تھے تو کوئی تصاویر اتروا رہا تھا۔ ایک کاؤنٹر کے پاس آیا اور پام ٹری والے فیبرک کی شرٹ پہنے جھریوں زدہ آدمی سے مخاطب ہوا۔

"مجھے اس بیگ کے بارے میں پوچھنا ہے۔" اس نے رخ تھوڑا موڑ کر ہاتھ کے اشارے سے کہا جہاں ڈمی کی پشت ان کی طرف تھی۔ وہ متحیر تھا اتنے سالوں بعد بھی اس بیگ کو وہاں دیکھ کر۔ ماضی کے زخم ادھڑ گئے تھے۔ خون رسنے لگا تھا۔ تکلیف نے پورے وجود کو جکڑ لیا۔

"وہ بیگ۔" ایک لڑکی ڈھیر ساری چیزیں لے کر کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔ غالباً وہ بل بنوانے آئی تھی۔ آدمی نے لڑکے کو بل بنانے کا کہا اور اسے سننے لگا جو رکنے کے بعد پھر سے کہہ رہا تھا۔

"نو سال پہلے بھی وہ بیگ یہیں پر تھا اور اب بھی، کیا یہ ابھی بھی سٹاک میں ہے ڈیمانڈ زیادہ ہے اس کی؟"

وہ آدمی تھوڑا سا آگے جھک کر دیکھنے کے بعد سیدھا ہوا اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ بولا۔

"ایسا نہیں ہے۔ نو سال پہلے ایک لڑکی اس بیگ کی آدھی قیمت چکا گئی تھی باقی پیسے ایک ہفتے بعد دینے کو کہے تھے پھر اس کے بعد وہ دکھی نہیں، میں نے کافی لوگوں سے اس کا پتا کیا لیکن۔"

ایک نے اس کی بات کاٹ دی۔ لڑکی اب پرس میں سے پیسے ٹٹولتے ہوئے بل ادا کر رہی تھی۔

"وہ مر چکی ہے۔"

آدمی ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا۔ لڑکی سامان لے کر جا رہی تھی۔ اس کے کانوں میں موجود ائیر بگ بتا رہے تھے وہ ان کی بات نہیں سن رہی ہے۔ کاؤنٹر کی جگہ خالی ہو چکی تھی بالکل ویسے جیسے ایک کی زندگی خالی ہوئی تھی۔

"نو سال پہلے ایک حادثے میں اس کی موت ہو گئی تھی۔ مجھے وہ بیگ خریدنا ہے۔"

آدمی چند لمحے کچھ نہیں بول سکا تھا۔ جس چیز کا اسے خدشہ تھا وہ آج مجسم پیکر اس کے سامنے موجود تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہنا شروع کیا۔

"اس نے کہا تھا یہ بیگ میرے پاس اس کی امانت ہے۔ وہ ہفتے بعد اس امانت کو لے جائے گی۔ وہ امانت کہہ گئی تھی اس لیے اس بیگ کو میں آج تک نہیں بیچ پایا کہ اگر کہیں وہ آ گئی تو گلہ نہ کرے کہ انکل نے اس کی امانت میں خیانت جیسا گناہ کیا ہے۔ وہ اسی طرح کی باتیں کرتی تھی۔ وہ اچھی تھی۔" وہ افسردہ چہرے کے ساتھ ہلکے سے ہنسے۔ "جانتے ہو اس سے زیادہ میں خوش تھا کہ وہ یہ بیگ خرید رہی ہے۔ آخر کو میں اسے روز اس بیگ کو تکتے دیکھتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں وہ چاہ تھی جو کبھی میری آنکھوں میں ہوا کرتی تھی۔ جب ابو مجھے چیز خریدنے کے پیسے نہیں دیا کرتے تھے۔" وہ ایک پل کو رکے۔لڑکے کو وہ پہلے ہی اشارہ کر چکے تھے بیگ لانے کا۔

"خیر میں یہ تمہیں دے رہا ہوں صرف اس لیے کیونکہ تم نے نو سال پہلے کا حوالہ دیا ہے یعنی اس بیگ کے ساتھ تمہاری بھی یادیں وابستہ ہیں۔تم بتا سکتے ہو اس لڑکی کے کیا لگتے ہو۔"

نو سال بعد اس ڈمی پر سے وہ بیگ اترا تھا جسے خریدنے کیلئے کئی خریدار آئے تھے مگر وہ نہیں بکا تھا کیونکہ اس پر اس کا حق تھا جو ناحق ماری گئی تھی۔

"میں آپ کو اس کی پوری قیمت چکاؤں گا۔" ایبک نے بات گول کر دی تھی۔سیلز بوائے نئے دکھتے بیگ کو احتیاط سے پیک کر رہا تھا۔جانتا تھا اس کا مالک اس بیگ کو لے کر کتنا پوزیسو ہے اور کتنے پیسے لگا کر اسے پہلے والی حالت میں رکھ چکا ہے۔بوڑھے آدمی نے دراز سے سفید کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔رول کی طرز کے اس کاغذ پر سرخ ریشم کا دھاگہ لپٹا تھا۔ایبک نے اسے تھام کر آدمی کو دیکھا۔

"اس میں اس بچی کے پیسے ہیں۔کتنے ہیں یہ میں آج تک نہیں جان پایا کیونکہ میں نے آج تک اسے کھولا ہی نہیں۔"

ایبک کا ہاتھ اسے تھام کر پل بھر کو لرزا تھا۔اس ہاتھ کی لرزاہٹ آدمی کی نظروں سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں تم اس کے کیا لگتے تھے۔"

ایبک نے پیکڈ بیگ کو تھمایا اور بل دے کر وہاں سے آ گیا۔اس کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔آج اس کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ یہ پوری دکان خرید سکتا تھا لیکن آج وہ

نہیں تھی جس کیلئے وہ سب خریدنا چاہتا تھا۔ جس نے کبھی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو سینے میں دفن کیا تھا۔

''تمہیں پتا ہے جب میں یہ بیگ لوں گی نا تو ساتھ والی پڑوسنیں جل کر خاک ہو جائیں گی۔ ویسے ایک، کتنی عجیب بات ہے نا، تم بھی غریب اور میں بھی، ہم دونوں میں سے کسی ایک کو تو امیر ہونا چاہیے تھا۔ ہے نا؟'' وہ ہمیشہ اس سے سوال کیا کرتی تھی۔ اسی طرح کے سوال ''پتا ہے'' سے شروع ہو کر'' ہے نا'' پر ختم ہونے والے۔ ایسے سوال جواب ایک کو سونے نہیں دیتے تھے اور اگر کبھی بھولے سے وہ سو بھی جاتا تھا تو اسے جینے نہیں دیتے تھے۔ تارکول کی سیاہ سڑک پر وہ نقاب پوش دور جاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ سرخ پھٹوں سے بنی دکان اور نئے ہینڈ بیگ کو کہنی میں اٹکائے کھڑی سفید ڈمی اسے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ثمر کو لے کر سٹڈی روم میں آئی۔ وہاں اس نے اپنی دیوار گیر لگی تصویر کو تھوڑا سا سائیڈ پر کیا۔ ایک دروازہ وہاں موجود تھا۔ ثمر نے نہایت تحیر کے عالم میں اپنی بہن کو دیکھا تھا۔ اسے یاد آیا پاکستان آنے کے بعد اس نے اپنے کمرے کی کنسٹرکشن کروائی تھی۔ کیا کروائی تھی کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ اگر دے لیتے تو شاید آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ انہیں تو لگا تھا اس نے فقط وہ دیواریں ہی سیٹ کروائی ہیں جن کو وہ غفور صاحب کو دکھا رہی تھی۔ نہیں جانتے تھے کہ اس نے سٹڈی کے اندر بھی ایک کمرہ بنوایا ہے۔ وہ کمرہ جس میں داخل ہو کر لمحے کیلئے ثمر ٹھٹک گیا تھا۔ دو دیواریں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں جبکہ ایک پر دنیا جہان کے ویسے ہی کاغذات لگے ہوئے تھے جیسے اس کے کمرے کی دیوار پر تھے جنہیں اب غفور صاحب نے اتروانے کا سوچ لیا تھا۔

”یہ سب کیا ہے ایلاف؟“ ایک پوری دیوار پر بے تحاشہ سکرینز لگی ہوئی تھیں، نیچے ڈسک پر بھی کئی طرح کے کی بورڈز پڑے ہوئے تھے۔ تاروں کا جہاں تھا جو وہاں پر موجود تھا۔ اس نے تین ایک ساتھ رکھی کرسیوں میں سے ایک ثمر کیلئے کھینچی اور دوسری پر خود بیٹھ گئی۔ وہ ایلاف کی تقلید میں ہیڈ فونز کو کانوں میں لگا رہا تھا۔ اس نے سسٹم آن کیا اور وہ کلپ نکال کر اسے دکھائی جس میں زمین زاد اس کے سامنے آیا تھا اور اس کے آدمی نے کسی کو مار دیا تھا۔ ثمر کے ماتھے پر پسینہ قطروں کی مانند جمع ہونے لگا۔ اس نے دانت کچکچائے۔

”بزنس مین کے بیٹے کو مار دیا۔“ وہ بڑبڑایا تھا۔ ایلاف نے ہیڈ فون اتار کر لکڑی کی سطح پر رکھے اور ثمر کو دیکھنے لگی جو اب اپنی جیب میں ہاتھ مارتے ہوئے اس لڑکے کی تصویر لے رہا تھا۔

”آپ اسے جانتے ہیں؟“ ثمر نے تصویر اتاری، سیل فون جیب میں رکھا اور رخ اس کی طرف کر کے بولا۔

”بائے فیس تو نہیں، ہاں ایک بار اس نے شارٹ ویڈیو بھیجی تھی جن میں سب ہوسٹجز کو دکھایا گیا تھا اور ساتھ میں کہا تھا کہ وہ ان سب کے سرپرستوں کی گردنیں چاہتا ہے۔ اس کے بعد یہ غائب ہو گیا۔ ہماری ٹیم اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اس کا سرور کافی سٹرانگ ہے ابھی تک پہنچ نہیں پائے اس تک۔“ ثمر نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔ وہ بخار کی وجہ سے اترے ہوئے چہرے کے ساتھ ثمر کو تک رہی تھی تکنے کے بعد کہہ رہی تھی۔

”وہ بلیک ہیٹ ہیکر ہے۔ اس نے بہت سکیورٹی لگائی ہوئی ہے اپنے سسٹم پر۔“

اس کا پی سی آن تھا اس نے آن رکھ چھوڑا تھا غلط کیا۔ اس سے پہلے ثمر کچھ کہتا اس کے کمرے میں مخصوص ٹیون بجنے لگی۔ زمین زاد کالنگ کے الفاظ اس کی سکرین پر موجود تھے۔ ثمر یکدم کھڑا ہوا۔

''فون نہ اٹھانا، تم ابھی فون نہیں اٹھانا، رکو ایک منٹ۔'' وہ جلدی سے اپنے سیل فون کو نکال کر نمبر ڈائل کر رہا تھا جب ایلاف درمیان میں بول اٹھی۔

''بھائی! ایسا نہیں ہو سکتا دو منٹ تک اگر میں کال نہیں اٹھاتی ہوں تو وہ خود کال پک کروا لیتا ہے۔ میرا سسٹم اس کے انڈر میں ہے اور جب تک یہ آن ہے وہ کال کرتا رہے گا۔ بھائی، آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ نے تار کیوں کھینچ دی کیسے کال کر رہے ہیں آپ؟''

ثمر نے اس کی بات سنتے ہی سب کمپیوٹرز کو آف کر دیا تھا۔ اس کا سوئچ اب ڈیسک سے نیچے جھول رہا تھا۔ ایلاف کھڑی ہو گئی۔ ثمر کی اگلی بات سن کر اس کے پیروں سے زمین کھسکی تھی۔

''ہیلو آفیسر ثمر غفور از ٹیر، زمین زاد تک پہنچنے کا راستہ ہمیں مل گیا ہے۔ لوکیشن بھیج رہا ہوں فوراً آؤ۔''

اسے نہیں معلوم تھا ثمر یہ کرے گا۔ اس طرح کرے گا پھٹی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی جو پرسکون سا اس کی طرف مڑا تھا۔

''یہ آپ نے کیا، کیا بھائی، آپ کے اس عمل کی وجہ سے وہ سب کو مار دے گا۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

ثمر نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے کرسی پر بٹھایا اور اس کے ایک گال پر ہاتھ رکھ کر پدرانہ لہجے میں بولا۔

''بیٹا، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اپنے بھائی پر یقین رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمم۔'' بہت مشکل حالات میں، کوئی نصیحت کرنی ہو یا پھر کوئی خوشی کی خبر ہو ثمر اسے ان وقتوں میں بیٹا کہہ دیا کرتا تھا۔ گو کہ وہ اس سے خاصا بڑا نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ اس طرح کے مشفقانہ انداز میں

اسے پکار لیتا تھا۔ ایلاف کی دونوں بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ ان ملی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ ہی وہ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"تم نے بتایا ہے کہ اس نے کہا تھا تم اپنی حقیقت ہم لوگوں پر کھول دو، اس کی ڈیمانڈ تم ہم تک پہنچاؤ تو بس یہی تو ہو رہا ہے۔ تم نے اسے کہنا ہے تم وہی سب کچھ کر رہی ہو جو وہ کہہ رہا ہے۔ ٹھیک ہے؟"

وہ غائب دماغی کے ساتھ ایک بار پھر سے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ وہ خوش نہیں تھی کیونکہ وہ جانتی تھی آج کے بعد اس کا راز بالکل فاش ہو جانا ہے۔ اس کے گھر میں سب کو پتا چل گیا تھا۔ انٹیلی جنس والوں کو پتا چل جائے گا پھر وہ بھی اس کا سسٹم کنٹرول کر لیں گے اور پھر سب ختم ہو جائے گا سب کچھ۔

ہمنگ برڈ شکار ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اب ایلی بھی مر جائے گی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پہلی والی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ ثمر کی ٹیم کے وہ بارہ لوگ جن میں زیادہ تر سینئرز تھے اسے اور اس کے کمرے کو ستائش بھرے انداز میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ مشکوک نظروں سے بھی گھور رہے تھے۔ ایلاف کے پیچھے کوئی نہیں کھڑا تھا۔ سب دائیں بائیں خاصے فاصلے سے کھڑے تھے۔ اس نے لیپ ٹاپ کے ساتھ بڑی سکرین کو کنیکٹ کیا ہوا تھا جس کا رخ ان بارہ لوگوں اور ثمر کی طرف تھا۔ پانچ منٹ گزرے اور اس کے کمرے میں وہی آواز گونجنے لگی ٹوں ٹوں کی آواز۔

اس نے ثمر کے اشارے پر گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کال پک کی۔ زمین زاد اپنے سپرنگ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس کی سکرین کے اوپر بیجنگ، دن کے گیارہ لکھا آ رہا تھا جبکہ یہاں پر شام کے سات بج چکے تھے۔

’’تم نے میری کال کاٹ دی، میری بے عزتی ہوگئی، تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔‘‘ وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ بارہ سوٹڈ بوٹڈ لوگ آنکھیں میچے اس انسان، جگہ اور لوگوں کو تاڑ رہے تھے جو زخمی تھی اور سہمے ہوئے بھی۔

’’لائٹ چلی گئی تھی۔‘‘ اس نے جھوٹ بولا۔ زمین زاد تھوڑا اسکرین کے قریب آیا اور آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے بولا۔

’’لائٹ کے ساتھ تمہارے چہرے کی رونق بھی چلی گئی تھی کیا، لگتا ہے بیمار رہی ہو اور اس بیماری نے جھوٹ بولنا سکھا دیا تمہیں۔ ہے نا؟‘‘

ثمر نے اسے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اور یہ تاثر دے کہ وہ کمرے میں تنہا ہے۔ اس وقت وہ یہی سب کر رہی تھی۔ اس کے ہیڈ فونز سپیکر کے ساتھ کنیکٹ تھے تبھی آواز کو وہ سب بھی سن سکتے تھے۔ ثمر جو اس لڑکے کے فلرٹ کو بامشکل سہہ رہا تھا جھوٹ پکڑے جانے کے بعد بے طرح چونک گیا۔

’’اسے کیسے معلوم ہوا؟‘‘ وہ دل میں سوچ رہا تھا۔ سوچنے کے ساتھ نظروں کا تبادلہ سب کے ساتھ کر رہا تھا۔ دل میں ایک شک گزرا جیسے وہ یہیں ہو، پاکستان میں، کیا ایسا ہو سکتا تھا؟

’’اگر تو تم سوچ رہی ہو کہ میں یہ سب کیسے جان سکتا ہوں تو افسوس کی بات ہے۔ ایک ہیکر دوسرے ہیکر کی صلاحیتوں پر شک کیسے کر سکتا ہے؟ میں بلیک ہیٹ ہوں تمہارے بجلی کے سسٹم پر تو نظر رکھ ہی سکتا ہوں۔ تم بتاؤ تمہاری ہوائیاں کیوں اڑی ہوئی ہیں؟‘‘ وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا تھا۔ اسی سیاہ جینز اور ہڈ میں جس میں وہ ابھی ابھی شاپنگ کر کے آیا تھا۔

’’تم نے میرے سامنے ایک جان لے لی پھر بھی کہتے ہو کہ میرے چہرے کی ہوائیاں کیوں اڑی ہوئی ہیں۔ تم بہت عجیب ہو۔‘‘

اور وہ ہنس پڑا تھا۔ اونچا اونچا ہنسنے کے بعد وہ سہولت سے اسے کہہ رہا تھا۔

''نہیں معلوم تھا کہ تم بھی ڈرپوک نکلو گی لیکن چلو خیر ہے اسی میں تو مزہ ہے۔ یہ بتاؤ میرا کام کیا؟ آ آ آ اسے چپ کرواؤ ورنہ یہ جان سے جائے گی۔'' ایک لڑکی جو بھوک سے چیخ رہی تھی کے منہ پر اس کا ساتھی ڈکٹ ٹیپ لگا رہا تھا۔ زمین زاد اس لیے چیخا تا کہ وہ اپنی دھاک اس چھٹانک بھر کی لڑکی پر بٹھا سکے۔

''میں کوشش کر رہی ہوں یہ آسان نہیں ہے۔'' وہ یکدم پھر سے آگے ہوا اور چہرے کو سکرین پر لا کر دھاڑا۔

''کیوں آسان نہیں ہے۔ ہاں، جب تمہارے لیے یہ سب کرنا آسان ہے تو کچھ بھی کرنا بہت ایزی ہے۔'' وہ زمین کی طرف انگلی کرتے ہوئے دبی آواز سے غرا رہا تھا۔ وہ بہن جس پر ثمر ہلکی سی بھی تیز آواز برداشت نہیں کر سکتا تھا آج فرض کی خاطر اسے کسی انجانے انسان سے ڈانٹ سنتے دیکھ کر مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس کے سینئر ساتھی نے شانے پر ہاتھ رکھ کر کول ڈاؤن رہنے کا کہا۔

''اپنے بھائی کو انوالو کرو، اپنے باپ کو انوالو کرو اور کہو اس سو کالڈ ایجنسی والوں سے کہ وہ میری ہر ڈیمانڈ کو پورا کریں۔ نہیں تو ان میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔''

ایلاف نے ڈیسک پر کہنی کو ٹکا کر ماتھے کو سہلایا اور تحمل سے بولی۔

''تم خود بھی تو ان سے رابطہ کر سکتے ہو۔ میری ضرورت تمہیں کیوں پڑ رہی ہے؟''

وہ اس سوال پر واپس کرسی پر ٹیک لگا گیا پھر آنکھوں میں خمار ڈالے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی اگلی بات نے ثمر کے خون کو گرما دیا تھا۔

''سنا ہے خوبصورت عورتیں بڑی سور ما ہوتی ہیں۔ ہر کام چٹکیوں میں کروا دیتی ہیں۔ اب

میں بیجنگ میں ہوں اور دو ہفتے بعد میری مالٹا کی ٹکٹ بکڈ ہے سو میں اپنی مہنگی ٹکٹ کو ضائع کیے بنا ہی اپنا کام کروانا چاہتا ہوں، اس لیے تمہارے پاس صرف کل تک کا وقت ہے۔ اگر تم نے ایکشن نہ لیا تو اسی لڑکی کو ماروں گا جس کیلئے تمہاری آنکھوں میں رحم آیا تھا۔ سمجھی؟'' کہتے ساتھ ہی اس نے آگے جھک کر کال منقطع کر دی۔ ایلاف نے بلینک سکرین کو دیکھتے ہوئے ہیڈ فون کانوں سے اتارا، اتار کر اپنے بھائی کو دیکھنے لگی جس کا چہرہ قدرے سرخ تھا۔

''یہ انسان بیجنگ ضرور ہے لیکن مالٹا نہیں جا رہا۔ کہیں اور جا رہا ہے مجرم کبھی بھی اپنی سکونت نہیں بتایا کرتے۔'' ایک سینئر کی آواز کمرے میں ابھری تھی جسے ایلاف نے سہولت سے رد کر دی۔ اس کا پوائنٹ بھی قابل توصیف تھا۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ مجرم کبھی اپنی سکونت نہیں بتاتے اور نہ ہی اپنا چہرہ دکھاتے ہیں۔ یہ انسان چہرہ دکھا رہا ہے یعنی وہ چھپنا نہیں چاہتا اور اسے موت سے ڈر بھی نہیں لگتا۔''

سب نے اعترافاً گردنیں ہلائیں۔ ان کی آنکھوں میں اس چھوٹی سی لڑکی کے لیے ستائش تھی۔

''تمہاری بہن اچھا بولتی ہے ثمر، اس کے کانسپٹ کلیئر ہیں۔'' وہ سب کھڑے ہو گئے تھے۔ ثمر توصیف وصولنے کے بعد ان سب کو گیٹ تک چھوڑنے گیا تھا۔ شاید وہ ان کے ساتھ ہی ہیڈ کوارٹر چلا گیا تھا تبھی واپس نہیں لوٹا تھا۔

ایلاف نے دوسرے پی سی پر سٹل اس لڑکے کی تصویر پر نظریں گاڑیں جو خود کو زمین زاد کہتا تھا۔ وہ کون تھا؟ کیا کرتا تھا۔ اس کا نام کیا تھا اور وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا؟ اس بات سے سب نا آشنا تھے اور پھر بھی وہ اس کے خواب دیکھتی رہی تھی۔ اپنے ان خوابوں میں اسے روز مرتا دیکھتی رہی تھی۔ ڈارک براؤن آنکھیں کھڑی ہوئی ناک سر پر چاکلیٹ براؤن سپرنگ بال اور ویسی ہی رواں داڑھی، مغربی ایکسنٹ۔ اچانک سے اس کے دماغ میں ریل کی طرح

یادداشتوں کا گزر ہوا تھا۔ اس نے انگلیوں سے دونوں کنپٹیوں کو پکڑا اور سر کو زور کا جھٹکا دیا۔

''اف۔'' اکثر اس کے ساتھ ایسا ہوتا تھا۔ اس نے خود کو متوازن رکھا پھر آنکھیں کھول کر دوبارہ اس لڑکے کو دیکھنے لگی جس نے کبھی کہا تھا۔

''میں پاکستانی نژاد ہوں۔''

اس نے اب تک فقط دو ہی ویڈیو کالز کی تھیں اس کے ساتھ، ان کالز میں اس نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ اسے اپنی گردن کی پشت کو کھجانے کی عادت ہے۔ اس کے سیدھے ہاتھ پر چھوٹی انگلی سے لے کر ہاتھ کے اینڈ تک آڑھی ترچھی لائنز میں کچھ کندہ ہے۔ وہ کیا ہے یہ پڑھنا مشکل تھا کیونکہ لکھائی کو ڈیزائن میں چھپایا گیا تھا۔ وہاں کیا لکھا تھا یہ وہ جان جائے گی جب اس سے ملے گی۔ ایک منٹ! کیا یہاں پر لکھا گیا ہے کہ وہ اس سے ملے گی؟ بالکل ایسا ہوگا ہی تو کہانی آگے بڑھے گی اور جب کہانی آگے ہی نہیں بڑھے گی تو اپنے اختتام کو کیسے پہنچے گی؟

''تم پاکستانی نژاد ہو اور تم کہتے ہو تم بیجنگ میں ہو جبکہ یہ بات غلط ہے مسٹر زمین زاد، تم بیجنگ میں نہیں تم پاکستان میں ہو اور میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گی۔'' اس کی تصویر سے مخاطب وہ ایک عزم سے بول رہی تھی اور یہ بات تو سب جانتے تھے کہ اگر وہ کسی چیز کی ٹھان لیتی تھی تو اسے کر کے چھوڑتی تھی۔ کیا نہیں جانتے تھے؟

☆......☆......☆

انیشہ اپنا پنک بیگ دونوں کاندھوں پر ڈالے ایک گراؤنڈ میں آ کر رکی۔ وہاں جہاں پر اس جیسے آرٹ کے ڈھیر سارے سٹوڈنٹس موجود تھے۔ اس کے بال لمبے تھے اس لیے اس نے ڈھیلا ڈھالا اونچا بن بنا رکھا تھا جس کی چند آوارہ لٹیں اس کے دونوں گالوں پر جھول رہی تھیں۔ وہ ایزل اور کینوس سیٹ کر کے پینٹ کی پلیٹ میں رنگ نکالنے لگی۔ ایسا کرتے ہوئے

اس کا ایک گھٹنا زمین پر تھا اور دوسرے پر ہاتھ میں پکڑی پینٹ کی پلیٹ تھی۔ برشز وہ پہلے ہی نیچے نکال کر رکھ چکی تھی۔ سبز نم گھاس پر کچھ ہی فاصلے پر سٹوڈنٹس اپنی اپنی من پسند پینٹنگز بنانے میں مصروف تھے۔ کوئی لینڈ سکیپ بنا رہا تھا تو کسی نے قوسِ قزح کو کینوس پر اتار دیا تھا۔ کوئی آئل پینٹنگ کر رہا تھا تو کوئی ایلیوڑن تو کوئی اپنے اپنے ماڈل کو سامنے بٹھائے مصروف تھا۔

وہ بھی سب سیٹ کرنے کے بعد اس کی منتظر ہوئی اس کی جس کا وہ یہ پورٹریٹ بنا رہی تھی اور اسے واثق امید تھی کہ اس سیٹنگ کے بعد مزید دو اور سیٹنگز میں یہ پورٹریٹ مکمل ہو جائے گا اور تب وہ بہت خوش ہوگی ہمیشہ کی طرح۔ وہ جس کا بھی پورٹریٹ بناتی تھی اسے خوشیاں ملتی تھیں کیونکہ رنگ اس کی جان تھے۔ ان سے کھیلنا اس کا جنون۔

''لگتا ہے میں نے دیر کر دی۔'' آسمانی رنگ کے ٹراؤزر اور ہڈ میں وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ اس کے ٹراؤزر پر اوپر سے لے کر نیچے تک بٹنز لگے ہوئے تھے جو پنڈلی پر جا کر تھوڑے سے کھولے گئے تھے جبکہ سر پر جمی ہڈ کی ایک ڈوری اوپر تھی اور دوسری خاصی نیچے۔

''خاصی نہیں لیکن ہاں کر دی ہے۔'' انیشہ برش لے کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا ماڈل اس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تھا جو یہاں کے انتظامیہ نے بطور ڈونیشن یہاں رکھی ہوئی تھیں۔ آنے والے نے ماسک اتارا، جیکٹ کی جیب سے پیکٹ نکال کر اس میں چیونگم تھوکی اور پھر اسے سیلڈ کر کے واپس جیب میں رکھ دیا۔ وہ ضرور اسے راستے میں آنے والی ڈسٹ بین میں پھینک دے گا۔

''معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل موسم ابر آلود تھا۔ مجھے لگا آپ نہیں آئیں گی پھر خیال آیا کہ یہی تو موسم ہوتا ہے اپنے جنون کے ساتھ کھیلنے کا، سو چلا آیا۔''

اس کی لمبی وضاحت پر انیشہ کے لبوں پر مسکان آن دوڑی۔ یہ پچھلے ہفتے کی ہی تو بات ہے جب وہ اچانک اس کے سامنے آ گیا تھا اور فرمائش کر بیٹھا تھا کہ وہ اس کا پورٹریٹ

بنائے۔انیشہ نے آرٹ سے محبت کرنے والے ہر فرد کی طرح اس کی آفر قبول کرلی۔یوں وہ اس کا ماڈل بن چکا تھا۔

''آپ نے درست فیصلہ کیا۔اگر آپ نہ آتے تو یہ پینٹنگ ادھوری ہی چھوٹ جاتی۔'' وہ برش سے سیاہ رنگ کو مرج کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔سامنے بیٹھے شخص کا چہرہ اچانک سے سپاٹ ہوا۔اس نے اپنی مڑی ہوئی پلکیں اٹھا کر نازک سی لڑکی کو دیکھا اور گمبھیر آواز میں بولا۔

''سلطان کوئی چیز ادھوری نہیں چھوڑتا۔'' اس کے جملوں کے فوراً بعد ہی بجلی زور سے کڑکی تھی۔گو کہ آسمان پر گدلے بادلوں کا راج تھا اور سورج کی روشنی مفقود تھی پھر بھی آثار تھے کہ بارش نہیں ہوگی لیکن اب ایسا لگ رہا تھا مینہ پھوٹ جائے گا اور بارش ہوگی زوردار بارش۔

''مجھے لگتا ہے کہ آج یہ ادھوری ہی رہے گی۔''

جہاں انیشہ کی ناک پر بارش کا قطرہ گرا تھا وہیں ایبک کے گالوں پر بھی بارش بوند بوند گرنے لگی۔انیشہ نے فٹافٹ اپنا سارا سامان فولڈ کیا اور دونوں ہاتھوں میں سب تھامے گاڑی کی سمت دوڑی۔ایبک ایزل اٹھا لایا تھا۔کھلی ڈگی میں ڈال کر اسے بند کر کے مڑا، انیشہ اپنے بیگ کو بھی کار میں رکھ رہی تھی۔

''شکریہ میں کر لیتی۔''

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھکا رہا تھا یعنی شکریہ وصول کر رہا تھا۔کرنے کے بعد وہ واپس گراؤنڈ کو دیکھنے لگا جہاں لوگ اب مڑ مڑ کر آرہے تھے۔

''آپ معاوضہ نہیں لے رہی ہیں مجھ سے اس کے بدلے میں، اتنا تو کر ہی سکتا ہوں چلیں ہم بھی۔''

انیشہ آج کا دن ضائع ہونے پر واپس کار کی سمت بڑھ رہی تھی جب اس کی فرمائش پر

رکی۔ بارش کے سبب زمین گیلی ہونا شروع ہو چکی تھی۔ ٹپ ٹپ پانی گھاس پر گر کر اس کی اور کچی مٹی کی خوشبو کو پورے ماحول میں پھیلا چکا تھا۔

''کہاں؟''

ایبک نے گہرا سانس بھرا، گھاس ملی کچی مٹی کی خوشبو کو دل میں اتار کر بولا۔

''واپس وہیں جہاں سے چھوڑ کر آئے ہیں، مجھے یہ موسم پسند ہے۔''

اس کی آواز اور بھوری آنکھوں میں ایسی مقناطیسیت تھی کہ انیشہ کو پل بھر میں لگا وہ اس کی اسیر ہو جائے گی۔ اس نے خوامخواہ پلکیں جھپکیں، دل کی رفتار تھوڑی سی تیز ہوئی تھی۔ تیز تو یہ رفتار تب بھی ہوئی تھی جب وہ اس کی آنکھوں کو کینوس پر اتار رہی تھی۔ گہری جھیل سی پراسرار آنکھیں۔ اس نے سر جھٹک دیا۔

''لیکن مجھے بارش نہیں پسند۔ مجھے اس سے الجھن ہوتی ہے۔'' اس نے انکار کیا تھا۔ سامنے والے کو انکار کو اقرار میں بدلنا آتا تھا۔ وہ مسمرائزنگ انداز میں مسکراتے ہوئے ایک قدم آگے آیا اور اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلاتے ہوئے بولا۔

''جب سنگت اچھی ہو تو ہر الجھن دور ہو جاتی ہے۔ ٹرسٹ می۔''

اور وہ نہیں جانتی تھی اس نے کیوں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ اس کی تربیت تو نہیں تھی، یہ تو وہ رولز نہیں تھے جن کو بچپن سے وہ جانتی تھی تو پھر کس طرح وہ کسی اجنبی کے ہاتھ میں ہاتھ دے سکتی ہے۔ اس کا دین، اس کا خون اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ ایسا کرے۔ وہ انیشہ جو ڈرپوک سی تھی، جسے مردوں سے الجھن ہوتی تھی، جسے بارش بالکل پسند نہیں تھی، آج وہی انیشہ کسی غیر مرد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بارش کی اور بڑھ رہی تھی۔ کیا یہ سکھایا تھا اس کے والدین نے اسے، کیا ہر لڑکی کے والدین یہی سکھاتے ہیں کہ کسی نامحرم کے

ساتھ آپ چل دو انجام کی پرواہ کیے بنا۔ اس کے دل میں کچوکے لگنے لگے تھے۔ ایبک کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لرزا تھا۔ یہ وہ نہیں تھی۔ یہ اس کی تربیت نہیں تھی۔ اس کا کردار اتنا ہلکا نہیں ہوسکتا کہ وقتی ٹرانس کا شکار ہو جائے۔ اس نے جونہی گھاس کو سنیکرز کے نیچے کچلا، بارش نے اسے بھگو دیا تھا۔ اسے لگا وہ گھاس نہیں کچلی ہے بلکہ اس کی ذات ہے جو کچل دی گئی ہے اور آسمان سے بارش نہیں برس رہی ہے وہ کیچڑ ہے جو اس پر گر رہا ہے۔ گر کر سوال کر رہا ہے کہ بتاؤ انیشہ غفور، تم اس انجان کے ساتھ اپنی فطرت کے برعکس کیوں ہو؟ بتاؤ ہمیں جواب دو؟ اب خاموش کیوں ہو بول بھی چکو؟ بولو نا۔ اس نے یکدم ایبک کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا اور گاڑی کی سمت دوڑ لگا دی۔ ایبک اس کے بھاگنے پر مڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چندھی تھیں۔ پلکوں پر بوندیں اب بھی گر رہی تھیں۔ گر کر پل بھر کو ان کو سیدھا کر دیتیں مگر وہ پھر سے مڑ جاتیں جس طرح ابھی ابھی بوند کے گرنے کے بعد سیدھی ہوئی تھیں۔

اس کا فون بج اٹھا تھا۔ ہڈ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ پھنسائے اس نے ایک باہر نکالا اور ٹراؤزر کی پاکٹ کی طرف اسے بڑھا دیا۔ برہان کا چہرہ اور اس کا نمبر اس کے سیل فون کی سکرین پر روشن تھا۔ وہ روشن زیادہ تب لگا جب بجلی کڑکی تھی۔

''ہاں بولو۔'' اس نے اطراف میں نظریں گھماتے ہوئے استفسار کیا۔ ینگسٹر یہاں موجود تھے اور اپنی طرز کے مطابق بارش کو انجوائے کر رہے تھے۔

''کیا بنا؟''

اس سوال پر ایک پراسرار مسکان ایبک کے لبوں پر ٹھہری تھی۔ اس نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی۔ ایسا کرنے سے کتنا ہی پانی تھا جو اس کی کھلی آنکھوں میں جمع ہو چکا تھا۔ ایک بار پھر سے وہ گہرائیوں میں تھا سمندر کی گہرائیوں۔

"ایک پچھ ادھورا نہیں چھوڑتا۔"

اس کی آواز مسافتیں طے کرنے کے بعد کسی کی کھڑکی میں داخل ہوئیں اور وہاں سے اس کے کانوں میں جا بیٹھی۔ وہ فرنچ ونڈو کے پاس کرسی رکھے بیٹھی تھی۔ کرسی ٹیڑھی رکھی تھی اور وہ اس کے ہتھے پر کہنی ٹکائے اس پر ٹھوڑی کو گرائے عمیق سوچ میں گم تھی۔ کھڑکی کے شیشے برابر تھے اور ان پر پانی لائنیں بناتا ہوا نیچے کی اور سرک رہا تھا۔

"السلام علیکم، میں سلطان ہوں، سلطان مزاری۔"

اسے شیشے سے سلائیڈ ہوتے پانی کی ایک لائن میں پچھلے ہفتے کے مناظر نظر آنے لگے جن میں ایک ہنسا مسکراتا ہوا انسان دکھائی پڑ رہا تھا۔ اس نے سفید پینٹ کے ساتھ سی گرین ہڈ والی جرسی پہنی ہوئی تھی جس کا ہڈ اس کے سر پر تھا اور منہ پر ماسک۔

"سوری پر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

وہ پانی کی لائن سلو موشن میں سرکنے لگی تھی۔ اس میں صاف نظر آرہا تھا کہ یہ وہی گراؤنڈ ہے جہاں سے ابھی وہ بھاگ کر آئی ہے۔ بس فرق اتنا تھا کہ وہ ٹھنڈی میٹھی دھوپ سے گھرا تھا اور گھاس ہیروں کی مانند اس دھوپ میں چمک رہی تھی۔

"ویل آپ تیسری انسان ہیں جو مجھ سے یہ بات کہہ رہی ہیں۔ آں مس۔" اس نے قدرے آگے جھک کر گلے میں پہنے اس کے کارڈ کو آنکھیں سکیڑ کر دیکھا اور پھر پیچھے ہو گیا۔

"مس انیشہ غفور۔ نائس نیم۔"

انیشہ جو آسمان کو کینوس پر اتار رہی تھی ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔

"آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

وہ دیکھ رہی تھی کہ سامنے کھڑا انسان ماسک کو نیچے سرکاتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ اس نے

جیسے ہی ماسک اتارا تھا وہ لمحہ بھر کو مبہوت ہوگئی تھی۔ مشرق اور مغرب دونوں اس کے سامنے تھے اور کیا لاجواب انداز میں تھے۔ کوئی مرد اتنا بھی اچھا ہو سکتا ہے۔ اس نے دل میں سوچا اور پھر اس کو جھٹک دیا۔

"آئی تھنک ایک پینٹر کے پاس انسان اس لیے ہی آ سکتا ہے کہ وہ کچھ بنوا سکے۔ میں یہاں پر دو لوگوں سے آل ریڈی پوچھ چکا ہوں (جھوٹ) لیکن وہ دونوں ہی مجھے انکار کر چکے ہیں۔ آپ آخری امید ہیں میرا پورٹریٹ بنائیں گی۔ میں آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق معاوضہ دوں گا۔"

اس کے ایکسنٹ میں بھی مغربی ٹچ تھا۔ وہ شانے بھی ویسے ہی ہلا رہا تھا اور لفظوں کو بھی اسی طرح نکال رہا تھا لیکن وہ اردو اچھی اور صاف بول رہا تھا۔ انیشہ نا کرنا چاہتی تھی لیکن اس سے ہو نہ سکا۔

"چار سیٹنگز میں مکمل ہوگی پینٹنگ۔ آپ کو وقت پر یہاں آنا ہوگا، پیمنٹ رہنے دیں پینٹنگ میرا شوق ہے اور اس شوق کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

وہ اس کی بات سن کر متاثر ہوا تھا بھنویں اچکا گیا۔ یہاں سے اس کی پہلی سیٹنگ شروع ہوئی تھی۔ یہاں ہی پہلی بار اس کی آنکھوں کو بناتے ہوئے انیشہ کا دل دھڑکا تھا جس طرح آج دھڑکا تھا۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں موندیں، پانی کی وہ لہر جو ہفتے قبل کے مناظر لے کر رک گئی تھی لمحے کے ہزارویں حصے میں سرک گئی۔ شاید اسے بھی لڑکی کے ارتکاز کے ٹوٹنے کا انتظار تھا۔ ارتکاز ٹوٹا، ماضی چھوٹا، دل روٹھا اور دھڑکنوں نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ کھلا اعلان جنگ۔

☆......☆......☆

"آپ بے فکر ہو جائیں۔ شراحیل آج تک نہیں ہارا تو آگے کیسے ہارے گا۔ اس کیس کا فیصلہ آپ کے ہی حق میں ہو گا۔ یقین رکھیں۔" وہ اپنے کسی کلائنٹ کو تسلی دیتے ہوئے انہیں رخصت کر رہا تھا۔ کر چکنے کے بعد وہ اپنے کیبن میں آیا اور کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ اس کا فون سائلنٹ پر تھا۔ کورٹ میں وہ فون کو سائلنٹ پر ہی رکھا کرتا تھا۔ اس لیے اسے نہیں پتا چلا کہ کس کس نے کب کب اسے فون کیا ہے۔ اب سیل فون آنکھوں کے سامنے کیا تو سب سے زیادہ ایلاف کی کالز دیکھ کر وہ فون کو میز پر پٹخ گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد آج گیارھواں دن تھا وہ ان کی طرف گیا تھا اور نہ ہی اس نے ایلاف سے کانٹیکٹ رکھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ بزدل تھا یا ایلاف کے انکشاف نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ اس سے خفا تھا۔ بیحد خفا۔ اگر وہ مافیا گروہ کی ممبر بھی نکلتی تب بھی وہ اس سے نہ ڈرتا۔ ڈرنے کی بات ہی نہیں تھی۔ بات تھی تو فقط اعتبار کی جو ایلاف نے اس پر نہیں کیا تھا اور یہی دکھ تھا جو اسے پچھلے گیارہ دنوں سے کھائے چلا جا رہا تھا۔ وہ خاموش اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اتنا زیادہ کہ اب اسے لگنے لگا تھا وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ چپ چپ اور سب سے خفا خفا۔

"یہ کیا طریقہ ہے شراحیل۔"

وہ اس کے کیبن میں آندھی طوفان کی طرح داخل ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہونے سے قبل شراحیل نے باہر دو گارڈز کو دیکھا جو شاید اس کیلئے تعینات کیے گئے تھے۔ وہ اپنا بیگ کرسی پر رکھ کر دونوں ہاتھ میز پر جمائے کھڑی ہو گئی۔

"کیوں غائب ہو رہے ہو۔ ممی پریشان ہیں، ڈیڈی کو فکر ہو گئی ہے اور۔۔۔" اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی وہ اسے درمیان میں ٹوک گیا۔ انداز سرد اور نپا تلا سا تھا۔

"اور تم؟ اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ چونک گئی۔ شیڈز کے پیچھے چھپی آنکھوں کے ساتھ وہ سیدھی ہوئی۔

"کیا مطلب؟"

شراحیل نے ہاتھوں کو باہم پھنسایا اور سابقہ انداز میں بولا۔ مانو اس نے برف کی دکان لگائی ہو۔ اس کا ہر لفظ کمرے میں برف کی مانند ہی تو اکٹھا ہو رہا تھا۔

"مطلب یہ کہ میرا کچھ دن چھپنا تمہارے گھر والوں کو اتنا کھل رہا ہے اور اس کا کیا جو تم نے کیا؟ تم نے بھی تو خود کو چھپا کر رکھا تھا نا۔ وہ بھی بے تحاشہ سالوں سے۔"

اور وہ جو یہ سمجھی تھی شراحیل ڈر کر منظر عام سے غائب ہوا ہے۔ اپنی بیوقوفی پر سر جھٹک کر رہ گئی۔ کیسے بھول سکتی تھی کہ سامنے بیٹھا انسان کیسے کیسے غنڈوں اور انسانوں کو ڈیل کرتا ہے۔ وہ بھلا کیونکر اس بات سے خوف زدہ ہو کر خود کو مخفی کرے گا۔ سلی شی۔

"تم مجھ سے خفا ہو؟" اس نے گہرا سانس بھر کر دریافت کیا حالانکہ اس سوال کا کوئی تک نہیں تھا۔ شراحیل چند ثانیے اسے تکتا رہا۔ اس کی نظروں کا مفہوم تھا اب بھی پوچھنے کی ضرورت ہے؟

"اچھا۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور توقف کے بعد بولی۔ "اچھا ٹھیک ہے، ایم سوری، غلطی ہو گئی مجھ سے۔ تم سب سے یہ بات چھپائی۔ یقین کرو ممی کو، ڈیڈ کو، ثمر بھائی کو، سب کو تاویلیں دے دے کر میں تھک چکی ہوں۔ معافیاں مانگ کر تھک چکی ہوں۔ تم تو مجھ سے ناراض نہ ہو۔"

اور اس نے ایسے کہا تھا کہ مزید ایک ہفتہ کا بائیکاٹ سوچنے والا شراحیل منٹوں میں موم ہوا۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا اور وہ اس پر پھٹنا چاہتا تھا۔

"پلیز۔"

کبھی وہ اسے مناتا تھا اور وہ مان کے نہ دیتی تھی۔ آج وہ اسے منا رہی تھی تو وہ چٹکیوں میں مان گیا تھا۔ محبت شاید اسی چیز کا نام ہے شاید!

"تم ہمیشہ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو ایلاف، تم مجھے تھکا دیتی ہو۔"

اور اس کی بات سے ایلاف کو لگا۔ وہ واقعی ایسا کر دیتی ہے۔ وہ دوٹوک ہے، ضدی ہے، من مانیاں کرنے والی ہے مگر وہ کبھی دل دکھانے والی تو نہیں تھی۔ شاید کسی اور کیلئے نہیں تھی شراحیل کیلئے بن چکی تھی۔ کون جانتا تھا کہ اب وہ کب تک اور کہاں کہاں اس کا دل دکھاتی ہے۔۔۔ کون جانتا تھا؟

"سوری کر تو رہی ہوں۔ اب زیادہ چڑھو نہیں۔ چلو اٹھو کہیں چلتے ہیں۔"

شراحیل نے گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر اس کی جانب۔

"اس وقت ممکن نہیں میں بزی ہوں۔"

وہ دراز کھول کر کوئی فائل ڈھونڈنے لگ گیا تھا اور وہ سچ کہہ رہا تھا۔ یہ واقعی اس کے کام کا وقت تھا۔ ایلاف نے دوبارہ میز پر دونوں ہاتھ رکھے اور تھوڑا سا جھک کر کھردرے لہجے میں بولی۔

"مسٹر شراحیل پاشا! آپ اپنی بات پر قائم ہیں۔"

دراز میں فائل ڈھونڈتے شراحیل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو بھنویں اچکائے کھڑی تھی۔

پھر اس نے آواز کے ساتھ دراز کو بند کیا اور کھڑا ہو گیا۔

"چلیں محترمہ، خرید رکھا ہے آپ نے ہمیں۔ حکم عدولی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ ایلاف اس کے پھولے سے چہرے کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"یہ گارڈز ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے مجھے ان سے چھٹکارہ چاہیے۔" اس نے دروازے

کی ناب پر ہاتھ رکھ کر مڑ کر اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔اس کی نظریں کہہ رہی تھیں ''یعنی یہاں پر بھی میں استعمال ہوا ہوں تف ہے مجھ پر۔'' وہ شانے اچکا کر اس کے پیچھے چل دی۔

وہاں سے خاصی دور بہت بہت دور ثمر ہاتھوں میں فائلز تھامے تیز قدموں کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا۔وہاں جہاں باقی کے چند سینئرز بھی بیٹھے ہوئے تھے۔اغوا کار کی ایک تصویر کی کئی کاپیز بورڈ پر چسپاں تھیں۔اس کے بارے میں معلومات سلائیڈز پر چل رہی تھیں جنہیں انوسٹی گیٹر بڑے تحمل کے ساتھ میز کے اردگرد بیٹھے افسروں کو دے رہا تھا۔ڈپٹی کمشنر یاور بھی وہاں موجود تھا۔

''اس لڑکے کا تعلق بغداد سے ہے۔'' وہ آدمی جو کچھ بتا رہا تھا وہ آل ریڈی ان فائلز میں درج تھا جن کی کاپیز سب کے آگے رکھی ہوئی تھیں۔ثمر نے فائل کے صفحے پلٹائے اور نگاہ اٹھا کر سلائیڈز کے آگے کھڑے بندے کو دیکھنے لگا جو مزید کہہ رہا تھا۔

''اس کی بہن اور ایک گرل فرینڈ تھی۔اس انسان نے اپنے نام کے ساتھ تمام ہسٹری کو ہر جگہ سے مٹایا ہوا ہے اس لیے اس بارے میں ابھی خاطر خواہ معلوم نہیں ہوا ہے۔بہن کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ قدرتی موت مری تھی لیکن ہاں جو اس کی گرل فرینڈ تھی اسے قتل کیا گیا تھا۔یہی کوئی دو ہزار اٹھارہ میں۔معلومات کے حساب سے وہ دو ہزار پندرہ میں پاکستان آیا تھا۔یہاں پر پی سی میں اس نے چار دن گزارے،اس کے بعد وہ ایک مہمان کی حیثیت سے مارگلہ کے قریب بنے فلیٹس میں سے ایک میں تین دن مزید رہا تھا۔پھر وہ واپس بیجنگ چلا گیا تھا۔لیکن دو ہزار سترہ میں وہ واپس آیا اور پورے ایک سال پاکستان رہا۔اس دوران اسے ایک لڑکی سے محبت ہوئی تھی اور وہ سن دو ہزار اٹھارہ کے شروع میں اس سے واپس لوٹنے کا وعدہ لے کر گیا تھا اور پھر کبھی پاکستان نہیں آیا۔ابھی وہ بیجنگ شہر میں رہ رہا ہے۔کہاں رہ رہا

ہے اس کیلئے ابھی مزید تین دن درکار ہیں۔ تین دنوں بعد یقیناً ہم اس کے اڈے کا پتا لگوا لیں گے۔ یہ اس کی فیملی کی تصاویر ہیں۔"

وہ آدمی سائیڈ پر ہو کر نیم اندھیرے کمرے میں ان تصاویر کو چلانے لگا جن میں سے ایک کو دیکھ کر کسی کی آنکھوں میں چونکنے کا تاثر پیدا ہوا تھا۔ وہ لڑکی جانی پہچانی تھی جو مسکراتے ہوئے سڑک پر کسی کو مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال لٹوں کی صورت شانوں پر گرے تھے۔ پشت سامنے تھی اور وہ شانے پر ٹھوڑی ٹکائے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ ایسے جیسے وہ چلتے چلتے کسی کی بات سن کر مڑی ہو، مڑ کر مسکرائی ہو۔

"پانچ سال پہلے۔" ثمر کے لب ہولے سے ہلے۔ "قتل ہوئی تھی۔ یہ لڑکی پانچ سال پہلے قتل ہوئی تھی۔" اس کی آنکھیں پر سوچ تھیں اور دماغ میں عجیب سے مناظر چلنے لگے تھے۔ وہ مناظر جو نا آشنا تھے اور آشنا بھی۔ اسے ایسا کیوں لگا کہ وہ اس لڑکی کو دیکھ چکا ہے۔ اس کی ہنسی اس کے کانوں میں گونج چکی ہے۔ جیسے جیسے وہ مسکراتے ہوئے آگے کو دوڑ رہی ہے۔ اس کے بال ہوا کے دوش پر اڑ رہے ہیں اور پرنٹڈ سکرٹ میں لہریں پڑ رہی ہیں۔ وہ ہنس رہی ہے، کھلکھلا رہی ہے اور سافٹ کینڈی کو ہاتھ میں پکڑے گول گول گھوم رہی ہے۔ اسے ایسا کیوں لگ رہا تھا کیوں؟

"مسٹر ثمر، آپ کیا کہیں گے؟"

وہ یاور کی بات پر ٹھٹک کر اپنے حواس درست کرنے لگا۔ فائل جوں کی توں اس کے آگے پڑی تھی اور سکرین اب تاریک تھی۔ کمرہ روشن ہو چلا اور اس روشنی میں اس کی آواز گونج اٹھی۔

"مجھے لگتا ہے اس سب کا تعلق اس کی گرل فرینڈ سے ہے جو قتل ہوئی تھی۔" اس کا انداز ابھی بھی سوچتا ہوا سا تھا۔ "وہ شاید اس کی وجہ سے یہ سب کر رہا ہے۔"

سارجنٹ شیخ نے مائیک کے آگے منہ کیا اور روشنیوں سے بھرے کمرے میں بولنے لگے۔

"یقیناً یہی وہ ہے جس کی وجہ سے وہ یہ سب کررہا ہے لیکن ایک عورت کے قتل کے پیچھے دس لوگوں کا ہاتھ نہیں ہوسکتا۔ دس لوگ کبھی بھی مل کر اس طرح کی بیوقوفی نہیں کرسکتے۔ اس کہانی کے پیچھے ضرور کچھ ایسا ہے جو مس ہوگیا ہے۔ جسے کھوجنے کی ہمیں اشد ضرورت ہے اور مجھے لگتا ہے اس وقت صرف ایک انسان ایسا ہے جو یہ کام بہت اچھے سے کرسکتا ہے۔" سب نے سوالیہ نگاہیں ان کے چہرے پر گاڑی۔ ان کے چہرے پر جوثمر کو دیکھ رہے تھے، دیکھنے کے بعد کہہ رہے تھے۔

"پر کون؟" سب کے مشترکہ سوال پر انہوں نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ جواب جوثمر کو متحیر کرگیا۔ وہ ساکت ہوگیا تھا بالکل ساکت جس جواب نے اسے ساکت کیا تھا وہ یہ تھا۔

"ایلاف!"

☆......☆......☆

یہ صبح صادق کا وقت تھا۔ چڑیاں چہچہاتے ہوئے پَر مارتی یہاں سے وہاں اڑ رہی تھیں۔ درختوں پر الٹے لٹکے الّو اب اڑ چکے تھے۔ تتلیاں بادِ صبا کے ساتھ جانے کہاں سے نکل آئی تھیں۔ ہدہد برق رفتاری سے اپنی چونچ درخت کے موٹے ٹہنے پر ماررہا تھا۔ کل رات کی ہوئی بارش نے ابھی بھی سب کچھ نم کررکھا تھا۔ پتھروں کی روش نم تھی، گھاس پر شبنم کی جگہ بارش کے قطرے جمع تھے۔ پتوں سے وہ قطرے ٹپکا ٹپک کر نیچے گر رہے تھے۔ سرخ گلابوں پر پانی کی تہہ چڑھی تھی اور سیاہ پتھروں کی روش گیلی ہوکر مزید سیاہ لگ رہی تھی اور صاف بھی۔

آج پھر سے موسم ابر آلود تھا۔ محکمہ موسمیات کے مطابق اس پورے ماہ میں وقفے وقفے سے بارش ہونی تھی۔ یہ اگست کے اوائل دن تھے اور ان اوائل دنوں کی ہی ایک صبح تھی جب وہ

جاگنگ ٹریک پر دوڑ رہا تھا۔اس نے کاہی رنگ کا جاگنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔وہی ٹراؤزر اور ہڈ لیکن آج فرق یہ تھا کہ اس نے ماسک نہیں لگایا ہوا تھا۔ہاں بازو کہنیوں تک ضرور فولڈ تھے تبھی اس کی سیاہ ایپل گھڑی چمکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔وہ اس درخت کے نیچے سے گزرا جہاں ہدہد چونچ کے ذریعے سوراخ کرنے میں مصروف تھا۔اس نے دیکھا اس کی مخالف سمت میں سے کوئی اور بھی دوڑ رہا ہے۔دوڑنے والی نے لیونڈر رنگ کا جاگنگ ڈریس پہنا ہوا ہے۔اس کے بازو کلائی سے قدرے اونچے ہیں اور سیدھے ہاتھ میں سفید گھڑی صبح کے ساڑھے چھ بجا رہی ہے۔وہ اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ ایک خوبرو سا لڑکا بھی تھا جو مسلسل اس سے باتیں کرتے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ایبک رک گیا۔ایسے جیسے کسی نے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی ہو، جیسے اب وہ کبھی نہیں ہل پائے گا۔اس کے آس پاس سے بہت سے لوگ آجا رہے تھے لیکن اس کی نگاہ تو اس جوڑے پر پڑ گئی تھی جن پر نہیں پڑنی چاہیے تھی۔

نگاہ کی بات تھی۔

یہ کہانی نگاہ پر ہی مشتمل تھی۔

نگاہ جو محبت بھی رکھتی ہے اور حسد بھی۔جس میں لالچ بھی ہوتی ہے اور غرض بھی۔جو پہچانتی بھی ہے اور انجان بھی ہے۔نگاہ جو دعا دے سکتی ہے اور بددعا بھی جو قبر تک بھی لے جا سکتی ہے اور رشک بھی کر سکتی ہے۔ایک نگاہ فقط ایک نگاہ۔

''وہ جب بھی تمہیں نظر آئے تو اسے دل کا حال بتا دینا۔جانتے ہو نا حال دل دیر سے بیان کرنا کتنا نقصان دیتا ہے۔'' ایبک کو نہیں پتا چلا تھا کہ اس نے کب جیب میں سے ماسک نکال کر چہرے پر لگایا۔وہ تو بس کسی ٹرانس میں اس جوڑے کو خود کے قریب آتا دیکھ رہا تھا۔اس کی نظر تھی بھی کہاں، ان دونوں پر وہ تو فقط اسے دیکھ رہا تھا جسے دیکھنے کا اس نے فی الحال

تصور نہیں کیا تھا۔

''کیا وہ ایبک سلطان کو قبول کر لے گی؟''

ہوا چلی تھی۔ ہوا کے ساتھ اس کی خوشبو بھی اڑ کر آئی اور اس کے گرد ہالہ بنا گئی۔ ان دیکھا ہالہ، ان دیکھی قید ایبک نے گہرا سانس لیا۔ جونہی اس کی خوشبو اندر گھلی، دل کی رفتار بڑھنے لگی۔ اس کی کلائی میں پہنی گھڑی ہارٹ ریٹ بڑھنے کا ساؤنڈ دے رہی تھی۔

''کیا ایبک سلطان اس قابل ہے کہ اسے انکار کیا جائے۔ بدھو ہو تم۔''

وہ اس کے بالکل نزدیک آ گئی۔ ہدہدا بھی تک درخت کے ٹہنے میں سوراخ کر رہا تھا۔ اس کے عقب میں درخت تھا اور درخت کے پیچھے تا حد نگاہ پھیلا سبزہ۔ دل کی دھڑکن نے سپیڈ پکڑی تھی۔ اس سپیڈ کا اعلان وہ گھڑی کر رہی تھی جو اس کی کلائی پر بندھی تھی۔ جونہی لیونڈر رنگ کے جاگنگ سوٹ والی لڑکی نے اسے کراس کیا، وہ رخ درخت کی جانب کر گیا۔ کیوں، کیونکہ گھڑی میں بجتا الارم تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔ زندگی کو دیکھ کر دھڑکن یونہی بڑھ جایا کرتی ہے۔ ایبک رخ موڑے ماؤف دماغ کے ساتھ ہاتھ کو زور زور سے جھٹک رہا تھا۔ جیسے ایسا کرنے سے وہ گھڑی اس کی کلائی سے آزاد ہو جائے گی۔ اس لڑکی نے آگے بڑھتے ہوئے فقط ایک معمولی سی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ نگاہ معمولی تھی لیکن حسیات تیز تھیں تبھی وہ چار قدم آگے بڑھ کر رک گئی۔ رک کر مڑی، مڑ کر استعجاب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی جس کی پشت ان کی طرف تھی۔

ایبک کے سر میں ٹیسیں اٹھنے لگیں، بصارت یکدم دھندلی ہوئی تھی۔ سر میں اتنا درد اٹھا تھا کہ اس نے ہڈ کے نیچے سے ہاتھ کنپٹیوں پر رکھ دیے۔ اس کی آنکھوں میں پرانے مناظر گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ کچھ لمحوں کے لیے مفلوج ہو جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ

پاؤں کام کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ دماغ اور نظر سب پھیکا پڑ جاتا تھا۔ فقط پانچ منٹ اس کی یہ کنڈیشن ہوتی تھی اور اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔

''کیا ہوا، کیا دیکھ رہی ہو؟'' شراحیل کی آواز پر اس نے گردن واپس موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اچنبھا تھا وہ اسی اچنبھے پن سے واپس شراحیل کے قریب پہنچی اور پرسوچ انداز میں بولی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اس انسان کو دیکھ چکی ہوں۔ اس کی آنکھیں تھوڑی جانی پہچانی سی ہیں۔''

اور شراحیل اس کی بات پر قہقہہ لگا گیا تھا۔ صبح کا پرنور منظر طلوع سورج کی وجہ سے زائل ہونے لگا تھا۔ سورج کی باریک سی کرنیں سونے کی تاروں کی مانند زمین پر بچھنے لگی تھیں۔ ان تاروں پر ہی پاؤں رکھتے ہوئے وہ دونوں واپس دوڑنے لگے۔ دوڑتے دوڑتے ہی آپس میں ہمکلام ہوئے۔

''کم آن، دنیا میں ہزاروں لوگوں کی آنکھیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اب چلو۔''

اور وہ ایک نگاہ پھر سے پیچھے موڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ جیسے نو سال پہلے بڑھی تھی تب بھی اس نے اسے نہیں دیکھا تھا اور آج بھی وہ اسے نظر انداز کر گئی تھی۔ اسے جو دونوں ہاتھ کنپٹیوں پر رکھا اپنے گھٹنے کچی زمین پر ٹکا رہا تھا۔ اس کا درد زور پکڑ رہا تھا۔ اتنا زیادہ کہ اسے لگا ابھی اس کا سر چاک ہو جائے گا۔ وہ درخت کے ٹھنے کے ساتھ ٹک گیا تھا۔ اس کا تنفس تیز تھا۔ اتنا تیز کہ وہ سانس کے مریضوں کی طرح ہانپنے لگا تھا۔ تھوڑے سے فاصلے پر گھاس کے قطعے پر ایک لڑکا ورزش کر رہا تھا۔ وہ جیسے ہی دونوں ہاتھ پاؤں پر لگانے کیلئے جھکا اسے درخت کے ٹھنے کے ساتھ کوئی نظر آیا تھا۔ اس انسان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ ٹھیک نہیں ہے تبھی وہ لڑکا بھاگتا

ہوا اس کے پاس آیا اور شانے سے اسے ہلا کر پوچھنے لگا۔

”برو، کیا ہوا تمہیں، کیا ہو رہا ہے؟“ وہ اس کا ہڈ اور ماسک نیچے کر چکا تھا۔ ایبک نے گہری طویل سانس بھری اور لبوں کو ہولے سے جنبش دی۔

”پپ...... پانی۔“ وہ لڑکا سر ہلاتے ہوئے دوڑ کر اپنے سامان میں سے پانی کی بوتل لایا اور اس کا ڈھکن کھول کر اس انجان لڑکے کے منہ سے لگا دیا۔ آدھا پانی اس کے حلق میں جا رہا تھا اور آدھا گر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کنپٹیوں پر سے ہٹائے۔ درد کی شدت کم ہوئی تھی۔ پانچ منٹ کی قیامت ختم ہوئی۔ وہ واپس نارمل ہونے لگا۔

”برو، آر یو او کے ناؤ؟“ اس کی بصارت بھی ٹھیک ہونے لگی تھی۔ اس ٹھیک ہوتی بصارت کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بدقت تمام بولا۔

”شکریہ۔“

اس لڑکے کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ انجان تھا لیکن شاید جذبہ خدمت اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا تبھی وہ اصرار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہاسپٹل چلتے ہیں، ڈاکٹر کو دکھانا مناسب رہے گا۔“

وہ نارمل ہو گیا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر ہلکے سے مسکراتے ہوئے اسے کہا جس کی آنکھوں میں تفکر تھا۔ کیوں تھا یہ شاید میں آپ کو بتا چکی ہوں سو ضرورت نہیں ہے دوبارہ ریپیٹ کرنے کی رائٹ۔

”نہیں بہت شکریہ، ایم فائن ناؤ۔“

اس کی تسلی پر وہ لڑکا وہاں سے چلا گیا تھا۔ ایبک نے اس کے جاتے ہی آنکھیں بند کیں خوشبو کا ہالہ ابھی بھی اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سے گہری سانس

بھری تھی۔

''ہر بار تکلیف دے جاتی ہو۔'' وہ خود سے ہمکلام ہوا تھا۔اس میں ابھی اٹھنے کی ہمت نہیں تھی اس لیے بیٹھا رہا، کچی بھربھری مٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موندلی تھیں۔

''مجھے ابھی بھی لگ رہا ہے جیسے میں اسے دیکھ چکی ہوں۔ مطلب اس کی آنکھوں میں بہت زیادہ شناسائی تھی۔'' وہ گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔شراحیل اب اس کی باتوں سے اکتا گیا تھا اسی اکتاہٹ کے ساتھ بولا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی تم اس کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔چھوڑ دو اسے۔''

اس کے انداز سے صاف جھلکتا تھا کہ وہ جیلس ہو چکا ہے۔ایلاف جیلسی کی بو محسوس کر کے یکدم ٹھٹکی۔اس کے ساتھ لاؤنج کو عبور کرتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''ہمم۔کرنا تو یہی پڑے گا چلو چھوڑ دیا اسے، یہ بتاؤ مجھے آفس ڈراپ کر دو گے؟'' سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے اس نے پوچھا تھا۔شراحیل نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''پہلے انکار کیا ہے کبھی۔''

وہ مسکرا کر سر جھٹکتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔شیشے کے سامنے وہ بالوں کو بلو ڈرائیر کر رہی تھی جب اچانک سے وہی آنکھیں اس کے دماغ میں آئی تھیں۔ آنکھوں کے ساتھ ماسک، ماسک کے ساتھ ہڈ اور ہڈ کے ساتھ۔۔۔وہ یکدم چلتی مشین پھینک کر مڑی۔اس کا دل ایک سو بیس کی رفتار میں دوڑنے لگا تھا۔وہ بھاگتی ہوئی سٹڈی روم میں داخل ہوئی۔دروازہ بند کرتے ہی وہ میز پر ہاتھ مارنے لگی جہاں ڈھیر سارے کاغذات رکھے ہوئے تھے جن میں پمفلٹس، ہوسٹجز کی تصاویر، زمین زاد کے لفظوں کی ریکارڈنگ اور اس کی تصویر بھی شامل تھی۔وہ جلدی جلدی ان ڈھیر سارے کاغذات کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی۔بہت ہی غیر متوقع انداز

میں اس کے ہاتھ میں دو تصاویر آئی تھیں۔ وہ عجلت میں انہیں پھینکنے ہی والی تھی کہ رک گئی۔ یہی تو وہ تھا جسے وہ ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے زمین زاد کا چہرہ جو بڑے سے کاغذ پر پرنٹ تھا اپنی آنکھوں کے سامنے کیا۔ اچانک سے اس کا سٹڈی روم پارک میں بدل گیا اور وہ وہیں جا کھڑی ہوئی جہاں وہ لڑکا آئی بالز کو گھماتے ہوئے اسے خود کو کراس کرتے دیکھ رہا تھا اور پھر وہ مڑ گیا تھا۔

''اس کی آنکھیں، اس کی آنکھیں۔'' ایلاف نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور زمین زاد کی آنکھوں کو تکنے لگی۔ اس نے جلدی سے پن ہولڈر میں رکھے سیاہ بورڈ مارکر کو اٹھایا اور اس کے منہ پر ماسک بنانے لگی۔

''ناممکن۔'' وہ خود سے یہ لفظ دوہرا رہی تھی۔ نقاب اور ہڈ پہن کر وہ وہی بن گیا تھا جو پارک میں موجود تھا۔ ایلاف نے تصویر کو میز پر پٹخا اور سر کو پکڑ لیا۔

''اگر وہ پاکستان میں ہے تو کیسے ساری کڑیاں اسے بیجنگ سے ملا رہی ہیں۔ نہ صرف اسے بلکہ اس کی قید میں موجود تمام لوگوں کو بھی، اتنا بڑا اجھول نہیں ہو سکتا۔ کچھ نہ کچھ تو گڑبڑ ضرور ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ساتھ میں کلائی میں پہنی گھڑی کو بھی دیکھ رہی تھی جو نو کا وقت بتا رہی تھی۔ اس کے آفس کا ٹائم ہو چلا تھا۔ وہ کیا کرے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''مادام! آجائیں میرا آج کیس ہے مجھے کورٹ جلدی پہنچنا ہے۔'' شراحیل کی آواز پر اس نے گہرا سانس بھرا۔

''ہم شکل بھی تو ہو سکتے ہیں۔ اس دنیا میں کتنے ہی لوگ ایک صورت کے ہیں، میں بھی زیادہ ہی سوچنے لگی ہوں، شراحیل ٹھیک کہتا ہے۔'' خود کی بودی تشفی کروا کر وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ میز پر نقاب پوش کی تصویر جوں کی توں پڑی رہی۔

☆......☆......☆

''اس چھوکرے کا کچھ پتا چلا؟'' ساجد قصائی اپنی چھریوں کو تیز کر رہا تھا جس کے سبب چنگاریاں دور دور تک اڑ رہی تھیں۔ اس کا نکما کارندہ ہولے سے کھسیا کر بولا۔

''نہیں جناب، کوشش کی جارہی ہے لیکن اس کی معلومات نہیں ملیں۔''

ساجد قصائی نے لمحہ بھر کو رک کر اسے دیکھا اور پھر نوک دار چھری کو مزید تیز کرتے ہوئے تپانے والے انداز میں بولا۔

''اس چھوٹے چھوکرے نے، میم صاب نوں تعویز دیا سی وہ تعویز جس میں ہمارا ڈیٹا موجود سی، اگر دو دن کے اندر اندر وہ تعویز نہ ملیا تو قسم خدا کی میری چھری تے تیرا گلا ہوگا۔'' وہ نیلی لائنز والی دھوتی کو گھٹنوں تک چڑھا کر بیٹھا تھا۔ اس کی سفاک آنکھیں سرخ تھیں۔

''بڑا آیا مجھے دھمکی دے رہا تھا۔ سالے نوں قبر سے نکال لیاں گا اور اس چھوکری نوں بھی نہیں چھوڑاں گا وہ تو مرے گی ہی۔'' اس نے چھری کو زور سے رگڑ دی۔ چنگاریاں ایک بار پھر سے دور تک اٹھی تھیں۔ لڑکا گھبرا گیا۔ وہ بیچارہ تو معمولی سا ہیکر تھا۔ وہ کیسے بھلا اتنے شاطر انسان کو پکڑ سکتا ہے۔ اسے لگا بس اس کی زندگی کے دن پورے ہوئے جاتے ہیں۔ وہ ابھی اپنی زندگی کو بچانے کی خاطر تدابیر کر ہی رہا تھا کہ ایک کوریئر والا اندر آتا ہوا نظر آیا۔

''ساجد قصائی کے نام کا ایک پارسل آیا ہے۔ آپ میں سے کون ہیں وہ؟'' کوریئر والے کا لب ولہجہ خاصا شستہ سا تھا۔ ساجد قصائی نے سر اٹھا کر اس ماسک لگے لڑکے کو دیکھا جو ہاتھ میں بڑا سا راڈبہ لیے کھڑا تھا۔

''ڈبہ بڑا ہے یعنی اندر چیز موٹی ہے۔'' وہ خباثت سے اپنی جگہ سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اٹھا، ایک کاغذ پر سائن کیے اور ڈبہ اس لڑکے کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آپ کا دن۔۔۔ سلامت رہے۔'' مسکراتی آواز سے کہتا وہ لڑکا پلٹ گیا تھا کچھ دور

جانے پر ہی اسے ایک دھماکے کی آواز آئی تھی۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ ساجد قصائی کا کئی مربعہ پر پھیلا اڈا ضرور تباہ ہو گیا ہوگا۔ وہ لڑکا مسکراتے ہوئے اس آندھی کو دیکھ رہا تھا جو اس دھماکے کے سبب اٹھی تھی۔ دن میں رات کا سا سماں اس جگہ ہو چلا تھا۔ لڑکے نے کان میں لگے بلوٹوتھ میں کہا۔

”کام ہو گیا ہے زمین زاد، گناہ جل گیا۔“ برہان کی اطلاع پر ایبک نے ان تمام لوگوں کو دیکھا جو اس وقت دبکے سے بیٹھے تھے۔ اس کے گارڈز ان لوگوں کو گھیرے ہوئے تھے۔ دو آدمی آج مزید زخمی تھے۔ فون بند کر کے وہ ان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”لگتا ہے تمہاری حکومت کو تم سے پیار نہیں ہے۔ اس لیے اس نے اب تک میری ڈیمانڈز پوری نہیں کیں۔“ وہ سپریم کورٹ کے جج کے بیٹے سے کہہ رہا تھا۔ آج پورے دس دن ہو چلے تھے ان کی کڈنیپنگ کے اور اب وہ جانتا تھا کہ یہ سو کالڈ امراء اپنا اثر رسوخ ضرور استعمال کر کے اس تک پہنچنے کی سعی کریں گے۔ خاص کر انٹیلی جنس والے۔ تبھی اس نے اپنی تمام جھوٹی انفارمیشنز اور ثمر کی نوعمری کی گرل فرینڈ کی تصویر ان تک پہنچا دی تھی۔ یا یہ کہنا بہتر ہوگا وہ اس تک پہنچنے کی سعی میں تھے اور ایبک نے انہیں گمراہ کر دیا تھا۔

”چلو حکومت کو چھوڑو ہم اس رحم دل دوشیزہ سے بات کرتے ہیں جو ہمارا یہ کام کرے گی۔“

وہ اس وقت آفس میں تھی اور اپنا کام کر رہی تھی جب اچانک ثمر کی کال اس کے سیل فون پر آنے لگی۔ اس نے بے نیازی سے کال کو پک کیا تھا۔ ثمر کی اگلی بات پر کافی پیتے پیتے اسے اچھو لگا تھا۔

”زمین زاد لائن پر ہے۔ اس کی کال فوراً پک کرو ہم تمہیں لائیو دیکھیں گے۔“

"مگر آپ کو کیسے پتا؟"

"سوال نہیں جو کہا ہے جلدی کرو۔" اس نے اچنبھے سے لیپ ٹاپ پر نگاہ ڈالی تو وہاں واقعی میں زمین زاد کا لنگ لکھا آرہا تھا۔ وہ فائل میں اس قدر غرق ہوئی تھی کہ اسے معلوم ہی نہ ہوسکا کوئی اسے کال کررہا ہے۔ ثمر کی بات سنتے ہی اس نے جلدی سے اپنے کیبن کا دروازہ بند کیا اور ہیڈ فونز کو کانوں پر سیٹ کرلیا۔ گہری سانس بھر کر وہ اس کی کال ریسیو کررہی تھی۔

"کیسی ہو؟" سکرین پر اس کا چہرہ ابھرا تھا۔ چہرے کے ساتھ ہی آواز بھی آئی تھی۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر اس لڑکے کو دیکھا جس کے سپرنگ بال تھے اور ناک کھڑی ہوئی تھی۔ وہ آج پھر سے سکرین پر چھایا ہوا تھا۔ بس اس کے دائیں کندھے کی سائیڈ سے چند لوگ نظر آرہے تھے جو خستہ حالوں میں دکھتے تھے۔ وہ اس کے قیدی تھے۔

"اچھی ہوں۔ تم نے کیا سوچا ہے پھر؟" وہ جانتی تھی ثمر اور اس کی ٹیم ان دونوں کو سن اور دیکھ رہی ہے اس لیے اس نے اپنے شک کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"میرا سوال تم نے اچک لیا لیکن چونکہ اب تم یہ کرچکی ہو تو چلو میں تمہیں جواب دے دیتا ہوں۔" اس نے وائٹ کیس سے سگریٹ نکال کر اسے لبوں میں دبایا اور شعلہ دکھادیا۔

"میں نے سوچا ہے میں ان لوگوں کو چھوڑ دوں گا تب جب مجھے ان کے سرپرستوں کی گردنیں ملیں گی۔"

ثمر کے ساتھ ساتھ ایلاف نے بھی گردن موڑ کر چہرے پر اکتاہٹ طاری کی۔

"میری سوچ اچھی ہے نا، بولو نا چپ کیوں ہوگئی ہو۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ اس کے اکتانے پر لطف اندوز ہورہا تھا۔ یہ بات وہاں بیٹھا ہر نفوس جان گیا۔ جان تو ایلاف بھی گئی تھی

لیکن اگنور کر گئی۔
"میں کیا بولوں، تم جیسے سفاک انسان سے جس کے سینے میں دل نہیں ہے جسے محبت کرنا نہیں آتی ہے، جسے یہ تک پرواہ نہیں کہ ان کے والدین ان کے لیے کس قدر پریشان ہوں گے تم انسان۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی تھی وجہ اس کا بری طرح اسے ٹوکنا تھا۔ وہ غصے میں پھنکارتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا۔
"اپنے لیکچر اپنے تک رکھو تم، ان کے باپ کتنے پارسا ہیں یہ میں اچھے سے جانتا ہوں۔ یو نو واٹ تم عورتیں ہوتی ہی ایسی ہو۔ تصویر کا ایک رخ دیکھ کر پوری کہانی گھڑنے والیں۔" اس کے لہجے کی حقارت ایلاف کے دل پر لگی تھی۔ وہ اسے اچھا جواب دے سکتی تھی لیکن آج کیلئے اس نے خود کو روک رکھا تھا۔ وہ جانتی تھی ان کی ہر گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے اس لیے وہ کچھ ایسا نہیں کہنا چاہتی تھی جسے بعد میں سوچ کر اور دیکھ کر اسے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اسے اپنی اخلاقیات یاد تھیں۔
"تم نے غصہ کرنا ہے ڈیل نہیں کرنی تو مجھ سے رابطہ بھی نہ کیا کرو، مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی، پولیس سے رابطہ کرنے کے بعد تم مجھے کیوں کال کرتے ہو۔ ان کو اپنی بات کیوں نہیں بتاتے۔"
ایبک نے گہرا کش بھرتے ہوئے سگریٹ کو بوٹ تلے مسلا۔ ایک اور نکال کر وہ اسے سلگا رہا تھا۔
"تو یہ چین سموکر ہے۔"
ایلاف اس کی تیسری سگریٹ کو دیکھ رہی تھی جو وہ لبوں میں دبائے بول رہا تھا۔
"ان کی کھوپڑی میں کوئی بات آئے گی تو ان سے بات کروں گا نا میں، ڈرانا دھمکانا، یہ

کر دیں گے وہ کر دیں گے، مار دیں گے بیکار، مجھے نہیں ان سے بات کرنی۔تم میری جگہ ان سے بات کرو گی۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں اس بار بائے ون گیٹ ون فری والا کام کروں گا یعنی ایک کے ساتھ دوسرا بھی مرے گا۔"

ایلاف اس کی بات پر ہنسی تھی تضحیک میں لپٹی ہنسی۔

"اور کوئی ابھی پولیس کے بارے میں یہ سب باتیں کہہ رہا تھا" وہ اس چوٹ پر محظوظ ہوا پھر کرسی کی بیک پر گر کر بولا۔

"تمہیں لگ رہا میں دھمکی دے رہا ہوں؟ میں تو آگاہ کر رہا ہوں اور یہ حقیقت بھی ہے۔" اس کی تیسری سگریٹ بھی ختم ہونے لگی تھی۔وہ اسے بھی زمین پر گرا کر بوٹ سے مسل رہا تھا۔ ایلاف کے بولنے کے دوران ہی اس نے ایک اور سگریٹ کو نکال کر شعلہ دکھایا تھا۔پورے کمرے میں دھواں سا ابھرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اس برینڈ کا نام نوٹ کیا جا رہا تھا جسے وہ سلگا رہا تھا۔ضرور اب اس کے بارے میں یہاں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

"دیکھو میں نے بات کی ہے پولیس سے، وہ تم سے تعاون کرنے کیلئے تیار ہیں اور میں یقین دلاتی ہوں وہ تم سے کوئی غلط بات نہیں کریں گے نہ ہی تمہیں دھمکائیں گے۔انہوں نے بیجنگ کی پولیس کو بھی انوالو کر لیا ہے اور وہ۔۔۔چاہتے ہیں کہ اب تم ڈائریکٹ ان سے رابطہ کرو تاکہ مسئلہ کو سلجھایا جائے۔"

"ان سے رابطہ کروں؟" اس کی پوری بات سن کر وہ ہولے سے بولا تھا پھر گردن تھوڑی سی ٹیڑھی کر کے کہنے لگا۔"پھر تمہارا کیا، تمہیں تو میں نے بہت سی راز کی باتیں بتائی ہیں اگر میں ان سے رابطہ کروں گا تو تم سے نہیں کروں گا یعنی تم چاہ رہی ہو تم ان سب چیزوں سے دور

چلی جاؤ لیکن یہ کیسے ممکن ہے جبکہ اس سب کا تعلق تم سے بھی ہے۔"
ثمر نے یک لخت ہی کرسی کا ہتھا پکڑا۔ وہ اس کی بہن ہے وہ بھلا کرائم میں کیسے انوالو ہو سکتی ہے؟

"مجھ سے کس طرح، کیا کہہ رہے ہو۔" ایلاف بھی پریشان ہو گئی تھی۔ اس سے تو کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی تھی جو اس طرح کی مصیبت اس کے گلے پڑے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کہانا بہت سی راز کی باتیں بتانی ہیں اور وہ تبھی ممکن ہو گا جب ہم ملیں گے بیجنگ آجاؤ تم، سب بتا دوں گا وہ ثبوت لیکن فی الحال۔" بہت ٹھہرے ہوئے پراسرار لہجے میں کہنے کے بعد اس نے کرسی کی بیک چھوڑی اور اپنا منہ کیمرے کے عین قریب لا کر بولا۔

"میرا کام فکس کرواؤ اور دوسرا کیمرہ بھی آف کر دو جس سے تمہارا بھائی اور اس کی ٹیم مجھے دیکھ رہی ہے۔"

ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ ہیڈ کوارٹر میں بھی اور ایلاف کے کمرے میں بھی۔

"بھول کیوں جاتی ہو تم، تمہارا سسٹم میرے کنٹرول میں ہے۔" اس نے تھوڑا سا توقف لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "کرو نا آف، تم سے تھوڑا فلرٹ کرنے کا موڈ ہو رہا ہے میرا۔"

"اپنی حد میں رہو مسٹر ورنہ بہت برا ہو گا۔" ثمر کی آواز غراتی ہوئی سی تھی۔ ایلاف کے چہرے پر اہانت کے رنگ پھیلنے لگے۔ زمین زاد ہنسی کنٹرول کر رہا تھا۔ ایسا کرنے کے چکر میں اس کے گال پھول چکے تھے پھر وہ اچانک ہی سر کو پیچھے گرا کر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ اس کے قہقہے سب کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔ جلے ہوئے سے قہقہے، مذاق اڑاتے قہقہے، انتقام کے کور میں لپٹے قہقہے، بیرونق پھیکے مردہ قہقہے۔

”عرصہ ہوا کسی کرپٹ کے منہ سے اس طرح کی بات سنتے ہوئے۔ واہ یار یو میڈ مائی ڈے۔“ وہ ہنسی کے دوران ہی کہہ رہا تھا۔ ایلاف کے ماتھے پر بل پڑے۔ وہ اس کے بھائی کو کرپٹ کہہ رہا تھا اس کی یہ ہمت۔

”چلو اب دن بنا دیا ہے تو دفع بھی ہو جاؤ۔ کہا نا تمہاری بہن کے ساتھ فلرٹ کا موڈ ہے تو نکلو اب۔“ بہن لفظ اس نے چبا کر ادا کیا تھا۔ ثمر کے دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اتنی ساری عوام میں وہ اس طرح کی بات کر رہا تھا۔ وہ ضرور اس کا خون کر دے گا۔

”میں تمہیں مار ڈالوں گا۔“ اس نے دھمکی دی تھی۔ اس بات کو بھلائے کہ سکرین کے پار بیٹھے اس انسان کے پاس ان کے کچھ لوگ ہیں۔ زمین زاد کا چہرہ یکلخت سنجیدہ ہوا۔ وہ ہاتھوں کو باہم پھنسائے ایک سائیڈ کی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”کیا واقعی؟ مجھے تو پھر ڈرنا چاہیے۔ چلو ایک کام کرتے ہیں نہیں ڈرتا تم لوگوں کو ڈراتا ہوں۔“ اس نے آگے جھک کر گن اٹھائی، گولیاں چیک کیں، اسے لوڈ کیا اور پھر نال پیچھے کی جانب موڑ دی۔

”دو منٹ ہیں تمہارے پاس اگر ایکسس ختم نہ ہوا تو یہ گولی کسی ایک کی جان لے لی گی، تم تو اچھے سے جانتی ہو میری گولیاں کتنی وفادار ہیں۔“

ایلاف نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ وہ بلیک میل کر رہا تھا اور سب اس سے بلیک میل ہو رہے تھے۔ یہ بات سب ہی جانتے تھے۔ ایلاف نے ہامی بھری۔

”میں ایسا کروں گی بندوق نیچے رکھ دو۔“ کہتے ساتھ ہی اس نے کیز کو پش کیا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے دیکھنے لگی جو دبی مسکان لبوں پر سجائے پستول کو واپس جھک کر رکھ رہا تھا۔ وہ

سیدھا ہوا ہائی ٹیل پونی والی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا، کھونے لگا۔

''تم خود بھی یہ کر سکتے تھے۔ ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ اس سے خار کھا رہی تھی۔ ایبک جان گیا۔

''خود کرنے میں کہاں مزا ہے بھلا، تم جب زچ ہوتی ہو تو بلا کی حسین لگتی ہو۔'' وہ مخمور لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ہم زمین زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے

خود کہ نہ سہی تو تمہارے ہوتے''

اور یہ وہ الفاظ تھے جنہیں سن کر ایلاف کا حلق جکڑ گیا تھا۔ کیسے، کیوں، کس طرح؟ جیسے الفاظ اس کے دماغ میں گونج رہے تھے۔ ماؤف دماغ، شل اعصاب، بوجھل دل۔ اس کے لب ہولے سے ہلے۔

''کیا میں تمہیں جانتی ہوں؟''

وہ مسکرایا تھا۔ اس کے لبوں کے کناروں پر مسکرانے کے سبب دو ننھے گڑھے پڑ جاتے تھے جو اب بھی پڑ رہے تھے۔ اس نے مڑ کر ان لوگوں کی طرف دیکھا جو بندوقوں کی نالوں کے نیچے دبکے بیٹھے تھے۔ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے ایک سگریٹ نکالی، لائٹر نکال کر اسے شعلہ دکھایا اور پھر دھواں سکرین پر پھینکنے کے بعد بولا۔

''اس سوال کا جواب فرصت سے دوں گا تمہیں، فرصت میں ملو گی مجھے؟''

سکرین پر شفاف دھواں اکٹھا ہو چلا تھا۔ دھوئیں کے پار سے آواز آ رہی تھی۔ آواز تھکن بھری سی تھی، ڈوبی ٹوٹی سی، بکھری بھری سی، ملتجی متمنی سی۔

دھواں چھٹ گیا تھا۔ منظر واضح ہو گیا۔ وہ یونہی کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ

کرخت ضرور تھا مگر پژمردہ سا بھی تھا۔ آنکھوں کی پتلیوں میں وہ کہانی تھی جسے پڑھنے کیلئے ایلاف کو صدیاں چاہیے تھیں۔ وہ پلکوں کو پٹپٹائے اسے دیکھ رہی تھی جس کیلئے دل سائکو پتھ کا لقب چوز کر چکا تھا۔

"نیوز دیکھ لو، تمہارے لیے ایک خبر ہے۔" کہہ کر اس نے کیمرہ آف کر دیا تھا۔ سکرین تاریک ہو گئی تھی۔ بالکل ایسے جیسے ہچکی کے بعد اندھیرا چھاتا ہے، موت کا اندھیرا۔ اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ کی سکرین کو کیز سے ملایا۔

"نیوز دیکھ لو تمہارے لیے ایک خبر ہے۔"

وہ کیبن سے دوڑتی ہوئی باہر آئی۔ سکرینز کے آگے بیٹھی عوام اپنے کام میں مگن تھی۔ داہنے ہاتھ پر چلتی دیوار گیر سکرین پر ساجد قصائی اور اس کے اڈے کے ختم ہونے کی خبر چل رہی تھی۔

"ساجد قصائی؟"

یہ تو وہ جونک تھی جو پچھلے کچھ سالوں سے اس کے ملک کو نگل رہی تھی، جس کے خلاف اس نے تھوڑا سا محاذ لڑا تھا۔ لڑ کر خود کیلئے ڈھیر ساری مشکلات پیدا کر لی تھیں۔ وہ اتنی جلدی کیسے ختم ہو گیا؟ اتنی آسانی سے کیسے ختم ہو گیا اور زمین زاد، وہ اسے کیسے جانتا تھا؟ کیسے بھلا۔

☆......☆......☆

"ہمیں اس کے خلاف فوراً ایکشن لینا چاہیے جب بیجنگ کی پولیس ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں انتظار کس بات کا ہے؟" ثمر میز پر ہاتھ مار کر دبے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کرے، سوائے اس چیز کے کہ وہ اس زمین زاد کو قتل کر دے۔

"کول ڈاؤن ثمر، تم اپنی بہن کیلئے جذباتی ہو رہے ہو۔ یہ بھی تو دیکھو اس نے کن کن کو اغوا

کیا ہوا ہے۔" ڈپٹی کمشنر یاور نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا۔ ثمر اس بلینک سکرین کو تک رہا تھا جو ابھی کچھ دیر قبل بند ہوئی تھی۔ اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"روسی سفیر ابھی مزید کچھ دن ہمارا مہمان ہے۔ یہ کہہ کر ہم روسی حکومت کو زیادہ دن ٹال نہیں سکتے، وہ آج یا کل ایکشن لیں گے۔ سبکی ہونے سے بہتر نہیں کہ ہم ہی پہلے ایکشن لے لیں اور ختم کر دیں اس انسان کو۔" وہ ابھی بھی غرا رہا تھا۔ اپنی بہنوں کے معاملے میں وہ یونہی جذباتی ہو جایا کرتا تھا۔ خاص کر ایلاف کے بارے میں۔ وہ اسے بیٹا کہتا تھا تو پھر کیسے اسے تنہا چھوڑ سکتا تھا۔ وہ بھی فلرٹ کیلئے تف ہے اس پر۔

"اور ان سب کا کیا جو اس کی تحویل میں ہیں؟ یہ وقت جذباتیت کا نہیں بلکہ پلاننگ کا ہے۔ بیجنگ کی پولیس اور میڈیا سے ہم نے مدد مانگی ہے۔ کل پورے بیجنگ میں اس شخص کے پوسٹرز لگ جائیں گے۔ وہ نقاب پوش سب کو دکھ جائے گا۔ میڈیا اور عوام جب اس کے پیچھے پڑے گی تو وہ خود ہی بل سے باہر آ جائے گا۔ یقین رکھو۔"

ثمر تضحیکی انداز میں سر کو نفی میں جنبش کرتا ہوا مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اسے ڈر نہیں ہے اس بات کا کہ وہ ڈسکلوز ہو جائے گا۔ اگر ہوتا تو وہ یوں سامنے نہ آتا یعنی وہ خود چاہتا ہے سب اسے جانیں یعنی اپنی موت کو وہ پہلے سے ہی تسلیم کر چکا ہے۔ اسے مار دیا تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ٹارچر سیل اس کیلئے بہترین جگہ ہوگی۔"

وہ اپنی چابیاں اٹھاتا وہاں سے باہر آ گیا۔ ان کی کسی بھی بات سے وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ وہ منسٹر سے لے کر سٹیل مل کے آنر تک کی گردنیں چاہتا تھا۔ وہ اس کی بہن کو راز بتانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ فلرٹ کر رہا تھا۔ وہ کون تھا اور کیوں تھا؟ اس بارے میں ثمر پتا لگا لے گا۔ اب وہ اس کے بارے میں کھوج لے گا اب وہ نہیں بچے گا۔

جہاں اس کی کار برق رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی وہیں بہت دور انیشہ سائیکلنگ کر رہی تھی۔ اس کے بال آج بھی رف سے جوڑے میں بندھے تھے اور کلائی میں اس کی تصویر والی گھڑی موجود تھی۔ کانوں میں لگی ہینڈ فری میں وہ میوزک سن رہی تھی اور ساتھ ساتھ مسکرائے بھی جا رہی تھی۔ مسکراہٹ اس کے چہرے پر اس لیے تھی کیونکہ وہ سلطان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس سلطان کے بارے میں جس سے اس کی کل ملاقات ہوئی تھی۔ اسے یاد تھا وہ اس کی آخری سیٹنگ تھی۔ برش سے تصویر میں رنگ بھرتے ہوئے بھی وہ ایسی ہی خوش تھی جیسے اس وقت تھی۔ کسی بھی غلطی سے پاک اس کی وہ شاندار پینٹنگ مکمل ہو گئی تھی۔ سپرنگ بالوں والا وہ لڑکا جو مبہوت کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا، آنکھوں میں دنیا جہاں کا شوق لیے اسے تکے جا رہا تھا۔ اس کی نظروں کی تپش میں ایک سحر تھا جو کسی کو بھی باآسانی خود میں قید کر سکتا تھا۔ انیشہ بھی ہو گئی، ڈرپوک، چھوٹے دل کی نازک مزاج سی انیشہ۔

''مکمل ہو گئی؟'' وہ یونہی سابقہ پوزیشن میں بیٹھے اس سے دست سوال تھا۔ نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ مانو وہ آیا ہی اسی کام کیلئے تھا کہ اگر اسے نہیں دیکھے گا تو جیسے سانس نہیں لے پائے گا۔

''ہاں۔'' یک لفظی جواب، خفیف سا، نفیس سا، مدھم سا، محبت سا۔ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا اور خراماں خراماں چلتا ہوا اس تک آیا۔ آج موسم ابر آلود نہیں تھا ہاں ہوا چل رہی تھی۔ دھوپ کی حدت بھی کم تھی اور رنگ بھی پھیکا تھا۔ چمکتی ہوئی گھاس میں سے محسور کن خوشبو چہار سو پھیل رہی تھی۔ وہ دونوں عوام کے شور سے پرے قدرے پرسکون ماحول میں بیٹھے تھے۔ وہاں جہاں املتاس کے بڑے بڑے درخت ان پر چھایا کیے ہوئے تھے۔ دونوں کو اپنی اوٹ میں لیے ہوئے تھے۔

''زبردست! تمہیں بہت اعلیٰ پینٹنگ آتی ہے۔ کہیں بھی کوئی بھی غلطی نہیں ہے۔'' ایک

نظر اپنے پورٹریٹ پر ڈال کر وہ اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ درخت کے خشک پتے وقفے وقفے سے گر رہے تھے۔ ہوا کی ننھی اٹکھیلیاں انہیں زمین پر گرنے پر مجبور کر رہی تھیں تبھی تو زرد پتوں کی کارپٹ بچھ چکی تھی وہاں، جب ایبک چلتا آ رہا تھا تب بھی زرد پتوں کے چرمرانے کی آواز جلترنگ کی مانند فضا میں گھل رہی تھی۔ ساز سا بجا رہی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔"

ایبک مسکرایا، پانچ چھ پیلے پتے ایک ساتھ اس کی مسکراہٹ پر نثار ہوئے تھے۔ ایک تو اس کے شانے پر اس کے شولڈر کے بٹن پر اٹک گیا تھا۔ اٹکنے کے بعد دونوں کی گفتگو دلچسپی سے سننے لگا تھا۔

"میری عادت نہیں ہے بتانے کی، میں عمل کرتا ہوں یا کرواتا ہوں۔ بیس منٹ چاہئیں تمہارے اگر اجازت ہو تو۔"

اور وہ اس کے اصرار پر متجسس سی اس کی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ ایبک نے اپنی تصویر اٹھا کر سائیڈ پر رکھی دوسرا کینوس سیٹ کیا۔ سیٹ کرنے کے بعد وہ اس کے پینٹس کی شیشیاں کھول کر انہیں کینوس پر انڈیل رہا تھا۔ رنگوں کے گرتے ہی جیسے اڑھی ترچھی لائنز بن رہی تھیں۔ انیشہ ابرو اچکاتے ہوئے مسکرا دی۔ (اوہ فنگر پینٹر) اس کی نظر ایبک کے سیاہ شولڈر سے اٹکے زرد پتے پر پڑی جس کی رگیں خون کی مانند سرخ تھیں۔ ایبک نے سیاہ شیشی اٹھائی اور اسے کینوس کے درمیان میں رکھ کر آبشار کی طرح الٹانے لگا۔

"مجھے لگ رہا ہے تم میرے رنگ ضائع کر رہے ہو۔"

ایبک نے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے اور لبوں کے کناروں پر گڑھے ڈالتا ہوا اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں کچھ ضائع نہیں کرتا اور کسی کو اتنی جلدی جج بھی نہیں کرتا۔اب ہلنا نہیں پلیز۔"

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بے سُدھ بیٹھی تھی۔اس نے سفید بالکل سادہ کم گھیر والی مغربی طرز کی فراک پہنی ہوئی تھی جو پنڈلیوں تک تھی۔اس کے نیچے سے اس کے براؤن شوز جھلک رہے تھے۔بالوں کا جوڑا تھا اور پرنٹڈ سکارف کراس ہو کر گلے میں لٹک رہا تھا۔وہ کہنی گھٹنے پر ٹکائے ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھے اسے دیکھ رہی تھی جو کچھ دیر قبل اسے اسی محویت سے تک رہا تھا جیسے اب اس نے تکنا شروع کیا تھا۔

وہ اچھا تھا۔خوبرو تھا۔تمیز دار تھا۔اس کے چہرے کی مسکراہٹ انوکھی تھی۔اس کی آنکھوں میں کہانیاں درج تھیں۔وہ جب دیکھتا تھا تو مانو دنیا رک جاتی تھی۔وہ جب بولتا تھا تو گیت سا بجتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔اس کا مراقبہ،اس کی سوچ اور اس کا جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلنا سب اچھا تھا بہت اچھا۔

انیشہ نے نظریں جھکائیں،آہستہ سے آنکھیں بند کیں اور دل کی آواز سننے لگی جو ایک پیغام دے رہی تھی۔وہ پیغام جس سے بھاگنے کی اس نے سعی کی تھی لیکن بھاگ نہ سکی کہ اس پر اس کا اختیار نہیں تھا۔

اسے لگا تھا وہ اسے ٹوکے گا،ہلنے پر،نظریں جھکانے پر،چہرے کا زاویہ بدلنے پر لیکن اس نے کچھ ایسا نہیں کیا۔اس نے اسے نہیں پکارا تھا۔کئی ساعتوں بعد جب وہ ہوش کی دنیا میں آئی تھی تو اس نے دیکھا ایبک اپنی انگلیوں کو برق رفتاری سے کینوس پر پھیر رہا ہے۔وہ اسے نہیں دیکھ رہا،وہ برشز کا بھی استعمال نہیں کر رہا وہ تو بس نظروں کو کبھی کینوس کے اوپر تو کبھی نیچے کرتے ہوئے تیزی تیزی ہاتھ چلا رہا تھا۔وہ کینوس جو اَب چرمر ہوتے پتوں کی چادر پر پڑا تھا اور ایبک اس پر آدھا جھکا تھا۔اس نے کہا تھا اسے بیس منٹ چاہئیں لیکن ابھی فقط دس منٹ

ہوئے تھے اور ٹھیک دس منٹ بعد وہ پر جوش سا نظر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی نظروں کا مفہوم پڑھ کر ٹھٹک کر بولی۔

''کیا بن گئی؟'' وہ حیرت سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ ایک شانے اچکاتے ہوئے سیدھا ہوا۔ اس کے ہاتھ رنگوں سے بھر چکے تھے۔ سیدھے ہاتھ کی کلائی پر بھی سات رنگوں کی اوپر نیچے لائنز چوڑائی میں لگی ہوئی تھیں۔ شاید وہ پلیٹ کی جگہ اپنی کلائی کا استعمال کر رہا تھا کیونکہ جو رنگوں کی لائنیں تھیں وہ چوڑی اور قدرے مدھم ہو چکی تھیں۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔ دیکھو تم بھی میرا دل رکھنا جیسے میں نے تمہارا رکھا ہے۔''

وہ پتوں کو پاؤں میں روندتی ہوئی گھوم کر کینوس کے سامنے آئی اور پھٹی آنکھوں کے ساتھ منہ پر ہاتھ رکھ کر تصویر کو دیکھنے لگی۔ بارش میں کھڑی وہ لڑکی جس کے بال گال پر چپک گئے تھے حیرت سے اپنی دائیں جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں اٹھی تھیں اور بارش کے قطرے آس پاس گر رہے تھے۔ لب تھوڑے سے وا تھے اور گالوں پر تمتماہٹ موجود تھی۔ اس کی ناک پر، اس کے ماتھے پر بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ وہ وہی تھی اور اسے ہی دیکھ رہی تھی جو تصویر میں نہیں تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب سامنے کھڑے انسان کیلئے اس کے دل میں جذبات ابھرے تھے۔ جب اسے لگا تھا کہ وہ اپنا دل اسے دے بیٹھی ہے۔ جب اس پر محبت کا ادراک ہوا تھا۔ جب وہ ڈر گئی تھی خود سے، تقدیر سے، سامنے کھڑے اس انسان کے ری ایکشن سے سب سے۔

وہ کیسے اس کے جذبات جان گیا؟

وہ کیسے اس لمحے کو پہچان گیا؟

ساری بات پہچان کی ہے۔

یہ کہانی پہچان پر مشتمل ہے۔

”کیا ہوا، اچھی نہیں بنی؟“ اس کے لہجے میں پریشانی گھل گئی تھی۔ ”دیکھو میں کوئی بہت بڑا آرٹسٹ نہیں ہوں اور نہ ہی میں نے کوئی کلاسز لی ہیں۔ بس کبھی کبھی جب دل کرتا ہے تو کچھ نہ کچھ بنا لیتا ہوں۔ جانتا ہوں تمہارے آگے میری پینٹنگ۔۔۔“

انیشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ رک گیا تھا۔ بالکل ایسے جیسے پتے گرنے سے رک چکے تھے۔ جیسے اس کے شانے سے سرخ رگوں والا پیلا پتا سرکنا بھول گیا تھا۔ وہ اسے سن رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔

”یہ لاجواب ہے بہت۔۔۔ بہت لاجواب۔“ وہ ٹرانس کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

”مجھے تو، مجھے تو تمہاری پینٹنگ کے آگے اپنی صفر لگ رہی ہے۔“

ایبک اس کی بات پر ہنسا تھا۔ نچلے لب کو زبان باہر نکال کر گیلا کرتے ہوئے وہ اسے اندر کرنے کے بعد بولا۔

”بری بات ہے۔ اپنے ہنر کو اس طرح ڈی گریڈ نہیں کرتے۔ پھر چاہے سامنے والا کوئی بھی، آپ کسی سے امپرس ہو رہے ہیں اچھی بات ہے لیکن امپرس ہو کر اپنے کام کو بے مول کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ یہ میں ہوں جو آج کے بعد اس بات کو بھلا دوں گا لیکن اگر کوئی اور ہوگا جس کے دل میں حسد ہوگی پھر وہ اس بات کو پکڑ لے گا اور ہر بار یہ بات دوہرا کر آپ کو دکھ دے گا۔ اس لیے آئندہ ایسے مت کرنا۔“

وہ اس کی لمبی چوڑی بات پر فقط مسکرا دی تھی۔ وہ اس سے اس لمحہ کے بابت پوچھنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے یہ پوچھنا چاہتی کہ کیسے وہ اس کے تاثرات اور اس کا چہرہ یاد رکھ پایا ہے۔ کوئی دو ملاقاتوں میں تو ایسا نہیں کرتا۔ نام بھول جاتا ہے انسان، چہرہ یاد رکھنا تو دور کی بات ہے پھر کیسے؟ آخر کیسے۔

"پوچھ لو جو پوچھنا ہے۔" وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا گیا تھا۔ انیشہ نے خجل پنے سے بالوں کی نادیدہ لٹ پیچھے کی۔

"مجھے اس دن کے بارے میں پوچھنا ہے یعنی کہ۔۔۔" وہ سوال ترتیب نہیں دے پا رہی تھی اس لیے درمیان میں چھوڑ دیا۔ ایک نظر تصویر پر ڈال کر واپس اسے دیکھ رہی تھی جو اس کے عقب میں نظر آتے ڈھیر سارے لوگوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔

"کوئی چیز جب دل میں ثبت ہو جاتی ہے نا پھر بھلائے نہیں بھولتی۔ تم مجھے فلرٹی نہ سمجھو اس لیے میں اس دن نہیں کہہ سکا لیکن آج کہتا ہوں۔"

انیشہ کا دل برق رفتاری سے دھڑکنا شروع ہوا تھا۔ وہ اس منزل پر نہیں چلنا چاہ رہی تھی لیکن قدم خود بہ خود اس سمت اٹھ رہے تھے۔ وہ، وہ سب محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی جو دل کب کا محسوس کر چکا تھا۔ وہ، وہ نہیں سننا چاہتی تھی جسے سننے کی اسے ابھی اسی وقت شدید خواہش ہو گئی تھی بہت زیادہ خواہش۔

"کیا تم پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتی ہو؟" یہ سوال تھا اور کیا غضب سوال تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنی کرسٹل براؤن آنکھیں گاڑے سراپا سوال تھا۔ انیشہ کے گالوں پر سرخی دوڑنے لگی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہمت ہی نہیں تھی تو دیتی کہاں سے۔

"میرے ساتھ وہی ہوا ہے، مجھے۔" وہ احتیاطاً اس کی فراک کی آستین تھام رہا تھا۔ اس کی روئی کے گالوں جیسی نرم فراک کا فیبرک ایبک کے ہاتھوں میں آ چکا تھا۔ وہ اپنی گرفت پر نظر رکھے کہہ رہا تھا۔

"مجھے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔" کہنے کے بعد وہ اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو چکا تھا۔ نمکین، صاف، احساس سے بھرا پانی۔ ایبک کے دل نے غوطہ کھایا کوئی

اس لمحہ بہت یاد آیا۔

''کیا۔۔۔کیا تمہیں ہوئی ہے؟'' اس کے لفظ محتاط تھے۔اس کا انداز محتاط تھا۔کوئی غور کرے تو کرے۔اس نے محسوس کیا تھا اس لڑکی کا ہاتھ لرزا ہے۔وہ اپنا بازو چھڑوا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔اس کا سر جھکا ہوا تھا اور پلکوں سے ٹوٹ کر آنسو پیلے پتوں کی کارپٹ پر گر رہے تھے۔

''محبت؟'' اس کا جملہ تھوڑی دیر بعد مکمل ہوا تھا۔ انیشہ نے اپنی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھائیں۔چند لمحے اسے تکا اور پھر وہ اپنا بیگ اٹھاتی وہاں سے بھاگ گئی۔ایبک نے اسے دیوانہ وار وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھا۔اس کی نظر یکدم دھندلا گئی،ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

''اس نے کہا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' ایبک کا سانس پھولنے لگا، کینوس پر بنی انیشہ کی تصویر میں کسی اور کا چہرہ بن رہا تھا۔اس کے قدموں میں رنگوں کی خالی شیشیاں تھیں اور پیلے پتوں کی کارپٹ۔وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

''کیا مجھ سے زیادہ کرتا ہے۔دیکھو تم جانتی ہو نا تم میں، میری جان ہے۔'' آنکھوں کے آگے منظر گڈمڈ ہونے لگے تھے۔پیلے پتوں کی کارپٹ اسے خود پر کھلکھلاتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ پاگلوں کی طرح آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلا رہا تھا کہ اسے کچھ نظر آجائے مگر جیسے سب جگہیں آپس میں مکس ہو گئی تھیں۔چہرے، زمین سوچیں، لوگ، دل سب۔۔۔سب کچھ۔

''جانتی ہوں پر وہ ٹھیک نہیں کر رہا ہے۔خود کے ساتھ بھی اور، ہمارے ساتھ بھی۔میرا دل، میرا دل بہک رہا ہے۔'' وہ تیزی سے پیچھے ہوا۔ایسا کرنے کی وجہ سے وہ درخت سے بری طرح ٹکرایا تھا۔اس کے شولڈر پر اٹکا پتا سرک کر نیچے گرا۔پتے کے گرنے سے پہلے ہی وہ زمین پر دوزانوں ہوا تھا۔

اس کی ناک سے خون بہنے لگا تھا آبشار کی مانند چمکتا ہوا خون۔

''کیا میں یونہی پوری زندگی محروم رہوں گا۔'' اس نے ایک بار پھر سر کو دونوں ہاتھوں میں بری طرح جکڑ لیا تھا۔ اس کی بصارت سے محروم آنکھوں سے پانی گرنے لگا۔ تکلیف کی شدت آسمان چھو آئی تھی۔

''ایبک سلطان، تم ایک محروم انسان ہو اور پوری زندگی رہو گے بھی۔'' اس کا پورا وجود کانپنے لگا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا لیکن آواز مفقود ہو گئی تھی۔ وہ مدد کیلئے کسی کو بلانا چاہتا تھا لیکن اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ بے جان ہو رہا تھا جیسے ہمیشہ ہوتا تھا جیسے پچھلے کچھ سالوں سے ہوتا آ رہا تھا۔

''درندے، سانگو پتھ۔'' وہ سر کو تھامے ہی ٹیڑھا زمین پر گرا تھا۔ گرنے کے بعد اسے قدموں کی دھمک اپنی طرف آتی سنائی دے رہی تھی۔ وہ کوئی ایک نہیں تھا وہ بہت سارے لوگ تھے جو اس کی طرف بھاگتے آ رہے تھے۔ وہ شاید اس کے مسیحا تھے۔ شاید۔

☆......☆......☆

یہ بورڈ میٹنگ تھی جو ارجنٹ بلوائی گئی تھی۔ جن میں اس ملک کے امراء شامل تھے۔ جتنے بھی لوگ غائب ہوئے تھے وہ ایئر پورٹس سے ہی اٹھوائے گئے تھے یعنی کہ اب تک سب کے گھر والوں کو لگتا تھا کہ ان کے بچے گھوم پھر رہے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ اغوا ہو چکے ہیں۔

''یہ زمین زاد کون ہے، کیا کرتا ہے، ہمیں اس بارے میں ساری انفارمیشنز مل چکی ہیں لیکن اس کی آپ لوگوں کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟ یہ آپ لوگ ہی بتاؤ گے۔'' ثمر میز کے عین سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔ سب بیٹھے تھے تصویر میں موجود اس انسان کو بغور دیکھ رہے تھے جس کو وہ بالکل بھی نہیں جانتے تھے۔ یہ چار لوگوں کی کانفرنس تھی۔ سابق ایم این اے، سٹیل مل کا آنر،

اور سپریم کورٹ کا جج، یہ چار لوگ تھے جو اس وقت یہاں پر تھے اور ذہن پر زور ڈالتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ آخر یہ ہے کون۔

”میں اسے نہیں جانتا ہوں۔ انفیکٹ اس کا وجود یقیناً میرے لیے نیا ہے۔ کیا یہ سب پیسے کیلئے کر رہا ہے؟ ہاں ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ملک کے امراء کی گردنوں پر ہاتھ ڈالنا بے مقصد نہیں ہوا کرتا۔“

ثمر سٹیل مل کے آنر جمیل ہمدانی کی بات سن کر لبوں کو لمحہ بھر کیلئے کھینچ گیا۔ ماتھے کو کھجاتے ہوئے اس نے نیم اندھیرے کمرے میں ریموٹ کے ذریعے سکرین پر اس لڑکے کی تصویر روکی اور دوسرا ریموٹ اٹھا کر لائٹ آن کر دی۔ پورا کمرہ دودھیا روشنی سے بھر چکا تھا۔

”آپ نے ٹھیک کہا، ملک کے امراء کی گردنوں پر ہاتھ ڈالنا بے مقصد نہیں ہوا کرتا۔ کیا میں نے آپ کو بتایا کہ اسے آپ سب کی گردنیں چاہئیں جبکہ ہم اسے کئی پاؤنڈ ڈالرز کی آفر کر چکے ہیں۔“

ثمر کی بات پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں گزشتہ روز کے مناظر جھلملانے لگے تھے جن میں سب سے واضح عکس اسی لڑکے کا تھا جو معمول کی نسبت تھکا اور بجھا سا لگتا تھا۔ وہ سگریٹ نوشی کرتا تھا انہیں معلوم تھا لیکن وہ اس حد تک کرتا ہے یہ اس سے بات کرنے کے دوران انہیں پتا چل گیا تھا۔ وہ اس سگریٹ کے ذریعے اسے پکڑنا چاہتے تھے لیکن نہیں پکڑ پائے۔ اب بھی وہ سگریٹ کے دھوئیں کے پیچھے سے ہنستے ہوئے ان سے کہہ رہا تھا۔

”میں تمہیں پوری دنیا کی دولت دیتا ہوں۔ تم مجھے ایک رات کیلئے اپنی بہن دے دو، کیا منظور ہے؟“

شہ رگ پر ہاتھ رکھنا وہ بخوبی جانتا تھا۔ محبت، شفقت، لفظوں کا احترام وہ سب کچھ بھول

چکا تھا۔ دنیا میں اگر دنیا والوں کی طرح رہا جائے تو ہی بہتر ہے۔ فرشتہ یہاں کوئی کسی کو رہنے نہیں دیتا اور بالفرض کوئی بچ بھی جائے تو اس کا جینا حرام کر دیا جاتا ہے۔ کون جانتا تھا کس طرح اس کی زندگی کو عذاب بنایا گیا تھا۔

''اپنی حد میں رہو لڑکے، تم کیوں مجھے کوئی ایکشن لینے پر مجبور کر رہے ہو، زندگی تو عزیز ہوگی نا تمہیں، اس زندگی کی خاطر ہی روک لو خود کو۔''

بات اس نے ایسی کی تھی کہ شمر کا دل چاہا تھا وہ گریبان سے اسے پکڑ کر باہر نکال لے اور اس کے اتنے ٹکڑے کرے کہ ذروں میں اور اس میں کوئی فرق نہ رہے لیکن اسے خود پر بندھ باندھنا پڑا، جبر کرنا پڑا کہ یہی اس کی ٹریننگ تھی اور یہیں اسے خود کو مضبوط کرنا تھا۔

''یہ بات تو تم بھی اچھے سے جانتے ہو آفیسر، اگر زندگی عزیز ہوتی مجھے تو میں تم لوگوں کے سامنے نہ ہوتا، میرے پوسٹرز بیجنگ کی دیواروں، درختوں پر آویزاں نہ ہوتے اور میڈیا مجھے گالیاں نہ بک رہا ہوتا، کیا تم نے میڈیا کو بتایا کہ روسی سفیر بھی میرے پاس ہے؟'' یہ اس کی دھمکی تھی کھلی دھمکی، اس کا ہر لفظ سچ تھا، ہر حرف تلخ۔

''اور پھر بھی تمہیں عقل نہیں آئی، عوام میں ذلیل ہونے کے باوجود بھی تمہاری ڈھٹائی عروج پر ہے۔''

ایک سلطان ایک بار پھر سے دل کھول کر اس انسان کے آگے ہنسا تھا جس سے شاید وہ دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔ اس ہنسی کے سبب اس کی آنکھ کے کنارے بھیگ گئے تھے۔ وہ انگوٹھوں کو فولڈ کر کے انہیں پونچھتا ہوا اس سے بولا۔

''جسے ذلالت کی عادت ہو اسے ان چیزوں سے فرق نہیں پڑتا۔''

اس کی یہ بات چونکا دینے والی تھی۔ اس بات کے پیچھے چھپا مفہوم بہت گہرا تھا جسے فی

الوقت اس نے نہیں سمجھا تھا لیکن وہ سمجھے گا تب جب بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

''کچھ بھی ہو جائے مجھے میرا بیٹا چاہیے۔ اگر اس کا بال بھی بانکا ہوا تو میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔'' سٹل مل کے آنر کی آواز سرد تھی۔ اتنی سرد کہ ثمر ماضی کے جھروکوں سے باہر نکل آیا۔ اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے انہیں دیکھا تھا جو طیش میں تھے۔

''اسے ڈھونڈو اور ختم کر دو میں بس یہی چاہتا ہوں۔'' سپریم کورٹ کا جج میز پر مکا مارتے ہوئے بولا تھا۔ ثمر نے ماتھے کو مسلتے ہوئے ہاتھ جھلایا اور تحمل سے گویا ہوا۔

''ہمیں ہمارا کام پتا ہے سر، آپ جا سکتے ہیں۔'' پن کو میز پر پھینکتے ہوئے وہ شائستہ آواز میں کہہ رہا تھا جبکہ صاف دکھتا تھا اس کا پارہ ہائی تھا۔ ایک ایک کر کے سب کمرے سے باہر جانے لگے تھے اور سب چلے بھی گئے۔ ثمر نے آنکھیں بند کر کے خود کو ریلیکس کرنا چاہا مگر اس سے ہوا نہیں۔ اس نے اتنی زور سے اپنا ہاتھ کرسی پر مارا کہ وہ گھوم گئی۔ دانت پر دانت جمائے وہ طیش میں مبتلا تھا۔ ایک بار پھر وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر سر جھکا گیا۔

جہاں اس کا سر جھکا تھا، وہیں بہت دور ہاسپٹل کے ایک کمرے میں برہان اپنا چہرہ اس کے منہ کے قریب لایا تھا جس کی پلکیں ہولے ہولے وا ہونے لگی تھیں۔ جونہی اس کی دھندلی آنکھوں میں عکس واضح ہوا، برہان آہستہ سے پیچھے ہٹا تھا۔ ایک نے دیکھا وہ ہاسپٹل کے ایک وارڈ میں تھا جہاں بہت خاموشی تھی۔ اس کے بیڈ کے چاروں اور سفید پردے پارٹیشن کے طور پر گرے تھے۔ ڈرپ میں سے گرتا زرد پانی قطروں کی صورت اس کی رگوں میں منتقل ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک دن میں ہی پیلاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے زیادہ واضح ہونے لگے تھے۔ وہ دواؤں کی مہک میں آہستہ سے بولا۔

''یہاں کس طرح آیا ہوں میں؟''

اس کے سوال پر برہان کی ترچھی نظریں تھیں اور چہرے کے بگڑے ہوئے زاویے تھے۔

"بے فکر رہ، چار کندھوں پر نہیں آیا۔" اس نے ترخ کر جواب دیا تھا۔ ایک پھیکی مسکان لبوں پر لے آیا۔ یوں بھی اسے بہت زیادہ مسکرانے کی عادت تھی۔

"جانتا ہوں اس کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تین لوگ ندارد جو ہیں تیرے بھائی کو کندھا دینے کیلئے۔"

برہان نے اس کی بات پر چڑنے والے انداز میں کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گیا۔ ایک تیز آواز ابھری تھی جسے سنتے ہی نرس کا چہرہ پردے میں سے نکلا۔

"مریضوں کی تکلیف کا احترام کیجیے آپ، اس لیے احتیاط برتیں۔" ٹھنڈے انداز میں کہتے ہوئے وہ واپس چلی گئی تھی۔ دونوں نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور پھر سے توجہ ایک دوجے کی جانب مبذول کرلی۔

"ہر وقت فضول کی نہ ہانکا کر۔ پتا ہے ڈاکٹر کیا کہہ کر گیا ہے۔"

ایبک نے اس کے سوال پر شانے ہلکے سے اچکائے تھے۔

"وہ کہہ کر گیا ہے، اگر اسی طرح چلتا رہا تو کسی دن تیرے دماغ کی رگ پھٹ جانی ہے اور سگریٹ کم کر، پھیپھڑوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں کیا کہہ رہا ہوں اور تو کیا کر رہا ہے ایبک۔ پاگل ہوگیا ہے کیا۔"

وہ اس کی بات کے دوران میں ہی اپنی جیکٹ کھینچ کر اس میں سے سگریٹ نکال رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ لائیٹر ڈھونڈنے کیلئے جیکٹ میں ہاتھ مارتا، برہان نے آگے بڑھ کر اس کے ہونٹوں سے وہ سیاہ سگریٹ کھینچ لی۔

"ہاسپٹل میں اجازت نہیں ہے سگریٹ پینے کی، دماغ خراب ہوگیا ہے تیرا کیا۔" وہ

اسے غصے میں جھڑک رہا تھا۔ ایبک نے جھنجھلاتے ہوئے ڈرپ کی طرف دیکھا جو آدھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھا۔

''کیا کر رہا ہے تو، میں نے پوچھا کیا کر رہا ہے، کہاں جا رہا ہے ایبک ایبک۔'' وہ اسے آوازیں دیتا رہا تھا مگر ایبک نے نہ سنی۔ ڈرپ کی سوئی کو کھینچ کر نکالتے ہوئے وہ جیکٹ اٹھاتا کھڑا ہوا تھا۔ اسے ایک لمحے کو چکر آیا تھا مگر وہ سنبھل گیا۔ بوٹوں کو دوسرے ہاتھ میں اٹھاتا ٹھنڈے قدرے نم فرش پر برہنہ پاؤں رکھتے ہوئے وہ وہاں سے جاتا ہوا دکھ رہا تھا۔ برہان بل ادا کر کے ہاسپٹل کی عمارت سے باہر آیا تو دیکھا وہ سیڑھیوں پر ایک سائیڈ میں بیٹھا کش بھر رہا ہے۔ بوٹ پاؤں میں آ چکے تھے جبکہ جیکٹ گھٹنے پر ٹکی تھی۔

''کیا کرتا ہے تو، کیوں کر رہا ہے خود کے ساتھ یہ سب؟'' اس سوال پر جن نظروں سے اس نے برہان کو دیکھا تھا وہ اسے نگاہیں پھیرنے پر مجبور کر گئیں، ہوا میں گرد پھیلاتے ہوئے وہ مدھم مستحکم آواز میں بولا تھا۔

''اس کیلئے، اس کیلئے یہ سب کر رہا ہوں۔ میں یو نو واٹ وہ کہتی تھی اسے سگریٹ کی بو بہت پسند ہے پاگل تھی وہ۔'' لبوں پر مسکراہٹ آنکھوں میں نمی لیے وہ آسمان کی طرف سگریٹ والے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آسمان پر دیکھنے سے وہ کبھی نہیں تھکتا تھا۔ دن ہو یا رات وہ گھنٹوں وسعتوں میں اسے تلاشنے میں گزار دیتا تھا۔ اسے جواب تھی ہی نہیں۔

''ہم دونوں کبھی بھی بچپن کے دوست نہیں رہے ہیں۔ نو سال پہلے میں تجھے جانتا تک بھی نہیں تھا، کون ہے، کہاں سے آیا ہے، خون میں کیوں لت پت ہے، ہڈیاں کیوں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ دماغ کیوں بند ہے۔ ڈاکٹرز کیوں کہہ رہے ہیں کہ بچنے کے بعد تم نارمل نہیں رہو گے۔ میں نہیں جانتا تھا بس اتنا پتا ہے کہ مجھے تمہیں بچانا ہے۔ ہر صورت میں ہر حال میں۔''

ایک نے مسکراتے ہوئے اس کی بات درمیان میں اچکی، سگریٹ کی بو ہر سمت پھیلنے لگی تھی وہ اپنا چہرہ جب جب برہان کی طرف کر کے بات کرتا تھا سگریٹ کی بو کا طوفان اس کی سمت اٹھ جاتا تھا۔

''اور دی فیس آرکیٹیکچر دی برہان ڈیوانا کف افسوس مل رہے ہوں گے کہ کاش انہوں نے اس چیز کی خواہش نہ کی ہوتی۔'' زردی گھلے چہرے کے ساتھ وہ مدھم آواز میں اس کی طرف دیکھتا کہہ رہا تھا جس کے نقوش اس کی بات سے تن گئے تھے۔ ''کچرے کے ڈھیر سے اٹھائے اس ناکارہ وجود کو نہ بچایا ہوتا، اس کے سیشنز نہ کروائے ہوتے، اسے زندگی کی طرف نہ لایا ہوتا، اس پر اپنا سارا سرمایہ نہ خرچ کیا ہوتا۔۔ ہے نا؟''

''انتقام کے چکر میں تمہارا ظرف بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔'' برہان نے متاسف لہجے میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔ ''تم بھول گئے ہو کہ کاش لفظ نہیں بولنا، تم بھول گئے ہو کہ زندگی موت فانی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ تم سب بھولتے جا رہے ہو ایک سلطان، میں نہیں جانتا کب تم اپنی ذات کو بھی بھلا دو گے یا شاید بھلا چکے ہو۔''

تحمل سے برہان کو سننے کے بعد وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا، جیکٹ میں دونوں بازو ڈالے اور ہڈ کو سر پر جگہ دے دی۔ سگریٹ ابھی بھی اس کے منہ میں ہی تھی۔

انتقام ایک ایسی آگ ہے جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے، خوشیاں، ہنسیاں، سکون، زندگی سب کچھ یہاں تک کہ دل بھی!

''ایک سلطان کچھ ادھورا نہیں چھوڑتا۔'' وہ خود سے کہتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس خوف سے بہت پرے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے، پہچان نہ لے۔

☆......☆......☆

وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ بارش اچانک ہوجائے گی اسے پتا نہیں تھا اس لیے سر پر وہ کوٹ کو تانے خود کو بھیگنے سے بچا رہی تھی۔ پتھریلی روش پر قدموں کو تیزی سے اندر ڈالتے ہوئے پل بھر کو اس نے لان کی سمت منہ کیا تھا پھر وہ واپس چہرے کو سیدھا کر کے بھاگ رہی تھی۔ زینے چند قدم کی دوری پر تھے۔ زینوں کے ساتھ چھت بھی جب وہ اچانک کرنٹ کھا کر رکی۔ دماغ نے الارم کیا تھا۔

نظروں کے سامنے جو منظر ابھرا تھا وہ بالکل بھی حقیقت سے میل نہیں کھاتا تھا پھر بھی۔۔

پھر بھی اس نے چہرے کو واپس موڑا، بارش کے موٹے موٹے قطروں کے اس پار لان میں سنگی بینچ موجود تھا جس کے عقب میں سیمنٹ سے تتلی کے پَر بنائے گئے تھے جن سے باآسانی ٹیک لگائی جاسکتی تھی۔ ان ہی پَروں سے ٹیک لگائے اسے کاسنی آنچل نظر آیا تھا۔

وہ یقیناً کوئی اور نہیں بلکہ انیشہ تھی۔ وہ انیشہ جسے بارش سے الجھن ہوتی تھی۔ اب وہ گود میں ہاتھ دھرے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس طرح کہ اس کے بالوں کی موٹی موٹی لٹیں اطراف میں جھول رہی تھیں اور اس میں سے پانی کے قطرے ٹپ ٹپ جا رہے تھے۔

ایلاف کو یقین نہ آنے کے ساتھ سمجھ بھی نہیں آئی کہ کیا کرے۔ اندر جا کر چھتری لائے یا ڈائریکٹ اپنی بہن کے پاس چلی جائے جو سوگوار سی دکھتی تھی۔ اپنے چہار جانب سوگواریت کا ہالہ کیے بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے وہ قدم اٹھاتی اس کا سیل فون وائبریٹ کرنے لگ گیا۔ کوٹ کو شانوں پر ٹکائے ٹراؤزر کی پاکٹ سے اس نے سیل فون نکالا۔ شراحیل کا نام اس کی سکرین پر موجود تھا۔ بارش اس کے موبائل کو بھگو چکی تھی مگر اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا سیل فون واٹر پروف تھا۔ وہ کال کو اگنور کر کے لان کی نرم گھاس پر قدم رکھتی آگے بڑھی، انیشہ کے پاس پہنچ کر وہ بینچ کے دوسرے کنارے ٹک گئی تھی۔ گردن کو موڑے وہ اب بھی اسے دیکھ رہی تھی جو

دنیا و مافیہا سے بیگانی تھی۔

"یہ معجزہ کیسے ہو گیا؟ تم اور بارش۔" ماحول میں چھائی عجیب سی کثافت کو دور کرنے کی غرض سے وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی تھی۔ سیل فون اب بینچ پر رکھا تھا جس میں ایک بار پھر سے شراحیل کی کال کا پیغام آرہا تھا۔ بارش تا ہنوز ہو رہی تھی۔

"کہیں سر پر چوٹ ووٹ تو نہیں آئی یا تم بھول گئی ہو تمہیں بارش پسند نہیں۔"

انیشہ نے ایک طویل تھکا دینے والا گہرا سانس بھرا۔ ایسا کرنے پر اس کے کندھے اوپر اٹھ کر واپس جھکے تھے۔ دونوں کے شوز آدھا انچ پانی میں ڈوب چکے تھے۔ گھاس اچھے سے پانی کو خود میں جذب کر کے روکے ہوئے تھی۔

"کیا ہو گیا ہے یار، کیوں ایسے بیٹھی ہو؟" وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر بولی۔ ایسا کرنے پر ایلاف کو معلوم ہوا کہ وہ کافی وقت سے یہاں بیٹھی ہے کیونکہ اس کا ہاتھ اچھا خاصا سرد تھا۔

"کیا تم لو ایٹ فرسٹ سائٹ پر یقین رکھتی ہو؟" خاصی دیر بعد انیشہ کے لب ہلے تھے۔ ایلاف کے ماتھے پر بل پڑے اور لبوں پر پر سوچ سی مسکان۔

"نہیں، یہ سب تو فینٹسی ورلڈ کی باتیں ہیں۔ حقیقی زندگی کا اس سب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

انیشہ ایک بار پھر سے چپ ہو گئی تھی۔ گہری چپ، اس چپ کا دورانیہ جب بڑھا تو ایلاف پھر سے بولنے پر مجبور ہو گئی۔

"پیار محبت، یہ سب افسانوی باتیں ہیں۔ جو کتابوں میں پڑھنے میں اچھی لگتی ہیں، فلموں میں اٹریکٹ کرتی ہیں۔ حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہاں انسیت کی انتہا کہہ لو تو الگ

بات ہے لیکن محبت، مجھے نہیں لگتا کہ اصل محبت اب پائی جاتی ہے۔''

اس سارے عرصے میں انیشہ نے پہلی بار اس کی طرف دیکھا تھا۔ ایلاف کو یکدم دھچکا لگا کیونکہ اس کی آنکھوں سے صاف واضح تھا کہ وہ روئی ہے۔

''تو پھر شراحیل کے جذبوں کو کیا نام دو گی تم؟'' اس کی آواز بھی روئی روئی سی تھی۔ ایلاف کو اپنے اردگرد اچانک حبس محسوس ہوئی۔

''وہ تو کئی سالوں سے اپنا گھر، والدین، رشتے چھوڑ کر یہاں بیٹھا ہے فقط اس لیے کہ تمہیں اپنے سامنے رکھ سکے، روز تمہیں دیکھ سکے، تم سے بات کر سکے، تمہارے ساتھ وقت بتا سکے، تمہاری ناراضگی، تلخ کلامی، انکار سب سہتا ہے تو کیا یہ سب بھی محبت نہیں ہے، صرف انسیت کی انتہا ہے؟''

وہ دنگ نظروں سے اپنی بہن کو دیکھ رہی تھی جو اس سے اس طرح باز پرس کر رہی تھی جیسے وہ گناہ گار ہو، وہ اس سے متفق نہیں لگ رہی تھی اور یہ پہلی بار تھا۔

''تمہیں کیا ہوا انیشہ، بتاؤ مجھے، میں سننے کیلئے تیار ہوں۔'' اس نے دیکھا ایک بار پھر سے انیشہ کی آنکھیں ڈبڈبائی ہیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''تم تیار نہیں ہو، ہوتی تو میں خود ہی سب بتا دیتی۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔ اس کے دل کو ٹھیس پہنچا کر اٹھ گئی تھی۔ اسے درد دے کر اٹھ گئی تھی اور ایسا اس نے زندگی میں پہلی بار کیا تھا۔ بارش کو ناپسند کرنے والی اپنی بہن کی خاطر اس میں بھیگتے ہوئے اسے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ انیشہ اس سے دور جا رہی تھی۔ اتنی دور کہ اسے لگنے لگا اس تک پہنچتے پہنچتے وہ تھک کر ہلکان ہو جائے گی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھری۔ گھاس و پھولوں کی خوشبو کے ساتھ مٹی کی مہک بھی اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ یہ وہ مہک تھی جو کسی کے بھی موڈ کو خوشگوار کر سکتی

تھی لیکن جب دل ہی اداس ہوں تو ہر طرح کا موسم و مہک گراں گزرتے ہیں جیسے اس وقت اس پر گزر رہے تھے۔ اسے وہاں بیٹھے ہوئے وحشت ہو رہی تھی تبھی وہ اٹھ کر کمرے میں آئی۔ فریش ہونے کے بعد وہ ابھی اپنے چھوٹے بالوں کو سکھا ہی رہی تھی کہ ایک بار پھر سے اس کا سیل فون گھوں گھوں کرنے لگا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے کال رسیو کی اور واپس سابق کام میں مصروف ہوگئی۔

''کہاں تھی تم؟ کب سے کال کر رہا ہوں تمہیں۔'' آواز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں باہر ہے۔ بارش کے شور کے ساتھ ٹریفک کا شور بھی وہاں موجود تھا۔ ایک ہاتھ سے بالوں کو پکڑے دوسرے سے مشین کو ان پر پھیرتے ہوئے وہ اسے جواب دے رہی تھی۔

''وعلیکم السلام! تھوڑی مصروف تھی، کہو کیا بات ہے۔'' اس کا موڈ آف تھا۔ آواز سے صاف ظاہر تھا۔ شراحیل سلام نہ کرنے پر اس کا جواب پا کر تھوڑا شرمندہ ہوا۔

''بیکری کھڑا ہوں۔ کافی کیک یا پھر ونیلا؟''

وہ اس کی پسند کو اچھے سے جانتا تھا۔ یہ دونوں فلیور ہی اس کے پسندیدہ تھے لیکن موڈ پر منحصر کرتا تھا کہ وہ کب کیا کھانا پسند کرتی ہے اس لیے ہر روز کی طرح آج بھی وہ اس سے دریافت کر رہا تھا۔

''آج میرا موڈ نہیں ہے، رہنے دو۔'' اس نے کھردرے سے انداز میں کہا تھا۔ شراحیل نے جیسے برا مانا۔

''یہ کیا بات ہوئی، تمہارا موڈ نہیں ہے لیکن میرا تو ہے کیلوریز کی فکر نہ کیا کرو تم۔ وہ ورزش سے جل جائیں گی یہ بتاؤ ونیلا یا کافی؟'' مشین کو ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔

”تو پھر شراحیل کے جذبوں کو کیا نام دو گی تم؟“ یکدم ہی اجیشہ کے الفاظ اس کے آس پاس منڈلانے لگے تھے۔ اسے خود پر غصہ آیا۔ وہ واقعی اس قابل نہیں تھی کہ کوئی اسے کچھ بتاتا۔ شاید محبت کی زبان سمجھنے میں وہ ہمیشہ سے ہی چور تھی۔

”کافی۔“ اس نے ہلکی آواز میں یک لفظی جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ شراحیل کال رکھتا یا وہ بند کرتی ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

”ایک کافی کیک پلیز۔“ اس آواز پر وہ کرنٹ کھا کر فون کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس نے جھپٹنے کے سے انداز میں فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

”شراحیل، کال مت کاٹنا۔“ وہ عجلت میں چیخی تھی اور اس سے دور شراحیل جو بس سرخ بٹن کی اور انگوٹھے کو سکرول کرنے ہی والا تھا یکدم رک گیا۔

”کال مت کاٹنا۔“ اس نے پھر سے ہلکی آواز میں کہا تھا۔ ”اور چپ رہنا پلیز۔“ دل کی دھڑکن کی رفتار ازحد بڑھنے لگی تھی۔ وہ دوسری طرف سن رہی تھی جہاں پھر سے کہا گیا تھا۔

”میرا ایک کافی کیک ہے، کتنے پیسے ہوئے اوہ اچھا، تھینک یو۔ ہاہا نہیں سر، بارش مجھے پسند نہیں ہے لیکن بارش میں کافی کیک کھانا بہت پسند ہے۔“

اور یہ تو سب جانتے تھے بارش میں کافی کیک کھانا اسے کتنا پسند تھا بس کبھی کبھی موڈ بدل جاتا تھا تو وہ ونیلا آرڈر کر لیتی تھی لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔

ہمم شاذ و نادر۔

اس نے کال کاٹی اور جلدی سے سٹڈی ٹیبل کی سمت دوڑی۔ زمین زاد کی ایک کلپ جو اس نے ریکارڈ کی تھی کو چلا کر اس نے ہیڈ فون کانوں سے لگایا۔

”تمہارے پاس دو دن کا وقت ہے۔ میرا کام کر دو نہیں تو انجام کے ذمہ دار تم سب

ہو گے۔"

"ایک کافی کیک پلیز۔"

"تم نے ٹھیک کہا میں ظالم ہوں اور سائکو پتھ بھی۔"

"میرا ایک کافی کیک ہے۔"

"تم جانتی ہو مجھے سب سے زیادہ کسے مارنے میں مزا آئے گا۔" اس نے ہیڈ فونز کو ہاتھوں کے ذریعے اور کان سے لگایا تا کہ آواز صحیح آئے۔ والیوم فل تھا۔

"کتنے پیسے ہوئے؟"

"مجھے کسی کو بھی مارنے میں کوئی عار نہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

"میں تھوڑا سر پھرا سا ہوں، سو مجھ سے بات کرتے ہوئے تمیز کے دائرے میں رہا کرو۔"

"تھینک یو۔"

"نوازش۔"

"ہاہا۔"

"تمہیں میری ہنسی اتنی کھلتی کیوں ہے جب دیکھو منہ کے ٹیڑھے میڑھے زاویے بنے ہوتے ہیں۔"

"بارش میں کافی کیک کھانا بہت پسند ہے۔"

اس نے ہیڈ فونز اتار کر زور سے پھینکے اور آنکھیں بند کر کے گردن کو اونچا کر کے بیٹھ گئی۔

"ایک کافی کیک پلیز۔"

"تم نے ٹھیک کہا میں ظالم ہوں اور سائیکو پتھ بھی۔"

اس کا سیل فون ایک بار پھر سے بجنے لگا۔ اس نے تھک کر آنکھیں کھولیں۔ سکرین پر شراحیل کا نام پھر سے ابھر پڑا تھا۔ اس نے بیدلی سے کال اٹینڈ کی تھی۔

"مجھ سے کہہ کر کال مت کاٹنا خود ڈسکنیکٹ کر دی تم نے۔" گاڑی کے ہارن کی آوازوں سے معلوم ہوتا تھا وہ سڑک پر ہے۔ اس نے ناک کے کنارے پر شہادت کی انگلی کو لمبائی میں پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ بس ایسے ہی، تم بتاؤ کب تک پہنچ رہے ہو؟"

"بس دو منٹ میں۔"

اس کی بات سن کر اس نے رابطہ پھر سے منقطع کر دیا۔ یہ کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ۔ پارک میں موجود لڑکے کی آنکھیں اور اب بیکری میں وہ آواز، اتنا زیادہ اتفاق کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟ کسی دوسرے انسان کی آواز کیسے کسی کی آواز کے ساتھ اتنی مشابہت رکھ سکتی ہے کہ بالکل اس کی ہی معلوم ہو۔ زمین زاد بیجنگ میں ہے، کال میں موجود وقت اور قیام بیجنگ کا نظر آتا تھا۔ وہ جب بات کرتا تھا تو پاکستان میں شام ہوتی تھی اور وہاں دھوپ نکل رہی ہوتی تھی۔ اس کے آس پاس کے لوگ، ان کا حلیہ، کمپیوٹر کی نشاندہی کہ وہ بیجنگ میں ہی ہے کیا وہ سب جھوٹ ہے یا پھر کوئی بہت بڑی سازش ہو رہی ہے جسے وہ نہیں پہچان رہی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھے۔

"یا اللہ! تو ہی میری مدد کر پلیز۔" آنکھیں بند کیے وہ اپنے اللہ سے ہمکلام تھی۔ باہر بارش زور و شور سے جاری تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر اپنا سسٹم آن کیا۔ دس منٹ گزر رہے تھے کوئی کال موصول نہیں ہوئی تھی۔ اس نے خود ہی بالآخر کال ملا دی۔

وہ بارش سے بچ کر دوڑتا ہوا گھر میں داخل ہوا جہاں برہان جلے پیر کی بلی کی طرح اس کا

منتظر تھا۔ایک نے جلدی سے جیکٹ اتار کر سٹینڈ پر پھینکی، ساتھ میں ماسک بھی اتار دیا۔
"کتنی کالز کیں؟" وہ کیک کا پیک اسے پکڑاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ساتھ میں تہہ خانے کی سیڑھیاں بھی اتر رہا تھا۔
"ٹوٹل سات۔" برہان کے بتانے پر گارڈ نے اس کیلئے دروازہ وا کیا، مغوی لوگ اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے۔ایک نے سکرینز کا رخ ان سے پھیر کر دیوار کی سمت کیا، ماسک منہ پر چڑھایا اور کال ملادی۔
"ابھی معلوم ہوجائے گاتم ان لوگوں پر نظر رکھو۔"
برہان اس کے کہنے پر مڑ گیا۔ چند قدم آگے جا کر وہ مڑ کر دیکھ رہا تھا کہ ایک سکرین کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا ہے۔
"میں نے سنا ہے تم نے مجھے بہت یاد کیا۔" اس کی کانچ سی بھوری آنکھیں تھکن زدہ سی تھیں۔ایلاف چند لمحے اسے تکتی رہی۔
(میرا ایک کافی کیک پلیز) وہ گہری سانس بھر رہی تھی۔"ساجد قصائی سے متعلق بات کرنی تھی تم سے،اس تک کیسے پہنچے یہ سوال نہیں کروں گی اسے کیوں مارا یہ ضرور پوچھوں گی۔"
"بس۔" حیرت بھری آواز۔"یہی پوچھنے کیلئے اتنی کالز کیں اور مجھے دیکھو، خوش فہمیوں کے سمندر میں ڈوب رہا تھا۔تمہیں اور میری یاد ستا جائے ناممکن۔" (ہاہا نہیں مجھے بارش نہیں پسند)
"میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔تم نے اسے کیوں مارا؟"
ایک قدرے آگے آیا۔اپنی کانچ سی آنکھوں کو سکیڑ کر بولا۔

”کیونکہ تم میرا ٹارگٹ ہو۔ جو بھی تم تک رسائی حاصل کرے گا موت کے منہ میں جائے گا۔“

ایلاف تضحیکی مسکرائی (وہ آواز اسی انسان کی تھی ٹھپہ لگ گیا) لمحہ بعد بولی۔

”موسم کتنا اچھا ہے نا، اس اچھے موسم میں ایک اچھی سی بات سنو۔“

ایبک سینے پر بازو باندھے اسے دیکھ رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔ ”میں انگیجڈ ہوں اور اپنے منگیتر سے بہت محبت کرتی ہوں۔ سب سے زیادہ اسی کی رسائی ہے مجھ تک، اب کیا کہو گے؟“

چند ساعتیں، چند تڑپتی بلکتی ساعتیں، چند روتی کرلاتی ساعتیں دونوں کے درمیان سے چیخ چنگھاڑ کر گزری تھیں۔ مگر اس کی چیخ و پکار نے جس کی سماعت خون آلودہ کی وہ ایبک سلطان کی تھی۔ کچھ سوچیں دماغ میں آرہی تھیں لیکن اس نے انہیں آنے سے روک دیا، جھٹک دیا، پرے کر دیا۔

”تمہاری ذاتی زندگی کے بارے میں۔۔۔ نہیں کہہ رہا ہوں، کل بات کریں گے مجھے ابھی ضروری کام کرنا ہے۔“ سکرین تاریک ہوگئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ جھولی میں ڈالے گردن ٹیڑھی کیے ریغمالوں کو دیکھ رہا تھا۔ دل کی زمین نم ہوگئی تھی۔ درد آہستہ آہستہ پورے وجود میں پھیلنے لگا۔

”اسے بھول جاؤ وہ تمہاری کبھی نہیں ہوگی۔“ کوئی نرم لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں موندلیں۔

☆......☆......☆

آسمان ابر آلود نہیں تھا آج، سمندر رسا گہرا نیلا، کہیں کہیں تیرتے بادل اور ان کو چیر کر نکلتی سورج کی تیز روشنی، بنفشی بادلوں کے درمیان وہاں جہاں آسمان کی وسعتیں ختم نہیں ہوتی ہیں وہاں سے تھوڑی نیچے قوس قزح کے دلکش رنگ پھیلے ہوئے تھے۔ ایسے کہ آدھی قوس قزح

بادلوں میں چھپ رہی تھی اور آدھی ان کے بیچ سے نکل رہی تھی۔اس خوشگوار موسم میں اس کے آفس کا منظر خاصا پراسرار سا تھا۔چیف ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے سنجیدہ تھے اور پولیس کے کچھ اہلکار وہاں پر موجود، جوان پر چیخ رہے تھے۔

''ساجد قصائی کے ہاں ہوئے بلاسٹ میں آپ کا ہاتھ ہے یا نہیں؟'' یہ کوئی دسویں بار تھا جو اس سے سوال کیا جا رہا تھا۔وہ زچ ہو گیا۔عاجز پنے سے اس نے مدد طلب نگاہیں ایلاف پر گاڑیں جس کا چہرہ ازحد سنجیدہ تھا۔وہ کچھ نہیں بولی بس لب سیئے بیٹھی رہی۔

''میں کتنی بار آپ کو بتاؤں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، میرا کام خبریں چلانا ہے بلاسٹ کرانا نہیں، وہ کیسے مرا مجھے اس کی کیا خبر۔'' وہ جھنجھلائے انداز میں کہہ رہا تھا۔کمرے میں لمحہ بھر کو سکوت طاری ہوا، اے سی کی گرم ہوا نے ماحول کو مزید گرما دیا۔

''اگر ایسا ہے تو اس باکس کے بارے میں کیا خیال ہے جس پر آپ کی ایجنسی کا نام پرنٹ ہے اور اس صحافی کا کیا جس نے ان کے بارے میں خبریں اکٹھی کی تھیں۔ایلی کو سامنے لے آؤ ہم تمہیں چھوڑ کر اس سے باز پرس کرلیں گے۔''

ایلاف نے ٹانگ پر سے ٹانگ اتاری، کرخت چہرے والے اس تفتیشی آفیسر کو دیکھا جو چیف کو چت کر دینے والی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔گرم کمرے میں اس کی مدھم و مستحکم آواز گونجی۔''میں ہوں ایلی، پوچھیں مجھ سے کیا پوچھنا ہے؟''

اور اس کی آواز پر چیف کا سانس تھما تھا۔وہ تحیر سے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جو چشموں کے سہاروں کے بنا دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔جس کی آنکھ میں کوئی خوف تھا اور نہ ہی ہچکچاہٹ، وہ بے خوفی سے اپنے آپ کو عیاں کر رہی تھی۔دنیا کو ایلی کے بارے میں بتانے کیلئے تیار تھی۔

''آپ ایس پی ثمر کی بہن ہیں۔ہم جانتے ہیں اس معاملے میں خود کو انوالو مت کریں۔''

وہی پولیس والا جو چیف کیلئے سخت تھا، نرم لہجے میں اسے متنبہ کر رہا تھا۔ ایلاف نے ایک نگاہ چیف پر ڈالی اور فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

''میں یقیناً ثمر کی بہن ہوں اور اس کے توسط سے ہی آج تک ایلی کو ڈسکلوز نہیں کر سکی ہوں مگر اب مجھے لگتا ہے اس کی ضرورت آن پہنچی ہے۔ خبروں میں چھپنے والا وہ نام جس کو جاننے کا سب کو اشتیاق ہے میں ہی ہوں۔ یقین نہیں آتا تو میری میلز چیک کر لیں۔ ایلی آپ کو ہر جگہ نظر آئے گی۔''

باہر موسم خوشگوار تھا تو اندر ایسی گرمی و گھٹن تھی مانو ساون سر پر ہو، باہر پرسکون سے پرندوں کے نغمے گونج رہے تھے تو اندر میت سامنے رکھی ہو جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ خاموشی اتنی تھی کہ ہر ایک کی سانس کی آواز و پچ کو با آسانی نوٹ کیا جا سکتا تھا۔ وہی دبنگ لہجے و شکل والا پولیس مین شہادت کی انگلی سے ماتھے کو کھجاتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ لڑکی کے وثوق سے کہنے پر اس کی آنکھوں میں سوچ کی لکیریں ابھری تھیں۔

''یعنی، کرپٹ وکیل کو پھانسی، کونسلر کے بیٹے کا ریپ کے سلسلے میں سنسار ہونا، سکولز آف آئیڈیالوجی میں ریڈز، بھتہ خوروں کی گرفتاری، انسان دشمن ڈاکٹرز کے سسپنڈز اور کئی ہاؤسنگ سوسائٹی اور اسمگلرز کے اریسٹ وارنٹ کے پیچھے آپ کا ہاتھ ہے۔''

وہ اب بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ جو لڑکی سامنے بیٹھی ہے وہی ایلی ہے اور یہ سب کارنامے اسی کی بدولت ہوئے ہیں۔ ایلاف نے ہولے سے سر کو ہلایا اور کہا۔

''بیشک ایسا ہی ہے۔ میرے کئی دشمن بن چکے ہیں جس کی وجہ سے بھائی مجھے چھپا کر رکھتے ہیں۔ آپ چاہیں تو ان سے تصدیق کر سکتے ہیں۔''

''ارے نہیں ہماری کیا مجال جو اُن سے پوچھیں، آپ نے کہا ہم نے یقین کر لیا، چلتے

ہیں۔" وہ اپنی کیپ اور اسٹک اٹھاتا کانسٹیبلز کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔
ساجد قصائی کی موت اس وقت خبروں میں ہاٹ بنی ہوئی تھی۔ وہ ایسا انسان تھا جس کے مرنے کے بعد ایلاف کی آدھی مشکلات حل ہوگئی تھیں۔ وہ اس کی موت پر سکون کا سانس لے رہی تھی اور کہیں نہ کہیں دل کے اندر زمین زاد کی بھی مشکور تھی کہ اس نے اس چیچڑ سے اس کی جان چھڑا دی تھی۔ وہ جانتی تھی زمین زاد کے پاس اس کا ایکسس ہے اور اسی کو استعمال کرتے ہوئے وہ اس کی اور ساجد قصائی کی گفتگو سن چکا تھا لیکن اگر ایسا تھا تو اس نے اس کی مدد کیوں کی؟ وہ آخر چاہتا کیا ہے؟
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا؟" چیف کی آواز پر وہ سوچوں کے گرداب سے باہر آئی اور سر کو جھٹکتے ہوئے بولی۔
"جہاں اتنا برا ہوا ہے تھوڑا اور سہی۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو اس پولیس والے نے آپ کی جان نہیں چھوڑنی تھی۔"
وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ معاملہ کافی آگے تک جا سکتا تھا اس کی پیچیدگیاں بڑھنے میں دیر نہیں لگنی تھی۔
"پھر بھی تمہیں اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر ثمر اور شراحیل کو پتا چل گیا تو وہ تو میرے گریبان کو آجائیں گے۔ خاص کر تمہارے ابا حضور، غلط کیا میں نے جو اتنے مضبوط بیک گراؤنڈ والی لڑکی کو جاب پر رکھ لیا۔"
ایلاف ان کی بات پر مسکرائی۔ کمرے میں جو گرمی و گھٹن پھیلی تھی وہ اچانک چھٹ گئی۔ کھلی کھڑکی سے آتی ٹھنڈی میٹھی ہوا اعصاب پر بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ آدھی رین بو یہاں سے بھی نگاہ میں پڑتی دکھائی دیتی تھی۔

”بے فکر رہیں کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔“
”بالکل ایسا ہی ہوگا۔“ وہ جل کر بولے تھے۔ بوڑھے تھے لیکن اب بھی جوان دکھتے تھے۔ان کو جوان بھی ان کے ٹھرک پنے نے ہی رکھا ہوا تھا جو وہ کسی طور نہیں چھوڑنے والے تھے۔ کچھ چیزیں قبر تک ساتھ نہیں چھوڑتیں، وہ جانتی تھی ان کا فلرٹ بھی ان کے ساتھ قبر میں ہی جائے گا اس سے پہلے چلا جائے ناممکن۔
”بالکل پچھلی بار کی طرح جب اٹیک تم پر کیا ساجد قصائی کے کارندوں نے اور باتیں سننی پڑیں مجھے، تمہارا وہ ہوتا سوتا اور تمہارا بھائی دونوں چڑھ دوڑے تھے مجھ پر۔ یعنی حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔“
وہ انہیں جلتا بھنتا چھوڑ کر وہاں سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ شفاف بادلوں میں سے نکلتی سورج کی کرنیں سونے سی معلوم ہو رہی تھیں۔ آدھی رین بو اور اس کے آگے اڑتے پرندے نگاہوں کو تراوت بھرنے لگے۔
”میں نے کہا نا کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا، آپ فکر نہ کریں۔“ وہ ہولے سے گردن کو موڑ کر کہہ رہی تھی۔ ایسے دیکھنے پر اسے ان کا آدھا وجود ہی نظر آ رہا تھا۔
”اپنی بات پر قائم رہنا تم۔“ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ ایلاف نے گردن سیدھی کی، ٹھنڈی میٹھی ہوا اس کے گداز گالوں کو چھو رہی تھی۔ نظر کے چشمے اب بھی اس کی آنکھوں پر موجود تھے اور بالوں کی اونچی ٹیل پونی بندھی تھی۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ جمائے حسین آسمان کو تک رہی تھی جب اس کا سیل فون گونج اٹھا۔ گہرا سانس چھوڑ کر اس نے جیکٹ کی جیب سے سیل فون نکالا۔ نمبر وہاں پر ندارد تھا اور پرائیوٹ کال کے حروف جگمگا رہے تھے۔ یہ اس کیلئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس طرح کی کالز اسے آتی رہتی تھیں اس لیے بنا کسی حجت کے

اس نے کال اٹینڈ کر لی۔ وہ سلام کر کے نگاہوں کو آسمان پر ہی مرکوز کیے کھڑی تھی، کھڑی رہی۔ کال کرنے والا خاموش تھا بہت خاموش بس وہ اس کی سانسیں تھیں جو دغا کر گئی تھیں تبھی ان کی آوازیں سپیکر میں گونج رہی تھیں۔

"بات کرو بھئی کون ہے۔" اب کے وہ جھنجلا گئی تھی تبھی کڑوے انداز میں بولی۔ اس کا سیل فون اس کے ہاتھ میں تھا اور ہمیشہ کی طرح لاؤڈ اسپیکر آن تھا۔ وہ بہت کم ہی فون کو کان سے لگا کر سنتی تھی اس لیے زیادہ تر اس کے کان میں بلوٹوتھ یا پھر ہینڈ ائر پوڈز لگے رہتے تھے۔

"زمین زاد۔"

وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑا سیل فون آنکھوں کے سامنے کیا، مڑ کر دروازہ دیکھا جو کہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی سمت گئی۔ اسے لاک کر کے وہ وہیں کھڑی فون کان سے لگا گئی کہ لاؤڈ اسپیکر آن کر کے وہ اس کی کال نہیں سن سکتی تھی۔

"مجھے لگا تھا تم آن لائن کال کرو گے۔" اس نے اپنے لیپ ٹاپ کی طرف نگاہ ڈالی جس کی سکرین تاریک تھی لیکن وہاں ایک پیج کھلا ہوا تھا یعنی اس کا سسٹم آن تھا بس پولیس کی وجہ سے اس نے اسے کھلا ہی چھوڑے رکھا اور وہ کچھ وقت بعد تاریک پڑ گیا۔

"لگا تو مجھے بھی یہی تھا لیکن چونکہ اس وقت میں باہر ہوں تو سوچا کال کر لوں۔ اب یہ مت پوچھنا نمبر کہاں سے ملا میرے لیے سب آسان ہے۔"

وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی کرسی کے پاس آئی اس کا رخ کھڑکی کی سمت کرتے ہوئے اس پر بیٹھ گئی۔

"ہاں آسان تو تمہارے لیے سب کچھ ہے۔ قتل کرنا بھی اور دھوکا دینا بھی۔" وہ سر جھٹکتی ہوئی کہہ رہی تھی ابھی وہ پوری طرح سے بیٹھی بھی نہیں تھی کہ اسے پیچھے سے پنجابی بولتے لوگوں

کی آوازیں سنائی دیں۔اس کا شک یقین میں بدلنے لگا تھا۔

"اپنے گھر والوں کے وصف بتا رہی ہو اچھی بات ہے مزا آیا سن کر، یہ بتاؤ کال کرنے کا کیوں کہا مجھے؟" ایلاف نے دونوں پاؤں کرسی کے اوپر رکھے اور ان پر تھوڑی ٹکالی۔اب وہ باآسانی مٹتی ہوئی قوس قزح کو دیکھ سکتی تھی۔

"تم سے ملنا چاہتی ہوں۔آسکتے ہو؟" چند لمحے خاموشی طاری رہی پھر اس کی بھاری محتاط آواز ابھری۔

"تمہارا فون میں بگ کر رہا ہوں اس لیے مجھے کوئی خوف نہیں کہ کوئی ہماری باتیں سن رہا ہوگا، میں تم سے ملنے کیلئے تیار ہوں۔کب آرہی ہو بیجنگ پھر۔" اس کی آواز شوخ تھی۔یہ وہ جان گئی۔اسے بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی کہ وہ انسان اس کا سیل فون بگ کر رہا ہے۔جب وہ اس کے سسٹم کو اپنے قبضے میں لے سکتا ہے تو سیل فون کس کھیت کی مولی تھا۔اس لیے اس بات پر اس نے کوئی ری ایکشن نہیں دکھایا بس گھٹنوں پر سر رکھے وہ قوس قزح کے مٹتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے آج شام ہی تم سے ملنا ہے۔" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔دوسری جانب مسکرایا گیا تھا اسی مسکراہٹ بھری آواز کے ساتھ کہا گیا۔

"دیکھ لو، اندھیرے میں ملنے کی بات کر رہی ہو تم، ایک سائیکو پتھ کے ساتھ کیا تنہا وقت گزار پاؤ گی؟ تمہارے بھیا جی کو برا نہ لگ جائے۔" وہ ہنس رہا تھا، اس کا مذاق بنا رہا تھا۔اس نے ایک ہفتے کا وقت دیا تھا۔اگر ایک ہفتے میں اس کی مانگیں پوری نہ ہوئیں تو وہ سب کو مار ڈالے گا۔بیجنگ کی پولیس اور میڈیا کتوں کی طرح اسے جگہ جگہ تلاش رہی تھی۔سب کو امید تھی اس ایک ہفتے سے پہلے ہی وہ پکڑا جائے گا لیکن سب یہ نہیں جانتے تھے کہ جسے وہ دنیا کے جس

جسے میں ڈھونڈ رہے تھے وہ تو وہاں تھا ہی نہیں۔

”میں مذاق نہیں کر رہی ہوں زمین زاد۔“ وہ دبی آواز میں بولی تھی۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی، قوس قزح کے رنگ اڑ گئے تھے۔ بادل تنہا ہو گیا فسوں مٹ گیا۔

”اوکے، اسی پارک آجانا جہاں تم نے مجھے دیکھا تھا۔“ کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔ ایلاف ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔ وہ واقعی بیجنگ نہیں تھا۔ سیل فون کو ہاتھ میں تھامے وہ متحیر نظروں سے اسے تک رہی تھی جیسے وہ وہاں موجود ہو اور اسے دیکھ رہا ہو لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کا مرکز وہ مٹی ہوئی رین بو تھی جو ابھی کچھ دیر قبل آسمان پر جلوہ افروز ہوئی تھی بس کچھ دیر کیلئے ہی۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا، ہوش میں تو ہے تُو، جانتا ہے کیا کرنے جا رہا ہے۔“ وہ ابھی ریغمالوں پر ایک نگاہ ڈال کر اوپر آیا تھا۔ آ کر اس نے وارڈ روب کا رخ کیا تھا۔ کپڑے بدل کر وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا جب برہان سیخ پا سا اس کے پاس آیا اور اس کے فیصلے کی مذمت کرنے لگا۔

”اچھے سے معلوم ہے۔“ پرفیوم خود پر چھڑک کر وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ ”پریشان نہ ہو، نہیں پھنستا۔“ جرسی ہڈ خود پر چڑھا کر اس نے سامنے سے زپ بند کی، بلیک جینز اور ہم رنگ جرسی ہڈ کے ساتھ وہ ایپل کی گھڑی کلائی پر باندھ رہا تھا۔ بالوں پر اس نے سپرے نہیں کیا تھا۔ ہلکا سا جیل لگایا تھا کہ اس کے بال پہلے ہی سپرنگ زدہ تھے۔ ان کے بکھرنے کا مسئلہ نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ ان کی طرف سے بے فکر تھا۔

”اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟ جانتا ہے نا وہ لڑکی کون ہے، اس کا بھائی، اس کا باپ کون ہے اور خود کو کیوں بھول گیا۔ اپنی حالت کو کیوں یاد نہیں رکھ رہا ہے، اگر وہاں پر اس کے سامنے تجھے

ایبک ہو گیا تو کیا ہو گا، ہاں؟“

ایبک خاموشی سے جوگرز کے تسمے باندھتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔ ایسا کرنے کے بعد اس نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا وہ اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے خود پر مسکراہٹ اچھالی، اچھالی تو اس نے برہان کی بات پر بھی تھی جو آگ بگولہ سا اسے تک رہا تھا۔

”اور اگر اس نے پولیس کو اطلاع کر دی، تجھے پکڑوا دیا۔ نہ بھی پکڑوایا انٹیلی جنس والے پیچھے لگوا دیئے تو تمہارا مقصد کیسے پورا ہو گا، ایبک! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ ڈیٹ پر نہیں جا رہے ہو تم جو یوں بن سنور رہے ہو۔“ وہ بال سیٹ کر رہا تھا جب برہان نے اسے کہنی سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ اس کا رخ برہان کی طرف ہو گیا تھا اور اب وہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”جس کے پاس کھونے کو کچھ نہ ہو اسے کسی چیز کا ڈر نہیں ہوتا، میرے پاس وہ چیز ہے جسے ڈھونڈنے کیلئے وہ بوکھلا گئے ہیں، اس لیے بے فکر رہ، مجھے جان سے نہیں ماریں گے، مار بھی دیں تو کیا ہے اینڈ تو اس کہانی کا یہی ہے۔ ایبک سلطان نے تو مرنا ہی ہے سو ڈونٹ وری۔“ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے وہ سگریٹ نکال چکا تھا۔ شعلہ دکھاتے ہوئے وہ برہان کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھنے کے بعد زچ سا بولا۔

”کیا ہو گیا ہے یار، جسٹ چل۔“ وہ اس کے قریب آیا اور قدرے شوخ پنے سے اس کے کان میں پھسپھسایا۔ ”تیرا بھائی ڈیٹ پر ہی جا رہا ہے۔ شی از لو یو نو۔“ پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے آنکھ ماری تھی۔ سر پر ہڈ ڈالے، لبوں میں سگریٹ پکڑے وہ وہاں سے چلا گیا۔ برہان پھٹی نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

''کب تک آؤ گے؟'' وہ جیکٹ خود پر چڑھا رہا تھا زرینہ کی بات پر مسکرا کر پلٹا۔

''جب تک کامیاب نہیں ہو جاتا۔'' وہ اس کی بات پر آزردگی سے مسکرائیں۔ ہاتھ اس کے صبیح چہرے پر پھیرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''مجھے فخر ہے کہ میں تم جیسے بیٹے کی ماں ہوں۔''

ثمر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور اسے دونوں آنکھوں سے لگالیا۔

''یہ تو میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ میں آپ کی اولاد ہوں۔ آپ جانتی ہیں آپ کی بیٹیاں بھی بہت بہادر ہیں۔ خاص کر وہ ہماری طرم خاں۔ کہاں ہے وہ؟'' کہتے ساتھ ہی اس نے پوچھا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ گھر آتے ہی اسے سب سے پہلے ایلاف سے ملنا ہوتا تھا اور کہیں بھی جاتے ہوئے وہ اسے مل کر ہی جاتا تھا۔ نہیں تو اس کا دل بے چین ہی رہتا تھا۔

''باہر گئی ہے، کہہ رہی تھی ضروری کام ہے کوئی۔''

بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ثمر نے ٹھہرے ہوئے انداز میں ماں کو دیکھا۔

''آپ جانتی بھی ہیں اس کے ضروری کاموں کو پھر اسے تنہا بھیج دیا۔ شراحیل کو ساتھ بھیجتیں۔ اس کے گارڈز کو تو وہ ڈیڈ کی شہ پر ہٹوا ہی چکی ہے۔'' وہ ناراض سا کہہ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ جوتوں کو بھی پاؤں میں ڈال رہا تھا۔ زرینہ اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں، متحمل انداز میں گویا ہوئیں۔

''میں شراحیل کو کیسے کہہ سکتی ہوں۔ وہ اس کا منگیتر ہے کوئی گارڈ تو نہیں اور مجھے یقین ہے میری بیٹی پر، وہ ہر مشکلات کو ہینڈل کرنا جانتی ہے۔''

ثمر کی آنکھوں میں مسکراہٹ در آئی تھی۔

''آپ اس کی ماں بھی ہیں مجھے یقین نہیں آتا، آپ کا اطمینان قابلِ دید ہے۔'' انہوں

نے ایک ہلکی سی چپت اس کے شانے پر لگائی۔ ثمر نے وہی ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

''خبردار جو شک کیا تو، تمہارے باپ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی ہوئی سمجھے۔''

ممی کی بات پر اس کا فلک شگاف قہقہہ گونج اٹھا تھا۔ اس نے انہیں خود سے لگایا، لگا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

''آپ جتنی نڈر بنتی ہیں اتنی ہیں نہیں بھولی ہیں ایک دم۔'' گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر وہ اٹھا اور وارڈروب سے ایک کیس نکال کر ان کی طرف آیا۔

''یہ آپ کیلئے جب میں اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ یورپ ٹرپ پر گیا تھا تو یہ آپ کیلئے لایا تھا۔'' وہ اس کے ہاتھ سے کیس کو پکڑ کر کھول رہی تھیں۔ اندر ایک نازک سی چین تھی جس پر کہیں کہیں ہیرے آویزاں تھے۔

''ہاں پتا ہے مجھے، تمہاری کتنی مائیں ہیں مجھ سے تو تم نہ ہی چھپاؤ کچھ، میں جانتی ہوں وہ بھی تمہارا ایک مشن ہی تھا جس پر تم نکلے ہوئے تھے۔ خوامخواہ میری پیاری بچی سے منہ ماری کر گئے تھے۔'' وہ انیشہ کا ذکر کر رہی تھیں جس نے ماں کو شکایت لگائی تھی۔ ثمر ماتھے کو کھجاتے ہوئے سر کو نفی میں ہلا گیا۔

''یعنی آپ سے کچھ چھپا نہیں رہ سکتا، آپ مائیں بھی مہان ہو۔''

''میں جانتی ہوں میرے بچے کی زندگی میں نامحرم رشتے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اپنی تربیت پر مجھے آنکھ بند کر کے یقین ہے۔'' ان کے اس اعتماد نے ثمر کے دل کو بھر دیا تھا۔ انسان کو کیا چاہیے ہوتا ہے اعتماد، یقین اور محبت یہ سب ہی تو اسے اپنے گھر سے میسر تھا۔ اس کی ماں کو اس پر یقین تھا۔ اس کی بہنیں اس سے بے پناہ محبت کرتی تھیں جب اتنے بڑے اثاثے اس کے پاس تھے تو وہ کیوں باہر منہ مارے گا۔ اس کی تربیت ایسی تھی اور نہ ہی اس کی نیت،

بہنوں کے ہوتے ہوئے کوئی بھائی یوں بھی کچھ غلط نہیں کرسکتا کہ بہنوں والے بھائیوں کے دل اتنے دلیر نہیں ہوا کرتے کہ وہ، وہ سب بھی اپنی بہنوں کے ساتھ ہوتے دیکھیں جو وہ دوسروں کی بہنوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

ثمران کے گھٹنوں میں آکر بیٹھا اور محبت پاش نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''میں آپ کے یقین کو ملیامیٹ کبھی نہیں ہونے دوں گا ممی، میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اعتماد کی گرمائش نے زرینہ کو مسکرانے پر مجبور کردیا۔

''میں جانتی ہوں۔'' وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ثمر نے ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالی پھر اپنے کمرے سے نکل کر انیشہ کے کمرے میں ناک کرکے آگیا۔ وہ اس وقت الٹی کتاب ہاتھ میں تھامے سوچوں میں غلطاں تھی جب ثمر نے اس کی ہاتھ سے کتاب لے کر اسے سیدھی کرکے پکڑائی۔ وہ اسے وہاں دیکھ کر جبراً مسکرادی۔

''معلوم ہوتا ہے تم اداس ہو۔ جلدی سے بتادو کیا بات ہے ورنہ تم جانتی ہو نا میرا سفر اچھا نہیں کٹے گا۔'' گھوم کر وہ بیڈ کے دوسرے سرے پر آیا اور اس کے گھٹنے پر سر ٹکا کر لیٹ گیا۔

''ہا میری اتنی فکر تمہیں، تم تو اپنی چہیتی سے لاڈ دکھایا کرو، اٹھو میرے گھٹنے پر سے۔'' وہ اسے سرکانا چاہتی تھی لیکن ناکام رہی۔ دل میں جو اتھل پتھل ہوچکی تھی وہ اس کی بھنک کسی کو بھی نہیں لگنے دینا چاہتی تھی اس لیے جان بوجھ کر اس طرح سے بولی۔ ثمر کی آنکھیں حقیقتاً پھٹ گئیں۔

''یعنی تم ایلاف سے جیلس ہورہی ہو۔'' وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ انیشہ نے منہ کو مزید پھیلایا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی شام بس ہونے کو تھی۔

"میں کیوں اس سے جیلس ہوں گی وہ میری بہن ہے اور تم میرے کمرے میں کر بھی کیا رہے ہو۔ جاؤ اسی کے پاس، اسی کے ساتھ بیٹھ کر کافی پیو، اسی کے ساتھ بیٹھ کر کیک کھاؤ اور اسی کے ساتھ بیٹھ کر دنیا جہان کی غیبتیں کرو۔"

ثمر منہ کھولے اسے سن رہا تھا۔ اس کا سر ابھی بھی انیشہ کے گھٹنے پر موجود تھا۔ جوتوں والے پاؤں نیچے لٹکائے وہ اس کی پاس لیٹا ہوا تھا جو جلی بھنی سی دکھ رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے میں یعنی ایس پی ثمر غفور دنیا جہان کی غیبتیں کرتا ہوں۔ آر یو سیریس انیش۔"

انیشہ اس کے متحیر انداز میں لبوں پر مچلتی ہنسی کا گلا گھونٹ گئی۔ وہ نظریں جھکائے اسے دیکھ رہی تھی جو نظریں اٹھائے اسے سوالیہ نگاہوں سے تک رہا تھا۔

"کہاں کے ایس پی تھکو آفیسر ہو، اٹھو تمہارے کانٹے دار بال میرے نازک گھٹنے پر چبھ رہے ہیں۔"

وہ دانت پیستا ہوا اٹھا اور اس کے چیخنے کے باوجود جوتوں سمیت اس کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"یہ کانٹے دار بال تب کیوں نہیں چبھتے تمہیں جب تم میرا ہیئر اسٹائل بنانے آتی ہو یا یوں کہو تم مجھے اپنے کمرے سے نکالنا چاہ رہی ہو۔" اس کی بات پر انیشہ کا سانس پل بھر کو رکا تھا۔ وہ فوراً سے خود کو کمپوز کرتے ہوئے بولی۔

"بالکل تم نے ٹھیک کہا، میں ایسا ہی چاہ رہی ہوں کیونکہ میں تم سے خفا ہوں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔ اس کی ایکٹنگ اور ضبط کمال کا تھا۔

"اب تم مجھ سے خفا کیوں ہو؟ میں نے کیا، کیا ہے؟" وہ اس کی آنکھوں کی نمی میں الجھ گیا تھا۔ اس کے قدرے ابنارمل سے رویے پر اٹک گیا تھا۔ اسے لگا وہ آج نہیں جا پائے گا۔ وہ

زمین زاد کو نہیں پکڑ پائے گا تب تک جب تک اس کی بہن اس سے راضی نہیں ہو جاتی جب تک وہ اپنے دل کی بات اسے بتا نہیں دیتی لیکن وہ جانتا تھا آج وہ کچھ نہیں بولے گی۔ ابھی وہ کچھ نہیں بولے گی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ وہ لڑکی تمہاری گرل فرینڈ نہیں تھی بلکہ تمہاری ٹیم کا حصہ تھی۔''

''یہ بتاؤ اصل بات کیا ہے۔ تم مجھ سے اس چیز کیلئے خفا نہیں ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے اعتماد دلا رہا تھا کہ اس کے ساتھ اس کا بھائی ہے۔ وہ تنہا نہیں ہے یہی چیز تھی یہی بات تھی جس کی بدولت جذباتی، کمزور، چھوٹے دل کی انیشہ دھڑ دھڑ آنسوں بہاتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے گرد باندھ کر رو رہی تھی۔ اس کے آنسو ثمر کی سفید شرٹ میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ اس کی شرٹ کو سختی سے پکڑے ہوئے روئے چلی جا رہی تھی۔ ثمر ایک لمحہ کو اس غیر متوقع ردعمل پر ٹپٹا گیا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش تن گئے تھے اور دل بھاری ہو چلا تھا۔ مدھم مدھم سانسیں لیتا ہوا وہ اس کا سر تھپک رہا تھا۔ اس کے آنسو تھمنے کا انتظار کر رہا تھا مگر شاید آج اس کے آنسو نہیں تھمنے تھے اس لیے وہ چپ نہیں ہو رہی تھی۔

''جتنا دل کر رہا ہے کھل کر رو لو بیٹا کیونکہ اس کے بعد میں تمہیں رونے نہیں دوں گا۔''

وہ اس کی بات پر پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ طرح طرح کے وسوسے تھے جو اس کے دل میں اٹھان بھر رہے تھے مگر وہ اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا وہ کہہ رہا تھا، سب ٹھیک ہے اگر سب ٹھیک نہ ہوا تو وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کر دے گا۔ اس وقت وہ برداشت کی انتہا پر تھا۔

''میں نے۔'' وہ یہ الفاظ ادا کر کے پل بھر کو رکی اس کا رکنا ثمر کی جان نکالنے کیلئے کافی

تھی۔ ”میں نے گاڑی کے نیچے آوارہ کتے کو کچل دیا، میں نے قتل کر دیا ہے بھائی۔“

”قتل؟“ ثمر کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ یہ لفظ ہمیشہ اس کیلئے تکلیف کا باعث بنتا تھا ہمیشہ!

وہ یہ اعتراف کر کے ایک بار پھر سے رو دی تھی۔ اس کے اعتراف نے، اس کے کھلے لفظوں نے، سچائی میں ڈوبے لہجے نے ثمر کا اٹکا ہوا سانس بحال کیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ہونٹوں کو تر کیا، دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ کر اسے خود میں مضبوطی سے سمویا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنائی ہوئی تھیں جو آپس میں پیوست تھی۔ وہ کلائیوں کے ذریعے اسے خود سے لگائے ہوئے تھا چند ساعتیں گزارنے کے بعد وہ بولا۔

”تم پاگل ہوا نیشہ بہت بڑی پاگل، موت کے منہ سے واپس آیا ہوں میں، تختہ دار پر چڑھا دیا تھا تم نے مجھے۔“ خود سے جدا کرتے ہوئے وہ اسے کہہ رہا تھا۔ ہتھیلیوں کو اوپر اٹھا کر وہ اس کے آنسو رگڑ رہا تھا۔ حزن سے سرخ پڑتے گال اور ناک پر نگاہ ڈالے وہ اس کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑسنے لگا۔

”اس طرح بھی کوئی روتا ہے ایسے بھی کوئی جان نکالتا ہے؟ صحیح کہتی ہے ایلاف تم ایک نمبر کی بیوقوف ہو۔“

وہ بولنے کیلئے لب کھول رہی تھی جب ثمر نے انگلی اٹھا کر اسے چپ کروا دیا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے اس کیلئے پانی نکال کر وہ گلاس اس کی طرف بڑھا رہا تھا جس کی ہچکی بندھ چکی تھی۔

”پر بھائی وہ میری وجہ سے مرا ہے۔“ اس نے متورم آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ پانی مشکل سے اس کے حلق سے نیچے اتر رہا تھا۔ یہ پانی پینے کے دوران آتی آوازیں اسے بتا گئی تھی۔ ثمر کو بے ساختہ اپنی بہن پر پیار آیا بہت زیادہ پیار۔

''وہ ایکسیڈنٹ تھا اسٹوپڈ، اس کی موت لکھی تھی۔تمہاری کار سے نہ مرتا کسی اور کی سے مر جاتا، سمپل۔'' وہ اس کے سر پر پیار بھری چپت رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔خود کو تسلی دے رہا تھا ہمیشہ کی طرح (قتل) ٹیس ایک بار پھر سے اٹھی۔انیشہ کی اگلی بات نے اس کو لاجواب کر دیا۔

''کیا موت اتنی سمپل ہوتی ہے۔اگر اس کی جگہ انسان ہوتا تب بھی آپ یہی کہتے؟''

اس بات پر وہ اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا تھا جن میں قید گلاس کانپ رہا تھا۔اس نے واپس نگاہ انیشہ کی طرف ڈالی اور ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''جو چیز ہوئی نہیں ہے، اسے فرض کیوں کریں۔کم آن اب مسکرا بھی دو تم۔جانتی تو ہو تم دونوں میں سے کوئی ایک بھی پریشان ہو تو میں کام ڈھنگ سے نہیں کر پاتا۔'' اس کی بات پر وہ آنسو رگڑتے ہوئے ہولے سے مسکرا دی۔ثمر کا دل کچھ ہلکا ہوا۔

''دیٹس لائیک مائی گڈ گرل۔'' وہ اس کے بال بکھیرتا کہہ رہا تھا۔انیشہ کا دل ایک بار پھر سے بھرنے لگا مگر اس نے خود کو کنٹرول کر لیا کہ وہ بھی نہیں چاہتی تھی ثمر اس کی وجہ سے پریشان ہو حالانکہ وہ پریشان ہو چکا تھا۔بہت بہت زیادہ پریشان۔

☆......☆......☆

''کھولو ہمیں، کھولو تم۔۔۔''

برہان لیپ ٹاپ پر ایک کمپنی کے ساتھ ڈیل فائنل کر رہا تھا۔حال ہی میں اس کے بنائے گئے پلازہ کی دھوم پورے روما میں مچ چکی تھی۔وہ ایک اچھا آرکیٹیکچر تھا لیکن اس پلازہ نے اسے ایک مشہور آرکیٹیکچر بنا دیا تھا۔یہ پلازہ برہان نے ایبک کی ڈائری میں سے دیکھ کر بنایا تھا۔ایبک کی ڈائری ایسے کئی پلازوں کے ڈیزائن سے بھری ہوئی تھی جو کہ اب تک معرضِ وجود نہیں آئے تھے۔پلازے، گھر، پارکس اور سکولز ایک پورا جہان تھا جو اس کی ڈائری میں قید

تھا جو کسی کی خواہش تھا اور اس کسی نے اپنی خواہش کو ایک کی ڈائری میں قید کر دیا تھا۔ وہ خواب جو کبھی ایک پورے نہیں کر سکا تھا برہان کر رہا تھا اور اس کی اجازت سے کر رہا تھا۔ اب بھی وہ اس کی ڈائری میں موجود ہاؤسنگ سکیم کو چائنہ کی کمپنی کے ساتھ ڈسکس کر رہا تھا جب ایک سیاہ فام لیپ ٹاپ کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا اور اسے اشارہ کرنے لگا۔ اس نے ایک نگاہ سیاہ فام پر ڈالی اور پھر مسکرا کر کانفرنس کو دیکھنے لگا۔

"مسٹر یانگ، میں آپ کے ساتھ یہ ڈیل فائنل کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ اگلے ہفتے میں آپ سے ملوں گا۔ امید کرتا ہوں یہ پراجیکٹ کامیاب ہوگا۔"

برہان کا تعلق کینیڈا کے شہر ٹورنٹو سے تھا۔ وہ وہیں پلا بڑھا تھا اور وہیں سے اس نے اپنی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا باپ ایک مشہور سیاح تھا جس کو دنیا دیکھنے اور اسے ایکسپلور کرنے کا ازحد شوق تھا۔ وہ سال میں کم وبیش دو تین بار ہی اپنے باپ سے ملا کرتا تھا۔ اس کی موم بھی اس کے ڈیڈ کے ساتھ ہی دنیا کو کھوجنے میں لگی رہتی تھیں۔ ایک بہن تھی جو بچپن میں ہی تھیلیسیمیا کے سبب زندگی کھو گئی تھی۔ وہ خود بورڈنگ میں پڑھا تھا۔ بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک اس نے اپنی زندگی تنہا پرندے کی طرح ہی گزاری تھی۔ اپنے باپ کی نصیحت کے باوجود وہ ان کے نقش قدم پر نہیں چل سکا تھا۔ ہاں سال میں ایک بار ونٹر ویکیشنز پر وہ کبھی نیویارک تو کبھی مانچسٹر دوستوں کے ساتھ نکل جاتا تھا۔ یہ بھی سردیوں کے اوائل دن تھے جب وہ نیاگرا فال کے سامنے کھڑا ہاٹ کافی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پاس میں ہی کچھ لڑکے کھڑے گٹاروں کی تاروں کو چھو رہے تھے۔ تیز گرتے جھرنے کی آوازوں میں گٹار کی آواز کہیں کھو سی رہی تھی۔ وہ سر پر وول کیپ چڑھائے کافی کے گھونٹ حلق میں انڈیل رہا تھا جب اس کی منگیتر اسے کھوجتے ہوئے وہاں آئی اور اس کی کہنی تھام کر بہت لگاوٹ کے ساتھ بولی۔

”ہنی! ہم لوگوں نے اس بار پاکستان جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یو نو وہاں کے پہاڑ بہت حسین ہیں۔تم چلو گے نا ہمارے ساتھ؟“ وہ ایک روسی لڑکی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں، دراز قد، سفید رنگت اور پتلے ہونٹ۔

”تمہیں پتا ہے مجھے دنیا کو ایکسپلور کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے، میں شاید روما جاؤں گا۔“ اس کے لگاوٹ سے کہنے پر وہ ملائمت سے اسے انکار کر گیا تھا۔لڑکی کا منہ بنا کہنی پر سے ہاتھ ہٹا کر وہ اس سے تھوڑی دور ہوئی تھی۔ برہان نے ڈسپوزایبل کپ کو وہاں چنی گئی چھوٹی سی دیوار پر رکھا اور اس کے سوچے ہوئے منہ کو دیکھنے لگا۔

”کم آن ڈینا، مجھے نہیں پسند پہاڑوں پر چڑھنا، سمندروں پر تیرنا یا پھر سڑکوں کو چھاننا مجھے بارز پسند ہیں۔پب جانا اچھا لگتا ہے۔ خاص کر مجھے گیم کھیلنا اور سکیچز بنانا بہت پسند ہے۔تم یہ بات جانتی ہو۔دو سال ہو گئے ہیں ہمیں ساتھ رہتے ہوئے۔“ وہ جھنجھلا کر اس سے کہہ رہا تھا۔ڈینا نے تیز ہوا کے سبب سرکتی اپنی چیک دار گول کیپ کو درست کیا اور مدھم آواز میں بولی۔

”تمہیں میں نے کہا تھا برہان، اگر میرے ساتھ تعلق رکھنا ہے تو تمہیں وہ سب کرنا پڑے گا جو میں پسند کرتی ہوں، مجھے نہیں پسند ہے ڈسکو لائیٹس، گیمز کا شور اور۔۔۔“ وہ ایک لمحے کیلئے چپ ہوئی، برہان اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ان آنکھوں میں جن میں نیا گرا فال گرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ڈینا نے جھرنے پر سے نظر ہٹا کر گہرا سانس بھرا پھر جتمی انداز میں اس کی جانب دیکھا، توقف کے بعد بولی۔

”اور تمہاری دقیانوسی سوچیں، تم جانتے ہو مجھے قدرت اٹریکٹ کرتی ہے۔اس انگوٹھی کو جب تم میری انگلی میں پہنا رہے تھے تب بھی میں نے یہی بات کہی تھی۔ کہی تھی نا؟“ وہ اس

سے باز پرس کر رہی تھی۔ برہان نے ناک کے ذریعے سانس خارج کیا۔ ڈھیر سارا دھواں اس کی ناک سے نکلا تھا۔

''یعنی تم چاہ رہی ہو میں یہ انگوٹھی تمہاری انگلی سے نکال دوں تو ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کرونگا کیونکہ مجھے لگنے لگا ہے ہم دونوں متضاد شخصیت کے مالک ہیں۔ ہم دونوں کی آپس میں نہیں بن سکتی۔ ایم سوری کہ میں نے تمہارے دو سال ضائع کیے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کر مڑ گیا تھا۔ اس شام اس نے ڈینا کے ہاتھ سے انگوٹھی نہیں نکالی تھی بلکہ اپنا دل نکال دیا تھا۔ وہ روما چلا گیا تھا۔

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد جب وہ واپس آیا تو دل دہلانے والی خبر اس کی منتظر تھی۔ ڈینا جن پہاڑوں کو سر کرنے گئی تھی وہاں اس کے مام ڈیڈ بھی تھے۔ لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے ڈینا کے ساتھ اس کے دوست بھی جاں بحق ہو گئے تھے اور اس کے مام ڈیڈ بھی نہیں رہے تھے۔ اس کی مام کے علاوہ کسی کی لاش نہیں ملی تھی۔ وہ اپنی مام کی لاش لینے ہی پاکستان گیا تھا۔ لاش کی حالت ایسی نہیں تھی کہ مزید چند گھنٹے اسے رکھا جاتا اس لیے کینیڈین حکومت اور برہان کی رضامندی سے اس کی ماں کو وہیں دفنا دیا گیا تھا۔ اس کی مام کی موت کے ایک ہفتے بعد جب وہ ان کی قبر سے ہونے کے واپس ہوٹل کیلئے نکل رہا تھا اچانک اس کی کار کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ وہ پاکستان کی سڑکوں کو نہیں جانتا تھا اس لیے گورنمنٹ نے اسے ایک ڈرائیور مہیا کر دیا تھا۔ اس ڈرائیور کی ڈیوٹی بھی بس آج تک کی ہی تھی کیونکہ کل اسے واپس کینیڈا کیلئے نکل جانا تھا۔ اسے لگا تھا آج وہ آخری بار اپنی ماما سے ملنے آیا ہے لیکن وہ یہ بھول گیا تھا ہمیشہ ویسا ہی نہیں ہوتا جیسا کہ انسان پلان کرتا ہے۔

''سر! آپ کہاں جا رہے ہیں، یہ جگہ قدرے سنسان ہے۔ آپ پلیز واپس کار میں بیٹھ

جائیں۔'' اس کا ڈرائیور اسے گاڑی سے باہر نکلتے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اگر اس کینیڈین کو کچھ ہو گیا تو کینیڈین ایمبیسی اس کا جینا حرام کر دے گی۔

''ڈونٹ وری، میں تھوڑا آگے تک ہی جا رہا ہوں تب تک تم ٹائر چینج کرو۔'' وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا سگریٹ نکال گیا تھا۔ وہ چین سموکر نہیں تھا۔ کبھی مہینوں میں ایک بار بس ایک سگریٹ پی لیتا تھا۔ اب بھی وہ لائٹر سے سگریٹ کو شعلہ دکھاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا جب اسے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ سگریٹ کو شعلہ دکھاتے دکھاتے اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔

''کون ہے وہاں؟'' فطری تجسس کے باعث اس نے پوچھ ڈالا، مڑ کر دیکھا۔ ڈرائیور اپنے کام میں مصروف نظر آیا۔ گھور اندھیرا تھا اور سامنے سر اٹھائے کروفر سے کھڑے سیاہ پہاڑ یا پھر وہ سیاہ نہیں تھے سبز تھے بس اندھیرے نے اس پر سیاہ چادر ڈال دی تھی۔ ماحول تھوڑا سا ہیبت ناک تھا۔ دور سے الوؤں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان آوازوں میں کسی کے کراہنے کی آواز بھی مل چکی تھی جو وقفے وقفے سے فضا میں لمحہ بھر کو گونجتی اور پھر تھم جاتی۔

''میں نے پوچھا ہے کون ہے وہاں؟'' سگریٹ والا ہاتھ نیچے کر کے اس نے اپنی گھڑی کا ایک بٹن پش کیا۔ تیز باریک سی ٹارچ لائٹ نما لائٹ آن ہو چکی تھی۔ وہ کلائی کو سامنے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ پکی سڑک سے تھوڑے سے نشیب میں وہاں جہاں ایک پہاڑ کا دامن تھا اور لائن میں ڈھیر سارے پیلے رنگ کے ''یوزمی'' لٹک رہے تھے۔ وہاں سے آواز اب مسلسل آنے لگی تھی۔ کراہنے کی آواز، درد سے چور کراہ تھی جیسے کسی کو مار کر وہاں ڈالا گیا ہو، برہان کا ایک لمحہ کو پاؤں سرکا تھا لیکن اس نے خود پر قابو پا لیا۔ سڑک چھوڑ وہ چکنی مٹی سے بنی ڈھلوان پر پاؤں رکھ رہا تھا جب اس کا پاؤں سرک گیا تھا۔ لائٹ کو سامنے رکھتے ہوئے وہ سنبھل کر نیچے اتر آیا۔ زخمی سانسوں کی آوازیں اب نزدیک سے آنے لگی تھیں لیکن وہاں

زمین پر کوئی نہیں تھا۔اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی کہیں بھی کوئی بھی نہیں تھا۔وہ محتاط سا یوزمی کے تینوں کی طرف بڑھا۔ایک میں جھانکا وہاں کچھ نہیں تھا، پھر دوسرے میں پھر تیسرے میں۔چوتھے کے قریب آ کر اس کے قدم رک گئے تھے۔آواز وہیں سے آ رہی تھی۔اس نے ہاتھ اوپر کیا کلائی میں بندھی گھڑی کی لائٹ اس کوڑے دان کے اندر ڈالی پھر احتیاط سے گردن جھکا کر اس میں جھانکا تو دھک سے رہ گیا۔وہاں ایک بہت بڑے سیاہ پلاسٹک کے شاپر میں سے کسی کی درد بھری آہیں گونج رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اوپر کی طرف بھاگا اور ڈرائیور کو اپنے ساتھ لے آیا۔

''اس میں کوئی ہے، میری مدد کرو اسے باہر نکلوانے میں۔'' وہ عجلت میں کہہ رہا تھا جبکہ ڈرائیور اس بات سے اور خوف زدہ ہو گیا۔ پہلے ہی برہان اسے کھینچ کر نیچے لایا تھا پھر اس پراسرار جگہ پر بڑے سارے سیاہ شاپر میں بندھی چیز کو دیکھ کر وہ مزید خوف میں مبتلا ہو گیا۔

''سر! ہمیں اس پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہیے۔ یہ پہاڑ کا دامن ہے۔طرح طرح کے درختوں سے گھرا ہے۔یہ جگہ آسیب زدہ ہو سکتی ہے ہمیں یہاں سے فوراً چلے جانا چاہیے۔ہاں یہی بہترین حکمت عملی ہو سکتی ہے۔'' برہان اس کی بات سن کر اچنبھے میں مبتلا ہوا، فوراً ڈپٹتے ہوئے بولا۔

''مجھے کچھ فضول نہیں سننا جو کہا ہے وہ کرو۔''

وہ مغربی پیداوار تھا ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔مگر جو ڈرائیور تھا وہ خالص پاکستانی تھا جو آنکھ بند کر کے ان سب پر یقین رکھتا تھا۔اس نے سر اٹھائے خوفناک پہاڑ کو دیکھا اور اس سے لٹکتے درخت کو جس کی ٹہنیاں بازوؤں کی طرح یوزمی سے کافی اوپر جھول رہی تھیں۔ ڈرائیور کو پکا یقین تھا کہ اس سیاہ شاپر میں جو بھی ہے وہ اس درخت سے گرا ہے مگر اس سوچ کو

اس نے لفظوں میں نہیں ڈھالا، مرنا تھا کیا۔ وہ دونوں اسے نکال کر سڑک پر لائے۔ خون ان کے ہاتھوں پر لگ چکا تھا۔ بدبو کے بھبھوکے ایسے تھے کہ سانس لینا محال ہو گیا۔ برہان نے ڈرائیور کی مدد سے شاپر کا منہ کھولا، تیز بدبو ان کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ ناک بند کر کے ہاتھ جھلا کر اس انسان کو دیکھ رہے تھے جسے دیکھ کر انہیں متلی ہونے لگی تھی۔ مسخ شدہ خون سے لت پت منہ اور ٹوٹا ہوا بدن۔ ڈرائیور نے جمے ہوئے خون سے بھرا شاپر اس پر سے کھینچ کر نشیب میں گرایا جہاں گھات لگائے بیٹھا کوئی جانور فٹ سے اسے کھینچ کر پہاڑ کے دامن میں غائب ہو گیا۔

''مائی گاڈ'' ہانپتے ہوئے برہان اس زخمی وجود کو دیکھ رہا تھا جس کی سانسیں بس کچھ پلوں کی مہمان لگتی تھیں۔

''سر! یہ مرڈر کیس لگتا ہے۔ ہمیں اسے یہیں چھوڑ دینا چاہیے کہیں اونچ نیچ ہو گئی تو پھنس جائیں گے۔'' ڈرائیور کی خود غرضی پر اس نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی اور دبی آواز میں دھاڑا۔

''مجھے پتا ہے مجھے کیا کرنا ہے۔ تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو سمجھتا تھا خود غرضی مغربیوں میں ہوتی ہے مگر افسوس میں غلط نکلا۔'' ڈرائیور اس لڑکے کی ڈانٹ پر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا پھر وہ اس زندہ لاش کو گاڑی کی بیک سیٹ پر ڈال رہا تھا۔

پراسرار سا پہاڑ سب کارروائی ہوتے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس لڑکے کی جان بچنا مشکل تھی۔ ڈاکٹرز کہتے تھے اس کے سپائنل کارڈ پر گہری ضرب لگی ہے جس کے سبب وہ زیادہ دن تک سروائیو نہیں کر پائے گا۔ پولیس آئی تھی۔ اس نے سب کچھ من و عن پولیس کے گوش گزار دیا۔ وہ ایک بے خوف لڑکا تھا۔ اسے کینیڈین ایمبیسی کی

سپورٹ میسر تھی۔ وہ جانتا تھا یہاں پر وہ غلط نہیں ہے تو اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوگا۔ اس نے اپنی فلائٹ کینسل کروادی تھی، ایمبسی سے بھی رابطہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی مدد کرنے پر ہامی بھر دی۔ تقریباً چار ہفتے لگے تھے اس لڑکے کو موت کے منہ میں سے نکلنے میں لیکن زندگی ابھی بھی اس پر مہربان نہیں ہوئی تھی۔ وہ یہاں صحت یاب نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی، دس زیادہ سے زیادہ ایک ماہ بس وہ اتنے ہی عرصے زندہ رہ سکتا تھا۔ سر کی چوٹ گہری تھی اس سے بھی زیادہ گہری ریڑھ کی ہڈی کی چوٹ تھی جو جلد یا بدیر بالآخر اسے موت کے منہ میں دھکیل ہی دے گی۔ ڈاکٹرز اپنی سی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ اس کا علاج یہاں بہترین ہو رہا تھا لیکن برہان کی تشفی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کیوں ایک انجان لڑکے کیلئے وہ خود کو اتنا تھکا رہا ہے۔ بس اس کے دل میں ایک ہی بات تھی اور وہ یہ کہ وہ اسے بچا لے گا مرنے نہیں دے گا۔ وہ اپنی پوری کوشش کرے گا بالکل اس طرح جس طرح پاکستانیوں نے اس کی مام کو بچانے کی تھی۔ وہ قرض لوٹانا چاہ رہا تھا۔ وہ دل کو ڈھارس دینا چاہ رہا تھا۔ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے رہا تھا کہ بیشک ڈینا اور اس کے ڈیڈ کو بچانے کیلئے کوئی ہاتھ انہیں نہ ملا ہو مگر وہ اس لڑکے کو بچا لے گا۔ ڈیڈ اور ڈینا کی منتظر آنکھوں کی تھکن کو وہ اس لڑکے کی آنکھوں میں نہیں دیکھے گا جو اس سے چھوٹا تھا اور بھری جوانی میں مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اس کے لاشعور کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ وہ اسے مرنے نہیں دے گا۔

''مسٹر برہان، مشکل ہے کہ یہ اب کبھی چل پائیں یا پھر نارمل ہو پائیں، اللہ نے زندگی ان میں پھونک دی ہے مگر اب ان کا شمار نارمل انسانوں میں نہیں ہوتا۔ کچھ عرصے بعد ہمیں انہیں مینٹل ہاسپٹل ہی شفٹ کرنا پڑے گا کہ آخری آپشن یہی ہے۔''

ڈاکٹر کی سفاک بات پر اس کا دل مٹھی میں آیا تھا۔ آئی سی یو کے دروازے پر نظریں

گاڑے وہ اس نیم بیہوش وجود کو دیکھ رہا تھا جس پر جوانی بھرپور چڑھی تھی۔ جس کے چہرے کے نقوش، قد کاٹھ اور رنگت بتا رہی تھی کہ ابھی اسے مزید جینا ہے، بالکل ایک عام انسان کی طرح۔ اس نے پاگلوں کی طرح ہو ہو ہاہا کرتے لوگوں کے درمیان زندگی نہیں گزارنی ہے۔ لوہے کی زنجیریں اور سلاخیں اس کیلئے نہیں ہیں، بالکل بھی نہیں ہیں۔ وہ ایک جھٹکے سے وہاں سے ہٹا تھا۔ آنکھوں میں عزم لیے وہ تیز تیز وہاں سے جا رہا تھا۔ دواؤں کی مہک میں ڈوبا ہاسپٹل پیچھے چھوٹ رہا تھا۔ اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

پھر اس نے وہی کیا جو اسے کرنا تھا۔ وہ لڑکا پاکستان کی ملکیت تھا اس چیز کی اس نے پرواہ نہیں کی تھی۔ بحث مباحثے، عدالت کی پیشیوں، پولیس کے سوالات، ڈاکٹرز کی ہٹ دھرمیوں اور بلا بلا کے بعد وہ اس لڑکے کو وہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اپنے ساتھ کینیڈا لے جاتے ہوئے اس کے دماغ میں بس ایک ہی چیز تھی اور وہ تھی اس کی صحت یابی جس کیلئے اس نے کینیڈا سے لے کر نیویارک تک کا سفر کیا تھا۔ کئی ڈاکٹرز نے وہی کہا جو پاکستان کے ڈاکٹرز نے کہا تھا لیکن اس نے ہار نہیں مانی، بالکل تندرست نظریں جھکائے، ٹیڑھے لب سیئے متورم آنکھوں والے اس لڑکے کو وہیل چیئر پر بٹھا کر وہ بڑے سے بڑے ہاسپٹل گیا تھا۔ وہاں سے علاج کروایا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس کی دماغی حالت درست نہ ہوئی اس کے ہاتھوں پیروں نے کام نہیں کیا۔ آخر تھک ہار کر ایک موہوم امید لے کر وہ بیجنگ کے پے کنگ یونین ہاسپٹل میں اس کی وہیل چیئر گھسیٹ کر اندر کو جا رہا تھا۔ بڑے بڑے سفید ماربل کے بلاکس سے سجا وہ ہسپتال شانت اور سرد تھا۔ فینائل کی خوشبو وہاں ہر سو پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ خاموشی بھی جس میں خلل وہیل چیئر کے پہیے ڈال رہے تھے۔ چہل قدمی تو پیچھے رہ گئی تھی۔ لوگ تو پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ زندگی سے بھرپور مگر زندہ لاش

کو گھسیٹ کر لے جاتے ہوئے برہان نے سفید ماربل کی دیواروں پر آویزاں سرخ تکونی کپڑے کے ٹکڑوں پر بھی غور نہیں کیا تھا جن پر چائنہ کی ثقافت درج تھی۔ اس ہاسپٹل کے مشہور ڈاکٹرز کے نام، ان کے کارنامے اور تصاویر بھی، ان سب پر تو کیا وہ تو اپنے پاس سے گزرتے روبوٹس پر بھی توجہ نہیں دے رہا تھا جو ہوا کو آلودگی سے بچانے کیلئے جراثیم کش سپرے خود میں سے چھوڑ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ روبوٹس سلنڈر نما تھے۔ نیچے سے گول تھے۔ گول اس طرح کہ ان کا درمیانی حصہ شیشے کا تھا جس میں سے نیلی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں جبکہ باقی کا اوپر کا حصہ سفید چمکتا ہوا سلنڈر نما ہی تھا۔ جیسے گھر کے بڑے بڑے پلرز ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی زیادہ ہوتی ہے ان روبوٹس کی نہیں تھی۔ ان کی قریباً چار فٹ جتنی تھی۔ منہ کی جگہ چوکور سکرین تھی جو روشن تو تھی لیکن اس پر کچھ درج نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کچھ لکھا ہو لیکن برہان نے غور نہیں کیا تھا۔ وہ بس ان کے سر پر لگی باریک جالیوں میں سے اٹھتے سپرے کو دیکھ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ نیلی لائٹ اس روبوٹ کی جالیوں والی جگہ سے بھی پھوٹ رہی تھی۔

ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ وہ لے چکا تھا اس لیے اپنی باری آنے پر اس نے کمرے کا مرڈور کھولا اور اس میں وہیل چیئر کو گھسیٹے ہوئے اندر لے گیا۔ اندر پچاس کے لگ بھگ کا ایک سیاہ فام ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال قلموں سے گرے مائل سفید تھے اور رنگت بہت سیاہ نہیں تھی۔ ہونٹ بھی زیادہ موٹے نہیں تھے۔ وہ ایک باریش سا انسان دکھتا تھا جس کے چہرے پر دبیز شائستگی کی چادر ڈلی ہوئی تھی۔ وہ فون کو کان پر کاندھے کے ذریعے ٹکائے بہت سنجیدگی سے کسی سے بات کر رہا تھا۔ ساتھ میں نوٹ پیڈ پر قلم بھی چلائے جا رہا تھا جب اس نے دروازہ کھلنے پر نگاہ اٹھا کر دیکھا اور چونک گیا، چونکہ وہ برہان کو دیکھ کر نہیں تھا بلکہ وہیل چیئر پر

بیٹھے لڑکے نے ان کی توجہ فل ٹائم اپنی جانب مبذول کروالی تھی جس کا سر ایک جانب ڈھلکا ہوا تھا۔ آنکھیں پتھر کی طرح ایک ہی سمت میں مرکوز تھیں اور نیم وا ہونٹوں سے رال نکل کر اس کے دائیں شانے پر گر رہی تھی۔ انہوں نے فون بند کیا اور اس زندہ لاش کو تکنے لگے جو زندہ تو تھا پر زندہ نہیں تھا۔

''آپ کی بھیجی گئیں رپورٹس اور تصاویر سے اندازہ لگا سکتا تھا میں ان کی کنڈیشن کا اب دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ تصاویر واقعی جھوٹ بولتی ہیں کیونکہ ان میں یہ اتنے پیچیدہ نہیں لگ رہے تھے جتنا یہاں لگ رہے ہیں۔'' کہنے کے دوران انہوں نے بیل بجائی تھی۔ چوکور لکڑی کے چھوٹے تختے پر چار کرسٹل کے بٹن پیوست تھے جن میں سے ایک کو انہوں نے دبا دیا تھا۔ ہر بٹن کی الگ بیل تھی۔ ہر بیل کا الگ مطلب تھا۔ اب جو بیل بجائی گئی تھی وہ کہہ رہی تھی دو گھنٹے تک اندر کوئی نہیں آئے گا جسے زیادہ جلدی ہے وہ بخوشی جا سکتا ہے۔

''ڈاکٹر صاحب دو گھنٹے تک بزی رہیں گے۔ آپ لوگ چاہیں تو جا سکتے ہیں۔'' ریسپشنسٹ کی آواز بیل سنتے ہی گونجی تھی۔ انتظار کرنے والے بیٹھے رہے تھے عجلت پسند چلے گئے۔

''کیا آپ اسے ٹھیک کر سکتے ہیں؟ دنیا کا کوئی کونا نہیں ہے جہاں میں اسے لے کر نہ گیا ہوں، ڈاکٹرز اور ان کے جملے بہت دل برداشتہ ہوتے ہیں۔'' برہان اس کے کالر پر پن کے ذریعے لگے رومال سے اس کے رال پونچھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ وہ اس لڑکے کی بات پر ہولے سے مسکرائے۔

''میں اسے ٹھیک نہیں کر سکتا۔'' برہان کا چہرہ ان کے جملے پر لٹک گیا۔ ''وہ ذات اسے ٹھیک کر سکتی ہے اس کے علاوہ کسی کی مجال ہی نہیں کہ وہ ایسا کر لے۔ میں تو بس کوشش کر سکتا ہوں اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں یہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ان کی دوسری بات پر اس کا چہرہ سورج

کی طرح روشن ہو گیا۔ روشن چہرے کی کرنیں ڈاکٹر کو یہاں تک محسوس ہو رہی تھیں۔

''یعنی یہ ٹھیک ہو جائے گا؟'' اس نے ایک بار پھر سے جوش میں دریافت کیا تھا۔ یہ پہلی جگہ تھی جہاں اسے امید دلائی گئی تھی جہاں کہا گیا تھا کہ وہ یہاں سے مایوس نہیں جائے گا۔

''دیکھو بیٹا، ہم انسانوں کا المیہ بہت غلط ہو چکا ہے۔ ہم ہر جگہ سوال کرتے ہیں لیکن اس سے نہیں کرتے جس کے اختیار میں سب کچھ ہوتا ہے۔ جس کا کن فیکون میں بدلنے میں سیکنڈ نہیں لگتا، تمہاری میل بتا رہی ہے کہ تم اس لڑکے پر کتنا سرمایہ خرچ کر چکے ہو لیکن ایک بات تو بتاؤ کیا تم نے اس کیلئے دعا کی تھی؟ اللہ سے کہا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائے؟'' وہ سانس روکے انہیں سن رہا تھا۔ وہ سیاہ فام انسان جس کا نام جوسف تھا، اس کے الفاظ اس کے بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مسلم ہے۔ اللہ پر اس کا اعتقاد بہت زیادہ ہے اور وہ صرف ڈاکٹر ہی نہیں ایک اچھے اخلاق کا انسان بھی ہے۔

''میں نے نہیں کی تھی، آپ کی باتوں نے حیران کیا ہے مجھے۔'' انہوں نے گلاس پر سے ڈھکن اٹھا کر پانی کے دو گھونٹ بھرے، بھرنے سے پہلے انہوں نے بسم اللہ ضرور پڑھی تھی۔ ان کے لب ہولے سے جنبش کر رہے تھے پھر توقف کے بعد بولے۔

''میں اس کا علاج کروں گا اور تم دعا کرو گے۔ یہ بتاؤ تم اس کے لگتے کیا ہو؟''

اس سوال پر برہان نے ایک لمحلے کو رال ٹپکاتے لڑکے کو دیکھا جس کی عمر لگ بھگ انیس برس تھی پھر اس نے نفی میں سر ہلا کر تمام روداد ان کے گوش گزار دی۔ وہ سب سننے کے بعد کچھ لمحے تو بولنے کے قابل نہ رہے جب بولے تو آواز میں پنہاں عقیدت کو چھپا نہیں پائے تھے۔

''تم اپنی دولت اس پر لٹا رہے ہو جسے تم جانتے تک نہیں۔ کیا تمہارا ہاتھ اپنے پیسے دیتے ہوئے نہیں کانپتا؟''

برہان نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا تھا۔ اس کے الفاظ جوسف کے دل کو مزید بھر گئے۔
''میں پھر کما لوں گا۔ مجھے اپنے زورِ بازو پر یقین ہے۔ بس چاہتا ہوں کسی طرح یہ ٹھیک ہو جائے۔ جتنے پیسے آپ لگا سکتے ہیں لگائیں ڈاکٹر، بس یہ صحت یاب ہونا چاہیے۔''
وہ مبہم انداز میں سر کو جنبش دے رہے تھے۔ برہان ایک بار پھر سے اس کی ٹپکتی رال کو صاف کر رہا تھا جو زندہ تو تھا پر زندہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

وقت گزرا، ویسے جیسے خزاں میں عمر رسیدہ پتے ٹوٹ کر گرتے ہیں۔ جیسے چٹکیوں میں قوس قزح مٹتی ہے۔ جیسے جھرنوں سے پانی گرتا ہے۔ جیسے شاخ پر بیٹھی کوئل پَر مار کر اڑتی ہے۔ وقت گزرا جیسے دنیا بدلتی ہے۔ دو سال چھ ماہ ایسے گزرے جیسے دو منٹ چھ سیکنڈ گزرتے ہیں۔
وہ عجلت میں ہاسپٹل کے کاریڈور میں چل رہا تھا۔ اس کے بوٹوں کی دھمک میں جوش بھی تھا اور اشتعال بھی، خوشی بھی تھی اور ناراضی بھی۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا ڈاکٹر کے کمرے کے پاس آ کر رکا اور بنا دستک دیے دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔
''آپ کو پتا ہے اس نے آج پلکیں جھپکائیں، اس نے مجھے دیکھا، چھت کو دیکھا پھر چاروں جانب دیکھ کر وہ لب ہلا رہا تھا۔ اس کے حلق سے آواز نکل رہی تھی۔ وہ پانی کا طلب گار تھا۔'' جوسف نے نم آنکھوں والے لڑکے کے جوش پر مسکراہٹ اچھالی اور پھر کاغذ پر قلم گھسیٹتے ہوئے پیشنٹ کی جانب بڑھائی جو پہلے سے ہی ڈاکٹر کی، کی گئی ہدایات کو ازبر کر رہا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ سے نسخہ پکڑتے ہوئے وہاں سے جا رہا تھا۔
''اس نے کہا اسے پانی چاہیے پھر وہ رونے لگا تھا۔ جانتے ہیں اس کی چیخیں میرے پورے گھر میں گونج رہی تھیں لیکن میں خوش تھا بہت زیادہ خوش، وہ رو رہا تھا اور میں ہنس رہا

تھا۔ جانتے ہیں اس کی آواز بہت دلکش ہے اور بھاری بھی ہے۔ جوانی اس پر بھرپور چڑھی ہے، ہے نا؟" جوسف نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا لیکن وہ یونہی کھڑا رہا تھا۔ اپنے احساسات بیان کرنے کے بعد اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ خوشی سے کانپتے ہاتھوں کو میز کی سطح پر رکھتے ہوئے وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر برہمی سے بولا۔

"آپ نے پچھلے دو سال چھ ماہ سے فیس نہیں لی ہے۔ ہر بار کہتے ہیں اگلی بار دینا۔ ابھی بھی اکاؤنٹنٹ نے مجھ سے پیسے لینے سے انکار کر دیا ہے۔ ایسا کیوں؟"

جوسف نے گہرا سانس بھرا، کمرے کے پردے گرے ہوئے تھے اور باہر زور و شور سے سنوفال ہو رہی تھی جس کی آواز صرف باہر تک ہی محدود تھی، اندر کھڑکیوں اور دبیز پردوں نے آنے سے روک دی تھی۔

"شاید تم بھول گئے ہو میں نے کہا تھا جب تک ایک اچھے سے ٹھیک نہیں ہو جاتا میں پیسے نہیں لوں گا۔ مجھے خوشی ہوئی ہے سن کر کہ اس کے حواس کام کرنے لگ گئے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں ہے برہان جب یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گا۔"

برہان نے زیر لب ان شاء اللہ کہا تھا۔

"کسی حادثے یا اس کے دماغ پر لگی چوٹوں کی وجہ سے سی ایس ایف (سیر یبروسپائنل فلوئڈ) کا اخراج ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے اور ری ایکٹ کرنے سے قاصر تھا۔ اب اس کے دماغ نے اس سیرم کو بنانا پھر سے شروع کر دیا ہے۔ یقین کرو اب وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کی حالت نوے پرسنٹ ٹھیک ہو چکی ہے۔"

(سی ایس ایف ایک شفاف سیال ہوتا ہے جو حرام مغز یا دماغ کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اس سیرم کا خاص مقصد دماغ اور حرام مغز کو ہر طرح کی چوٹ سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ ہمارا

دماغ اس لیکوئڈ کے اندر تیرتا ہے اگر کبھی یہ مائع کسی وجہ سے خارج ہو جائے یا پھر بننا بند ہو جائے تو دماغ اور حرام مغز ہڈی سے ٹکرا کر زخمی ہو سکتے ہیں۔ان کے زخمی ہونے کی وجہ سے بہت سی مہلک بیماریاں جنم لیتی ہیں۔یوں تو یہ ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہوتا ہے لیکن اگر دماغ پر چوٹ لگ جائے تو مختلف جراثیم اپنی جگہ بنا کر مختلف بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔
حساس حصہ ہے خطرناک بیماریوں کو جلد پک کرتا ہے۔)

"میں بہت پرامید ہوں ڈاکٹر۔" وہ جذبات سے کہہ رہا تھا۔ڈاکٹر جوسف اسے دیکھ کر مسکرا دیے۔

ان سے بات کر کے وہ واپس اپارٹمنٹ لوٹا تھا۔اندر قدم رکھتے ہی اس کی سماعتوں سے ایبک کے دھاڑنے کی آوازیں ٹکرائی تھیں۔وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے اس کے کمرے میں گیا جہاں میل نرس پریشان سا اسے سنبھالنے کی سعی میں تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ عجلت میں آگے بڑھا۔جلد بازی میں وہ کوٹ اتارنا بھی بھول گیا تھا جس پر روئی کے گالوں جیسی برف جا بجا بکھری ہوئی تھی۔اس نے اپنا یخ بستہ ہاتھ ایبک کے ماتھے پر رکھا جو تیزی سے اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں جکڑ چکا تھا۔اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ وحشت بھی تھی۔برہان کے ہاتھ کو وہ ایسے دل سے لگا گیا تھا کہ اگر اس نے وہ ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ بھی اس سے دور چلا جائے گا۔

"جانا۔۔۔جانا نہیں۔" وہ ٹوٹی پھوٹی آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔برہان کا دل ایک دم بھرا۔خوشی،شکر،سکون اور محبت کیا کچھ نہیں تھا جو وہ اس وقت محسوس نہیں کر رہا تھا۔اسے یقین نہیں تھا کہ آج کے دن وہ دو خوشیاں دیکھے گا۔ایبک کے بولنے اور آنکھوں کی جنبش کی اور اب ہاتھوں کے استعمال کی۔وہ بول رہا تھا۔آس و امید کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے،وہ اس کا

ہاتھ تھامے ہوئے تھا محبت وانیست میں ڈوبے ہوئے۔

''میں یہیں ہوں جوسف ڈاکٹر کے پاس گیا تھا، وہ آئیں گے آج تمہیں دیکھنے۔'' وہ اس کے ماتھے پر ہولے ہولے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایبک کے ہاتھوں کی سختی اس کے ہاتھوں میں موجود جان کی طرف اشارہ کررہی تھی۔ وہ ہراساں سا پورے کمرے میں نگاہ دوڑا رہا تھا جیسے اسے کوئی خوف ہو جیسے وہ کسی انہونی کے انتظار میں ہو۔

''تم ٹھیک ہوگئے ہونا، اب ہم پارٹی کریں گے، میں تمہیں باہر لے کر جاؤں گا۔ باہر بہت اچھا موسم ہے۔ تم چلوگے؟''

ایبک نے جھٹ سے گردن کو اثبات میں ہلایا، آج کے دن کی ملنے والے تیسری خوشی۔ وہ اسے شانوں سے اٹھا کر بیٹھا رہا تھا۔ وہیل چیئر پر اس کے پاؤں کو ایڈجسٹ کرتے ہوئے دل میں کہیں موہوم سی امید تھی کہ وہ پاؤں بھی ہلائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے پاؤں نے جنبش نہیں کی تھی۔ آج کا دن تین خوشیوں پر ہی محیط تھا۔ تین خوشیاں ختم ہوچکی تھیں مگر دن ابھی باقی تھا۔ ان خوشیوں کا رنگ خود پر چڑھائے، برہان کو خوشیوں کے جھولے پر بٹھائے ہوئے، دعاؤں کا رنگ لائے ہوئے۔

اپارٹمنٹ سے باہر آتے ہوئے تیز برفباری نے ان کا ویلکم کیا تھا۔ ایبک نے گردن خود سنبھالی ہوئی تھی۔ آج اس کی گردن ڈھلک نہیں رہی تھی۔ برہان نے اسے شیڈ کے نیچے روک دیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے آسمان سے گرتی سفید برف کو دیکھ رہا تھا۔ اس برف کے پیچھے سے اسے کسی کا وجود نظر آیا۔ دراز بال، مسکراتا چہرہ، نم آنکھیں، کھلکھلاتے لب۔

''آؤ۔'' وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے بلا رہی تھی۔ برف کے اس پار کچھ فاصلے پر کھڑی وہ مسلسل اسے خود کے قریب آنے کا کہہ رہی تھی۔ ایبک نے ہاتھوں کو جنبش دی۔ پہلے دو

انگلیاں ہلائیں پھر ہاتھ کو ہوا میں معلق کیا۔

''آؤ نا ایک۔'' وہ چند قدم آگے آئی تھی۔ روئی کے سفید گالوں سی برف اس لڑکی کے بالوں کو ڈھانپنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے موتیے کے سفید پھول بالوں میں جڑ دیے ہوں۔ اس لڑکی کے بالوں میں یوں بھی اسے اس طرح کی لگی چیزیں پسند تھی۔ بہت پسند، اس کی سرخ پوشاک پیروں کو چھوتی تھی۔ چنٹ والے بازوؤں سے جھلتے دودھیاں ہاتھ اسے سلوموشن میں اپنی جانب آنے کا کہہ رہے تھے۔

''تم نے تو کہا تھا میرے بلانے پر فوراً دوڑے چلے آؤ گے تو پھر اب آ کیوں نہیں رہے؟''

اس نے نروٹھے پن سے ہاتھ سینے پر باندھ لیے تھے۔ اس کا دوپٹہ شانوں پر اچھے سے پھیلا تھا اور چہرہ ناراضگی سے پھول گیا تھا۔ وہ ہمیشہ یونہی اس سے ناراض ہو جایا کرتی تھی۔

''آؤ، نہیں تو میں چلی جاؤں گی۔'' وہ خفا سی کہہ رہی تھی۔ ایک تڑپ گیا، وہ اس کی چھوڑ کر چلے جانے والی بات پر یونہی تڑپ جایا کرتا تھا۔ پچھلے ایک سال سے جب سے وہ ہوش کی دنیا میں پہنچا تھا، اسے ہی یاد کرتا آ رہا تھا، اسے ہی سوچے چلا جا رہا تھا۔ وہ روز اٹھتا تھا۔ برہان کی باتیں سنتا تھا۔ فزیوتھیراپسٹ کے سیشن لیتا تھا۔ کئی گھنٹے اس کے کانوں پر ہیڈ فونز لگے رہتے تھے جن میں دنیا جہان کی موٹیویشنل گفتگو جاری رہتی تھی تو کبھی قرآن پاک کی آیات گونجا کرتی تھی مگر وہ تب بھی پلک نہیں جھپکاتا تھا۔ ہاتھوں کو ڈھلکائے بے جان ہی رکھتا تھا۔ کوئی ری ایکٹ نہیں کرتا تھا لیکن آج اس نے کیا تھا۔ آج نے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا جسے وہ لڑکی تھام چکی تھی۔

''آ جاؤ، تم یہ کر سکتے ہو۔'' وہ اپنے پاؤں کو ہلا رہا تھا۔ اس نے محتاط انداز میں وہیل چیئر سے پاؤں کو سرکا کر زمین پر رکھا۔ ایسے جیسے اس کا تھیراپسٹ رکھا کرتا تھا۔ اس کے بوٹ چار

انچ جتنی برف کے اندر دھنستے چلے گئے۔
''اٹھونا۔'' وہ سیدھے پاؤں پر زور دیتا کھڑا ہوا۔ برہان جو آنے والی کال سننے کیلئے تھوڑی دیر اندر کی طرف گیا تھا۔ وہیل چیئر کے پہیوں کی آواز سے پلٹا جو ایبک کے اٹھنے کی وجہ سے ہل گئے تھے۔ اگلے ہی پل اس کے ہاتھ سے فون چھوٹ گیا۔
''یس یو کین ڈو اٹ۔'' وہ اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام رہی تھی۔ ایبک نے ایک قدم اٹھایا پھر دوسرا پھر تیسرا۔ کس نے کہا تھا خوشیوں کی لمٹ ہوتی ہے یہ تو لمٹ لیس ہوتی ہیں۔ اللہ چاہے تو دن میں ہزار خوشیاں دکھا دیے اور وہ دکھاتا ہے بھی ہے، کبھی ماں کے مسکرانے کی صورت میں، کبھی باپ کی دعا کی صورت میں، کبھی بہن بھائیوں کی چھیڑ خانی کی صورت میں تو کبھی ادائیگی نماز کی صورت میں۔ یہ خوشیاں ہی تو ہوتی ہیں جو ہمیں ہر پل ہر منٹ ملتی رہتی ہیں بس ان کے محسوس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو محسوس کرتے ہیں وہ آسودہ و مطمئن رہتے ہیں اور جو نہیں کرتے ان کے لبوں سے گلہ کبھی نہیں ختم ہوتا۔ برہان کا دن بھی تین خوشیوں پر محیط نہیں تھا۔ وہ ساری محنت جو وہ اڑھائی سالوں سے اس پر کرتا آرہا تھا آج وصول ہوئی تھی۔ آج اسے لگا وہ کامیاب ہوا ہے اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ مرد تھا، رونا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ لمحہ ایسا تھا کہ وہ خود پر کنٹرول نہیں رکھ پایا۔ اس کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ سرخی بڑھی اور دل نے سجدۂ شکر خود پر واجب کر لیا۔
''تم کر سکتے ہو ایبک۔'' چوتھا قدم، پانچواں اور پھر چھٹے پر وہ منہ کے بل گرا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی بھی گری تھی جس کی سرخ رنگ کی پوشاک تھی اور وہ سرخ رنگ میں ہی رنگ گئی تھی۔ اس کے منہ پر جابجا خون لگا تھا۔ اس کے سر پر موجود سیاہ حجاب کیپ خون سے لت پت تھی۔ بال کہیں چھپ گئے تھے جیسے کپڑوں کا رنگ چھپا تھا۔ وہ سرخ سے سیاہ ہو گیا تھا۔

جگہ بدلی تھی برف سے ڈھکی زمین نے سفید مار بل کو خود پر اوڑھ لیا۔ایک پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔لڑکی کی درد سے بوجھل پلکیں بھی خون کا بار سہار نہیں پا رہی تھیں۔وہ کراہ رہی تھی، تڑپ رہی تھی۔اس کے پورے بدن سے خون رس کر سفیدی میں گھل رہا تھا۔

”ب ب......بچاؤ۔“ وہ درد سے چُور لہجے میں اس سے مدد طلب کر رہی تھی۔ایک نے ہاتھ بڑھا کر روتے ہوئے اس تک پہنچنے کی سعی کی۔اس لڑکی کا خون اس کی انگلیوں سے تین سینٹی میٹر دور تھا۔اس کی انگلیوں کو خون کو ٹچ کرنے کی دیر تھی پھر اس نے بھی لہولہان ہو جانا تھا۔بس تھوڑی سی دور اور، بس تین سینٹی میٹر اور۔۔۔

برہان اس کے گرنے پر ایک جست لگا کر اس تک پہنچا تھا جو منہ کے بل گرا۔روتے ہوئے ہاتھ کو آگے بڑھا رہا تھا جیسے وہاں کوئی ہو جیسے وہ کسی کو تکلیف سے بچانا چاہتا ہو۔

”ایک یو او کے؟ ٹھیک ہو نا تم۔“ وہ اسے سیدھا کرتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ایک بار پھر سے اونچا اونچا رونے لگ گیا تھا۔اس کی دھاڑیں زمین سے گونج کر آسمان تک سفر کر رہی تھیں۔اس لڑکی کی روح کے ساتھ جو مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر اوپر جا رہی تھی۔ایک سلطان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تنہا چھوڑ کر۔

خون مٹ گیا تھا۔وہ اس کے رنگ میں نہیں رنگا۔

☆......☆......☆

”تمہیں پتا ہے چند جلیبیوں نے جب مجھے لوٹا تھا تو انہوں نے پستول کی نال بھی میرے سر پر ماری تھی۔خون اتنا بہا تھا کہ مجھے نہیں لگا تھا میں بچ پاؤں گا لیکن اللہ کو میری زندگی منظور تھی اس لیے میں بچ گیا۔“

وہ دونوں قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔آسمان ابر آلود تھا کسی بھی وقت برفباری

ہو سکتی تھی اس لیے دن میں بھی رات کا سا سماں تھا۔ بیجنگ کی تارکول کی سڑکوں پر ایک سائیڈ پر اکٹھی برف سخت پتھر کی طرح بن چکی تھی۔ یہ کمرشل ایریا تھا جہاں لوگ یہاں سے وہاں ہاتھ میں کافی کے مگ تھامے چلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایبک نے اسٹک کی ٹھوکر سے برف کے ایک ٹکڑے کو دور اچھالا، وہ ابھی مکمل طور پر بائیں پاؤں کا زور نہیں سنبھال سکتا تھا اس لیے اسے چلنے کیلئے اسٹک کی ضرورت پڑتی تھی۔ وہ ڈاکٹر جوسف جو اس کیلئے اور برہان کیلئے اب ڈاکٹر سے انکل بن گئے تھے کے ساتھ تھا جو اسی کی طرح ہڈ کی جیکٹ میں ہاتھ اڑسائے چل رہے تھے۔

''یہ چینی بہت ظالم ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں رحم بالکل نہیں ہوتا۔ پیسے کے پجاری ہوتے ہیں یہ، اس لیے کہہ رہا ہوں ان سے مت جھگڑا کرو۔ یہ انسان کو بھولتے نہیں ہیں۔ موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور پھر حملہ کر دیتے ہیں۔ آج ایک وائلٹ کی خاطر تم نے انہیں مارا ہے۔ اگر پولیس وقت پر نہ آتی اور ان کی گولی چل جاتی تو سوچو کیا ہوتا؟ برہان کو میں کیا جواب دیتا جو مجھے تمہیں سونپ کر گیا ہے۔ تمہیں پتا ہے نا، اس نے تم پر کتنی محنت کی ہے، کتنا پیسہ بہایا ہے۔ وہ نیک دل انسان ہے اس کے دل کو ٹھیس مت پہنچاؤ۔'' کسی ناصح کی طرح وہ اسے سمجھا رہے تھے۔ برہان نے ان تین سالوں میں اپنی پڑھائی مکمل کر لی تھی۔ وہ یونیورسٹی کی طرف سے ایک کمپنی کے ساتھ کانٹریکٹ سائن کرنے گیا ہوا تھا۔ روما میں اس کا قیام چار ہفتوں تک تھا جب تک ایبک نے جوسف کے ساتھ ہی رہنا تھا۔

''میں اس کے دل کی قدر کرتا ہوں لیکن اگر کوئی آپ کو یا اسے کوئی نقصان پہنچانے کی سعی کرے گا تو وہی کروں گا جو ابھی کیا تھا۔ مجھے درد تکلیف نہیں دیتا انکل۔'' آخری جملے پر اس کا لہجہ کھو سا گیا تھا۔ اس کا مسخ شدہ چہرہ کتنی مشکل سے اصل حالتوں میں آیا تھا۔ وہ جان جاتا تو

یوں آج بے دھڑک نہ لڑتا۔ سڑک کی ایک طرف بڑی ساری سکرین پر بیجنگ کے الفاظ چمکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ سرخ رنگ پیلی سکرین پر وقفے وقفے سے ابھر رہے تھے۔ وہ ان رنگوں پر نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھا۔

''تم اپنے درد کی داستان مجھے نہیں بتاؤ گے، میں ڈاکٹر ہونے کے ساتھ تمہارا خیر خواہ بھی ہوں۔ تم مجھے انکل کہتے ہو یہ احساس بہت خوش کن ہے میرے لیے، اس احساس کی خاطر ہی بتا دو۔'' ان کے لہجے میں آس تھی۔ اس آس نے تین سال کا سفر طے کیا تھا پھر بھی ابھی تک نامراد ہی ٹھہری تھی۔ ایبک کی اسٹک کے نیچے چکنی برف آئی تھی۔ اس سے پہلے اس کا توازن بگڑتا وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

''اسے بتاؤں گا انکل جس کی وجہ سے درد ملا تھا۔'' وہ بائیس سال کا لڑکا چہرے پر حزن طاری کیے مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ معنی خیز سی تھی، آنکھوں کی ویرانی پر اسرار اور ارادے خطرناک۔

''اسے یعنی ایلاف کو، کم آن حیران مت ہو تم کئی بار سیشن کے دوران بے خودی کے عالم میں اپنی ہتھیلی پر یہ نام لکھ گئے تھے۔ میں نے اس وقت کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ وقت صحیح نہیں لگ رہا تھا مجھے، لیکن اب ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ بات آج کے دن کیلئے ہی بچی ہوئی تھی۔''

اس کے چہرے کی حیرانی پتھراہٹ میں بدلی وہ سرد ہوا میں ناک کے ذریعے گہرے سانس لیتا ہوا کافی شاپ کے قریب رکا۔ سرخ اینٹوں اور دیواروں سے بنی وہ کافی شاپ برقی قمقموں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے داخلی دروازے کی دونوں جانب دائیں بائیں کافی فاصلے سے دو دو کے جوڑے میں کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے آگے چھوٹی گول میز تھی جبکہ اندر گہما گہمی کا سماں تھا۔ ایبک نے کرسی کھینچ کر ایک پر خود کو بٹھایا۔ ایسا کرنے پر اسے دقت ہوئی

تھی کیونکہ ابھی اس کا بائیاں پاؤں زیادہ فولڈ نہیں ہوتا تھا۔

”آپ کو یقین ہے میں نے ایسا کیا تھا؟“

جوسف بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ویٹر پھرتی سے ان کی طرف آیا تھا۔ کافی آرڈر کرنے کے بعد انہوں نے سیل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

”میں نے تصویر لے لی تھی، میں تمہارے پیچھے تھا تم نے محسوس نہیں کیا تھا یعنی تم بہت زیادہ استغراق میں ڈوبے ہوئے تھے۔“

اس کی چوڑی ہتھیلی پر سرخ جیل پن سے موٹا موٹا ایلاف لکھا ہوا تھا۔ تصویر بھی اس وقت لی گئی تھی جب وہ مزید اسی کو موٹا کر رہا تھا۔

”ای، ایل، اے، ایف ایلاف؟ کون ہے یہ، تمہاری زندگی سے اس کا کیا کنکشن ہے؟ اچھا منہ کے زاویے درست کرو، نہیں پوچھتا پرسنل سوال بس یہ بتادو کیا یہ تمہاری رشتہ دار تھی؟“

کافی آچکی تھی۔ ایبک نے اپنے کپ کی طرف نگاہ مرکوز کی، وہ کاٹن کینڈی (یا اسے رینی ڈے کافی بھی کہتے ہیں) کافی تھی۔ ایبک نے دیکھا ایک چھوٹی سی لکڑی کی پالشڈ ٹرے پر ایک گول سیاہ مگ رکھا ہے جو بالکل سادہ ہے اور سیاہ ہی کوسٹر بس کوسٹر سادہ نہیں تھا اس پر ہم رنگ بلاکس بنے ہوئے تھے۔ ایک سٹیل کے چھوٹے سے اسٹینڈ پر ایک چاپ اسٹک کے ذریعے کینڈی کلاوڈ اس کی کافی کے اوپر کھڑا کیا گیا تھا۔ سفید رنگ کا چینی کا بادل ایک جگہ سٹل کھڑا تھا لیکن اس میں سے چینی بارش کی طرح کافی میں گر رہی تھی۔ ایسا اس لیے ہو رہا تھا کیونکہ کافی میں سے نکلتے بخارات اسے پگھلانے کا کام کر رہے تھے۔ اس لکڑی کی چھوٹی سی پالشڈ ٹرے میں اسٹینڈ کے پاس ایک چھوٹا سا شیشے کا مگ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا اور کنول کا پھول اس میں تیر رہا تھا۔ یہ پہلی بار تھا جب وہ کنول کے پھول کو منرل واٹر میں تیرتا دیکھ رہا

تھا۔ گندگی میں کھلتے اس پھول کو بالآخر پاکی نصیب ہوگئی تھی۔ ہر ایک کے دن بدلتے ہیں بس صبر اور شکر کو نہیں بھولنا چاہیے۔ ان میں سے ایک چیز کی بھی فراموشی انسان کو بے کل کر دیتی ہے جیسے اس وقت ایک تھا۔ وہ اس وقت شکر گزار تھا اور نہ ہی صابر۔

ایک بادل کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا دو سیکنڈ میں کافی کی بھاپ نے اس بادل کو پگھلا کر خود میں گرا لینا ہے لیکن دو سیکنڈ کتنے طویل ہوتے ہیں نا اس انسان کیلئے جو گرما گرم کافی پینے کا عادی ہو۔

''دل کی رشتہ دار کہہ سکتے ہیں آپ، باقی وہ کون ہے میں نہیں جانتا۔''

شام ڈھل گئی تھی۔ بیجنگ کی سڑکیں اوس سے نم ہونا شروع ہوئیں چکنی، صاف سڑکیں، ہجوم سے بھری ہوئی سڑکیں۔

''برہان کو میں نے کہا تھا تم ایک پہیلی ہو لیکن اس قدر پیچیدہ ہو یہ معلوم نہ تھا۔ تمہیں پتا ہے پرانے وقتوں میں جب مرد دل کی بات چھپایا کرتے تھے تو بہت زور سے بارش ہوا کرتی تھی۔ ایک بار میں نے بھی چھپائی تھی اپنی بیوی سے ایک بات۔ جانتے ہو پورے سڈنی میں سیلاب آ گیا تھا۔''

وہ ان کی بات پر بیساختہ ہنسا۔ اس کا بادل پورا مٹ چکا تھا لیکن جوسف انکل کا نہیں مٹا تھا۔ ایک کو یاد آیا وہ ویٹر کو اپنی اور اس کی چینی کی کوانٹٹی کے بارے میں بتا رہے تھے اسی حساب سے اس بادل کو بنایا گیا تھا۔ اس نے نیم گرم کافی کو لبوں سے لگایا اور سوچا (یہ کافی میرے لیے نہیں ہے)

''آپ مجھے بہلا رہے ہیں لیکن چلیں پوچھ لیتا ہوں وہ کیا بات تھی جس کے چھپانے پر سیلاب آ گیا تھا۔''

جوسف رازدارانہ انداز میں آگے کو ہوئے، ایبک نے بھی خود کو تھوڑا سا میز پر جھکایا۔
”میں نے شادی کے بعد ڈیٹ پر جانے والی بات اس سے چھپائی تھی یار، میں کیسے روکتا خود کو۔ میری جونیئر کم بخت تھی ہی اتنی حسین کہ میں انکار نہیں کر پایا۔“
اور ان کی بات پر ایبک نے متحیر نگاہوں سے انہیں تکا۔
”آپ نے خیانت کی؟“ وہ حیران سا پوچھ رہا تھا۔ ان سے کچھ فاصلے پر ایک سیاہ بالوں والی لڑکی بیٹھی تھی جو مسلسل ایبک کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھی۔
”ارے نہیں، میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا بس ساتھ ڈنر کیا اور تھوڑا سا رقص۔ جانتے ہو اس کا رقص بھی کمال کا تھا۔ میں نے ویڈیو ابھی تک اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔ کہو تو دکھاؤں؟“
وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر پیچھے کو ہوا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ انہیں انکار کر رہا تھا۔
”نا بابا، مجھے تو معاف کریں آپ۔“
پر جوش سے جوسف اس کے انکار پر منہ بگاڑتے ہوئے پیچھے ہوئے۔ کافی کی چسکی بھرتے ہوئے وہ آسودگی سے اسے تک رہے تھے جس کے چہرے پر سے حزن اتر چکا تھا۔ وہ اور برہان یونہی تو کرتے تھے۔ اس کا دھیان ماضی سے ہٹانے کی خاطر قصے گھڑ دیا کرتے تھے اور وہ کچھ وقت کیلئے پرسکون ہو جایا کرتا تھا۔
”دیکھ لیتے کون سا میں تمہیں۔۔۔“ ان کی بات درمیان میں رہ گئی تھی۔ وجہ سیاہ بالوں والی لڑکی کا اٹھ کر اس کی طرف آنا اور اس کے گال پر ہاتھ پھیر کر چلے جانا تھا۔ ایبک کا اس حرکت پر چہرہ سرخ ہوا۔ وہ مڑ کر اسے برے الفاظ سے پکارتا مگر اس کی تربیت نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ خشمگیں انداز میں وہ ٹیبل سے ٹشو اٹھا کر گال رگڑ رہا تھا۔ اس کے لمس کو صاف کر رہا تھا۔

''اب آپ کو کیا ہوا ہے، ہنسی کیوں آ رہی ہے آپ کو؟'' اس نے خفا سے انداز میں ان سے دریافت کیا جن کا چہرہ قہقہہ روکنے کی وجہ سے مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ ایبک کی بات نے انہیں تھپکی دی اور وہ سر اونچا کر کے ہنس دیے۔ اس نے ان کے مسلسل ہنسنے پر والٹ سے پیسے نکال کر میز پر پٹخے، اسٹک کو سیدھا ہی کیا تھا جب انہوں نے اسے اور سر تا پا جلا دیا۔

''اور بنوا ینٹی گرل، یہ تو پھر ہونا ہی تھا۔''

ایبک کھڑا ہوا اور مڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے یقین کرنے میں حیرت ہو رہی ہے کہ آپ مجھے زندگی جینے اور دین کو فالو کرنے کے درس دیتے رہے ہیں، آپ کی باتیں اس وقت آپ سے میچ نہیں کر رہیں۔'' اسٹک پر زور ڈالتا ہوا وہ چلنا شروع ہوا۔ جوسف بھی اس کے پیچھے لپکے۔

''ہاں تو میں کون سا تمہیں حرام رشتے میں پڑنے کا کہہ رہا ہوں۔ نکاح کا کہہ رہا ہوں کر لو، مجھے لگتا ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

ان کی بات پر وہ رکا، بیجنگ کی سرد ہوائیں بھی رک گئیں۔ وہ مڑا، بیجنگ کی ہواؤں نے بھی رخ موڑ دیا۔

''آپ کو لگتا ہے ایک عورت مجھے ٹھیک کر سکتی ہے۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن میں ٹھیک ہوں رہا۔ عورت کا سوال تو سن لیں جو برباد کر دے وہ کبھی کسی دل کو آباد نہیں کر سکتی۔ ایک زخمی دل کو تو کبھی بھی نہیں۔''

ہواؤں کا طوفان ان دونوں کی سمت لپکا تھا۔ دونوں کی ہڈیز ہوا کے سبب پھڑ پھڑانے لگیں۔ اس ہوا میں اتنا سرد پن نہیں تھا جتنی ایبک کے لہجے میں تھی، اس کا لہجہ اتنا تلخ نہیں تھا جتنے اس کے چہرے کے تاثرات تھے۔ اس کے تاثرات اتنے جان لیوا نہیں تھے جتنی اس کی

بھیگی آنکھیں تھیں۔ پانی کی پرت نے جونہی اس کی آنکھوں میں جگہ بنائی وہ تیزی سے مڑا اور اسٹک کی آواز پیدا کرتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ ایک تنگ گلی کے پاس اس نے خود کو روکا تھا۔ جیکٹ کے اندر چھپائی سگریٹ کو سلگا کر وہ گرے رنگ کی اینٹوں سے بنی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جوسف کو پیچھے چھوڑ آیا تھا بالکل اس طرح جس طرح وہ کبھی خود کو چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اسٹک پر سختی سے جما تھا جبکہ دوسرے میں وہ سگریٹ تھامے ہوئے تھے۔ گھٹن بھرا دھواں ہر طرف پھیل رہا تھا۔ اس کے اندر باہر جیسے آگ لگ گئی ہو۔

''تم حسین ہو، ویسے تو لڑکوں کیلئے ہینڈسم لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن ابھی یہی لفظ تمہارے لیے اچھا لگ رہا ہے۔'' وہی سیاہ بالوں والی لڑکی جانے کہاں سے نمودار ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ انتہائی سردرات میں بھی اس کا لباس قدرے برہنہ تھا۔ وہ بھی سیاہ رنگ سے رنگے ناخنوں والے ہاتھوں میں سگریٹ تھامے کھڑی تھی۔ ایبک نے ایک ناگوار نگاہ اس پر ڈالی اور ویسے ہی کھڑا رہا جیسے وہ پہلے کھڑا تھا لاتعلق اور کٹا کٹا سا۔

''حسین کے ساتھ روڈ بھی ہو۔ جانتے ہو ابھی پب کے آنر کی ڈیٹ کو لات مار کر آئی ہوں۔ کوئی عام شے نہیں ہوں میں، ہر کسی پر فریفتہ نہیں ہوتی۔'' وہ اس کے نزدیک آ گئی تھی۔ اس کا چست سیاہ لباس جو فقط پنڈلیوں تک تھا چمچماتا ہوا سا تھا۔ سلیولیس تھا لیکن ان بازوؤں پر اس نے سیاہ فر والا کوٹ ڈالا ہوا تھا۔ ایبک نے ایک کے بعد دوسری نظر اس پر نہیں ڈالی تھی ضرورت ہی نہیں تھی تو وہ دیکھتا بھی کیوں۔

''مگر تم میں اٹریکشن ہے جو کسی کو بھی۔۔۔''

اس نے جھٹ لڑکی کی بات درمیان میں کاٹی۔

''میں فکسڈ ہوں، نہ بھی ہوتا تو تمہاری فضول گوئی مجھ پر اثر نہ کرتی۔'' بنا دیکھے سپاٹ

انداز میں وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ سرد لہجہ، سرد انداز، سرد موسم، سرد رویہ، سرد دل، سرد تقدیر۔
''کیونکہ میں ہوکرز میں دلچسپی نہیں رکھتا۔''
ہتک وتوہین سے اس لڑکی کا چہرہ یکلخت سرخ ہوا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے نیچے جھک کر برف اٹھائی اور اس کے سینے پر نشانہ لگا کر غراتے ہوئے بولی۔
''میں ہوکر نہیں ہوں یو بلڈی ڈیس ایبل۔'' اس نے اس پر چوٹ کی تھی تو وہ بھی اس کی ٹانگ پر چوٹ کرتی تلملاتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔ ایبک کو اس کی بات بری نہیں لگی تھی۔ اس طرح کی باتیں اگر اپنے کریں تو بری لگا کرتی ہیں۔ کوئی انجان کہہ دے تو بالکل فرق نہیں پڑتا۔ کیا میں ٹھیک ہوں؟ نہیں میں ٹھیک نہیں ہوں۔ ایبک کو اس لڑکی کی بات بری نہیں لگی تھی بس وہ لفظوں کو دل پر مار کر چلی گئی تھی۔ دکھتی رگ چھیڑ گئی تھی۔ اس نے اسٹک چھوڑی وہ اسٹک جو اس کا سہارا تھی جو اس کی تیسری ٹانگ تھی گیلی زمین پر گر چکی تھی۔
''یو بلڈی ڈس ایبل۔''
صحیح کہتے ہیں انسان کو اپنے لفظوں کے چناؤ میں بہت احتیاط برتنی چاہیے۔ سامنے والا چاہے کتنا ان چاہا یا انجان ہی کیوں نہ ہو، کبھی بھی اس کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دل آزاری کے بدلے دل آزاری ہوا کرتی ہے۔ لفظ پیچھا نہیں چھوڑتے، لہجے تعاقب میں رہتے ہیں اور درد موقع دیکھتا ہے کہ کب وار ہو اور وہ دل کو پھاڑ دے۔
''ایبک سلطان ڈس ایبل نہیں ہے۔'' اس نے خود سے کہا تھا۔ نظریں تا ہنوز اسٹک پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ہلایا۔
''ایبک سلطان کبھی بھی ڈس ایبل نہیں تھا۔''
اس نے پشت چھوڑی۔ جلتی ہوئی سگریٹ اس کی انگلیوں کو چھونے لگی لیکن اسے پرواہ

نہیں تھی۔ اس وقت اس کے دماغ پر غبار طاری تھا۔ غم کا غبار، یہ غبار جب طاری ہوتا ہے تو تمام حسیات اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ کوئی محسوسات باقی نہیں رہتیں سب کچھ بلینک ہو جاتا ہے بالکل بلینک۔

"اور نہ ہی ڈس ایبل رہے گا۔"

اس نے قدم اٹھایا، تکلیف کی لہر پورے بدن میں اٹھی لیکن اس نے اگنور کیا، توازن بگڑ رہا تھا لیکن وہ اسے قابو کرنے کی جہت میں تھا۔

"انسان کسی کا محتاج نہیں ہوا کرتا سوائے اللہ کے، تم اپنے دل سے یہ خوف نکال دو کہ اگر تم اسٹک چھوڑ کر چلو گے تو گر جاؤ گے، تم سے بہتر کون جانتا ہے کہ گر کر اٹھنے میں کیسا لطف و کامیابی ہے۔ تم گر جاؤ گے تو اللہ تمہیں اٹھا لے گا جیسے اس نے پہلے اٹھایا تھا۔ دل سے خوف نکال دو ایبک، یہ خوف زندگی کو مار دیتا ہے۔" اس نے آنکھیں بند کیں اور قدموں کو اٹھنے سے روکا نہیں۔

"میں چل سکتا ہوں، میں چلوں گا۔ ایبک سلطان کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے، ایبک کو اسٹک کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ خود سے کہتا ہوا لڑکھڑاتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔ گر رہا تھا، گر کر اٹھ رہا تھا مگر رکا نہیں تھا۔ تنگ و تاریک گلی کے پاس گیلی سڑک پر اس کی اسٹک بہت پیچھے چھوٹ گئی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کبھی اس نے خود کو پیچھے چھوڑا تھا۔

☆......☆......☆

"مجھے پاکستان جانا ہے۔" برہان پلازہ کی تعمیر کے بعد کچھ پرسکون سا تھا۔ یہ اس کا اب تک کا چوتھا کانٹریکٹ تھا جو وہ مکمل کر چکا تھا۔ اس کا بینک بیلنس جو ایبک کے علاج میں خالی ہو چکا تھا پھر سے بھرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نیک نیتی سے کیے گئے کام کو کبھی رائیگاں نہیں جانے

دیتا اور اس جیب کو کبھی خالی نہیں کرتا جو خیر کیلئے خرچ ہوتی ہے تبھی برہان امید سے بڑھ کر ملتی سیلری پر اللہ تعالیٰ کا بیحد مشکور تھا۔ حال ہی میں اسے سڈنی سے بھی آفر آئی تھی اور وہ اس بارے میں سوچ رہا تھا جب ایبک نے آکر اس کے سر پر بم پھوڑا۔

''وہ کیوں؟''

اس کا سوال بیساختہ تھا۔ وہ سوال کرنے کا اختیار رکھتا تھا اس لیے ایبک اس کے آگے چپ ہو جاتا تھا لیکن اب چپ ہونے کا وقت نہیں تھا۔ اب وہ کرنے کا وقت تھا جس کیلئے اسے اللہ نے زندگی دی تھی جس وجہ سے یہ کہانی بنی تھی۔

''مجھے بدلہ لینا ہے ہر اس شخص سے، جس نے مجھے زک پہنچائی، جس نے میری فیملی کو ختم کر دیا، مجھے روکنا نہیں برہان، کئی سالوں سے میں ہر بات پر رکتا آ رہا ہوں۔ اب نہیں رکوں گا۔''

برہان کھڑے ہو کر اس کے مقابل آیا جس کی پلکیں جھک چکی تھیں۔

''میں نے تمہیں اس لیے تو نہیں بچایا تھا کہ تم پھر سے موت کے منہ میں چلے جاؤ، تمہیں لگتا ہے میں تمہیں مرتے ہوئے دیکھ سکوں گا؟ بدلے زندگی لے لیتے ہیں ایبک اور تمہاری زندگی تو میری امانت ہے، میری کوشش ہے تم اس میں خیانت نہیں کرو گے، کیا میں ٹھیک ہوں؟'' وہ اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر آس سے کہہ رہا تھا۔ اس کا اس دنیا میں کوئی مخلص رشتہ نہیں بچا تھا۔ ایک سوتیلی بہن تھی۔ وہ بھی موڈ ہو تو سالوں میں ایک بار اس سے مل لیا کرتی تھی یا پھر عید پر کال کر لیتی تھی بس، اس کے علاوہ تو وہ پوچھتی بھی نہیں تھی کہ اس کا بھائی جی رہا ہے یا نہیں، مام ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد برہان باقاعدگی سے اسے کال کرتا تھا۔ ہر ماہ ملنے بھی جایا کرتا تھا لیکن اس کی بیزاری،، کام، شوہر اور بچوں میں مصروفیت کو دیکھ کر وہ قدم پیچھے

ہٹا گیا کہ وہ بھی کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا۔

''اب یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، مجھے ایلاف کے پاس جانا، مجھے اسے سب سچ بتانا ہے۔''

دنیا میں واحد برہان تھا جسے اس کے ماضی کا علم تھا۔ وہ اس کا پردہ دار تھا۔ اس کا ہم راز لیکن وہ اس کا دشمن نہیں تھا جو موت کے منہ میں جانے کی اجازت دے دیتا۔

''اور تمہیں لگتا ہے وہ یقین کر لے گی، اس کے سحر سے نکل آؤ ایبک، موو آن کر لو، وہ تمہاری نہیں ہے۔ تمہاری ہوتی تو کسی اور کے ساتھ منگنی نہ کرتی۔ تم کیوں خود کو اس کیلئے ضائع کر رہے ہو۔''

برہان تھک کر واپس بیٹھ گیا تھا۔ ایبک کا جسم پھر سے لرزنے لگا۔ وہ فرنچ ونڈو سے بیجنگ کے صاف آسمان کو دیکھ رہا تھا جس پر بنفشی بادلوں کے ٹکڑے جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔

''مجھے اس کے حصول کی تمنا نہیں ہے۔ مجھے تو بس ادھوری چیزیں مکمل کرنی ہیں۔''

برہان کچھ نہیں بولا تھا۔ وہ سر کو دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھا رہا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ آسمان صاف تھا پھر بھی ہلکی ہلکی اوس گر رہی تھی تبھی تو ان کے اپارٹمنٹ کی فرنچ ونڈو نم آلود ہو چکی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو گے؟''

اس کے سوال پر جس طرح برہان نے اسے دیکھا تھا وہ خجل سا ہو کر نگاہیں جھکا گیا۔ برہان ایک جھٹکے سے کھڑا ہو کر پھر سے اس کے مقابل آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے بولا۔

''یو نو واٹ، تم کتنے مین انسان ہو، سیلف سینٹرڈ اور خود سے محبت کرنے والے، تمہارے

نزدیک میری اور جوسف انکل کی فیلنگز کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ تمہیں صرف اپنی فکر ہے۔ اپنی پرواہ ہے۔ تم ٹھیک بھی خود کیلئے ہی ہوئے تھے۔ ہمارے لیے تو شاید تم کبھی آنکھ بھی نہ جھپکاتے۔"

ایبک چپ چاپ اسے بھڑکتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ جب چپ ہوا تو اس نے خود کو آگے بڑھایا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کے لبوں پر مسکان تھی جسے وہ برہان کی لائٹ پرپل رنگ کی شرٹ میں چھپا رہا تھا۔

"میں جانتا تھا تم مجھے انکار نہیں کرو گے۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

برہان نے خفگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم واقعی خود غرض ہو۔"

ایبک نے جیکٹ کی زپ کھول کر اسے صوفے پر اچھالا اور مرر ونڈو کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ "جانے سے پہلے میں وہ سب کروں گا جو تم چاہتے تھے۔ پب، گیم، ڈیٹ سب تم بھی خوش میں بھی خوش اور جوسف انکل بھی خوش کیونکہ ڈیٹ کی فرمائش پچھلے تین سالوں سے ان کی ہی ہے۔"

وہ شیشے پر انگلی پھیر رہا تھا۔ ہوا کی سانسوں سے گیلا ہوتا شیشہ اس کی انگلی کے نیچے سے لکیریں نکال رہا تھا۔

"ڈیٹ؟ یعنی تم نے لڑکی دیکھ رکھی ہے۔" وہ پچھلی بات بھولتا متجسس سا اس سے دریافت کر رہا تھا جو مسکراتے ہوئے مڑا۔

"تمہارے ہوتے ہوئے لڑکی کی کیا ضرورت ہے؟" اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا اور وہ چھڑ بھی گیا۔

"بکواس بند کر اپنی۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے قوم لوط میں سے ہونے کی، اپنے لیے لڑکی دیکھ نہیں تو ڈیٹ کو کینسل کرا اور باقی سب کر جو کہا ہے۔" تڑخ کر کہتے ہوئے وہ وہاں سے گیا۔

ایبک نے شیشے پر نگاہ ڈالی۔ ای، ایل، اے، ایف ڈاٹس کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اس نے ہاتھ پھیر کر ان ایلفابیٹس کو مٹایا اور جیکٹ اٹھا کر وہاں سے چل دیا۔ وہ کار کی چابیاں اٹھا کر وہاں پہنچا تھا جہاں کسی نے اسے ڈس ایبل کہا تھا۔ یہ کام وہ پندرہ دنوں سے کر رہا تھا۔ پندرہ دنوں سے ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا لیکن آج قسمت اس پر مہربان ہوئی تھی۔ وہ لڑکی چند لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی ٹھٹھے اڑا رہی تھی۔ کھلا گلابی ٹراؤزر پیٹ سے بھی اوپر بندھا تھا چھوٹا سفید ٹاپ اور سر پر موجود کیپ۔ اس نے جوسف انکل کو کال ملائی۔

"آج کی شام کوئی ڈیٹ کرنے والا ہے چاہیں تو نظاروں کیلئے آ سکتے ہیں۔"

ایبک کی بات سن کر وہ کرسی چھوڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا تم شیور ہو یعنی تم کہہ رہے ہو تم ایک لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہے ہو۔ کیا ایسا ہی ہے؟"

وہ ان کی حیرانی پر ہنسا۔

"تصویر بھیج رہا ہوں یقین کر لیں۔"

اس لڑکی کی تصویر اتار کر انہیں واٹس ایپ کرنے کے بعد اس نے جیکٹ کے کالر کو درست کیا تھا۔ وہ لڑکی سہانی شام میں اپنی دوست کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی کو بریک اس لڑکے کو دیکھ کر لگی جو دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر جھکا تھا۔

"ہو کر۔"

لڑکی کے دماغ میں جھماکا ہوا۔ اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے۔ لڑکیاں اپنی بے

عزتی اور تعریف کبھی نہیں بھولا کرتیں۔ چاہے سالوں ہی کیوں نہ گزر جائیں۔ وہ ان لوگوں کو بھی کبھی نہیں بھولتیں جو ان کی تعریف یا بے عزتی کرتے ہیں۔ چاہے پھر صدیاں ہی کیوں نہ بیت جائیں۔ اس نے اپنی دوستوں پر نظر ڈالی جو متاثر کن انداز میں اس لڑکے کو مڑ کر دیکھ رہی تھیں۔ بیجنگ کی سڑکیں آج بھی نم آلود تھیں۔ چائنہ میں اس طرح کی نمی پانا معمولی بات ہوا کرتی تھی۔ کلاؤڈ کافی کیفے کے باہر بیٹھی لڑکی سے وہ لڑکا بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا وہ اس سے جو کہہ رہا تھا وہ سب یہ تھا۔

"کیا دو منٹ کیلئے ہم بات کر سکتے ہیں۔" کہنے کے بعد اس نے اس کی تین سہیلیوں کو دیکھا اور پھر کہا۔ "اکیلے میں۔"

سیاہ بالوں والی وہ لڑکی درشتی سے اسے منع کر دینا چاہتی تھی لیکن اس کی دوستوں نے کام خراب کر دیا۔

"جی بالکل آپ کر سکتے ہیں۔ یوں بھی ہم لوگ بس جانے ہی والے تھے۔"

وہ تینوں اس کے روکنے کے باوجود کان بند کر کے وہاں سے چلی گئیں۔ مائیں ٹھیک کہتی ہیں یہ دوستیں ہی ہوتی ہیں جو کام خراب کرتی ہیں۔ لڑکی کا منہ بیحد برا بنا۔ ایک سبز رنگ کی لوہے کی جالی دار کرسی کو کھینچ کر اس پر بیٹھا، اس کی نظریں خفا تاثرات والی لڑکی پر تھیں۔

"میں ایک ہوں، ایک سلطان۔ بیجنگ علاج کے سلسلے میں آیا تھا۔" اس نے اپنا متاثرہ پاؤں آگے کر کے بتایا جواب بالکل ٹھیک تھا۔ "یقین کرو میں ڈیس ایبل کبھی بھی نہیں تھا۔" اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ ایک کی آرڈر کی گئی کافی دونوں کے آگے رکھی جانے لگی۔

"مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" شانے اچکاتے ہوئے وہ بے نیاز سی اس سے پوچھ

رہی تھی۔ ایبک نے اپنی کافی کا گھونٹ بھرا اور اسے واپس پرچ میں رکھتے ہوئے بولا۔

"کیونکہ۔" اچانک بادل گرجا تھا۔ دونوں نے ساتھ میں ہی آسمان کی جانب دیکھا پھر وہ ایبک تھا جو اپنی بات کو آگے بڑھا رہا تھا۔ "ایک تم ہی تھی جس نے مجھے ڈس ایبل کہا تھا۔ باقی یہاں آٹھ سالوں میں کوئی ایک بھی مجھے یہ نہیں کہہ سکا تھا شاید اس لیے کیونکہ اپنے دل کی بات انہوں نے دل میں ہی رکھی تھی۔"

سیاہ بالوں والی لڑکی نے کافی کو چھوا تک نہیں تھا۔ وہ اپنی توہین نہیں بھولی تھی۔ انا کا وار تو ہونا ہی تھا۔

"مجھے تمہاری کسی بات میں دلچسپی نہیں ہے۔ بات ختم کر چکے ہو تو جا سکتے ہو۔"

ایبک نے بھنویں چڑھائیں۔ اب بادلوں کے گرجنے کے ساتھ بجلی بھی چمک رہی تھی۔ یکلخت ہی آسمان ابر آلود ہوا۔ یہ موسم ہی بارشوں کا تھا تو بارش ہونا تو متوقع تھی۔

"بات ختم نہیں ہوئی ہے ابھی۔ مجھے پوچھنا ہے کہ کس بیس پر تم نے میرے گال کو چھوا تھا، کیا تم مسلمان ہو؟"

اس سوال پر سیاہ بالوں والی لڑکی نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی چپ ہی سب بتا رہی تھی ایبک نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"ویری گڈ، اگر تم مسلمان ہو تو کیا تم نامحرم کو چھونے والی حدیث بھول چکی ہو؟ یہاں۔" اس نے سر پر اپنے بالوں میں انگلی بجائی۔ "یہاں کیل ٹھونکے جانا زیادہ بہتر قرار دیا ہے بہ نسبت کسی نامحرم کو ٹچ کرنے کے، کیوں کیا تھا تم نے ایسا؟"

لڑکی کی گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔ اس نے نیم گرم کافی پر نگاہ ڈالی جس پر کریم فوم سے پر بنایا گیا تھا پھر وہ اکڑتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

”میں تمہیں بتانا بہتر نہیں سمجھتی۔“

وہ اٹھ کر جانے لگی تھی جب ایبک نے اسے اس کی جیکٹ کے بازو سے پکڑ کر اسے واپس سیٹ پر دھکیلا۔ آدھا کھڑا وہ میز پر سے اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔

”بتانا پڑے گا مس، اس سگریٹ کے بارے میں جو تمہارے ہاتھوں میں تھی، ان کپڑوں کے بارے میں جو تمہارے بدن پر تھے، ان بیباک باتوں کے بارے میں جو تم نے لبوں پر سجائی تھیں اور اس حرکت کے بارے میں جو تم میرے ساتھ کر کے گئی تھیں۔ بتانا تو پڑے گا۔“

وہ لڑکی کرسی کی پشت سے لگی ماتھے پر ڈر کے اثر سے اکٹھے ہوئے بلوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرانگی کے ساتھ خوف بھی تھا۔ وہ خود پر جھکے اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی جس کے سر پر ہڈ موجود نہیں تھا بلکہ وہ پیچھے گردن پر پڑا تھا ہاں اس کی ڈوریاں جھول رہی تھیں۔

”یوں تو میں تمہیں بتانے کی پابند نہیں ہوں لیکن پھر بھی جان لو کہ میں ایک تھیٹر ایکٹر ہوں۔ یہاں تھوڑا سا آگے جا کر جو تھیٹر ہے اس میں مجھے ایک رول ملا تھا۔“ اس نے بتانا شروع کیا، ایبک کرسی پر واپس بیٹھا ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور اسے سننے لگا جو مزید کہہ رہی تھی۔ ”پیسے پورے نہیں ملے تھے اور مجھے اگلے دن ہر صورت اپنی فیس جمع کروانی تھی اس لیے میری دوستوں نے مجھ سے شرط لگائی کہ اگر میں تمہیں اپنے ساتھ ڈیٹ پر جانے کیلئے کنوینس کر لیتی ہوں تو وہ مجھے اتنے پیسے دے دیں گی جس سے میری فیس جمع ہو سکے گی اور پھر جو پیسے میں تم سے لوں گی ان میں ان سب کا سیونٹی پرسنٹ کا شیئر ہوگا۔ بس اسی وجہ سے میں نے وہ سب کیا تھا۔ میں بنگلا دیش سے ہوں اور بری لڑکی نہیں ہوں۔“

وہ اسے خاموشی سے سنتا رہا پھر کافی اٹھا کر اپنے چہرے کے سامنے کی اور کہا۔

”جس طرح اس رات تم نے میرے اوپر برف اچھالی تھی بالکل اسی طرح میں تم پر یہ گرم کافی اچھال سکتا ہوں، کور سٹوری تمہاری بالکل بیکار ہے۔ اب جلدی سے سچ بولو۔“

اس لڑکی کا حلق تک کڑوا ہوا۔ مددطلب نظروں سے اپنی دوستوں کو تلاش رہی تھی جو وہاں سے جا چکی تھیں۔

”کرش ہو گیا تھا تم پر یار، اس لیے ایسا کیا تھا۔ رہی کپڑوں اور سگریٹ کی بات تو کبھی کبھی ایسا گیٹ اپ کر لیتی ہوں۔“ وہ گھگھیا کر اعتراف کر رہی تھی۔ بھرے بھرے گال، سنہری رنگت، بھرے بھرے ہونٹ خاص کر اوپر والا ہونٹ تھوڑا زیادہ بھرا ہوا سا تھا جیسے اس نے انجیکشن لگوایا ہو۔ درمیانی آنکھیں اور قدرے چوڑا وجود۔ ایبک نے ایک تفصیلی نگاہ اس پر ڈالی اور ایک ابرو اٹھا کر پھر سے آگے کو ہوا۔

”نام کیا ہے تمہارا؟“ وہ اپنے پینٹڈ نیلز کو دیکھ رہی تھی پھر آہستہ سے بولی۔

”ناز۔“

اس نے پھر سے سر کو ہلایا اور کافی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ جھٹ سے کافی اٹھا کر اسے لبوں سے لگا چکی تھی۔

”یو نو جس طرح کے تم لباس پہنتی ہو اور جس کی طرح کی بولڈ حرکتیں کرتی پھرتی ہو یہ ایک مسلم لڑکی پر سوٹ نہیں کرتا، میں نے تمہیں تین دن آبزرو کیا ہے اور تین دن بعد میں خاصا تم سے مایوس ہوا ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ جس لڑکی کے ساتھ میں ڈیٹ کرنے جاؤں گا وہ اس طرح کے حلیے کی مالک ہو گی۔“

ایبک کی بات پر اسے اچھو لگا۔ اچھو لگنے کے ساتھ ہی بادل بھی گرجا تھا۔ وہ حیران سی اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی جس سے وہ زندگی میں فقط دوسری بار مل رہی تھی اور وہ اس پر ایسے حق جما

رہا تھا جیسے وہ دونوں برسوں کے شناسا ہوں ایک دوجے کیلئے۔

''تم سے کس نے کہا ہے کہ میں تمہاری ساتھ وٹ ایور کرنے جاؤں گی؟'' اس نے متحیر سے انداز میں پوچھا۔ ایبک کا کپ خالی ہوا۔ اس نے نیپکن سے منہ کو پونچھا اور دونوں ہاتھوں میں کپ کو تھامے بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر گویا ہوا۔

''اس دن تم نے مجھے آفر کی تھی میں نے قبول کر لی، اب سے چار گھنٹوں بعد میں تم سے ہوٹل روز ووڈ میں ملوں گا۔ پورے کپڑے پہن کر آنا، وقت پر آنا اور۔'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رکا تھا پھر نفی میں سر ہلاتا ہوا کھڑا ہوا۔ پیسے وہ میز پر رکھ چکا تھا۔ ناز اس لڑکے کو دور جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی جسے وہ ڈس ایبل کہہ چکی تھی، کافی کپ میز پر رکھ کر پرس اٹھاتی وہ وہاں سے بھاگی تھی۔

☆......☆......☆

''اس نے کہا ہے لڑکی ہی ہے۔''

''اگر لڑکی نہ ہوئی تو؟ آپ جانتے ہیں نا اسے کتنی چڑ ہے لڑکیوں سے۔''

''چڑ نہیں گریز ہے۔ جوان خون ہے جوش تو مارے گا ہی۔''

''لیکن اس نے ہمیں یہاں کیوں بلایا ہے اپنی پارسائی شو کرنے کیلئے۔''

''ارے نہیں ضرور کچھ نہ کچھ تو ہے۔ صبر کرو ابھی پتا چل جائے گا۔ ایبک کوئی کام فضول میں نہیں کرتا ہے۔''

ان سے فاصلے پر ایک میز تھی جس پر سرخ پوشاک بچھی ہوئی تھی۔ ایک سٹینڈ پر اوپر نیچے تین موم بتیاں جل رہی تھیں۔ گلدان میں سرخ رنگ کے گلاب موجود تھے اور دوسرے میں جامنی رنگ کے مارننگ گلوری، وہ انہیں ہی چھیڑتا ہوا ریسٹ واچ پر نظر ڈال رہا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ

کی جینز اور گول گلے والی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔اس کی سرخ رنگ کی جیکٹ کرسی کی پشت پر موجود تھی۔جیکٹ کے رنگ کے ہی جوگرز اس کے پاؤں میں موجود تھے۔چھوٹے چھوٹے سپرنگ والے بال بھورے مائل سیاہ رنگ کے تھےاور بھوری مائل سیاہ ہی رواں داڑھی اس کے چہرے پر سجی تھی۔مڑی ہوئی پلکوں کیساتھ وہ اینٹرس پر نگاہ گاڑے ہوئے تھا۔چار گھنٹے ہوئے بھی پانچ منٹ گزر چکے تھے پر وہ نہیں آئی تھی۔اس نے سیل فون اٹھایااور کال ملائی۔

''ہیلو۔''نسوانی آواز پر ایبک نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

''دو بج کر پانچ منٹ ہو چکے ہیں۔تم کہاں ہو؟''

پیچھے سے بہت شور آرہا تھا اس لیے وہ قدرے اونچی آواز میں اس سے مخاطب تھا۔

''پہنچ گئی ہوں۔اندر آرہی ہوں، میرا نمبر کہاں سے ملا تمہیں۔''

ایبک نے کال کاٹی اور اینٹرس پر نگاہ گاڑ دی۔ہوٹل روز ووڈ ایک فائیو سٹار ہوٹل تھا جس کی اینٹرنس لکڑی کے چوکور چوکھٹوں والی چھت اور سبزے سے سجی تھی۔اس ہوٹل کی بلڈنگ گرے شیشوں سے ڈھکی تھی جبکہ دوسرے حصے کی دیواروں میں لکڑی کے بھورے چوکھٹوں کے درمیان شیشے نصب کیے گئے تھے جو کافی دور تک نظر میں پڑتے تھے۔بھورے رنگ اور سنہری روشنیوں سے سجا یہ ہوٹل سوفیسٹی کیٹڈ سی لک دیتا تھا۔پرسکون ماحول تھا ویسے ہی پرسکون لوگ وہاں موجود تھے۔

ڈائننگ ہال اس وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔بھوری کلب چیئرز اور ماربل کی گول میز کے اردگرد بیٹھے لوگ اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے۔ برنچ کا دور عروج پر تھا۔ دھیمے سروں کا میوزک، چھت کے چوکور خانوں میں رکھے لائیٹڈ سلنڈر اور دیواروں پر آویزاں پینٹنگز اس انسان کو تنگ رہی تھیں جو بار بار کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈال رہا تھا۔شاید وہ کسی کا منتظر تھا۔

دفعتاً اس کی نگاہ اینٹرنس پر پڑی جہاں سے وہ اسے وہاں سے اندر آتی ہوئی نظر آئی۔اس نے سیاہ رنگ کا گاؤن زیب تن کیا ہوا تھا جس کا گلا بھی بند تھا اور بازو بھی پورے تھے لیکن وہ چست تھا۔اتنا زیادہ چست کہ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ خاصا واضح ہو رہا تھا۔سیاہ بلوڈرائ ہوئے بالوں کو اس نے آگے ڈالا ہوا تھا۔زنجیر والے سفید رنگ کے آویزے بالوں سے باہر جھانک رہے تھے۔ہلکے میک اپ اور اونچی ہیل کے ساتھ وہ پر اعتمادی اس تک چلتی آ رہی تھی۔

''یہ ہوسکتی ہے وہ۔'' جوسف نے ایک پھیکی شلجم لڑکی کو دیکھ کر کہا جس نے آسمانی رنگ کا گھٹنوں سے کافی اونچا ٹاپ پہنا ہوا تھا اور بالوں کا اونچا بن بنایا ہوا تھا۔

''نہیں یہ نہیں ہوسکتی، آپ کو ایبک کا پتا ہے وہ تھوڑا کنزرویٹو سا ہے۔''

برہان ایک لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔وہ درمیانے قد کی تھی۔تھوڑی سانولی مگر پرکشش، سیاہ لباس میں اس کی رنگت کھل سی رہی تھی۔بال کھلے تھے اور سموکی آئز کے سبب اس کی آنکھیں قدرے چندھی ہوئی سی تھیں۔وہ کانفیڈنٹ سے چلتی ہوئی ایبک کی میز کی طرف بڑھ رہی تھی۔اسے قریب آتا دیکھ ایبک اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''یہ وہ لڑکی ہے؟'' جوسف کی آواز میں تحیر پنہاں تھا۔برہان پر سوچ انداز میں گردن ہلا گیا۔اس کی نظریں ایبک پر تھیں جو لڑکی کیلئے کرسی کھینچ رہا تھا۔

''دیکھو میں تمہارے کہنے پر آ تو گئی ہوں لیکن یقین کرو مجھے تم اب اچھے نہیں لگتے۔'' وہ اپنا سفید مینوجر کلچ میز پر رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی جو بالکل گیند کی طرز کا گول تھا اور اس پر بے تحاشہ پرلز جڑے ہوئے تھے۔اتنے کہ فقط موتی ہی نظر آ رہے تھے یا پھر سٹل کی گولڈن اکڑی ہوئی چین جو اتنی لمبی تھی کہ بس وہ اسے کلائی میں اڑا سکتی تھی۔اس نے جب پرس میز پر رکھا تھا تو وہ چین ایک سائیڈ پر ڈھلک گئی تھی۔ایبک نے ایسی نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو

مجھے تو تم بہت پسند ہونا چاہیے ہنہہ۔

"اگر ایسی بات ہے تو اتنا سج کر کیوں آئی ہو؟"

انگلیوں کے اشارے سے وہ ویٹر کو بلا رہا تھا۔ مینیو لکھوانے کے بعد وہ پھر سے اس کی جانب متوجہ ہوا اور چندھی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

"میں سج کر کہاں آئی ہوں۔ بس ہلکا سا ٹچ اپ کیا تھا میں نے، ایسے مت کہو۔"

برہان نے اسے میسج کیا تھا جسے دیکھنے کی وہ زحمت نہیں کر رہا تھا۔ شائنز سے چمکتے اس کے گالوں پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"میں تمہیں اچھا لگتا ہوں تبھی تو تم نے اس دن جسارت کی تھی اور میرے بلانے پر بھی آ گئی، تم اچھی ہیکر نہیں ہو، میرے سسٹم کو اپنا بنانے کے چکر میں تم نے خود کے ایکسس کو تو کھویا ساتھ میں میری فائلز بھی کرپٹ کر دیں۔"

ایک کی بات پر اسے بری طرح اچھو لگا تھا۔ وہ کھانس رہی تھی اور اس کھانسنے کے سبب ہی اس کی آنکھ میں پانی بھر آیا تھا۔ وہ متحیر سی اسے دیکھتی رہی۔

"تم درست ہو میں ہی زمین زاد ہوں۔ کیا اتفاق ہے نا جس کو مجھ پر کرش ہوا اس نے میری عزت نفس پر وار کر کے مجھے چلنے کے قابل بنا دیا اور پھر اسی نے میرے کام میں مداخلت کر کے مجھے بھڑکا بھی دیا۔" وہ میز پر تھوڑا آگے ہوا تھا۔ اتنا کہ اس کا پیٹ میز کے کنارے پر لگنے لگا۔

"تم جانتی ہو میں یہاں تنہا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ میرے دو اور ساتھی بھی موجود ہیں جو یقیناً میرے ایک اشارے پر تمہیں یہاں سے غائب کرنے میں میری مدد کریں گے۔ بیٹھی رہیں مس ناز، بھاگنے والے جلد پکڑے جاتے ہیں۔"

اس کے اٹھنے پر ایبک نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ نامحرم کو چھونے کی سزا کی حدیث سنانے والا اب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں قید کیے ہوئے تھا لیکن کہاں سے بھلا، بازوؤں کے اوپر سے جی کلائی کو پکڑا ہوا تھا اس نے۔ کپڑے کی ڈھیر ساری چنٹ جس کے اوپر ایبک کا ہاتھ تھا کو دیکھ کر وہ گھبرائی۔

''ڈرو نہیں یقین کرو میں آدم خور نہیں ہوں۔''

وہ اپنے ہاتھ کو چھڑوانا چاہتی تھی مگر چھڑوا نہیں پائی۔

''کیا ہو رہا ہے وہاں؟'' جوسف نے پریشانی سے برہان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اس کے دانت پر دانت جم چکے تھے۔

''پلان بن رہا ہے۔''

جوسف حیران ہوا، متعجب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگے۔ ان کے سیل فون پر ان کے اسسٹنٹ کی کال آرہی تھی۔ وہ جانتے تھے کسی مریض کی بابت ہی اس نے بات کرنی ہوگی اس لیے اگنور کیے رکھا کہ ایبک کے ساتھ ہوتا ان کے لیے ہر چیز سے قیمتی تھا۔ ان کے وقت اور مریض سے بھی۔

''کس طرح کا پلان؟''

برہان کی اگلی بات پر ان کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔

''بدلے کا، ایبک پاکستان واپس جانا چاہتا ہے۔'' وہ تحمل سے کافی کا گھونٹ بھر رہا تھا۔ یہ تحمل بھی برائے نام ہی تھا، ماتھے پر شکنیں اور برہمی واضح تھی۔

''وہ ایسا کیسے کرسکتا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا تم نے اس پر کتنی محنت کی ہے، میں نے اسے بچوں کی طرح سنبھال کر ٹھیک کیا ہے۔ اس کی رال ٹپکتی تھی وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ میری اولاد

نہیں ہے لیکن میں اور میری بیوی اسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں اور تم کہہ رہے ہو وہ پاکستان جانا چاہتا ہے۔"

جوسف کی جذباتیت پر اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ دائیں ہاتھ پر موجود بینڈ پر وہ نگاہ ڈال گیا جو مدھر سا گیت فضا میں بکھیرے ہوئے تھے۔ یہ کون سا گیت تھا، کون سا ساز تھا وہ نہیں جانتا تھا بس اسے تو اپنا دل اب بھاری سا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے میوزک کے بوجھ سے دبتے دل کا دھیان ایبک کی طرف مرکوز کیا جو حواس باختہ سی لڑکی کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ برہان کو وہ وقت یاد آ گیا جب ایک فی میل نرس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور وہ بے طرح سے اشتعال میں آ گیا تھا۔ اسے سنبھالنا مشکل ہوا، جنون آسمان تک پہنچ گیا۔

ایبک کو عورت فوبیا ہے۔

ایبک عورت سے خار کھاتا ہے۔

ایبک کو عورت ذات پر بھروسہ نہیں ہے۔

ایبک ایک نارمل انسان نہیں ہے۔

ان ساری باتوں پر اسے یقین کرنا پڑا تھا اور وہ اس کیلئے پریشان تھا کہ آگے جا کر وہ کیا کرے گا۔ کیسے اس کی زندگی کٹے گی، پتا نہیں وہ ہیل ہو بھی پائے گا یا نہیں۔

"تم مجھے ہراس نہیں کر سکتے۔"

وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر خود کو کرسی پر گرا گیا، ٹھوڑی کو قدرے اوپر کر کے وہ جھکی آنکھوں سے اسے دیکھ کر بولا۔

"ایگزیکٹلی تم درست ہو میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میں ایسا کر چکا ہوں۔" وہ اس کا کلچ کھول کر اس میں سے موبائل نکال چکا تھا۔ اسے آن کر کے اس میں اپنا نمبر سیو کرتا کہہ رہا

تھا۔ ”تم مجھ سے رابطے میں رہو، بیس دن میرے ساتھ تعاون کرو۔ اس کے بعد تم آزاد ہو۔“
ناز نے اپنا سیل فون اس کے ہاتھ سے جھپٹا تھا۔ کلچ میں واپس رکھ کر اسے شاکی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟“

چھت پر لگے موٹے بلب زرد روشنی آس پاس بکھیر رہے تھے۔ مدھر گیت اور چھچوں کانٹوں کی آواز میں وہ جگہ مکمل طور پر گھری ہوئی تھی۔ چمکتے ٹائلز والے فرش پر اس کی پنسل ہیل مضبوطی سے جمی تھی۔ اس کی بات پر ایک نے کہنیاں میز پر ٹکا کر کرسی کو آگے گھسیٹا، چہرہ جھکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

”تو پورا بیجنگ جان جائے گا، بی ایک لڑکی ہے۔“ اس نے جان بوجھ کر مدھم و بھاری آواز میں کہا تھا کہنے کے بعد وہ کرسی کی پشت سے اپنی ریڈ جیکٹ اٹھا کر پہن رہا تھا۔

”کون ہو تم؟“

ایک نے جیکٹ کو کالر سے جھٹک کر سر کو دائیں جانب پر ہلکا سا مارا، لبوں پر مسکان تھی آنکھوں میں انتقام، ناز کی ایک لمحے کو آنکھیں پھیلیں۔ اس کی آنکھوں میں جیکٹ کا سرخ رنگ رفتہ رفتہ گھل رہا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ سرخ رنگ اس کے اندر خوف پھیلا رہا ہے، رفتہ رفتہ، لگاتار۔

☆......☆......☆

آسمان سے بوندیں سست روی سے زمین پر آ رہی تھیں، ہر بوند تکان زدہ تھی، ہر قطرے میں سوز گھلا تھا، ہر شے غمگین تھی، ہر شے یاس میں ڈوبی۔

بادلوں سے ذرا نیچے آؤ، تیزی سے بارش کے قطرے کے ساتھ جیسے سپیڈ میں شاٹ لیا

جاتا ہے اور ایک دم کسی چیز پر روک لیا جاتا ہے بالکل اسی طرح بوندوں کے ساتھ تیزی سے نیچے آؤ اور درختوں سے تھوڑے اوپر رک جاؤ، پتوں میں موجود خلاء سے جھانکنے پر آپ کو ایک بینچ نظر آئے گا۔ سفید سنگی بینچ جو ایک وجود کا بھار سنبھالے بیٹھا تھا۔ اس پر بیٹھے انسان نے ایش گرے رنگ کی جینز اور جرسی والی ہڈ پہنی تھی۔ اس کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے اور ہاتھ میں درخت کی سوکھی لمبی ٹہنی تھی جس سے وہ کچی زمین پر لائنیں کھینچ رہا تھا۔ ای، ایل، اے، ایف۔

"میں جاننا چاہتا ہوں اس کے ساتھ کیا ہوا، پورا یقین ہے وہ زندہ ہوگی۔" یہ اس کی سوچ تھی۔ وہ اسی سوچ کے ساتھ اس کے نام کے حرفوں کو موٹا کیے جا رہا تھا۔

ای، ایل، اے، ایف۔

وہ ابھی ایف کو مکمل کرنے ہی والا تھا جب ایک گیند اس کی گود میں آ کر گری۔ اس نے نظر اٹھائی اور دھک سے رہ گیا۔ وہ جاویدہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ کھلا آسمانی رنگ کا چھوٹے چھوٹے پرنٹ والا ٹراؤزر اور ویسی ہی لمبی قمیض زیب تن کیے، شانوں پر پھیلا پیلا دوپٹہ اور کھلے بال، وہ مسکرا دیا، آنکھوں میں نمی تھی اور دل میں درد۔

"تم ہمیشہ ہی ایسے دبکے بیٹھے رہتے ہو۔ اتنا اچھا موسم ہے انجوائے کرو نا بارش کو۔"

اس کے کھلے بالوں پر بارش کے چھوٹے چھوٹے قطرے ہیروں کی مانند گر رہے تھے۔

کھڑی ناک کے نیچے لب مسکراہٹ میں بھینچے تھے۔

"تم، تم جانتی ہو نا مجھے بارش نہیں۔۔۔ پسند۔" ہولے سے بولا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ بمشکل ہی اس کی سماعت تک پہنچ پاتی لیکن جو سننے والا ہوتا ہے وہ سن لیتا ہے تبھی وہ اپنا ہاتھ ماتھے پر مار رہی تھی۔ زرد رنگ کی کانچ کی چوڑیاں ایسے کرنے پر اوپر نیچے ایک دوسرے پر گری تھیں فضا میں جیسے جلترنگ سا گونج اٹھا ہو۔

”بہت خشک مزاج ہو، توبہ ہے۔“ وہ ایک دم آگے بڑھی اور اس کی کلائی تھام کر مڑ گئی، ایبک کو نہیں معلوم تھا وہ کیسے اس کے ساتھ کھنچا چلا جا رہا تھا۔ گیند گود سے گر کر گدلی مٹی میں آگے لڑھک گئی۔ کچی مٹی ایبک کے سنیکرز پر بھی لگی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا جن سے اوپر زرد رنگ کی کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ وہ چوڑیاں سلیوز (آستینوں) کی وجہ سے آدھی ڈھک گئی تھیں۔ آسمانی رنگ کی آستینیں جن پر چھوٹے چھوٹے زرد رنگ کے پھول کھلے تھے۔

”کھڑے رہو یہاں پر اب ہلنا نہیں ہے جب تک پورے نہ بھیگ جاؤ۔“ وہ انگلی اٹھاتی اسے وارن کر رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں گہرا کاجل تھا، کھڑی ناک میں باریک سا لونگ اور مسکراتے لب۔

”تم کہاں ہو؟“ اسے اپنے الفاظ سنائی دیے۔ وہ شرارت سے اس کے نزدیک آئی۔ شہادت کی انگلی وہ اس کے سینے پر بجا رہی تھی۔

”تمہارے دل میں، کیا نہیں ہوں؟“ بھولے شرارتی چہرے کے ساتھ وہ اس سے دریافت کر رہی تھی۔ بارش کی رفتار تیز ہوئی، کچی مٹی کی سوندھی خوشبو، درختوں کے پتوں کا شور، پھولوں پر گرتی بوندوں کے گیت اور چلتی مدھم ہوائیں وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا موسم سے بھی زیادہ بھیگی آواز میں بولا۔

”وہاں نہیں ہو گی تو۔“ وہ لمحے بھر کو رکا۔ اس کی جڑی ہوئی بھیگی پلکوں کو دیکھ کر توقف کے بعد بولا۔ ”یہ دھڑکے گا کیسے۔“

”ایبک! تم یہاں ہو۔ اللہ اللہ حد کرتے ہو کہاں کہاں نہیں تلاشا میں نے تمہیں۔“ برہان کی آواز پر اسے جھٹکا لگا تھا۔ وہ چونکا، یہاں وہاں دیکھا تو خود کو تا ہنوز بینچ پر بیٹھا پایا۔ وہاں کوئی

نہیں تھا۔ وہ اور نہ گرد آلود گیند، فسوں مٹ گیا، خواب تمام ہوا، دل ٹوٹ گیا، تخیل کا انجام ہوا۔

''کیا کر رہے تھے یہاں؟''

برہان کے بیٹھنے پر اس نے زبردستی لبوں کو کھینچا، بارش ہو رہی تھی اور وہ اس میں بھیگ چکا تھا۔ ''بس ایسے ہی سکون مل رہا تھا۔ تم بتاؤ یہاں کیسے؟''

برہان نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا اور پھر گردن اس کی سمت موڑ کر بولا۔

''تمہاری عمر کیا ہے؟''

وہ اس سوال پر ہنس دیا۔ سردیوں کی بارش تھی تبھی دونوں کے ہاتھ سرد پڑ چکے تھے۔ دوپہر کا عروج تھا پھر بھی ہر سوں شام کا سا منظر پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس شام سی دوپہر میں ہنستے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

''یہ کیسا مذاق ہے، تم جانتے ہو میں چھبیس کا ہونے والا ہوں۔''

برہان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''اور میں اکتیس کا ہوں لیکن مجھے ایسا کوئی غم نہیں ہے جو مجھے ان حالوں میں دھکیل دے جن میں تم ہو، میرے والدین، میری منگیتر مر گئی لیکن مجھے صبر ہے۔ حقیقت کو قبول کرنے والا بندہ ہوں میں ایک، تم کیا ہو؟ اتنی سی عمر میں اتنے سارے غم، اتنے سارے درد۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا کہہ رہا تھا جس کی آنکھیں ایک بار پھر سے بنجر ہو گئی تھیں۔ بارش کی بوندوں کو ان آنکھوں کا بنجر پن بہت کھل رہا تھا اس لیے انہوں نے اپنا رخ موڑ دیا کہ وہ اس اداسی کا بوجھ سہار نہیں پائیں گی۔

''ہر کسی کی زندگی ایک سی نہیں ہوتی۔'' برہان نے یکدم اس کی بات درمیان میں اچک لی۔

''غم تو ایک سے ہیں نا، میں تو پہاڑوں پر نہیں گیا انہیں تباہ کرنے کیلئے کہ انہوں نے مجھ

سے میری محبوب ہستیاں کیوں چھین لیں کیونکہ ان میں ان کا قصور نہیں ہے۔''
ایک نے درشتی سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹکا۔ وہ چیختا ہوا اس سے دور ہوا تھا۔
''تو کیا میری ماں کا قصور تھا جو وہ یوں بیدردی سے ماری گئی یا میری بہن نے ان کی منتیں کی تھیں کہ وہ آ کر اسے بے موت ماردیں۔'' وہ حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ اتنی زور سے کہ خراشیں پڑ گئی تھیں، رگیں صاف واضح تھیں۔ اس کے چیخنے پر گھونسلوں میں دبکے پرندے ڈر کے مارے فضا میں منتشر ہونے لگے تھے۔
''انہوں نے میری۔'' چند قدم دور چل کر وہ واپس اس کے قریب آیا۔ منہ اس کے منہ کے سامنے کر کے سینے پر انگلی ٹھونک کر کہا۔ ''میری محبت کو میری آنکھوں کے سامنے ختم کر دیا اور میں۔'' وہ چیخ رہا تھا ابھی بھی، دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے ہیجانی انداز میں بولا۔ ''میں کچھ نہیں کر پایا کیونکہ میں تو ایک عام انسان تھا نا، ایک غریب عام انسان جو صرف زخم کھا کر تماشا دیکھ سکتا ہے، بے بس ہو سکتا ہے، لیکن اب بہت ہوا۔'' وہ آنکھوں کو رگڑ رہا تھا۔ متواتر ہوتی بارش نے اس کے آنسوؤں کو چھپا لیا تھا۔ اس کے جو سر ہلاتے ہوئے عزم سے کہہ رہا تھا۔
''بہت ہوا، اب تماشا لگے گا برہان اور اتنا زیادہ لگے گا کہ دنیا دیکھے گی۔''
وہ مڑ گیا۔ برہان کے روکنے کے باوجود وہ نہیں رکا تھا۔ اس کے قدم کچی مٹی میں ثبت ہو گئے تھے جس طرح یہ لہجہ، اس کی آواز، اس کا درد وقت کے پنوں میں ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔
وہ اپنے اپارٹمنٹ میں آیا۔ کپڑے بدل کر اس کا رخ پب کی طرف تھا۔ گاڑی کو پارک کر کے سماعتوں کو پھاڑ دینے والے شور میں اس نے خود کو گھسایا تھا۔ نیم اندھیرے میں رنگ برنگی لائٹس، بلند ہوتے ہاتھ، اچھلتے کودتے لوگ اور بار ٹینڈر کے کرتب عروج پر تھے۔ اس کا رخ بار کی طرف تھا جب ایک لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچا۔ وہ ڈانس فلور تھا جس پر قدم

رکھنے کی جگہ نہ رہی تھی۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ لڑکی اسے کالر سے پکڑتی وہاں لے آئی تھی اور اب اس کی گردن میں ہاتھ پھنساتی جھول رہی تھی۔ دائیں شانے سے وہ اس کی جیکٹ کو اتار چکی تھی۔ سب بیباک تھے۔ وہ نہیں تھا۔ سب بہکے ہوئے تھے وہ نہیں تھا۔ سب مدہوش تھے وہ نہیں تھا پھر بھی۔۔ پھر بھی وہ اس لڑکی کو خود کے قریب آنے دے رہا تھا۔ باہر رحمت برس رہی تھی اور اندر گناہ۔ دونوں میں زیادتی آ رہی تھی۔ دونوں ہی جیسے ایک دوجے سے مقابلہ لگا بیٹھے تھے۔

شیطان حاوی ہوتا ہے۔ شیطان گناہ کرواتا ہے۔ شیطان بن پیئے بھی اعصاب ڈھلکا دیتا ہے۔ شیطان ہوش میں بھی مدہوشی طاری کر دیتا ہے۔ شیطان گناہ ہے۔ وہ خوشی سے گناہ کی جانب راغب کرتا ہے۔ ایبک کے ساتھ یہی سب ہو رہا تھا۔ وہ برا نہیں تھا پر برائی کو خود پر چڑھا گیا تھا۔ نامحرم کو چھونے کی سزا والی حدیث یاد رکھنے والا آج پورے کا پورا خود کو کسی انجان کے سپرد کر رہا تھا۔ آج ایک سلطان بہک رہا تھا۔ کون ادا، کون ایلاف، اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ یاد تھا تو اپنا غم، فقط اپنی تکلیف۔۔ مگر یہ کیسا غم تھا یہ کیسی تکلیف تھی جس میں وہ اپنی اخلاقیات، اپنی حدود بھول گیا تھا۔ یہ پھر غم نہیں تھا بلکہ اس کی بزدلی تھی جس کے آگے وہ گھٹنے ٹیک چکا تھا۔ ہاں ایبک سلطان بزدل تھا، ہاں وہ بہت بہت زیادہ بزدل تھا۔

بار کے نزدیک بچھی رنگ برنگی کرسیوں پر ہاتھ میں سگریٹ تھامے وہ ناز ہی تھی جو ایبک کو بلونڈ بالوں والی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر چونکی تھی۔ لڑکی کا لباس نازیبا تھا اور ایبک کا وہاں ہونا۔ وہ ایسا انسان نہیں تھا۔ یہ پہلی ملاقات میں اسے پتا چل گیا تھا۔ یہ فلور، وہ لڑکی اور اس طرح کا بولڈ ڈانس اسے سوٹ نہیں کرتا تھا۔ وہ حواس میں نہیں تھا تبھی اس لڑکی کو خود کے قریب آنے دے رہا تھا۔ کیا اس نے پی رکھی تھی؟ ناز جھٹکے سے کرسی سے نیچے اتری، سگریٹ کو بجھا کر وہ

ڈسٹ بین میں پھینک چکی تھی۔اس نے ایک نگاہ اپنے کپڑوں پر ڈالی، سفید جمپر سوٹ اس کے بدن پر تھا۔اس کے ساتھ اس نے سیاہ رنگ کی ستاروں سے بھری منی جیکٹ پہنی ہوئی تھی جس کا ایک کندھا فیشن کے طور پر اس نے گرایا ہوا تھا۔ بازو کہنی تک فولڈ تھے اور ناخن سیاہ رنگ میں رنگے تھے۔

''میرے ساتھ چلو گے؟'' وہ لڑکی پوچھ رہی تھی، تیز ہپ ہاپ سانگ پر تھرکتے ہوئے ایبک کا سر اثبات میں ہل گیا۔اس لڑکی کے بازو ابھی بھی ایبک کی گردن پر بندھے تھے۔

''سپر۔'' وہ سرشاری کہہ رہی تھی۔

''مجھے اسے روکنا چاہیے یا نہیں؟'' وہ سوچ رہی تھی پھر یکلخت ہی اس نے فیصلہ کرلیا۔

ناز کپڑے درست کرتی ڈانس فلور پر آئی۔ایک دو لڑکے جو اس کی طرف بڑھے تھے کو دھکا دیتے ہوئے وہ ایبک کے سر پر پہنچی تھی جس کی جیکٹ تقریباً پوری اتر کر اس کی کہنیوں میں اٹک گئی تھی۔ وہ اس لڑکی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ان دونوں کے درمیان آئی۔ بلونڈ بالوں لڑکی اس افتاد پر بوکھلائی تھی اور ایبک سٹپٹایا، ماؤف دماغ کے ساتھ وہ اس لڑکی کے سر کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی لیکن رخ اس بلونڈ بالوں والی لڑکی کی طرف تھا۔

''یہ میرے ساتھ ہے۔'' اس نے اونچی آواز میں چیخ کر کہا۔کانوں کو پھاڑ دینے والے میوزک میں اس کی آواز دب کر رہ گئی تھی۔ بلونڈ بالوں والی لڑکی کا چہرہ اترا، اتنا ہینڈسم لڑکا اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔اس سے پہلے وہ کچھ کہتی ناز ایبک کا بازو تھام کر اسے وہاں سے نکال کر لے گئی تھی۔ وہ دونوں ساتھ باہر آئے۔ ایبک کی سبز جیکٹ ابھی بھی کہنیوں پر جھول رہی تھی۔ ناز اسے چھوڑتے ہوئے اس کے سامنے آئی اور ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے باز پرس کرنے لگی۔

''وہ کون تھی اور تم یہاں کیا کر رہے تھے؟''
ایبک متحیر انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔اس کا دماغ ابھی بھی غائب تھا۔کچھ سوچتے ہوئے زمین کو تکا پھر اس پر نظر ڈالے کھڑا ہو گیا۔
''مجھے تم درس پورے کپڑے پہننے پر دیتے ہو اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے جس کے کپڑے پبلک میں ہی۔'' وہ کچھ کہتے کہتے رکی تھی۔ایبک کے ہاتھ سیدھے تھے تبھی جیکٹ پھسل کر نیچے گر چکی تھی۔وہ ابھی بھی اسے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی انجان ہو، جیسے اس نے اسے نہ پہچانا ہو، بصارت دھندلی ہوئی، سر چکرانے لگا تھا۔
''اگر میں آج نہ ہوتی تو جانتے ہو کیا ہو جاتا؟''
اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔اس کی سماعت ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ دماغ جیسے بند ہونے لگا تھا۔اس کا بدن ڈھیلا ہوا۔وہ بس گرنے ہی والا تھا۔
''تمہارا کردار تو جاتا ہی ساتھ میں وہ الفاظ بھی جاتے جن کی وجہ سے تھوڑی سی عزت تمہارے لیے دل میں ہوئی تھی حالانکہ یہ جاننے کے بعد کہ تم ہی زمین زاد ہو میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر کیا کروں، نہیں روک پائی خود کو۔''
وہ کیا بول رہی ہے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔وہ کون ہے ایبک پہچان نہیں پا رہا تھا۔یہ کنڈیشن اس کے ساتھ اسی طرح کرتی تھی۔اگر ابھی سامنے برہان ہوتا تو وہ اسے بھی پہچاننے سے انکاری ہو جاتا جس طرح ناز کو ہوا تھا۔
''یا میں جو سب کہہ رہی ہوں فضول کہہ رہی ہوں تم اپنی مرضی سے ہی اس کے ساتھ تھے؟'' اس نے وقفہ لیا ایبک نے کچھ نہیں کہا۔اس کا وجود بہت ڈھیلا ہو گیا۔اتنا کہ اب ٹانگیں کھڑے ہونے سے قاصر تھیں۔

"ہاں میں درست ہوں تم ڈرنک نہیں ہو اور اس لڑکی کے ساتھ بھی نہیں ہونا۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔ وجہ ایبک کا گرنا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرا تھا۔ ناز پھٹی آنکھوں کے ساتھ اسے زمین بوس ہوتے دیکھ رہی تھی۔ بارش تاہنوز برس رہی تھی۔ نم زمین پر ایبک سلطان اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی جیکٹ بھی پڑی تھی۔ بارش کے قطرے زمین پر سے اچھل کر اس کی ناک پر گر رہے تھے لیکن وہ ہوش وحواس سے بیگانہ بے سدھ پڑا تھا۔ کوئی حس نہیں، کوئی غم نہیں، کوئی ملال نہیں۔

"میں نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا، غلطی ہوگئی مجھ سے۔"

وہاں سے کافی دور ایک گھر کے سیکنڈ فلور پر مرروال سے ایک لڑکا بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پشیمانی کے رنگ تھے اور دونوں ہاتھ باہم پھنس کر ہونٹوں پر جمے تھے۔

"وہ صرف ایک حادثہ تھا اسے بھول جاؤ۔"

ساتھ کرسی پر ایک اور مرد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ گرے مائل سفید بالوں والا جو اس لڑکے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ رہا تھا۔ دونوں کی کرسیوں کی پشت اونچی تھی اور اس پر گولڈن سٹیل کا بارڈر موجود تھا۔ کرسیاں سفید رنگ کی تھیں۔ برہان نے گردن کو اثبات میں ہلایا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے خود پر کنٹرول ہونا چاہیے، اتنا اموشنل ہونا صحت کیلئے اچھا نہیں ہوتا۔"

وہ ان سے زیادہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ دوپہر کے بعد شام آئی تھی۔ وہ بھی آکر ڈھل گئی۔ رات کی سیاہی بہت گہری معلوم ہوتی تھی کیونکہ صبح سے ہی دن میں شام کا سماں تھا۔ زندگی کی رونق اور عروج قائم ودائم تھا۔ شہر کے مضافات میں بنا یہ گھر اپنے اندر سکون سمائے ہوئے تھا۔

"لیکن اس دل کا کیا کروں جو کسی طور سنتا نہیں۔"

مسز جوسف چائے اور سنیکس لے کر وہاں آئی تھیں۔ ادھیڑ عمر، آنکھوں کے کناروں پر جھریاں، سانولا رنگ، سیاہ بالوں کا گردن کے قریب بندھا جوڑا، سفید تکونی سکارف میں ڈھکا ہوا تھا۔ لبوں پر مسکان سجائے وہ اس وقت پاؤں تک آتی پرنٹڈ کھلی سکرٹ اور پورے بازوؤں والی سادہ شرٹ میں ملبوس تھیں۔ اپنی سکرٹ کو ٹھیک کرتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ٹرے جوسف اور برہان کے درمیان رکھی میز پر دھری ہوئی تھی۔

"میں تم سے متفق ہوں بیٹا، تمہاری جگہ اگر میری اولاد ہوتی تو وہ بھی یہی بات کرتی، تم ایک سمجھدار، ایماندار اور نرم دل کے انسان ہو۔ اللہ تمہاری یہ نرمی رائیگاں نہیں جانے دے گا۔"

ان کے مشفق انداز پر برہان سر جھکا کر مسکرایا تھا۔ اس کا دل بھاری ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کے خلوص و محبت سے اور ایبک کی لاپرواہی سے۔

"نہیں جانتا وہ کہاں اور کس حال میں ہے، وہ اچھے تیوروں سے نہیں گیا تھا آنٹی۔"

مسز جوسف نے چائے بنا کر اسے پیش کی۔ برہان نے پلکیں اٹھا کر گرائیں اور طلب نہ ہونے کے باوجود ان کے ہاتھ سے کپ تھام لیا۔ کمرے کے کونے پر وہاں جہاں پھولوں کے گلدان رکھے تھے جار میں موجود کینڈل جل رہی تھی۔ بھینی و مدھم خوشبو سے اندازہ لگایا سکتا تھا کہ وہ کینڈل کی نہیں بلکہ تازہ گلابوں کی خوشبو ہے جو ماحول کو مسحور بنانے کے جتن میں ہے۔

"وہ بالغ ہے، سوجھ بوجھ رکھتا ہے، صحیح غلط کا پتا ہے اسے، یہاں تک کہ وہ تم سے بھی زیادہ ذہین اور کنٹرولڈ انسان ہے۔ اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ، اپنے معاملات اسے خود ہینڈل کر لینے دو۔ وہ جہاں ہوگا محفوظ ہوگا۔"

ان کی بات پر اس نے لیمن ٹی کا سپ لیا اور لبوں کو جنبش دے کر ان شاء اللہ بولا۔

"میں چلتا ہوں اب۔ پریشانی کیلئے معافی چاہتا ہوں۔"

کھڑے ہو کر اس نے جوسف سے ہاتھ ملایا تھا جبکہ مسز جوسف کے ہاتھ چوم کر وہ آنکھوں سے لگا رہا تھا۔

"خوش رہو، میری اولاد ہوتی تو میں اسے بھی خوش رکھتی۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے سر کو ہلایا، جوسف اس بات پر نظریں چرا گئے تھے۔ اللہ نے انہیں اولاد نہیں دی تھی۔ فالٹ مسز جوسف میں تھا۔ وہ کبھی بھی اس رتبے پر فائز نہیں ہو سکتی تھیں۔ جوسف اور ان کی پسند کی شادی تھی۔ اس پسند کی لاج رکھتے ہوئے ہی وہ آج تک کسی اور عورت کی طرف مائل نہیں ہوئے تھے۔ پسند کی لاج کیا رکھتے ان کا دل ہی اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا حالانکہ مسز جوسف نے انہیں دوسری شادی پر بہت منایا تھا۔ وہ چاہتے تو کر لیتے لیکن بات تو یہی تھی کہ وہ چاہتے نہیں تھے۔

☆......☆......☆

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے اپنے منہ کے اوپر سے کمفرٹر اتارا۔ نیم اندھیرے کمرے میں اسے اپنی سانسوں کے علاوہ کسی دوسرے کی سانسوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ عجلت میں اٹھ بیٹھا۔ اس سے پہلے کچھ کرتا، لائٹس آن ہو گئیں۔ یہ اس کا کمرہ نہیں تھا، یہ برہان کا کمرہ نہیں تھا، کمرہ تو چھوڑو یہ تو اس کا گھر بھی نہیں تھا اور یہ تو جوسف انکل کا گھر بھی نہیں تھا تو پھر کس کا تھا؟ اس نے گردن سائیڈ پر موڑی۔ ناز وہاں لائنز والے ٹراؤزر اور بٹنوں والی شرٹ میں موجود تھی۔ بالوں کو چوٹی میں گوندھے وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ پھیکے چہرے کے ساتھ وہ اپنے اوپر نظر ڈال رہا تھا۔ اس کے جسم پر اس کی شرٹ اور جیکٹ نہیں تھی۔ وہ اس وقت فقط

ویسٹ میں موجود تھا۔

''میں یہاں کیا کررہا ہوں؟ میں نے پوچھا میں یہاں کیا کررہا ہوں۔'' وہ یکدم پینک ہوا تھا۔آس پاس نظر دوڑا رہا تھا مگر اسے اپنی شرٹ اور جیکٹ نہیں مل رہی تھی۔

''چلاؤ مت مسٹر ایبک سلطان، پڑوسی اٹھ جائیں گے، کافی پیو گے۔''

ایبک کی آنکھیں وقت دیکھ کر پھٹ گئیں۔رات کے اڑھائی بجے وہ اس لڑکی کے کمرے میں تھا کیوں؟ اسے لگا تھا اس کا دماغ بند ہو جائے گا۔ڈر غالب ہوا، بدن سن ہونے لگا۔

''میں یہاں کیا کررہا ہوں؟'' وہ سرگوشی میں متورم خوف سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ سوال کررہا تھا۔اس کی نظریں گھڑی کی سوئیوں پر تھیں۔ہاتھوں کی کپکپاہٹ صاف نظر آتی تھی۔

''تم میرے بیڈ پر موجود ہو اور مجھ سے باز پرس کررہے ہو۔ذرا آسمان پر تو نظر ڈالو کتنا حسین ہے نا یہ۔''

بارش تھم چکی تھی۔تارے نکل آئے تھے۔سکوت ہر جانب تھا فقط ایبک کے دل کے، ناز نے بٹن پش کر کے اسے کہا تھا۔بٹن کے دبتے ہی پردے دائیں بائیں سلائیڈ کر گئے اور شیڈز فولڈ ہو گئے۔شیشے کی دیوار سامنے تھی جہاں سے چمکتا دمکتا آسمان با آسانی نظر آرہا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی۔''

ایبک کے چلانے پر ناز چند قدم چلتی قریب آئی اور اس سے بھی اونچی آواز میں بولی۔

''آواز دھیمی رکھو اپنی۔۔۔۔زمیں۔۔۔۔زاد'' آنکھیں بند کر کے اس نے خود کو سنبھالا اور گہرا سانس بھر کر بولی۔''بجائے اس کے، کہ تم میرے مشکور ہو تم مجھ پر چلا رہے ہو۔یہ کتنی غلط بات ہے، مجھے بہت برا لگ رہا ہے بہت زیادہ۔'' لاج کو پرے کیا، ایک لڑکی کے سامنے

ویسٹ میں ہونے کی شرم کو بھلایا اور جھٹکے سے سفید کمفرٹر کو خود پر سے دھکیل کر کھڑا ہوا پھر تیز قدموں کے ساتھ اس کے مقابل آ کر بولا۔

''میرے صبر کا امتحان مت لو ناز، بتاؤ کیا ہوا ہے، میں یہاں کیوں ہوں؟ کیسے ہوں، دیکھو میں مر جاؤں گا سچ بتانا مجھے۔''

اس کی آنکھوں کی سرخی، لبوں کی کپکپاہٹ، وجود کی لرزاہٹ، دل کی بے چینی اور چہرے کی مردنی پر سے ناز نے نظر ہٹائی۔ اس کے عقب سے آتی شیشے کی دیوار سے نظر آتے آسمان پر ڈال لی جہاں ایک ستارہ سب سے زیادہ جگمگا رہا تھا۔ بالکل ٹارچ لائٹ کی طرح یا پھر ایک فرشتے کی طرح۔

''تمہیں پتا ہے بچپن میں یہ چمکتا ہوا ستارہ مجھے بہت فیسینیٹ کیا کرتا تھا۔'' وہ اس کی سائیڈ سے نکل کر مرروال کے قریب آئی۔ اس ستارے کو نظروں میں اتارنے کے بعد مڑ کر ایبک کی پشت کو دیکھ رہی تھی، چوڑی پشت ہلتے ہوئے اس کی کیفیت کا پتا بتا رہی تھی۔ ''میں کہتی تھی یا تو یہ مجھے مل جائے ہمیشہ کیلئے یا پھر میں ایسی بن جاؤں بہت زیادہ چمکتی ہوئی نظروں کو سکون بخشنے والی لیکن میں ایسی نہیں بن پائی۔ ہر خواہش مکمل نہیں ہوتی ہر چاہ کی راہ نہیں ہوتی، ہے نا۔''

وہ ''ہے نا'' پر مڑا، اس کے چہرے پر ابھی بھی مردنی تھی اور آنکھیں ویسی ہی متورم و سرخ۔ اس نے بہت مشکل سے لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے اس سے ڈائریکٹ پوچھا۔ وہ چیز جسے پوچھنے میں اسے شدید عار آ رہی تھی اور دل اس عار کی مار میں مرے جا رہا تھا۔

''کیا ہمارے درمیان کچھ ہوا ہے، کیا میں نے حدود پھلانگ دیں۔'' اس کی آواز کی لرزش سے ناز کا دل بھی بھاری ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پہلا ایسا مرد دیکھ رہی تھی جو یہ سوال پوچھتے

ہوئے روہانسا ہوا تھا۔ جس کی گردن کی گلٹی مسلسل اوپر نیچے ہو رہی تھی اور لب کپکپا رہے تھے۔

اس کا سر نفی میں ہلا۔

”تم نے ایسا کچھ نہیں کیا ایبک، تم کرنے والے تھے اگر میں تمہیں بار سے لے کر نہ آتی تو شاید ویسے نہ ہوتے جیسے تم پہلے تھے۔ تم اپنے ہوش کھو چکے تھے۔“

اور وہ اس کی بات سن کر دونوں ہاتھ منہ پر رکھے بیڈ پر بیٹھ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔ سر کو گھٹنوں تک لے جاتے ہوئے وہ مسلسل کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

”تمہاری جیکٹ اتر چکی تھی اور وہ لڑکی تمہیں اپنے ساتھ لے جانے والی تھی، میں نے تمہیں جانے نہیں دیا پھر تم بیہوش ہو گئے۔ فٹ پاتھ گیلی تھی تمہارے کپڑے گندے ہو گئے تھے اس لیے ہاسپٹل والوں نے انہیں اتار دیا۔ وہی تمہیں یہاں چھوڑ کر گئے ہیں۔ تم ڈسٹرب نہ ہو اس لیے میں نے تمہیں نہیں جگایا۔“

وہ دونوں ہاتھ سر پر پھنسائے اسے گھٹنوں سے لگائے ہوئے تھا۔ ناز اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”ایلاف کون ہے؟“

ایبک نے فوراً سے سر اٹھایا، وہ تحیر ملے شاک کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا جو شانے اچکا کر رہ گئی۔

”صرف اس لیے پوچھا کہ تم غنودگی میں یہ نام لے رہے تھے، تم نے کہا تھا تم فکس ہو کیا اسی کے ساتھ ہو؟“

”میری شرٹ کہاں ہے؟“ بھاری آواز کے ساتھ وہ دریافت کر رہا تھا۔ ناز اسے دیکھتی رہ گئی۔

”لانڈری کیلئے گئی ہوئی ہے۔“ وہ کھڑے ہوتے ہوئے اپنے جوتے ٹٹول رہا تھا جب ناز

کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''تم صبح جا سکتے ہو۔ یوں بھی رات بہت زیادہ ہو گئی ہے۔''

ایبک نے فٹافٹ شوز پہنے اور کسی بات کا جواب دیے بنا اس کے گھر سے باہر نکل آیا۔ ناز مرروال سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ دیکھ چکنے کے بعد مڑی، چند قدم چل کر اس نے دیوار پر لگا بٹن پش کر دیا۔ شیڈز پھر سے گرنے لگے تھے۔ سیاہ بنیان میں ملبوس ایبک اس کے گھر کی حدود سے باہر نکل گیا تھا۔ باہر جما دینے والی سردی تھی۔ ایسا اس لیے تھا کیونکہ سردیوں کی آمد آمد تھی۔ لگاتار ہوتی بارش نے ٹمپریچر پر خاصا اثر ڈالا تھا مگر وہ ہر قسم کے احساس سے عاری گیلی سڑک پر چلے جا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں فلیش بیکس ہو رہے تھے۔ اس کا برہان کے ساتھ جھگڑ کر باہر آنا، پھر لڑکی کی پیش کش اور اس کی ہامی۔۔۔ اس نے چلتے چلتے ایک زور کی ٹھوکر سڑک پر پڑے پتھر پر ماری جو دور اڑ کر گیا تھا۔

''میں کس طرح ایسا کر سکتا ہوں، میں کیسے ہلکے کردار کا ہو سکتا ہوں؟''

یخ بستہ ہوا میں وہ سوپ شاپ کے شیلٹر کے نیچے رکھے لکڑی کے بینچ پر آ کر بیٹھا۔ شاپ کی لائٹ روشن تھیں اور اندر اکا دکا لوگ بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

''کیا میں ہمیشہ ایسا کرتا رہوں گا، مجھے غصہ آئے گا اور میں یہ سب کر دوں گا، یہ تو میں نہیں ہوں، تم نے مجھے مسخ کر دیا ہے، میں تمہیں برباد کر دوں گا۔'' وہ اپنی تخیل میں موجود انسان سے مخاطب تھا۔ اس کی آنکھوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ واثق امید تھی کہ ان شعلوں میں کوئی جل جائے۔ وہ کوئی کون تھا، یہ آگے چل کر آپ کو پتا چل جائے گا۔

☆......☆......☆

روشن صبح میں جہاں ہر طرف چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی تھیں برہان چہرے کو

مسلتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا، ڈور بیل پچھلے دو منٹ سے متواتر ہو رہی تھی۔ وہ ابھی اٹھا تھا اس لیے اس پر سستی طاری تھی لیکن یہ سستی دروازہ کھولتے ہی زائل ہو گئی۔ وہ آنکھیں سکیڑے ناز کو دیکھ رہا تھا جو ہشاش بشاش سی ان کے دروازے پر کھڑی تھی۔

''صبح بخیر، پریشانی کیلئے معذرت چاہتی ہوں۔ میں ایبک کے کپڑے دینے آئی تھی۔''

اور اس کی آخری بات سن کر تو سستی کے ساتھ نیند بھی اڑن چھو ہوئی تھی۔ برہان کی آنکھیں پٹ سے پوری کھلیں۔

''میں سمجھا نہیں۔ کس بارے میں بات کر رہی ہیں آپ؟ ایبک کے کپڑے؟'' پھر وہ اس لڑکی کے ہاتھ میں موجود کاغذ کے بھورے بیگ کو دیکھ رہا تھا جس میں سے ایبک کی شرٹ جھلک رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر اس کے چودہ طبق روشن ہوئے۔

''یہ ایبک سلطان کا ہی گھر ہے نا؟'' لڑکی نے ایک نظر نیم پلیٹ پر ڈالی۔ برہان کے اثبات میں سر ہلانے اور کنفرم کرنے کے بعد وہ مزید کہہ رہی تھی۔

''ہاں یہی ایڈریس ہے۔ دراصل کل رات وہ انہیں میرے گھر ہی چھوڑ آیا تھا۔ لانڈری سے ابھی آئے ہیں تو سوچا دے آؤں۔''

برہان کے گلے کی گلٹی اوپر نیچے ہوئی، رات، کپڑے، لانڈری اس کے دماغ میں سب گڈمڈ ہونے لگا یقین کرنا دشوار رہا۔

''ایبک کل رات آپ کے ساتھ، میرا مطلب آپ کے گھر تھا؟'' جلدی سے تصحیح کرتے ہوئے اسے اپنے لفظوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسی سے اس طرح کا سوال کر سکتا ہے۔ خوامخواہ میں ہی اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔

''ہاں بالکل ایسا ہی تھا۔ اچھا یہ لیں اب مجھے چلنا ہوگا۔ میری کلاس کا ٹائم ہونے والا ہے۔''

اس کے ہاتھ سے بیگ پکڑ کر وہ دروازہ بند کر کے اندر آیا اور تیزی سے اس میں سے کپڑے نکالنے لگا۔

''ناممکن۔''

وہ دونوں چیزیں ایبک کی ہی تھیں۔ برہان کمرے کی اور بڑھا، جوسف کا نمبر ملایا اور سب من وعن ان کے گوش گزار دیا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں موجود تھے اور اپنی حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

''ناقابل یقین بات، میں نے کہا یہ ناقابل یقین بات ہے، ایبک ایسا نہیں ہے۔ وہ کیوں کسی لڑکی کے گھر اپنے کپڑے چھوڑے گا بلکہ وہ کیوں کسی لڑکی کے گھر جائے گا۔ آخر کیوں؟''

برہان مسلسل ان کے سامنے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ میز پر بیگ اور ایبک کے کپڑے رکھے تھے جنہوں نے دونوں کو ہی پریشان کر دیا تھا۔

''وہ وہاں جا چکا ہے انکل، وہ وہاں جا کر۔'' یکدم رکتے ہوئے برہان ان سے مخاطب ہوا تھا۔ تھوڑی دیر رکا اور پھر بات وہیں سے جوڑی۔ ''پتا نہیں کیا کر آیا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا، مجھے یقین نہیں آتا کہ ایبک یہ سب کر سکتا ہے۔۔۔ کیسے؟''

وہ پھر سے ٹہلنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کی دس بجے کی میٹنگ ہے وہ یہ بھول گیا تھا۔ جوسف نے ہاسپٹل جانا ہے وہ فراموش کر گئے تھے۔ آج کا ہاٹ ٹاپک ایبک کی ''حرکت'' تھا جس نے دونوں کے ہی چھکے چھڑا دیے تھے۔

''مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی بھی اپنے بچے کو ڈیٹ کیلئے کنوینس نہیں کرتا۔ میں تو اس کی زندگی میں خوشیوں کی روح پھونکنا چاہتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بے راہ روی اختیار کر لے گا۔ اف میں کیا جواب دوں گا اللہ کو، میں کیا جواب دوں گا اپنی بیوی کو، اسے تو یقین نہیں آئے

گا، اس کا ایک یہ سب کر چکا ہے۔ وہ کیسے یقین کرے گی کیسے۔" وہ پینک ہو رہے تھے برہان نے انہیں درمیان میں ٹوک دیا۔

"انکل پلیز، حوصلہ رکھیں کچھ کرتے ہیں۔"

"تمہارا دل صحیح اس کیلئے پریشان تھا، تمہارے دل کا گھبرانا جائز تھا۔"

نیند کے خمار سے بھرپور بکھرے بالوں والا ایک برہان کے کمرے کے دروازے میں نمودار ہوا۔

"کس کا دل کس کیلئے گھبرا رہا ہے؟"

اس کی نیند سے بوجھل آواز نے دونوں کو کرنٹ کھا کر اس کی طرف مڑنے پر مجبور کیا۔ وہ دونوں اس کے حلیے پر غور کر رہے تھے۔ قینچی چپل، شارٹس اور بنیان، ستا ہوا چہرہ، نیند کے خمار سے بوجھل و سرخ آنکھیں اور بکھرے ہوئے سپرنگ بال۔

"خیریت، یہ میرا ایکسرے کیوں کیا جا رہا ہے؟" وہ شانے اچکاتے ہوئے ان دونوں سے پوچھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر اپنے کپڑوں پر پڑی۔ وہ اندر چلا آیا۔

"ناز آئی تھی کیا؟"

اس کے سوال پر جوسف اور برہان نے نظروں کا تبادلہ کیا یعنی کہ وہ اب دھڑلے سے اس لڑکی کا نام ان دونوں کے سامنے لے گا۔ شاباش ایک بچے شاباش۔

"مجھے لگا نہیں تھا وہ اتنی صبح آ جائے گی۔" اپنی شرٹ اور جیکٹ کو لے کر وہ ان کی سنے بنا وہاں سے چلا گیا۔ جوسف نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسا کر ہونٹوں پر دھرا۔

"کیا یہ سب ہو گیا ہے؟" برہان کی بات پر جوسف کی ماتھے کی سلوٹیں مزید گہری ہوئیں۔ "یقین کرنا دشوار ہے لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ ایسا ہو گیا ہے۔" انگلیاں ہونٹوں پر

دھری تھیں اور وہ ان کے پیچھے سے لبوں کو جنبش دے رہے تھے۔

"پھر آگے کیا کرنا ہے ہمیں یعنی وہ کسی لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس کے گھر رہ لیا ہے اور وہ نارمل ہے مطلب میں الجھا ہوا ہوں۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا، کیا جائے۔"

جوسف نے میز پر رکھا گلاس اٹھایا حلق کو تر کیا اور صدیوں بعد بولے۔

"اسے شاید پہلی نظر کی محبت کہتے ہوں۔ ہو سکتا ہے اس نے مووآن کرنے کا سوچ لیا ہو۔"

وہ ان کی بات سے اتفاق کر بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔ وہ واقعی الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ صبح پھوٹ چکی تھی۔ شہر کے مضافات میں بنا یہ گھر پرندوں کی چہچہاہٹ سے گونج اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا پورے جہاں کے پرندے ان کے گارڈن میں مقیم ہو گئے ہوں۔

"اللہ اس کے حال پر رحم کرے۔" دروازے پر ہوتی ناک پر دونوں نے اس سمت دیکھا۔ وہ ان کی نظروں کے سامنے تیار کھڑا تھا، کافی رنگ کی جینز، گرے ٹی شرٹ اور اس پر موجود سبز جیکٹ۔ یہ وہی جیکٹ تھی جو ابھی ناز دے کر گئی تھی۔ اس نے جیکٹ کے رنگ کے ہی شیڈز آنکھوں پر لگائے ہوئے تھے۔ صبح کے سات بجے کی اس تیاری دونوں کیلئے حیران کن تھی کیونکہ وہ دیر سے اٹھنے کا عادی تھا۔ رات بھر کمپیوٹر کے ساتھ مغز ماری کرنا اور دن میں اسی مغز کو آرام پہنچانا اس کے شیڈول کا اہم حصہ تھا۔ بہت کم ایسا ہوا تھا کہ وہ صبح اتنی جلدی اٹھ جائے۔

"میں ناز سے ملنے جا رہا ہوں۔ لیٹ ہو جاؤں گا پریشان نہیں ہونا۔"

وہ دونوں ایک بار پھر سے نظروں کا تبادلہ کر رہے تھے۔ ایک اچنبھے سے انہیں دیکھتے ہوئے ٹوکری میں سے سیب اٹھا گیا۔ بائٹ لینے کے بعد وہاں سے جاتے ہوئے وہ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جن کی نظریں آج بدلی بدلی سی لگ رہی تھیں۔ اس نے شانے اچکائے اور

شان بے نیازی سے وہاں سے چلا گیا۔

"یعنی رات میں دل نہیں بھرا موصوف کا جواب بھی چلے گئے اور آنے کا بھی دیر سے کہہ رہے ہیں۔کمال۔" یہ جوسف تھے جو حد درجہ سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ چڑیوں کی تیز چہچہاہٹ میں برہان کی آواز دب سی رہی تھی۔

"میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ وہ کتنی آسانی سے کہہ گیا کہ ناز سے ملنے جا رہا ہے۔ مطلب اب کوئی پردہ بھی نہیں، وہ بدل گیا ہے۔۔۔۔عجیب۔"

اور جس کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔وہ سیب کی بائیٹس لیتے ہوئے یونیورسٹی کے آگے آ کر رکا، ہاتھوں کو جھاڑ کر ٹشو سے صاف کیا اور ایک نمبر ملا کر فون کو کان سے لگا لیا۔

"ہاں ناز یہ میں ہوں ایک، اگر کوئی ضروری لیکچر نہیں ہے تو باہر آ جاؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" فون بند کر کے وہ اسٹیئرنگ پر انگلیاں چلا رہا تھا جب اسے دونوں شانوں پر بیگ ڈالتی ہوئی ناز نظر آئی، اس نے دو اونچی پونیاں باندھی ہوئی تھیں۔ ہلکے سبز رنگ کا ٹراؤزر تھا جس کے پائنچوں میں الاسٹک ڈلا تھا اور سفید ٹی شرٹ پر اس نے ٹراؤزر کے رنگ کی ہی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ چیونگم چباتے ہوئے وہ اسے دیکھ کر مسکرائی جو اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجا رہا تھا۔

"واٹ آ سرپرائز۔" وہ اس کی کار میں بیٹھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ سیٹ بیلٹ لگانے کے بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی جو کار سٹارٹ کر چکا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔ سوچا یہی مناسب وقت ہے اس لئے چلا آیا۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائی جس کا چہرہ پتھر کی طرح سپاٹ تھا۔ اس نے ایک خیال کے آنے پر سر جھٹک دیا۔

"وضاحت کے بغیر بھی ہم بات کر سکتے ہیں، آج صبح روشن ہے کوئی بادل بارش نہیں،

سب صاف ہے۔" وہ ایک کیفے کے باہر کار کو روک چکا تھا۔ دونوں آگے پیچھے کیفے کے اندر گئے جہاں ناشتہ سرو کیا جا رہا تھا۔ ایبک نے آرڈر کرنے کے بعد اس کی طرف دیکھا۔ وہ لفظوں کو بن رہا ہے صاف نظر آ رہا تھا۔ ناز نے اس کی پریشانی حل کر دی۔ وہ لکڑی کی میز پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے بولی۔

"میں نے سنا ہے جو عقل مند ہوتا ہے وہ بیتے دنوں کی باتیں نہیں کرتا، بھول جاؤ کل کو۔"

اس کی چمکتی آنکھیں ہیروں کا سا تاثر دے رہی تھیں۔ ان میں ریاکاری نہیں تھی۔ سادہ و پاک سی تھیں۔ ایبک ان میں ہی دیکھتے ہوئے سر کو ہلا رہا تھا پھر اس کی آواز اس سہانی صبح میں گونجی جو کچھ یوں تھی۔

"اور مجھے لگتا ہے جو کل کو بھول جاتے ہیں وہ سب بھول جاتے ہیں۔ تمہیں یقین کرنا ہوگا ناز، میں وہ انسان ہوں جو حال میں نہیں ماضی میں سانس لیتا ہے، بیتا کل میری زندگی ہے۔"

اس کی آواز افسردہ تھی، کھوئی ہوئی سی، محروم و پشیمان۔

"معلوم ہوتا ہے وہ زندگی بہت حسین تھی۔"

نظریں جھکائے ہی وہ مسکرایا۔

"وہ زندگی ایلاف ہے نا؟"

اس نے نظریں اٹھائیں۔ پانی کی تہوں میں ڈوبی ہوئی نظریں ناز کا دل جکڑ گئی تھیں۔ وہ یہ سب نہیں کہنا چاہتی تھی کہہ گئی۔

"کیا وہ اس دنیا میں نہیں ہے؟"

ہلکی متورم آنکھوں کے ساتھ ایبک نے نفی میں مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ وہ اس دنیا میں تو ہے لیکن میری نہیں ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ جیسے آپ چاہیں وہ

آپ کا ہو۔ وہ میرے دل، میں میری روح میں زندہ ہے اور میں خوش ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے یہی قدرت کا فیصلہ ہے۔ وہ جو سوچتا ہے جو کرتا ہے، حکمت سے پر ہوتا ہے۔ مجھے اس کا ہر فیصلہ منظور ہے۔"

وہ ایک اچھا انسان تھا لیکن اس اچھے انسان کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔ ایسا ناز کو اس ملاقات میں معلوم ہو گیا تھا۔ ایبک کا ایک ہیکر کے حوالے سے جو خاکہ اس کے دماغ میں بنا تھا وہ آہستہ آہستہ مٹنے لگا۔ ہم لوگ انسانوں کو بہت غلط انداز میں پرکھنے لگتے ہیں۔ کسی کتاب کو اس کے کور سے جج نہیں کیا جا سکتا، بالکل اسی طرح کوئی انسان اپنے ظاہری خول سے نہیں پہچانا جاتا، کسی کو جاننے کیلئے اس کے اندر اترنا پڑتا ہے۔ اس کی سوچ کو خود پر چڑھانا پڑتا ہے، اس کے محسوسات کو محسوس کیا جاتا ہے تب کہیں جا کر ہم کسی کو جانتے ہیں دو چار باتیں کرنے سے نہیں۔

"تم نے کبھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

اس سوال پر ایبک کی آنکھوں میں مرچیں بھری تھیں۔ ویٹر ناشتہ لگا چکا تھا۔ اس نے جوس کو اٹھا کر لبوں سے لگایا، کیفے میں اکا دکا لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مدھم کانٹوں اور چمچوں کی آواز وہاں پر موجود تھی۔ وہ ناز کو آملیٹ کا بائٹ لیتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

"کل جو کچھ بھی ہوا، میں نہیں چاہتا جوسف انکل کو یا برہان کو اس بارے میں پتا چلے، تم میرے اس راز پر پردہ ڈال دو، اللہ تمہارے کسی راز پر پردہ ڈال دے گا۔"

"ٹھیک ہے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی، اب تو تمہیں پتا چل گیا ہوگا کہ میں اچھی لڑکی ہوں۔ تم مجھ سے دوستی کر سکتے ہو۔" اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ ایبک نے اس کے ہاتھ کو مسکراتے ہوئے اگنور کیا پھر نیپکن سے منہ پونچھنے لگا۔ ناز نے ہاتھ کی

مٹھی بنا کر اسے پیچھے کیا تھا۔

جہاں وہ کیفے میں بیٹھا ناز کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا وہیں برہان نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ جوسف اور وہ آج ساتھ تھے۔ وجہ ایک ہی تھا جو صبح کا نکلا شام میں بھی نہیں لوٹا تھا۔ سہانی صبح کا سورج غروب ہونے کے مقام پر آن پہنچا اور پرندے اپنے اپنے آشیانوں کی جانب محو پرواز ہوئے، بادلوں نے ایک بار پھر سے بیجنگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا لیکن یہ وہ بادل نہیں تھے جو برستے ہیں یہ تو بس سایہ کیے کھڑے تھے۔

''کب تک ایسے کھڑے رہو گے؟''

جوسف کی آواز پر اس نے رخ ان کی جانب موڑا، وہ فرنچ ونڈو کے سامنے کھڑا تھا جو لان میں کھلتی تھی۔ وہاں سے مین گیٹ بھی با آسانی نظر آتا تھا جس پر برہان کی نگاہیں پچھلے تین گھنٹوں سے مرکوز تھیں۔

''مجھے لگا تھا میں اس لڑکے کا علاج کرواؤں گا۔ جب وہ ٹھیک ہو جائے گا تو واپس اپنی دنیا میں مگن ہو جاؤں گا، یہ اس پر منحصر ہوگا وہ جہاں بھی رہنا چاہے میں اس سے کانٹیکٹ میں نہیں رہوں گا کیونکہ میں اپنا کام کر چکا ہوں گا۔'' وہ انہیں دیکھتا کہہ رہا تھا۔ پریشان تھا تبھی پریشانی اس کے لفظوں میں گھلی تھی۔

''پر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ دل جوڑ بیٹھوں گا، وہ ایک لمحے کو بھی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو بے چینی ہونے لگتی ہے مجھے، کس قسم کا دوراہا ہے نا یہ جس میں، میں پھنس چکا ہوں۔''

جوسف اٹھ کر اس کے پاس آئے، شانے پر ہاتھ رکھا اور تسلی آمیز انداز میں گویا ہوئے۔

''تم اس کے ساتھ تبھی بندھ گئے تھے جب تم نے اسے کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا،

تمہارا دل صاف ہے اور وہ اس میں تمہارے بھائی کی طرح آن بسا ہے یا پھر بھائی لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اولاد کہہ لیتے ہیں تم اسے بچوں کی طرح عزیز کر بیٹھے ہو۔"

وہ ان کی بات پر خاموش رہا تھا۔ آنکھوں میں اداسی گھل گئی تھی۔ اس اداسی کو چھپانے کی غرض سے اس نے سر کو جھکایا اور جھکی ہوئی آواز کے ساتھ ہی بولا۔

"اسے بدلہ لینا ہے اور میں جانتا ہوں اس سب کا انجام موت ہے جن لوگوں سے وہ ٹکر لینے کی سوچ رہا ہے وہ کوئی عام لوگ نہیں ہیں۔ ان کے پاس پاور اور پیسہ ہے۔ ایبک کے پاس کیا ہے فقط بدلے کی آگ کے، ہم ان سے ایسے نہیں لڑ سکتے جوسف انکل، ان سے لڑنے کیلئے ہمیں پیسہ چاہیے، پاور چاہیے جو کہ ہم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔"

ان دونوں کا رخ لان کی طرف نہیں تھا۔ ایبک کب اندر آیا دونوں کو پتا ہی نہ چلا۔ وہ ابھی دروازہ کھولنے ہی لگا تھا کہ برہان کی بات نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا ہاں یہ بات سچ ہی تھی۔

"میں اسے نہیں کھونا چاہتا وہ یہ بات نہیں سمجھ رہا، وہ جن راستوں پر چلنے کا سوچ رہا ہے وہ اسے بھٹکا دیں گے۔ میں کیسے اسے روکوں، کیسے منع کروں وہ میری بات نہیں سمجھے گا۔"

ایبک وہاں سے چلا گیا تھا۔ کمرے میں آکر اس نے دروازہ بند کیا، لیپ ٹاپ آن کیے وہ چند چیزیں اس سے جوڑ گیا تھا۔ برہان نے کہا ہے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے وہ پیسہ اب ایسے حاصل کرے گا۔ اس نے کہا اس کے پاس پاور نہیں ہے پاور بھی اب وہ اسی طرح ہی پائے گا۔ پچھلے چند سالوں سے وہ گرے ہیٹ ہیکر رہ چکا تھا لیکن وہ ماضی تھا تب وہ اچھا تھا۔ اچھائیاں پھیلانا چاہتا تھا۔ اب بھی وہ اچھا ہے لیکن اچھائیاں اسے راس نہیں اس لیے وہ خود کو بلیک ہیٹ میں کنورٹ کر چکا تھا۔

اس قسم کے ہیکر عام طور پر آن لائن چوری کرنے، نظام کو تباہ کرنے، قانونی صارفین کو سروس کیلئے انکار کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ ڈیٹا چراتے ہیں تا کہ اسے بلیک مارکیٹ میں مہنگے داموں فروخت کر سکیں یا پھر جس انسان کا ڈیٹا ان کے ہاتھ لگا ہے، اسے بلیک میل کر کے پیسے بٹور سکیں۔ سیاہ ٹوپی ہیکر کا اے ٹی ایم کی کرپشن، بینکس کی چوریوں، سرورز میں داخل ہونے، کمپیوٹر سکیورٹی کی خلاف ورزی کرنے، کریڈیٹ کارڈ نمبر یا پاس ورڈ چوری کرنے، ٹرانزکشنز میں ہیر پھیر اور بجلی چوری کرنے میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ بلیک ہیٹ ہیکر وہ ہوتا ہے جو انٹرنیٹ سے جڑے کسی بھی کمپیوٹر یا پھر لیپ ٹاپ اور سیل فون میں بری نیت سے گھس جاتا ہے بالکل بن بلائے مہمان کی طرح۔ ان کا زیادہ تر مقصد پروگرام کے اجزا چینج کرنا، دوسرے کمپیوٹرز کیلئے وائرسز بنانا، محفوظ علاقوں تک رسائی حاصل کرنا، محفوظ نظام کو توڑنا اور غلط معلومات کی ترسیل کرنا ہے۔

اچھا یہاں پر میں ایک بات بتاتی چلوں، زیادہ تر لوگ کریکرز اور ہیکرز کو ایک ہی پہلو میں جانچتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ہیکرز میں وائٹ، بلیک، گرے اور مختلف رنگ کے ہیکرز ہوتے ہیں (یہ رنگ بھی انہیں ہالی ووڈ کی پرانی فلموں سے ملا تھا جن میں ہیرو سفید کپڑوں یا ٹوپی میں ہوتا تھا اور ولن سیاہ۔۔ ہالی ووڈ سے اس چیز نے بالی ووڈ تک سفر طے کیا اور اب پوری دنیا میں ہیرو اور ولن کے درمیان فرق کرنے کیلئے رنگوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہیرو کی ٹوپی سفید امن والی اور ولن کی سیاہ فساد والی۔ ہیکرز کمپیوٹر اور انفارمیٹکس کے ماہر ہوتے ہیں۔ آپریٹنگ سسٹم اور پروگرامنگ وغیرہ کے بارے میں خطیر معلومات رکھتے ہیں۔ یہ علم کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔

جبکہ کریکر وہ ہوتے ہیں جن کے پاس معلومات ہوتی ہیں کہ کس طرح تھرڈ پارٹی سسٹم

تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ زیادہ تر کمپیوٹر سیکیورٹی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ذاتی طور پر پیسہ کمانا اور دوسرے صارفین کو نقصان پہنچانا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے تبھی تو کریکر کی اصطلاح ''کرمنل ہیکر یعنی بلیک ہیٹ ہیکر'' سے آئی ہے (ہسپانوی میں یہ ہیکر کریمنل یا ورچوئل وینڈل ہوسکتی ہے) اس کا یہ نام 1985ء میں تشکیل ہوا تھا تاکہ ہیکر کو کریکر سے الگ کیا جاسکے۔ کریکر سسٹم تک پہنچنے کیلئے زیادہ تر کوڈز سے دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ ان کے پروگراموں میں معمول کی بات ہے جن کیلئے پہلے لائسنس یا کوڈ کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب کریکر سسٹم میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا پروگرام بناتا ہے جو سیریل کوڈ یا ایکٹیویشن کوڈ کو تشکیل دیتا ہے لیکن ظاہری بات ہے یہ دو نمبر طریقہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے پروگرام مصنوعی کوڈز کو پروگرامنگ الگورتھم کے ذریعے انجام دیتے ہیں جو ''کریک'' ہوتے ہیں۔ کریکر کہلانے کیلئے لوگوں کے پاس کمپیوٹر اور اس کا بہت زیادہ علم ہونا ضروری ہے ہیکرز کی طرح۔

بلیک ہیٹ ہیکر زاور کریکر زمیں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں میں ہے۔ ایک کبھی گرے ہیٹ تھا مگر اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ کریکر بنتا گیا۔ وہ غلط راہ پر آ گیا تھا۔ اس نے کریکر کا سفر طے کر کے خود کو بلیک ہیٹ بنا لیا تھا۔ ڈارک نیٹ پر وہ اب جانا جانے لگا تھا۔ ٹور (انجین روٹنگ پروجیکٹ) پر وہ ظاہری بات ہے موجود تھا۔ ڈارک نیٹ اب اس کی پناہ گاہ تھی اور وہی اس کا اب بزنس بھی تھا جہاں سے اس کے پاس پیسوں کی ریل پیل ہونے لگی۔

زمین زاد بیجنگ میں مشہور ہو چکا تھا، بیجنگ کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی اس کا تذکرہ کیا جانے لگا۔ برہان اس کی حرکتوں پر خاموش نہیں رہا تھا۔ اس نے احتجاج کیا تھا۔ اس کے ساتھ بائیکاٹ کیا تھا۔ وہ بولنا، کھانا ترک کر چکا تھا۔ اسے ایک اور اس کی حرام کی کمائی سے کراہیت آنے لگی تھی۔ وہ اس سے کھنچ گیا تھا، دور ہو گیا تھا۔ جوسف بھی اس سے خفا تھے۔

مسز جوسف اس کی شکل دیکھنے کو تیار نہیں تھیں۔ اب بھی وہ ان سے ملنے آیا تھا لیکن اسے اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

''اچھائی کا ساتھی ہر کوئی ہے۔ اگر وہی اچھائی برائی میں بدل جائے تو سب منہ کیوں موڑ لیتے ہیں؟'' وہ جوسف سے سوال کر رہا تھا جو دروازے میں کھڑے اسے اندر آنے نہیں دے رہے تھے۔ ان کی ماتھے کی شکنوں میں ناراضی کے ساتھ سوال بھی تھے جنہیں فی الحال پڑھنے سے اس نے گریز کیا تھا۔

''تم یہاں سے چلے جاؤ لڑکے، یہ نہ ہو میرے لب پولیس کیلئے وا ہو جائیں۔'' دروازے پر رکھا ان کا ہاتھ ایبک نے نرمی سے ہٹا کر اپنے لیے راستہ بنایا۔ وہ اندر آ چکا تھا۔ کون تھا جو اسے مزید روک پاتا۔

''آپ لوگ تو مجھے اپنے والدین کہتے ہیں۔ کیا والدین اولاد کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں؟''

اس کے سوال پر جوسف کا ہاتھ اٹھا تھا۔ وہ اگر اس کے چہرے پر پڑ بھی جاتا تب بھی وہ نہ روکتا کیونکہ انہیں اس چیز کا حق حاصل تھا۔

''جو سب کچھ تم کر رہے ہو اس کے بعد اس طرح کی باتیں تمہیں سوٹ نہیں کرتیں، تم یہاں سے چلے جاؤ ایبک، تم نے ہمیں دکھ دیا ہے۔'' وہ ترش لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کے کہنے کے دوران ہی ایبک نے انہیں گلے سے لگا لیا۔ یہ اس کا منانے کا انداز تھا۔ جب بھی کوئی اپنا اس سے خفا ہوتا یا بیزاری ظاہر کرتا تھا وہ اسی طرح اسے خود میں سمو لیتا تھا جس طرح ابھی جوسف کو سمویا تھا۔ پھر سامنے والا کچھ کہنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔ اس کی محبت سے لبریز پکڑ ہی چپ رہنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

''میں معذرت خواہ ہوں، آپ لوگوں کو رنج نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن میری پوزیشن بھی تو دیکھیں میں مجبور ہوا ہوں، میں یہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ایسا کرنا ضروری تھا بے حد ضروری۔'' وہ ان کے گلے لگے ہی کہہ رہا تھا۔ دو سال پہلے جب برہان نے پاور اور پیسہ کی بات کی تھی اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آج دو سال بعد وہ اتنا امیر تھا کہ پورا بیجنگ خرید لیتا۔ ایبک سلطان دنیا کے امیر ترین انسانوں کی فہرست میں آ گیا تھا، کیسے؟ انہی کا پیسہ انہی سے لوٹ کر، سکام کر کے، بلیک میل کر کے، بلیک ویب پر راج کر کے۔

''تمہاری ہر تاویل بے معنی ہے۔''

''اگر میں آپ کو اپنی زندگی کا وہ حصہ بتا دوں جو مجھے ان حالوں تک لایا ہے تب بھی آپ یہی کہیں گے، برہان جان گیا ہے میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔ آپ بھی جان جائیں تا کہ مجھے میرا خاندان واپس مل جائے۔''

وہ اس کمرے میں آ گیا تھا جہاں مسز جوسف اس کی تصویر ہاتھوں میں تھامے اداس سی کرسی پر جھول رہی تھیں۔ ایبک ان کے گھٹنوں میں بیٹھا۔

''سناؤں میں آپ کو ایبک سلطان کی کہانی؟'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کمرے کی فضا اس کی داستان سے بوجھل ہو گئی۔ وہ وہاں ماضی لے آیا تھا اور وہ سب ان کو بتا دیا تھا جو وہ خود سے بھی چھپا رہا تھا۔ راز میں رکھ رہا تھا دل کے مقفل تہہ خانوں میں۔

اب وہی خانے ایک ایک کر کے کھل رہے تھے۔ پرت در پرت، تہہ در تہہ۔

☆......☆......☆

''مجھے نہیں لگا تھا دو سالوں میں ہم اتنے اچھے دوست بن جائیں گے۔'' وہ گرما گرم کافی

کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ دونوں اس وقت کافی شاپ کے باہر بچھی کرسیوں میں بیٹھے تھے۔ سردیوں کی آمد آمد تھی، اس لیے ٹھٹھراتی ہوا یہاں وہاں مچلتی پھر رہی تھی۔

"میرا بھی کچھ یہی خیال ہے، آؤ گے آج رات میرے گھر؟" وہ اس کے سوال پر ہنسا، اس کی ہنسی اچھی تھی۔

"آنا تو چاہتا ہوں لیکن میں نے نوٹ کیا ہے برہان مجھ پر شک کر رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا وہ کچھ اوٹ پٹانگ سوچے اس لیے کچھ دن کیلئے احتیاط کر لیتے ہیں۔"

ناز یکدم دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر آگے کو جھکی، اس کی آنکھوں میں اشتیاق کے رنگ تھے۔

"یعنی وہ سوچ رہا ہے ہمارے درمیان کوئی سین چل رہا ہے؟ لائک سریسلی تم نے بتایا کیوں نہیں اسے کہ تم میرے گھر اس لیے رکتے ہو کیونکہ ہم ساتھ کام کرتے ہیں۔" وہ پر جوش اور کنفیوزڈ سی اس سے کہہ رہی تھی۔ ایبک نے بھی کافی کا سپ لیا۔ اطراف میں لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں بولا۔

"مجھے ضروری نہیں لگا اس لیے نہیں بتایا یعنی اسے مجھ پر یقین ہونا چاہیے، وہ پاگل سا ہے۔" کپ کو جھک کر میز پر رکھنے کے بعد وہ واپس سیدھا ہوا اور ناز کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے سننے لگا۔

"ہاں ٹھیک کہا۔ ویسے اس نے کوئی غلط بات بھی نہیں سوچی، ایسا ہو سکتا ہے اگر تم چاہو تو۔" وہ اس کی بات پر ہنسا۔ ہنسنے کے بعد "شٹ اپ" بول گیا۔ دفعتاً کوئی اس کے پاس سے گزرا تھا۔ گزرنے والے نے جان بوجھ کر اپنا پاؤں اس کے پاؤں سے ٹکرایا۔ ایبک نے غصے سے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ہڈ میں چھپا نوجوان تھا جو اسی طرح کی حرکت اب کسی دوسرے کے ساتھ کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کافی شاپ میدان جنگ بن گئی کیونکہ دوسرا انسان

برداشت سے خالی تھا تبھی اس لڑکے پر بھڑک اٹھا اور ہاتھا پائی شروع کر دی۔

"چلو ہم چلیں۔" وہ تحمل سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک وہی تھا جو اپنی میز پر بڑے آرام سے براجمان یہ سب ہوتا دیکھ رہا تھا۔ باقی تو ہر کوئی اس ٹیبل کے گرد جمع ہو چکے تھے جہاں وہ دونوں لڑکے آپس میں گتھم گتھا تھے۔

"لیکن ہمیں انہیں چھڑوانا چاہیے۔"

ایبک نے وہاں موجود بے تحاشہ لوگوں پر نگاہ گھمائی جو اس منظر کو قید کر رہے تھے پھر بولا تو وہی پرسکون انداز تھا۔

"یہ کام پولیس کا ہے، وہ آ کر کر لے گی۔ یوں بھی وہ لڑکا فرسٹریٹ لگتا ہے جب اس کی فرسٹریشن ختم ہو جائے گی وہ خود ہی رک جائے گا۔"

دونوں آگے پیچھے وہاں سے جانے لگے تھے جہاں اب مزید عوام اکٹھی ہو چلی تھی۔ ان کے عقب میں عوام کا ہجوم تھا۔ وہ ان سب کو چھوڑ کر آگے چل رہے تھے۔

"اچھا تمہیں کیسے پتا کہ وہ لڑکا فرسٹریٹ تھا؟" ایبک نے مسکراتے ہوئے اپنے دائیں جانب چلتی لڑکی کو دیکھا۔

"مجھے حیران مت کرو تم، اس کے پاؤں مارنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت کس قدر اشتعال میں ہے۔ یوں بھی میں یہ سب فیس کر چکا ہوں۔"

وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے ساتھ روڈ سائیڈ پر نکل آیا۔ موسم سرد تھا، یخ بستہ ہواؤں میں شدت سی تھی۔ ناز نے اپنی ناک کو ایک شاپ کے مرر سے یونہی گردن موڑ کر دیکھا، وہ سرخ ہو چکی تھی، سردی کی وجہ سے سرخ۔

"مطلب تم بھی یہ سب کر چکے ہو؟" اپنی ناک سے نظر ہٹا کر وہ متحیر انداز میں پوچھ رہی

تھی۔ ایبک کے لبوں پر مسکان نے احاطہ کیا۔
”بہت بار، پتا ہے اس سے سکون ملتا ہے یعنی آپ اپنا غصہ بھی نکال دیتے ہو اور خود کو ہلکا بھی محسوس کرتے ہو۔“ ناز اس کی بات سے متاثر ہوئی تھی۔ دو سالوں میں اسے ایبک کی کئی باتوں نے متاثر کیا تھا۔ وہ یہاں پڑھائی کے غرض سے آئی ہوئی تھی اور اب اس کا ہمیشہ یہیں رہنے کا ارادہ تھا کیونکہ وہ نہیں سمجھتی تھی کہ پاکستان میں اب وہ ایڈجسٹ کر پائے گی۔ یوں بھی اس کی آدھی زندگی یہاں گزری ہے اور اسے یہاں کے لوگوں اور کلچر سے پیار ہے۔
”اور کیا، کیا چیزیں ہیں جو میں نہیں جانتی؟“
ٹرین ان کے پاس سے گزری تھی۔ وہ سرخ ٹرین کے جانے کے بعد سڑک کراس کر رہے تھے۔ لوئیس شاپ کے باہر تھوڑا سا آگے دائیں طرف کو ایک لڑکا روبوٹ ڈانس کرتے ہوئے لوگوں کو انٹرٹین کرتا نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں اسے کراس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
”تم ابھی کچھ جانتی ہی نہیں فقط اس کے کہ میں ایک مجرم ہوں۔“ بڑے مزے سے اتنی بڑی بات کہہ کر وہ ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا لیکن ناز نہیں بڑھی۔ وہ رک گئی تھی جیسے کسی نے اس کے پاؤں زنجیر سے جکڑ لیے ہوں۔ مشینوں والے میوزک کی آواز وہاں تک پہنچ رہی تھی کیونکہ وہ اس کرتب دکھاتے لڑکے سے زیادہ دور نہیں گئے تھے۔
”کیا ہوا؟“ ایبک نے مڑ کر اس سے دریافت کیا، جس کی آنکھیں خشمگیں تاثر لیے ہوئی تھیں، بولی تو آواز بھی کھردری ہو گئی۔
”تم نے خود کو مجرم کہا ہے؟“
”تو کیا میں نہیں ہوں؟“ وہ کاندھے اچکاتا متوازن لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ناز نے چند قدم اٹھا کر خود کو اس کے مقابل روکا۔

”تم نہیں ہو، ایسا کیا ہی کیا ہے تم نے جو مجرم ٹھہرائے جاؤ۔“ اس کے لب پھر سے مسکراہٹ میں ڈھلے، دبیز پشیمان کے بوجھ میں ڈوبی مسکان۔

”بلیک میل کر کے پیسہ بٹورنا، بینکس کے لاک فریز کر کے پیسہ اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروانا، ویب سائٹس کنٹرول کر کے خود کو فل کرنا، قیمتی چیزوں کی ڈلیوری وے بدل کر اپنے پاس بلوا لینا اور ملز کی تجوریاں خالی کر دینا کیا ایک مجرم کا کام نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو میں حیران ہوں۔“ وہ اتنے عام سے انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا جیسے بات اس کی نہ ہو بلکہ کسی اور کی ہو، ناز لمحہ بھر کو لاجواب ہوئی۔

”تم کیا چیز ہو ایبک، تمہیں ذرا خوف نہیں ہے کسی بات کا اچھے سے جانتے ہو جو سب ہو رہا ہے وہ اچھائی پھیلانے کیلئے ہے تو پھر کیوں سب گنواتے ہو۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا دونوں ایک بار پھر سے چلنے لگے تھے۔

”اچھائی پھیلانے کیلئے نہیں ہے ناز، سب میرے مفاد کیلئے ہے میں جو کر رہا ہوں اپنے لیے کر رہا ہوں اور یہ بات تم بہت اچھے سے جانتی ہو۔“

ایبک کا کوئی بدلے والا سین ہے یہ تو اسے پتا تھا لیکن وہ کیا ہے یہ اس نے کبھی نہیں بتایا تھا اور نہ ہی ناز نے اس سے کریدنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس کی پرسنل بات تھی اور کسی دوسرے کی پرسنل بات جاننے میں متجسس ہونا بہت بری بات ہوا کرتی ہے۔ جس طرح اللہ ہمارے رازوں پر پردہ رکھتا ہے، ہمارے سارے گناہ، سارے کالے کام چھپا لیتا ہے اسی طرح اگر ہم کر لیں گے تو کیا ہو جائے گا؟ دل میں وسعت ڈال کر اسے تنگ ہونے سے بچا لیں گے تو یقین کریں اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ آپ گناہ کرتے ہیں، بار بار کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں اور پھر اس گناہ کو دوبارہ دوہرا لیتے ہیں۔ دل میں عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد یہ کام نہیں

کریں گے، دو دن اس بات پر قناعت کرتے ہیں لیکن پھر تیسرے دن کیا ہوتا ہے؟ کیا کرتے ہیں آپ؟ اسے دوبارہ ریپیٹ کر دیتے ہیں۔ سارے وعدے سب بھول جاتے ہیں۔ دراصل گناہ ہے ہی اسی چیز کا نام، یہ آپ کو چاروں شانے چت کر کے ختم کر دیتا ہے اور آپ پھر وہی کرتے ہیں جسے نہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوتے ہیں۔ کوئی دکھ، کوئی رنج، کوئی شرمندگی نہیں ہوتی کیوں؟ کیونکہ آپ اس گناہ کے عادی ہو جاتے ہیں، جیسے جینے کے عادی ہوتے ہیں، خواب دیکھنے کے اور خواہش کرنے کے اور پھر آپ مجبور ہو کر وہ سب کرتے ہیں جو نہیں کرنا ہوتا چاہیے

اللہ کو ناخوش کرنا۔

چہرے کا نور کھو دینا۔

برے بننا۔

ناکام ہونا۔

بے حس ہونا۔

گناہ کی وجہ سے آپ ان پانچ چیزوں کو فیس کرتے ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی نوعیت کے کیوں نہ ہوں، جب تک آپ گناہ گار رہتے ہیں کامیابی، ترقی، خوشحالی اور سکون آپ سے ہمیشہ دور رہے گا۔ یقین نہیں آتا تو خود کا تجزیہ کر کے دیکھ لیں آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

ناز نے کچھ نہیں کہا تھا۔ کچھ بچا ہی کہاں تھا کہنے کو، وہ لب بستہ سی اس کے ہم قدم ہوئی کہ اب سوائے چلنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ:۔

ان لوگوں کے پاس یہ پچیس دن تھے جو انہوں نے بیجنگ میں گزارنے تھے۔ایک نے برہان اور اپنی ٹکٹ کنفرم کروالی تھی۔جوسف انکل نہیں جانا چاہتے تھے اور اس کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ یہاں ہی رہیں لیکن پھر بھی ایک خالی پن سا تھا جو اسے انہیں چھوڑتے ہوئے محسوس ہورہا تھا۔آج عرصے بعد دل کی دنیا اداس تھی، سڑک پر پھیلی نمی اس کے دل میں موجودنمی سے کم نہ تھی۔وہ جیکٹ پہنے شوز کے لیسز باندھ رہا تھا جب برہان اس کے پاس آیا۔

''اصولاً تو مجھے تم سے ہر ناطہ توڑ دینا چاہیے لیکن کیا کروں، دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔''

وہ اس کے سر پر کھڑا تھا باہر بارش ہورہی تھی۔ایسا کھڑکی سے دیکھا جاسکتا تھا۔

''تمہارا غصہ جائز ہے، میں نے واقعی گناہ کیے ہیں، ان لوگوں سے بدلہ لینے کیلئے مجھے گناہ کی طرف مائل ہونا پڑا۔'' سیدھے پاؤں کے لیسز باندھنے کے بعد اب وہ الٹا پاؤں میز پر رکھ کر ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

''بدلہ خود ایک گناہ ہے ایک، سوچو یہ مزید کتنے گناہ تم سے کروائے گا۔''

اس کے ہاتھ پل بھر کو رکے تھے۔

''تم میرے بھائی ہو اس لیے وارن کررہا ہوں، اللہ کی عدالت بہت سخت ہوتی ہے یار پوری دنیا کے سامنے کیا جواب دو گے تم؟'' اس نے جھٹکے سے چہرہ اوپر اٹھایا۔دل کی نمی آنکھوں میں آنے لگی۔

''حرام کی کمائی کو ہی لوٹا ہے میں نے، کسی معصوم کو نہیں اور تم جانتے ہو اپنی اس حرام کی کمائی سے ایک نوالہ نہیں کھاتا میں، آج تک ان پیسوں کو چھوا بھی نہیں ہے جو مجھے چین کی نیند سونے نہیں دیتے، اللہ کی عدالت واقعی بہت سخت ہے۔'' اس نے کس کر تسمہ باندھا اور اٹھ کھڑا ہوا، بجلی چمکی تھی۔وہ چمک ان دونوں کے وجود پر بھی پڑی۔

”تو پھر اس سب کو حاصل کرنے کا فائدہ؟ کیوں خود کو خطرے میں ڈالا، غنڈوں، وائٹ کالرز گینگ، امیر لٹیروں کے چنگل میں کیوں خود کو پھنسایا، آج انٹرنیٹ پر دیکھ لو تو ہر جگہ زمین زاد کے چرچے ہیں، ہر کوئی زمین زاد کو چاہتا ہے۔ تم کسی کی پکڑ میں نہیں ہو ایک لیکن میرا دل تمہاری پکڑ سے بیٹھا جاتا ہے۔“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جذباتی ہوا تھا۔ ایک سلطان نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹایا۔ وہ اس سے چھوٹا تھا پانچ سال چھوٹا، جب اسے ملا تھا تو انیس برسوں کا بھی نہیں تھا، آج اٹھائیس سالوں کا ہو چلا تھا۔ قد کاٹھ میں اونچا، اچھی رنگت کا، سحر میں مبتلا کر دینے والے نقوش کا حامل ایک سامنے کھڑے انسان کیلئے کیا بن گیا تھا وہ کبھی جان نہیں پائے گا۔ جان جاتا تو یوں آگ سے نہ کھیلتا۔

”اس لیے میں محبت کے خلاف ہوں، تمہیں مجھے اتنا سر نہیں چڑھانا چاہیے تھا۔“

برہان اس کی بات پر پھیکے انداز میں مسکرایا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو، کہاں کا پلان ہے؟“ سوال کا جو جواب ملا، وہ برہان کو جھٹکا لگا گیا، اس کی آنکھیں یکبارگی میں پھیل گئیں۔

”ناز کے پاس جا رہا ہوں، صبح آؤں گا۔“ جواب دیتے ہوئے وہ برہان کے چہرے کو کھوج رہا تھا۔ اس کی کھوج کچھ خاصی اچھی نہیں تھی۔ دو سال میں برہان کو اس کی روٹین کا عادی ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ نہیں ہوا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کا ری ایکشن بہتر نہیں تھا تبھی ایبک کا منہ بنا، خائف نگاہوں سے اسے تکنے لگا جو کہہ رہا تھا۔

”مانا وہ لڑکی اچھی ہے لیکن آئے روز اس کے پاس جانا اچھا نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے۔“

ایبک نے سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کی بات کاٹ دی۔ انداز بھرپور بگڑا ہوا تھا۔

”نہیں کیوں نہیں ہے؟ اچھا وضاحت کرو جلدی سے میں بھی سننا چاہتا ہوں۔“

برہان دو قدم پیچھے ہوا، اس کے پیچھے ہوتے ہی ایک بار پھر سے بجلی چمکی تھی۔ اس کی چمک کی آواز اندر تک آ رہی تھی۔ اس نے کالم ڈاؤن والے انداز میں ہاتھوں کو اوپر اٹھایا اور متحمل انداز میں گویا ہوا۔

''دیکھو، سوچ کو غلط ٹریک پر لے کر مت جاؤ، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اس طرح سے اس کے پاس روز جانا۔'' اس نے جان بوجھ کر بات درمیان میں چھوڑ دی۔

ایک نے کچھ نہیں کہا، غصے میں اپنی جیکٹ کرسی سے اٹھائی اور اسے بوری کی طرح کندھے پر ڈال کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے لمبے ڈگ بھرنے کی آواز ابھی بھی آ رہی تھی۔

برہان نے ٹھوڑی کو کھجاتے ہوئے کال ملائی، توقف کے بعد اسے اٹھا بھی لیا گیا۔

''وہ آج پھر ناز کے پاس گیا ہے۔ مجھے لگتا ہے ہمیں اس کے پیچھے جانا چاہیے پرفیکٹ، پھر ملتے ہیں۔'' کال بند کر کے وہ دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے ابھی وہ سیخ پا سا گزرا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا رین کوٹ پہنا اور خود کو اس منزل کا مسافر بنایا جہاں جانے کا وہ پچھلے دو سالوں سے سوچ رہا تھا لیکن وہ اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ ہچکچا رہا تھا تاکہ جو پردہ تھا وہ ہٹے نا لیکن آج اس کی ہچکچاہٹ ختم ہوئی تھی کیونکہ آج ایک محترم طیش میں وہاں گئے تھے۔

''یقین نہیں آتا، یقین نہیں آتا کہ یہ چھٹانک بھر کا انسان جس کا منہ میں نے بچوں کی طرح پونچھا ہے اس ڈگر پر بھی نکل آئے گا، بھئی میں نے فقط ایک ڈیٹ کا کہا تھا۔ یہ تھوڑی کہا تھا کہ سیدھا گھر ہی پہنچنے لگ جاؤ۔''

ناز کے گھر کے باہر سڑک کی دائیں طرف لمبی قطار میں درخت تھے۔ سوکھے چنار کے درختوں کے نیچے وقفے وقفے سے لوگوں کیلئے سنگی بینچ رکھے گئے تھے جن میں سے ایک پردہ

دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔رخ مرروال کی طرف کیا ہوا تھا جہاں وہ ہائی ڈیفنیشنل دوربین سے آرام سے تاکا جھانکی کر سکتے تھے۔جوسف کی چھٹی ابھی کچھ دیر قبل ہی ہوئی تھی۔وہ گھر جا کر آرام کرنا چاہتے تھے لیکن موصوف کی حرکتوں کی خبریں کہاں انہیں جینے دیتی تھیں۔وہ مزید کلوزاپ کر کے دیکھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ بڑبڑائے بھی جا رہے تھے۔ناراضگی ختم ہوئی تھی نہ بھی ہوتی تب بھی اس کیلئے پدرانہ احساسات کبھی دم نہ توڑتے۔

''مسز جوسف سے بات کرنی پڑے گی، آخر کو ایک لڑکی کے گھر پوری رات رکنے کا کیا مطلب ہے یعنی کوئی لحاظ ومروت ہی نہیں رہی۔''

برہان کو ان کے اشتعال پر ہنسی آ رہی تھی۔دونوں کی دوربین میں ایک کی پشت نظر آ رہی تھی۔دفعتاً ناز کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی۔اس کے ہاتھ میں دو مگ تھے۔یقیناً ان میں کافی ہوگی۔ایک نے جیکٹ اتار کر سائیڈ پر رکھی او رمگ اس کے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

''مجھے تو کچھ مشکوک نہیں لگ رہا ہے۔ہو سکتا ہے وہ باتیں کرتے ہوں یا واقعی کسی قسم کا کوئی کام۔''

اس کی بات پر جوسف نے جن نظروں سے اسے گھورا تھا وہ کھسیا کر رہ گیا۔بھائی تھا اس کا دفاع تو بنتا تھا۔

''کیا ہی بات ہے، ہونا برہان کنوارے اگر تمہیں بھی کوئی اسی طرح بات کرنے والی مل جائے تو۔''

برہان کو یہ چوٹ بہت بری طرح لگی تھی۔اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لینا چاہا لیکن لے نہ پایا۔

''ملنے کو تو مجھے ہزاروں مل جائیں انکل، میں کسی کو خود ہی گھاس نہیں ڈالتا۔''

"پتا نہیں وہ کون سی گھاس ہے جو تم نہیں ڈالتے، میں نے تو آج تک نہیں دیکھی بھئی۔"

"اس عمر میں نظر بھی کہاں آتا ہے۔" اس نے دل میں کہا تھا۔ مجال تھی جو لفظوں میں ڈھال لیتا پھر تو اسے خود کی ڈھال کیلئے بھی کوئی چیز نہ ملتی۔ اس نے جھرجھری لی اور واپس اپنی دوربین کو سیٹ کر دیا۔ ناز مرروال کے پاس کھڑی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ وال پر تھا جبکہ دوسرے سے وہ کافی کے سپ بھر رہی تھی۔ ایک بھی اسی کے پاس کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ پینٹ میں ڈالے دوسرے سے چسکیاں بھرتے ہوئے۔

"کیا خیال ہے یہ جوسف انکل اور برہان ہی ہیں۔" وہ بہت دور بیٹھے دو لوگوں کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا جو اس اندھیرے میں کبھی کبھی چمکتی بجلی کی روشنی میں بڑی مشکل سے دکھائی پڑ رہے تھے۔ حتیٰ کہ یہ بھی پہچاننا مشکل تھا کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ وہی دو لوگ جوان کے لیپ ٹاپ میں کیمرے کے ہر اینگل سے نظر آ رہے تھے۔ وہاں موجود ہر کیمرہ ان دونوں کے قبضے میں تھا اس لیے کچھ بھی دیکھنا جاننا قطعی مشکل نہیں ہوتا تھا۔

"سو فیصد، یہ وہی ہیں۔ میرا لیپ ٹاپ تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے تم دیکھ سکتے ہو اس میں ان دونوں کو، میں نے وہاں کے کیمرے کو قابو میں کر لیا ہے۔"

ان بیچاروں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس پول کی مدھم روشنی تلے وہ بیٹھے تھے دراصل اس پر کیمرہ لگا تھا اور وہ اس میں با آسانی دیکھے جا سکتے تھے۔

"تو پھر اب کیا کرنا ہے، میں نہیں چاہتا ان دونوں کو تمہارے بارے میں پتا چلے۔ بھلے وہ مجھ سے بھی زیادہ قابل اعتبار ہیں لیکن تمہارا وعدہ مجھے یاد ہے۔ تم ڈسکلوز نہیں ہوگی۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ ناز بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"قیامت کی نشانی، دیکھو کیسے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے ہیں۔" جوسف یکدم

دھاڑے تھے۔ برہان نے انہیں کالم ڈاؤن رہنے کا کہا۔ بارش مسلسل لیکن پھوار کی صورت برس رہی تھی۔ درخت کی ٹہنیوں و پتوں پر اکٹھا پانی بوند بوند ان دونوں پر گر رہا تھا۔

”ان لوگوں کے شک کو یقین میں بدل دیتے ہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامتی کہہ رہی تھی۔ برہان کا ماتھا عرق آلود ہوا۔

”ایبک، یہ کیا کر رہے ہو تم۔“ اس نے پل بھر کو آنکھیں بند کر کے کھولیں اور انہیں پھر سے دیکھنے لگا۔ جوسف انکل کھڑے ہو کر چند قدم آگے چلے گئے تھے۔ پہلے ہی ان کی دوربین میں صاف صاف سب نظر آ رہا تھا پتا نہیں وہ اور کتنا کلیئر دیکھنا چاہتے تھے۔

”فضول مت بولو پاگل ہو۔“ وہ ہنستے ہوئے اسے جھٹلا رہا تھا۔ ہاتھ بھی اس نے واپس کھینچ لیا۔ اس کے ہاتھ کھینچنے پر برہان کا دل قدرے ہلکا ہوا لیکن اگلے ہی پل وہ پہاڑ کے بوجھ تلے دب گیا۔

”میں تو کروں گی، تم نے دیکھا نا کس طرح جوسف انکل جذباتیت سے اٹھے ہیں۔“ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ اپنا کپ میز پر رکھ کر اس نے ایبک کی شرٹ کو ہاتھوں میں پکڑا اور جھٹکے سے اسے خود کے قریب کیا۔

”لاحول ولاقوۃ، میں نے کہا لاحول والاقوۃ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“ جوسف چیخ رہے تھے جبکہ برہان کی گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہونے لگی تھی۔ وہ لڑکی ایبک کو کھینچے کہیں پیچھے لے جا رہی تھی اور وہ الٹے قدموں اس کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ ناز کی وہ لوگ پشت دیکھ سکتے تھے۔

”یہ کیا کر رہی ہو ناز، سٹاپ اٹ میں نے کہا رک جاؤ۔“ وہ دیوار سے ٹکرایا۔

دیوار کے قریب پہنچ کر ناز نے بٹن پش کیا شیڈز گرنے کے ساتھ پردے بھی آہستہ برابر ہو گئے۔ جونہی پردے برابر ہوئے اس نے ایبک کو چھوڑ دیا۔ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے

ہوئے وہ بیڈ پر بیٹھ رہی تھی۔
”یہ کیا، کیا تم نے، شرمندہ کروا دینے والے کام کر رہی ہو۔ میں آج کے بعد تمہارے ساتھ کام کرنے نہیں آؤں گا۔“ وہ ناخوش سا اسے کہہ رہا تھا۔ دفعتاً کال بیل بجی۔
”جاؤ تمہارے محافظ آ گئے ہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔
ایبک تیزی سے مڑا، دروازہ کھول کر باہر گیا۔ رائٹ ٹرن لیا اور سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا۔ اس نے بنا پوچھے دروازہ کھولا تھا۔ کھولتے ہی اسے جوسف انکل کا چہرہ نظر آیا جو اسے دھکا دیتے ہوئے اندر آ رہے تھے۔ برہان بھی ان کے پیچھے تھا۔
”آپ دونوں یہاں؟“ واہ کیا کمال ایکٹنگ تھی۔ خوامخواہ ہی گھبرانے لگا۔
”کیوں، ہم یہاں نہیں ہو سکتے؟“ انہوں نے اوپر سے لے کر نیچے تک اس کا سکین کیا۔
”برخودار۔“ اور پھر طنزیہ انداز میں کہہ کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ برہان بھی اس کی سلوٹ زدہ شرٹ کو گھورتے ہوئے ان کے پیچھے لپکا۔ ایبک نے تیزی سے دونوں ہاتھوں سے شرٹ کی سلوٹ کو دور کیا تھا۔ بنا چوری کے چور بن جانا کیسا محسوس ہوتا ہے یہ آج ایبک کو اچھے سے معلوم ہو رہا تھا۔
”میں نے انہیں بتایا کہ تم غصے میں گھر سے نکلے ہو اس لیے یہاں ہیں ہم، ویسے مجھے کہنے کی ضرورت نہیں تھی یہ سب۔“ وہ لٹھ مارتے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ ایبک خاموش رہا۔
وہ لوگ اب ناز کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ناک کر کے انہوں نے دروازہ کھولا تھا۔ جوسف انکل آس پاس کی ہر چیز کو شکی نظروں سے دیکھ رہے تھے، کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بھی وہ یہی کام کرنے والے تھے جب ناز ایک دم ان کے آگے آئی اور لیپ ٹاپ کا منہ ان کی طرف کر کے بولی۔

”میرے اور ایبک کے بیچ کچھ بھی غلط نہیں چل رہا۔ہم دونوں فقط دوست ہیں اور ابھی کچھ دیر قبل جو آپ دیکھ کر اوپر آئے ہیں وہ سب جھوٹ تھا۔آپ دونوں کو گمراہ کرنے کی بے ضرر سی شرارت،اس میں آپ سب دیکھ سکتے ہیں۔“ والیوم فل تھا اور وہ دونوں ایبک کو، ناز کو جھڑکتے ہوئے اور پھر ناراضی سے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔دونوں کے اوپر گھڑوں پانی پڑا۔جوسف انکل جو غصے میں تھے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے،برہان جو بے اعتبار سا تھا گڑبڑا گیا۔معذرت خواہ انداز میں ایبک کو تک رہا تھا جس نے سینے پر بازو باندھ لیے تھے۔ابرو چڑھالی تھی۔

”نہیں مطلب آپ لوگوں کو کیا لگتا ہے میں اتنا کردار کا ہلکا ہوں جو یہ سب کروں گا۔چلو جوسف انکل تو بڑے ہیں۔تمہارا کیا برہان؟ کیا میں نے تمہارے سامنے خود کو کھول کر نہیں رکھ دیا تھا۔کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں صرف ایلاف سے محبت کرتا ہوں،کیا میں نے ایک ایک بات تمہیں نہیں بتائی۔بولو۔“

بے خبری میں اچانک ہی وہ ایلاف کا نام سب کے سامنے لے گیا۔وہ نام جسے سب جانتے تھے لیکن اس کا اعتراف اس کے منہ سے سن نہیں پائے تھے۔آج سن گئے تو شرمندہ تھے لیکن وہ نہیں تھا اسے اب اس نام پر شرمندگی نہیں ہوا کرتی تھی۔وہ کیوں کرے شرمندگی وہ کبھی نہیں کرے گا۔

”ہاں تو ٹھیک ہے نا،تم ایسے چکر نہ لگایا کرو ہم بھی اس طرح نہیں سوچا کریں گے۔کیوں برہان؟ صحیح کہہ رہا ہوں نا میں۔“

اور وہ کنپٹی کھجاتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔ماحول کی کثافت ختم کرنے کی غرض سے ناز فضول میں ہنس پڑی،ہنستے ہنستے بولی۔

''کیا مزے کا سین ہو گیا ہے نا یعنی ہم دونوں ہیکرز ہیں۔ ساتھ بیٹھ کر بہت سے پلانز بناتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں اور اس چیز کو آپ غلط ٹریک پر لے گئے، مزے دار۔'' اس کے اس انکشاف پر برہان اور جوسف تو بے طرح چونکے ہی تھے۔ ایبک بھی اسے دنگ نظروں سے دیکھنے لگا۔ کتنی آسانی اور آرام سے اس نے خود کو ان لوگوں پر ظاہر کر دیا تھا۔ کوئی شکن نہیں تھی اس کے ماتھے پر، کوئی خوف کے سائے نہیں تھے اس کی آنکھوں میں۔ وہ جو ڈرتی تھی کہ کوئی اس کا بھید جان نہ جائے، آج خود ہی سب پر اپنا راز آشکار کر گئی تھی کیوں؟ کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے، ہم!

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم، مطلب تم دونوں ساتھ میں وہ سب کرتے ہو؟'' برہان کی حیرت میں ڈوبی آواز نے ایبک کا ارتکاز توڑا۔ وہ سر جھکا کر کچھ سوچ رہا تھا، کچھ ایسا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سب نہیں ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

''یہ سچ ہے تم میری بک ریک کو سلائیڈ کرو، اندازہ ہو جائے گا۔'' برہان تیزی سے اس کی بک ریک کی طرف بڑھا۔ لکڑی کے تختوں کو اس نے ہلکا سا پش کیا تھا، کر کے اندر جھانکا۔ وہ مجبور ہوا تھا۔ اندر جانے پر جہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ جا بجا لگی سکرینز، ڈھیر ساری تاریں اور سکرین فلور جس پر جگہ جگہ کی لوکیشنز موجود تھیں۔ جگہ جگہ سیٹلائٹ کی صورت میں گول دائرے پھوٹ رہے تھے۔ جوسف بھی اس کے پیچھے آئے تھے۔ دونوں کے رین کوٹ سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں چونکہ سب واٹر پروف تھا تو کوئی ٹینشن نہیں تھی۔

''یعنی یہ سب کرنا ایبک نے تم سے سیکھا ہے۔''

وہ اس بات پر ہنسی، اس کی ہنسی ایبک پر شعلوں کی طرح برس رہی تھی۔ بھلا کیا ضرورت تھی اسے سب کچھ کھول کر رکھ دینے کی؟ وہ ناخوش سا کمرے میں صوفے پر بیٹھا انہیں سن رہا تھا۔

اسے ناز کی آواز آئی جو کہہ رہی تھی۔

''ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے، میرا ایبک کو چھیڑ کر جانا اور ہماری فرسٹ ڈیٹ بھی اسی وجہ سے تھی۔ میں نے زمین زاد کو ڈھونڈ لیا تھا جو کچھ سالوں پہلے انٹرنیٹ کی دنیا میں دھوم مچا چکا تھا اور پھر غائب ہو گیا تھا اور پھر زمین زاد نے بنی کو ڈھونڈ لیا یوں ہم دونوں بعد میں پارٹنر بن گئے۔''

برہان کو اس جگہ سے وحشت ہو رہی تھی، وہ باہر آیا، جہاں تک اور جتنا اس نے سوچ اور دیکھ رکھا تھا۔ یہ سب اس سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ لوگ کتنے خطرے میں اور کس قدر پھنس چکے ہیں، دیکھ کر اسے پتا چل گیا تھا۔

''تم دونوں کو یقین ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کیلئے نقصان دہ نہیں ہو گے۔'' جوسف کے سوال پر ناز بیڈ پر بیٹھی، نظر اس روٹھے شخص پر ڈالی جو کچھ زیادہ ہی خفا دکھ رہا تھا پھر بولی تو آواز میں ایک عزم سا تھا۔

''مجھے خود پر یقین ہے اور ایبک پر بھی، یہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا شریف بچہ ہے نا۔''

آخری بات اس نے شرارت سے ناک چڑھاتے ہوئے کہی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ ان دونوں کے ساتھ ایبک بھی نروٹھے پن سے مسکرا دیا۔

''بات تو سچ کہی، بچہ تو میرا شریف ہے۔'' برہان نے فوراً ان کی بات قطع کی۔ باہر بارش تاہنوز ہو رہی تھی لیکن وہ چاروں اس سے غافل تھے کیونکہ کمرے کے دبیز پردے دیوار پر گرے ہوئے تھے۔

''آپ تو رہنے ہی دیں۔ ابھی کچھ دیر قبل آپ ہی اپنے شریف بچے پر لاحول ولا پڑھ رہے تھے۔''

برہان کے کہنے پر وہ کھسیا گئے۔

”دونوں نے ہی مجھ پر شک کیا، حد ہے۔“

اوراس کی بات پر وہ دونوں کھسیا گئے جبکہ ناز کھلکھلا اٹھی تھی۔نوک جھونک میں وہ رات کٹ رہی تھی۔اس رات کی صبح اچھی تھی شاید۔

☆......☆......☆

سورج آج ندارد تھا، گہرے سیاہ بادلوں نے یکدم ہی آسمان پر قبضہ کیا اوراپنی سلطنت قائم کرلی، گدلے کالے بادل چل نہیں رہے تھے ایک ہی جگہ ساکت کھڑے تھے جیسے وہ یہاں سے ہلیں گے نہیں، جیسے وہ ایک چپ بھی آسمان کی نہیں دکھنے دیں گے کیونکہ وہ اسے فتح کرچکے ہیں اور جو چیز فتح کی جاتی ہے اس پر محصور رہا جاتا ہے وہ بھی رہ رہے تھے۔کبھی کبھی کہیں کہیں سے آوارہ بجلی اپنا دیدار کرانے آجاتی تھی ورنہ تو مانو ہر جگہ سکوت سا طاری تھا۔ہوا رکی ہوئی تھی۔گھٹن زیادہ تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سانس رک جانی ہے بس۔

بیجنگ کے پنگو ڈسٹرکٹ پر اس وقت گہرے بادلوں کا سایہ تھا۔گھر کے اوپر بھی بادل کسی بدروح کی مانند منڈلاتے پھر رہے تھے۔اس گھر کے بیک یارڈ میں کچھ بچوں کے کھلکھلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔کچی زمین پر وہ سب اپنی اپنی ٹہنیوں سے خوبصورت رائٹنگ کا مقابلہ کررہے تھے۔ان کی تعداد چار تھی۔دو بچے تھے اور دو بچیاں۔عمر لگ بھگ پانچ سال تھی اور خوشیاں بیشمار۔

”ایبک انکل! دیکھو کس نے زیادہ پیارا لکھا ہے، اوہ پلیز دیکھ کر بتاؤ نا۔“

وہ جو اپنے سیل فون میں یہاں سے وہاں منڈلا رہا تھا پل بھر کو ایک بچی کی آواز پر رکا۔اس کو مسکراہٹ پاس کی اور سیل فون کے اس پار انسان کو گڈ بائے کہہ کر ان کی طرف آگیا جو گول

دائرے کی صورت کھڑے تھے۔

"ہم۔تو چلو دیکھتے ہیں کس کی لکھائی پیاری ہے۔"

پنجوں کے بل بیٹھ کر وہ ایک ہی لفظ دیکھ رہا تھا جو سب نے مشترکہ لکھا تھا۔لفظ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔دل کی دھڑکن اتھل پتھل ہونے لگی، اسے لگا اس کی حالت غیر ہو جائے گی۔ جاپانی لکھائی میں زمین پر چار بار چاند کی شہزادی لکھا ہوا تھا، چاند کی شہزادی۔ اس کی آنکھوں میں سرخ دھاگے بننے لگے۔چہرے پر روہانسیت پھیل گئی۔

"ایک! چاند کی شہزادی کون ہوتی ہے؟" ہوا کے ساتھ سرسراتی ہوئی آواز اس کے سماعت میں گونجنے لگی۔جاپانی زبان میں لکھے چاند کی شہزادی کے حروفوں میں اسے ایک لڑکی کا چہرہ نظر آرہا تھا، ہنستا مسکراتا، شرارتی چہرہ۔

"میں حیران ہوں، شہزادی اپنے بارے میں کیسے نہیں جانتی۔" اسے اس لڑکی کے ساتھ خود کا چہرہ بھی نظر آیا تھا۔نوعمر چہرہ، ہر فکر سے بالاتر، ہر غم سے آزاد۔اس کے سر میں ٹیس اٹھنا شروع ہوئی۔اتنی شدت کے ساتھ کہ اسے لگا سرا بھی دو ٹکڑے ہو جائے گا۔

"خوش کرنا کوئی تم سے سیکھے، ویسے میں چاند کی شہزادی لگتی ہوں۔" اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔پلکیں بھیگ چلیں، بصارت خفا ہوئی، ہمت مفقود۔

"میں نے تو وہی کہا ہے جو تم سننا چاہتی تھی۔اگر مجھ سے پوچھو تو تم میرے لیے پوری دنیا کی شہزادی ہو، میری شہزادی ہو میری پیاری شہزادی۔"

"انکل! آپ کو کیا ہو رہا ہے۔" بچے حواس باختہ سے اس سے دریافت کر رہے تھے لیکن اس پر ایسا غلبہ طاری ہوا تھا کہ وہ بولنے کے بھی قابل نہیں رہا۔پنجوں کے بل بیٹھا وہ بہت زور کے ساتھ سر کے بال تھامے زمین پر لڑھکا تھا۔اس کی آنکھ سے پانی آبشار کی طرح بہنے لگا تھا۔

وہ چیخنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز گھٹ گئی تھی۔ اس نے دیکھا دور سے دھندلے وجود بھاگتے ہوئے اس کے قریب آ رہے ہیں۔ وہ کون تھے، نہیں جانتا تھا کیونکہ اس کی بصارت اس قدر ختم ہو گئی تھی کہ پہچاننا مشکل ہونے لگا۔ آخری بات جو اس نے نوٹ کی تھی وہ یہ کہ کوئی اسے گود میں اٹھا کر بھاگ رہا تھا۔ وہ کون تھا ایبک کو نہیں پتا تھا۔ لانے والا اسے ہاسپٹل لایا اور اس کے ہوش میں آنے تک وہیں بیٹھا رہا۔ اس نے بھاری پلکیں کھولی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ چپک گئی ہوں لیکن وہ چپکی ہوئی نہیں تھیں۔ آنکھوں کے مسلز اٹیک کی وجہ سے کمزور ہو رہے تھے اس لیے اسے اس وقت آنکھیں کھولنے میں دشواری ہوئی۔

"مارنے والے نے اسے بہت مارا ہے اتنا زیادہ کہ اس کے دماغ پر بہت گہری ضرب آئی ہے۔ میں نہیں جانتا یہ ضرب کب خطرناک بیماری کا روپ دھارلے لیکن یہ بات سچ ہے اس چیز کے امکان سو فیصد ہیں۔ جلد یا بدیر وہ جراثیم جو اس سارے عرصے میں اس کے دماغ میں پھیل چکے ہیں اپنا کام ضرور دکھائیں گے۔" ٹھوڑی پر ہتھیلی جمائے پتھرائی آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"بر۔۔۔ہان۔" اس نے ہولے سے یہ نام پکارا، برہان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے سرد ہاتھ کو اپنے گرم ہاتھوں میں قید کرتے ہوئے اسے پھیکی، افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

"یہیں ہوں، کیسے ہو اب؟"

ان کے گھر کے بیک یارڈ کے بڑے ہونے کی وجہ سے اکثر بچے آ کر کھیلنے لگ جاتے تھے۔ کبھی کرکٹ تو کبھی بیس بال۔ وہ منع نہیں کرتے تھے۔ ہر عمر کے بچے وہاں آ جاتے تھے۔ گو کہ ان کا گھر شہر کے مضافات میں تھا لیکن آس پاس اکا دکا گھر پائے جاتے تھے جن کے

بیچے ان کی بیک یارڈ کا رخ تو بڑے کبھی گھر کا رخ کرلیا کرتے تھے۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ بہت آرام سے وہاں رہ رہے تھے۔

''شکر۔'' اس نے بس یہی لفظ بولا تھا، پھر تھوڑی دور کھڑی ناز کو دیکھا جو متفکر، بھیگی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے یاد آیا وہ بھی تو وہیں تھی۔ ناز سے نظر ہٹا کر وہ پھر سے برہان کے چہرے کو ٹٹولنے لگا تھا۔ ایبک کی اس حرکت پر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''ٹھیک ہوں میں بھی، نہیں ہو زیادہ پریشان، جوسف انکل بھی صحیح ہیں۔ انہی نے ٹریٹمنٹ کیا ہے تمہارا، میں ان سے ذرا مل کر آتا ہوں۔'' وہ اس کی تشفی کرا کر باہر چلا گیا تھا۔ جاتے جاتے ناز کو اشارہ کرگیا کہ وہ اس کا خیال رکھے۔ برہان کے جانے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم چلتی اس تک آئی اور بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''بہت ظلم کرتے ہو اپنے ساتھ۔''

اس کے شکوے پر ایبک نے مسکان کو لبوں پر سجایا، نقاہت کے سبب اس سے تو مسکرایا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔'' بہت دقت کے ساتھ اس نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ ناز پریشانی میں بھی ہنس دی۔

''میں نے دیکھ لیا ہے، تم بہت تنگ کرتے ہو برہان کو اور اب مجھے بھی کرنے لگے ہو۔''

ایبک نے نگاہیں دروازے کی طرف مرکوز کیں جہاں سے ابھی برہان باہر گیا تھا پھر اسے دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔

''ایک دن سب کی پریشانی ختم کر دوں گا، یقین کرو۔'' اس کی آنکھوں میں ابھی بھی برہان کا چہرہ تھا۔ اسی برہان کا جو جوسف اور ایک اور ڈاکٹر کے ساتھ کھڑا ایبک کی حالت کو

ڈسکس کررہا تھا۔ جو اسے معلوم ہوا تھا وہ کسی طور بھی ٹھیک نہیں تھا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا بالکل بھی نہیں۔

"پیشنٹ کے دماغ میں سیری بیلم کے نزدیک بالکل یہاں پر ایک نقص ہے۔ ایک رگ تھوڑی سی پھولی ہوئی اور اس والی ہڈی پر یہاں پر تھوڑا سا کریک ہے۔ یہ اب دیکھیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں میں اس کے بارے میں بات کررہا ہوں۔" ڈاکٹر دیوار پر لگی سکرین پر انگلی بجاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وہ ایبک کے دماغ کی تصویر تھی جسے وہ زوم کر کے بتا رہے تھے۔ یہ ان دونوں کیلئے نئی نہیں بات تھی کیونکہ یہ سب کچھ اس کے سٹیبل ہونے کے بعد بھی ہو چکا تھا۔ جب جوسف نے اس کا علاج کیا تھا تو اس کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں تھا پھر بعد میں یہ سب ہوتا چلا گیا۔ ٹیسٹ اس بات کا ثبوت تھے جو اب بھی جوسف کے پاس محفوظ پڑے ہیں۔

"تو پھر اس سب کا کیا نتیجہ ہوگا۔"

اور جو ڈاکٹر نے کہا وہ سن کر دونوں ہی سن ہو گئے۔ ڈاکٹر کے الفاظ یہ تھے۔

"آپریشن، آپریشن ہی واحد حل ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کے بعد یہ بچ پائیں گے۔"

برہان کو کا سینہ تنگ ہونے لگا۔ موسم تو پہلے سے ہی گھٹن زدہ تھا، اس کے بعد اس بات نے اور گھٹن اس کے اندر طاری کر دی۔

"کیا ہم دواؤں کا سہارا نہیں لے سکتے، مجھے لگتا ہے ہمیں پہلے اس بارے میں سوچنا چاہیے۔" جوسف ایک تجربہ کار اور سینئر ڈاکٹر تھے۔ اس کی بات سب کیلئے معنی رکھتی تھی۔ وہ اس گمبھیر صورتحال میں یہ تجویز پیش کررہے تھے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی کامیابی یا مصلحت چھپی تھی۔ ڈاکٹر نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”ایسا ہوسکتا ہے، چار ماہ تک انہیں دوائیں ریگولر دیں۔ اگر بنا آپریشن کے ٹھیک ہو جاتے ہیں تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔“

جوسف سر ہلاتے ہوئے برہان کو اپنے ساتھ باہر لے آئے تھے۔ دونوں ہی دونوں سے نظریں چرا رہے تھے۔ دونوں ہی جانتے تھے کہ بات اب فقط دواؤں تک نہیں رہی ہے۔

”آپ کو لگتا ہے وہ خود کو ٹھیک کر لے گا؟“

جوسف نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

”اس کی ول پاور بہت زیادہ ہے اور جو جذبہ انتقام اس کے دل میں ہے وہ اسے اتنی جلدی مفلوج نہیں ہونے دے گا۔“

برہان کو ان کی بات پر زلزلے کے جھٹکے لگے تھے۔ وہ بوکھلایا سا ان سے پوچھنے لگا۔

”مفلوج؟ کیا مطلب ہے اس بات کا۔“

جوسف شانے اچکا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں عمیق سوچیں بسی تھیں۔ اطمینان عنقا تھا۔”دماغ جب قابو میں نہیں رہتا تو انسان مفلوج ہو جاتا ہے۔ ایک پہلے بھی مفلوج تھا بعد میں ٹھیک ہوا۔“ وہ چلتے چلتے اس کے دروازے کے باہر آ کر رک گئے تھے۔ برہان ان کی بات پر مزید متفکر ہوا۔

”یعنی آپ کہہ رہے ہیں وہ پہلے والے کنڈیشن میں جا سکتا ہے اگر ٹھیک نہ ہوا تو۔“

انہوں نے گہرا تھکان بھرا سانس خارج کیا، پورے کاریڈور میں ان کے سانس کی وجہ سے تھکن پھیل چکی تھی۔

”اسے پینٹریشن (دماغ میں کسی چیز کا چبھنا یا داخل ہونا) ہوئی تھی جس کی وجہ سے ایڈیما کی حالت پیدا ہو گئی تھی (دماغ پر لگی چوٹ کی وجہ سے اس کے اردگرد موجود ٹشوز پر ورم آ جاتا

ہے جس کی وجہ سے دماغ میں سیال جمع ہونے لگتا ہے۔ اگر یہ سوجن دماغ کے اندر آجائے تو یہ جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ سوجن کو اتارنے کیلئے پٹھوں کا سٹریچ یا کھنچنا ضروری ہوتا ہے اور دماغ کے اندر اتنی سپیس نہیں ہوتی کہ وہاں کھچاؤ بنے۔ اسی وجہ سے دماغ پر زور پڑتا ہے۔ اور اسی وجہ سے خون دماغ کے اہم مالیکیولز تک نہیں پہنچ پاتا۔ دواؤں کے ذریعے اس کنڈیشن پر قابو پایا جاسکتا ہے لیکن جہاں دوائیں کام نہ کریں تو کھوپڑی میں ہول کر کے کچھ سیال باہر نکالا جاتا ہے تاکہ ورم کم ہوسکے۔ ایبک کے ساتھ ایسا کیا گیا تھا۔ جوسف نے ہی کیا تھا۔) اور اب وہ ہیمبرج کی طرف بڑھ گیا ہے۔"

(دماغ سے خون بہنے کا عمل خطرناک قسم کی چوٹ کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ ضروری نہیں ہے خون دماغ کے اندر سے بہے یہ اس کے آس پاس کے علاقوں سے بھی بہہ سکتا ہے۔ اگر دماغ کے اردگرد سے خون بہنے لگے اس سے سر میں درد یا الٹی کی کنڈیشن پیدا ہوسکتی ہے۔ دماغ کے اندر خون بہنے سے دیکھنے اور بولنے میں شدید تکلیف اور دشواری ہوتی ہے اور انسان بیہوش ہوجاتا ہے جیسا کہ ایبک کے ساتھ ہوتا تھا۔ خون روکنے کیلئے سرجری کی جاتی ہے اور ظاہری بات ہے ادویات تجویز کی جاتی ہیں لیکن پھر بھی برین ہیمبرج جان لیوا ہوسکتا ہے اور وہ تھا) وہ اس کے دروازے کے باہر کھڑے کہہ رہے تھے پر ملول سے، اداس اداس۔

دن گزرتے گئے تھے۔ ایبک کو دو دنوں میں ڈسچارج کر دیا گیا۔ وہ اب ٹھیک تھا اور اسے ٹھیک رہنے کی ہدایت بھی کی گئی تھی۔ ماضی کو سر پر سوار نہیں کرنا، ڈائٹ اچھی لینی ہے اور واٹر انٹیک زیادہ کرنا ہے والی سب ہدایت لے کر وہ گھر آیا تھا۔ کچھ دن واقعی اس نے آرام کیا تھا کہ جو جنگ وہ لڑنے جا رہا تھا اس کیلئے فٹ ہونا بہت ضروری تھا۔ وہ اس طرح کے مزید اٹیکس افورڈ نہیں کر سکتا تھا کہ اس بار جو ہوا تھا وہ بہت سخت، بدن کو تھکا دینے والا اور دماغ کو مفلوج

کر دینے والا اٹیک تھا۔ ایک پل کو تو وہ خود بھی گھبرا گیا تھا کہ اگر اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے وہ بیجنگ کی فضاؤں کے سپرد اپنی روح کر دے گا تو اس کے بدلے کا کیا ہو گا؟ وہ ایلاف کو کیسے وہ سب بتا پائے گا جس کو بتانے کیلئے اس نے خود کو زندگی کی طرف موڑا تھا۔ کیا وہ اپنے دشمنوں کو اتنی آسانی سے چین کی نیندیں سونے دے گا؟ نہیں وہ ان کا جینا حرام کر دے گا۔ ان کی سات نسلیں یاد کریں گی کہ ایک سلطان سے پالا پڑا تھا کبھی ان کے ناپاک بزرگوں کا۔

ایک سلطان کچھ ادھورا نہیں چھوڑتا تھا۔ ایک سلطان کچھ نہیں بھولتا تھا۔ یہ انہیں اچھے سے یاد رہنا چاہیے اور وہ انہیں یاد دلوا کر ہی رہے گا ہر صورت میں، ہر حال میں۔

☆......☆......☆

"کچھ عرصے کیلئے ملتوی کر دو یہ، ہم ایک ماہ بعد بھی پاکستان جا سکتے ہیں۔"

آج وہ دن تھا جب انہوں نے پاکستان کیلئے فلائی کرنا تھا۔ ایک چھوٹے سے بیگ پیک میں اپنا سامان ڈال رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے بھی سنے جا رہا تھا جو اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"ایک ماہ بعد اگر میں نہ رہا تو۔" بہت عام سے انداز میں کہتے ہوئے وہ جینز کو فولڈ کر رہا تھا۔ تین گھنٹوں بعد انہیں ائیر پورٹ کیلئے نکلنا تھا۔

"فضول گوئیاں کر والو تم سے بس۔" برہان کے درشتی میں کہنے پر ایبک نے جینز بیگ میں رکھی اور پھر سے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔

"میں نے تو ایک عام سی بات کہی ہے۔ پتا نہیں کیوں تم اسے اتنا سیریس لے لیتے ہو، اپنا سامان باندھ لو نہیں تو میں نے چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ یوں بھی میں اس حق میں نہیں ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو، یہ میری جنگ ہے، میں نہیں چاہتا اس کے بد اثرات تم پر یا جوسف انکل پر پڑیں۔" سیاہ ہڈ نکال کر وہ اسے بھی تہہ کر کے رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ چھوٹے سے بیگ کی

زپ بند کر کے وہ اس کی طرف مڑا جو بیخ پاسا اس پر برسا تھا۔

''تمہاری جنگ؟ یہ کب سے صرف تمہاری ہونے لگ گئی ہے مسٹر ایبک سلطان، کیا تم بھول گئے ہو یہاں پر میں بھی پایا جاتا ہوں اور تم پر تم سے زیادہ حق میرا ہے۔''

برہان کی بات پر، برہان کی مان بھری بات پر ایبک کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ اس کے پاس آیا اور اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''کیوں غصہ کر رہے ہو؟''

''تمہاری بے رخیاں اور بے حسیاں بہت بری ہیں۔''

''اگر میں تمہاری بات مان لوں گا تو تم پھر یہی کرو گے، اگلے ماہ کہو گے ابھی نہیں جاتے اس سے اگلے ماہ چلیں گے اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ تم کبھی مجھے وہاں نہیں جانے دو گے میں جانتا ہوں۔''

برہان نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

''جب جانتے ہو تو مانتے کیوں نہیں؟''

اس نے شانے سے ہاتھ جھٹکے تھے ایبک نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی مزاحمت کی بھی پرواہ نہیں کی۔

''تم اگر لڑکی ہوتے نا تو میں تم سے شادی کر لیتا۔'' ایبک کا شرارتی لہجہ تھا۔ برہان نے اسے خود سے پیچھے دھکیلا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' برہان کا ٹھنڈا انداز تھا۔ ''یہ اس طرح کی باتیں مت کیا کرو تم، سنگت اچھی کرواپنی۔ پتا نہیں کہاں سے یہ سب سیکھ کر آجاتا ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا قدرے گھبرائے انداز میں کمرے سے باہر گیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے ایبک کا فلک شگاف قہقہہ سنا، وہ

خفیف سا ہو گیا۔

ایک وائلٹ اٹھا کر باہر آیا جہاں برہان اخبار میں منہ دیے نروٹھا سا بیٹھا تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بنا باہر آ گیا۔ بیجنگ میں آج ان کا آخری دن تھا۔ اس کی سڑکیں، گلیاں، ریسٹورنٹ اور کافی اسے بہت یاد آنے والی تھی۔ پوری دنیا میں مشہور یہ شہر اپنی مثال آپ تھا۔ چائنہ کا دارالحکومت، ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا کامیاب ترین شہر، وہ شہر جو ایبک کے دل کے بہت قریب تھا۔ جہاں کی نائٹ لائف ہی اصل لائف ہوتی تھی۔ رات زندہ، دل زندہ، لوگ زندہ۔ وہ ایک زندگی سے بھرپور شہر چھوڑ کر جانے والا تھا وہاں جہاں سے وہ شاید کبھی واپس نہ آئے، وہاں جہاں وہ کبھی نہیں جانا چاہتا تھا۔

''میرا نام ینگ چی ہے کیا تمہیں چائینز آتی ہے؟ تم ری ایکٹ کر رہے ہو یعنی تمہیں آتی ہے۔''

وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا کیوں اسے خود بھی معلوم نہیں تھا، بس وہ وہاں بیٹھا ٹریفک کو گزرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ شفاف تارکول کی سڑک پر بارش کے سبب جا بجا چھوٹے چھوٹے جوہڑ سے بنے ہوئے تھے لیکن وہ صاف پانی پر مشتمل تھے۔ صاف اور بے داغ پانی پر جس میں سے ٹریفک کا عکس بالکل آئینے کی طرح دیکھا جا سکتا تھا۔

''ایبک۔'' یک لفظی جواب دے کر وہ اپنا رخ اس لڑکے کی طرف کر کے بیٹھ گیا تھا جو راک سٹار کی طرح کا لگتا تھا۔ ویسے ہی کھڑے ہوئے کانٹوں والے بال، ہاتھوں میں ڈھیر سارے بینڈز، کانوں میں اوپر تلے بالیاں، ہونٹ کے کٹ پر پرسنگ اور گردن پر ٹیٹو جو اس کی شرٹ کے کھلے بٹن سے بھی نظر آ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا گردن سے لے کر پیٹ تک اس نے ٹیٹو کو کھدوایا ہے۔

"اچھا نام ہے لیکن میرا نام اچھا نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے اپنے نام کی طرح ہی میں بھی بگڑا ہوا ہوں۔"

پانی کے چھوٹے سے تالاب میں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ ایبک سمجھ گیا، اسے ایک سامع کی ضرورت ہے، ایک رازداں سامع کی جو آپ کی تمام باتیں بھی سنے گا اور اسے لیک بھی نہیں کرے گا، نہ ہی کوئی کمنٹ پاس کر کے اس کے دل کو ٹھیس پہنچائے گا۔ وہ بس سنے گا اور وہ بولتا چلا جائے گا۔ بیجنگ شہر میں آپ کو ہزاروں ایسے لوگ ملیں گے جو دل ہلکا کرنے کی خاطر کسی کے متلاشی ہوں گے۔ وہ کسی جو اسے نہ جانتا ہو بس اسے سنے اور اس کی دل جوئی کرے۔ بے تحاشہ لڑکیاں اپنے بریک اپ کے قصے سنانے کی منتظر ہوں گی اور اس سے بھی زیادہ مرد حضرات جو اپنی ناکامی، طلاق، پر جوشیت اور الا بلا آپ کی سماعت میں انڈیلنے کیلئے اتاؤلے ہوں گے۔ بیجنگ کی سڑکوں پر آپ کو بیشمار ایسے لوگ ملیں گے جو کہانی بنانے میں آپ کی بہت مدد کریں گے۔ کبھی جانا وہاں اور بہت ساری داستانیں لے کر لوٹنا۔

"وہ سے مراد لڑکی؟" اس کی سوچ یہیں تک تھی تبھی ایبک نے یہ سوال کیا۔ لڑکا پر سوچ انداز میں ہنس دیا۔ کچھ توقف کیا اور پھر ٹریفک کے ہجوم پر نگاہ گاڑ کر بولا۔

"ارے نہیں بھائی، لڑکی میری قسمت میں نہیں ہے۔ ہاں لیکن یہاں بات بانسری کی ہو رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ میرا نام اخباروں کی سرخیوں یا پھر ٹی وی کی ہیڈ لائنز میں آئے، وہ بہت ضدی ہے، بہت ضدی۔"

ایبک نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس کی مشکل سمجھ گیا تھا۔ ایک موسیقار کیلئے اس کے انسٹریومنٹس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ ان کے آس پاس سے گزر رہے تھے لیکن کسی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ہر کوئی اپنی مستی میں مگن تھا۔ ہر کسی کو عجلت تھی اپنے اپنے کاموں کی عجلت۔

”تو تم اس کی ضد ختم کر دو۔“ اس کی نظریں ابھی بھی ٹریفک پر ہی تھیں۔ آنکھوں میں تھوڑی سی شکست خوردگی پائی جاتی تھی۔

”میں نے کوشش کی، بہت کوشش کی اور اس کوشش کا نتیجہ پتا ہے کیا نکلا؟“

ایبک نے شانے اچکائے، لڑکے نے ایک نظر اس پر ڈال کر پانی کے چھوٹے سے جوہڑ پر مرکوز کر لی جس میں سے ایبک کا چہرہ واضح دکھائی پڑ رہا تھا۔

”مجھے بینڈ سے نکال دیا گیا۔ اب میرا کوئی مستقبل نہیں ہے۔“

وہ اپنے ہاتھ گھٹنوں کے گرد باندھے بیٹھا تھا۔ سٹائل کے طور پر کتری گئی پینٹ میں سے اس کے کچھ کچھ سیاہ پڑتے گھٹنے نظر آ رہے تھے جبکہ اس لڑکے کا رنگ ہر چینی کی طرح ہی تھا۔ آنکھیں چھوٹی، ناک چپٹی، ہونٹ پتلے اور بھنویں سیدھی۔

”ہر کسی کا مستقبل ہوتا ہے کسی نہ کسی چیز میں۔ اگر میوزک تمہاری منزل نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کچھ اور ہو، تم بزنس کرو ہوسکتا ہے اس سے ہی دنیا تمہیں جانے۔“

ایبک کو اس لڑکے کی مایوسی اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ حتی المقدور اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”یہ سب کافی نہیں ہے، کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ہم بے بس ہوتے ہیں۔“

چھوٹے جوہڑ میں ایبک کے جھلملاتے عکس سے وہ مخاطب تھا۔ عکس میں موجود اور حقیقت میں موجود دونوں ہی انسان اسے توجہ سے سن رہے تھے۔ ”میں نے اپنی زندگی کے پانچ سال بانسری پر صرف کیے ہیں، کھانے کا ہوش تھا نہ پڑھنے کا، سپلیاں آئیں، سکول سے نکال دیا گیا۔ کوئی بڑی بات نہیں، مجھے تو بانسری سے عشق ہے۔ میں اسے سر کر لوں گا اور جب یہ میری زندگی میں ہوگی تو مجھے کسی چیز کی کیا ضرورت؟ لیکن میں غلط نکلا وہ میری زندگی میں ہے اور نہ اب کوئی خواب۔“

ایبک کو اس کی مایوسی اچھی نہیں لگی۔ وہ اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔
''میں تمہیں ضرور موٹیوٹ کرتا مگر چونکہ ہمارے دین میں یہ حرام ہے اس لیے میں اس کیلئے مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مایوس نہیں ہو، مایوسی بہت بری شے ہے۔ میں اس کی تکلیف سے آشنا ہوں۔''
وہ مرعوب سا اسے دیکھ رہا تھا۔ سن رہا تھا۔ اس نے اوپر والے کا شکر کیا کہ اسے اتنا اچھا سامع ملا ہے جو سامع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ناصح بھی ہے۔
''تم مسلمانوں کا خاکہ بہت برا بنایا ہوا ہے ہم سب پر، چونکہ تم ہمارے پڑوسی ملک کے باشندے ہو اور بہت اچھی باتیں کرتے ہو تو میں تمہیں اپنے گھر پی فلور کیک اور آکٹوپس کی دعوت دیتا ہوں۔ یقین کرو وہ سالم اور زندہ ہوگا۔ بالکل تازہ بھی، تم جانتے تو ہو بیجنگ کی سب سے خاص ڈش ہے یہ۔''
ایبک کا ''یک'' کہنے کا دل کیا مگر اس نے خود پر کنٹرول کرلیا، چھوٹے سے جوہڑ پر اب سورج کی کرنیں پڑنے لگی تھیں جو پتا نہیں کہاں سے بھٹک کر یہاں آگئی تھیں۔ ٹریفک جوں کا توں سڑک پر رواں دواں تھا۔ ٹیکسز، رنگ رنگ کی کاریں اور سائیکلز، سائیکلز پر زیادہ تر سٹوڈنٹس ہی سوار تھے یا پھر سیاح جو ٹیکسی، بس، یا میٹرو افورڈ نہیں کر سکتے تھے اس لیے سکہ ڈال کر سائیکل چلانے سے حظ اٹھا رہے تھے، پیسے بچا رہے تھے۔
''میں معذرت خواہ ہوں، بیجنگ کو چھوڑ رہا ہوں ہمیشہ کیلئے۔''
ایگ چن کا منہ لٹکا پتا نہیں کیوں، اداسی اس کے رگ و پے میں اتر گئی تھی یہ خبر سن کر۔ خیر اس خبر نے تو پورے بیجنگ کو افسردہ کر دیا تھا۔ ہر سمت ملولیت سی پھیل گئی۔
''افسوس رہے گا کہ یہ شہر ایک اچھے انسان کو کھونے جا رہا ہے، امید ہے ہم دوبارہ ضرور

ملیں گے۔"

ایبک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ لڑکا ہلکا پھلکا سا وہاں سے اٹھ کر گیا تھا۔ وقت کم تھا اور اسے ائیرپورٹ کیلئے نکلنا تھا۔

☆......☆......☆

"روسی سفیر کل صبح پاکستان کیلئے روانہ ہوگا، چونکہ وہ نیا ہے اس لیے کسی نے اسے نہیں دیکھا ہے۔ کل وہ پاکستان کیلئے تو نکلے گا لیکن پاکستان جائے گا نہیں، کل اس کی بیٹی اچانک سے غائب ہو جائے گی جس کے سبب وہ پاکستان معذرت کی فیکس کرے گا اور ہم وہ فیکس درمیان میں ہی اچک لیں گے۔ روسی سفیر پاکستان نہیں جا رہا یہ ہمیں پتا ہے۔ روسی سفیر پاکستان پہنچے گا، یہ ہمارا پلان ہے بس اس سب میں اصل اور نقل کا فرق ہے۔"

وہ تینوں اس وقت اپنی کار میں ائیرپورٹ کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ دوسری کار میں جوسف اور مسز جوسف تھیں۔ ٹیکسی کی ضروت نہیں تھی اور اگر وہ کروا لیتے تو اس طرح کی باتیں نہ کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے یہ باتیں ریکارڈ ہو کر بعد میں سنی جائیں گی ہر دن کے اختتام کی طرح۔

"تمہارا آدمی مینج کر لے گا سب یعنی روسی سفیر کی ایکٹنگ کرنا کوئی عام بات نہیں ہے۔"

برہان کے خدشوں پر ناز مسکرائی تھی پھر اتراہٹ کے ساتھ بولی۔

"جیب گرم ہو تو سب مینج ہو جاتا ہے میرے بھائی، تم دیکھ لینا سب ٹھیک ہوگا۔"

میرے بھائی لفظ پر برہان نے گلا کھنکارا تھا۔ ایک تو پتا نہیں کیا ہے جس لڑکی کو دیکھو اسے بھائی کے ٹیگ سے نواز دیتی ہے۔ کبھی کبھی تو اسے جوسف انکل کی گوہر افشانیاں بالکل درست لگا کرتی تھیں۔ اُف جوسف انکل، اُف۔

"ٹھیک ہے یہ سب بھی ہو جائے گا لیکن اصل یرغمالوں کا کیا کرنا ہے۔" ڈرائیونگ ناز

کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک ونڈو سے باہر دیکھ رہا تھا جبکہ پیچھے بیٹھا برہان مسلسل سوالات کی بوچھاڑ اس پر کیے چلے جا رہا تھا۔

”مل کے آنر کا بیٹا اس وقت مالدیپ کے سمندر کی لہروں کے مزے لوٹ رہا ہے۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اسے ہمارے آدمی وہاں سے اٹھا کر پرائیویٹ جیٹ میں ڈالیں گے اور وہاں چھوڑ دیں گے جہاں یرغمالوں کو رکھنا ہے، دو جو پاکستان میں تھے وہ ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں جبکہ ایک اور جو یو ایس بیٹھا ہے اسے کچھ چیپسی اغوا کرلیں گے۔ وہ جلد ہی اپنے اصل مقام تک پہنچ جائے گا۔“

برہان کو اس کی بات پر اچھو لگا تھا۔ ایک کی پرسکونیت اور ناز کا تحمل اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا۔

”جپسی؟ تم نے جپسیوں کی مدد لی، جانتی بھی ہو کتنے سانپ ہوتے ہیں وہ۔“

ناز نے اسے بیک ویو مرر سے گھورا تھا۔ شہر کا مصروف ترین ایئر پورٹ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

”دھیان سے بولو بھائی، وہ میرے دوست ہیں۔ ہر ایک کو ایک ہی پیمانے پر نہیں جانچا کرتے، سب برابر نہیں ہوتے۔“

کار کا دروازہ کھول کر وہ باہر آئی تھی۔ ایک بھی چپ چاپ اترا۔ تمام مراحل سے گزرنے کے بعد وہ ایک شانے پر بیگ ڈالے کھڑا تھا۔ اس نے بلیو ہڈ جرسی پہنی ہوئی تھی جس کا ہڈ گردن پر جھول رہا تھا۔ زپ سینے تک کھلی تھی اور نیچے پہنی گئی وائٹش گرے رنگ کی ٹی شرٹ کے بازو اس کے ناخنوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ نیلے بیگ پر ہاتھ جمائے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو ڈبڈبائی نظروں کے ساتھ سینے پر بازو باندھے کھڑی تھی۔

"ایسے مت دیکھو۔" اس نے ٹوکا۔ برہان، جوسف اور مسز جوسف سے بغل گیر ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"کیوں تم اپنا دل ہار دو گے کیا؟"

آنکھوں کے ساتھ اس کی آواز بھی گیلی محسوس ہوئی، ایک ایک قدم آگے بڑھا۔ وہ اسے عادت کے حساب سے لاشعوری طور پر ہگ کرنے والا تھا لیکن رک گیا کہ یہ مناسب تھا اور نہ ہی اس کی اجازت تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ناز کے سر پر رکھ دیا۔

"موقع ملا تو جان بھی ہار دوں گا، اپنا خیال رکھنا۔"

ناز کی گیلی آنکھوں سے اس نے نظریں چرائی تھیں۔ ہاتھ کو واپس کھینچتے ہوئے وہ اس کے شوز پر نظر گاڑے کھڑا ہو گیا جو چمکتے ہوئے گلابی تھے، گلابی گلیٹر جس پر جا بجا بکھری ہوئی تھی، بنا تسموں کے گلابی باربی شوز۔

"مجھے بھولنا مت۔" وہ اسے وارن کر رہی تھی۔ ایک مسکرا دیا۔ "میں یہاں سب سنبھال لوں گی، ٹینشن مت لینا جب تم واپس آؤ گے ہم پھر سے کافی پیئں گے، میں تمہیں بہت یاد کروں گی۔"

اس کی آواز ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بھرا گئی تھی۔ ایک اسے کراس کرتے ہوئے مسز جوسف سے ملا، ڈھیر ساری دعائیں اور نصیحت لے کر وہ جوسف انکل کو خدا حافظ کہتا آگے بڑھ رہا تھا جب پیچھے سے ناز کی آواز آئی۔ وہ روتے ہوئے اس سے مخاطب تھی۔

"کچھ بھی کرنے سے پہلے ہم سب کے بارے میں ضرور سوچ لینا ایک، تم جانتے ہو ہم سب کو تمہاری کتنی پرواہ ہے۔"

اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور آگے چل دیا۔ وہ پاکستان کو خوش آمدید کہنے والا تھا۔ اس

پاکستان کو جو اسے جان سے زیادہ عزیز تھا، جہاں وہ تباہی مچانے والا تھا، بہت بڑی تباہی۔

☆......☆......☆

حال شروع ہو چکا تھا۔ ماضی، ماضی میں جا پہنچا۔

اور پھر وہی سب ہوا تھا جو وہ اور برہان کر رہے تھے۔ ایلاف کے ساتھ دانستہ ملاقات، اسے اس بات کا یقین دلانا کہ وہ اسے ڈھونڈ چکی ہے اور ان ایکٹرز کو ہوسٹجز بنا کر پیش کرنا سب پلانڈ تھا بس وہ چار لوگ ہی تھے جو اصل میں کڈنیپ ہوئے تھے۔ باقی تو سب ان ہی کے ساتھی تھے۔ برہان لیپ ٹاپ کو بند کر کے اٹھا، کوٹ کو جھٹکا دیا اور سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے بیسمنٹ میں آ گیا جہاں یرغمال موجود تھے۔

''کیا کوئی مسئلہ ہوا ہے؟'' وہ متوازن لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔ نظر سب پر دوڑائی اور اس بپھرے ہوئے لڑکے کو دیکھنے لگا جس کا سانس مزاحمت کے سبب پھول چکا تھا۔

''کوئی حد کراس کرنے کی سعی کر رہا ہے باس، اس نے ہاتھا پائی کی ہے۔'' سیاہ فام گارڈ نے بازو سے اس لڑکے کی گردن دبوچی ہوئی تھی۔ وہ لہولہان تھا گارڈ نہیں لڑکا، اس کے سر پر سے خون لکیر کی مانند گر رہا تھا، آنکھ سوجی ہوئی تھی اور کپڑے پھٹے ہوئے۔

''ایسا کیا اس نے، دیکھوں تو میں بھی۔'' وہ کرسی کھینچ کر ان دونوں کے سامنے لایا اور آگے ہو کر اس پر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکا ابھی بھی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کچھ کر ڈالے۔

''تم سب مارے جاؤ گے۔ کوئی نہیں بچے گا۔'' وہ اردو میں چیخ رہا تھا جبکہ سیاہ فام گارڈ اس زبان سے نا آشنا تھا۔ برہان نے ایک نگاہ اس گارڈ پر ڈالی جو گرفت مزید سخت کر چکا تھا اور دوسری باقی کی عوام پر جن کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ اس کی بات سن کر برہان نے گہرا

سانس لیا اور توقف کے بعد بولا۔

''میں بھی زمین زاد سے یہی کہتا ہوں۔''

زمین زاد کا نام ایبک ہے، یہ بات یہاں کوئی نہیں جانتا تھا۔ برہان کا نام برہان ہے یہ بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسے سب یہاں باس ہی کہتے تھے۔ ''کہ کوئی نہیں بچے گا، کچھ نہیں بچے گا سب ختم ہو جائے گا اور تم جانتے ہو وہ کیا کہتا ہے؟''

برہان کی بھنویں آپس میں ملی تھیں، انداز حد درجہ سنجیدہ تھا۔ اس لڑکے نے مزاحمت کرنا چھوڑ دی تھی۔ وہ اب چیخ بھی نہیں رہا تھا۔

''وہ کہتا ہے سو واٹ۔'' اس کی آواز سرگوشی نما تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایبک کا چہرہ تھا۔

وہ ایبک جو ہڈ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے سر کو جھکائے چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اس کے قدم گن رہی تھیں۔ سیاہ جوگرز کے تسمے کس کر بندھے تھے۔ وہ ان تسموں کی گرہوں میں الجھ گیا جیسے زندگی کی گرہوں میں الجھا تھا۔ اس کی الجھن مزید بڑھی جب کسی اور کے قدم بھی اس کے قدموں کے ساتھ ملنے لگے تھے۔ کاؤ کوٹ شوز، وہ سفید تھے گائے کی کھال سے بنے لیکن اس پر کہیں کہیں سیاہ دھبے موجود تھے۔ چھوٹے چھوٹے گائے کی کھال کے جو بال تھے وہ قدرے چمکیلے تھے۔ شوز بالکل سادہ تھا۔ اس پر کچھ بھی مزید نہیں تھا، ہوتا تو شاید اس جوتے کی خوبصورتی برقرار نہ رہتی۔

''مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم ہو۔''

آواز پر ایبک نے سر نہیں اٹھایا، منہ پر لگے ماسک اور سر پر جی ہڈ کے ساتھ وہ گراؤنڈ کے چکر لگائے جا رہا تھا۔ سرمئی زمین پیچھے چھوٹ رہی تھی اور وہ دونوں آگے بڑھ رہے تھے۔

''ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں۔''

اس نے رفتار نہیں بدلی تھی۔ وہ بس چلتے چلتے مڑ گیا تھا۔ ایلاف کے سیاہ کرش ٹراؤزر اور کاؤ شوز والے پاؤں بھی مڑ گئے تھے۔ وہ دونوں آگے پیچھے اس گارڈن سے باہر آئے تھے۔ ایبک نے کار کا دروازہ اس کیلئے کھولا، وہ سینے پر ہاتھ باندھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ کر رکی جواب بھی اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہیے، تم خطرناک ہو کچھ بھی کر سکتے ہو۔"

بیگانی آواز، انجانا لہجہ، بے نیازی چھلکاتا وجود۔ ایبک نے نگاہوں کو آہستہ آہستہ اوپر کی جانب اٹھایا۔ اس کے کاؤ شوز میں قید پاؤں سے اوپر سیاہ کھلا ٹراؤزر تھا۔ اس سے تھوڑا سا اوپر جاؤ تو وہاں سیاہ ٹاپ پر ڈارک براؤن رنگوں سے زمین کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ جو اس نے کوٹ پہن رکھا تھا وہ جوتے جیسا ہی تھا، سفید فر والا، کہیں کہیں سیاہ دھبوں کے ساتھ۔ کان میں ایک لمبا دھاگوں والا ائیر رنگ جو پورا بھورا تھا لیکن گول سرکل جس میں سے دھاگے نکل رہے تھے وہ سیاہ تھے۔ بالوں کی اونچی پونی اور چہرے پر سنجیدگی، کیا یہ وہی ایلاف تھی جسے وہ جانتا تھا، جو اسے جانتی تھی؟ جس سے وہ محبت کرتا تھا اور وہ۔۔۔۔۔۔ نہیں یہ وہ نہیں تھی۔ ہوتی تو فوراً اس کا نام پکار اٹھتی۔ اس کے دل کو دھکا لگا اور دکھ بھی ہوا کیونکہ اب وہ بدل چکی تھی مغربیت کی جھلک اس میں رچ گئی تھی جو کہ ایبک کو بالکل پسند نہیں آئی۔ دس سال بیت گئے۔ دس سالوں میں وہ کیسے اسے بھول گئی؟ جہاں اسے زندہ و صحیح دیکھ کر اس کا دل سجدۂ شکر کر رہا تھا وہیں وہ دکھ سے نڈھال بھی ہو گیا کیونکہ سامنے والی بدل چکی تھی۔ بالکل بدل چکی تھی۔

"مجھے فالو کرو۔" ہلکی سی آواز کے ساتھ اس نے یہ الفاظ دوہرائے۔ سامنے والی کے تاثرات ہنوز وہی رہے جو پہلے تھے۔ کچھ بھی کہے بنا وہ اپنی کار کی جانب بڑھی تھی۔ جانے پہچانے راستوں پر دوڑنے کے بعد ان کی کار "جے سنز" اسٹیک ہاؤس کے سامنے آ کر رکی۔

ایبک نے گاڑی میں سے نکلنے سے پہلے چہرے پر سے ماسک اتار کر ڈیش بورڈ پر ڈالا، ہڈ بھی سر پر سے اتار کر پیچھے گرا دی۔ بیک ویو مرر میں وہ خود کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے کھولیں، گہرا سانس بھر کر چھوڑا اور نیچے اتر آیا۔ وہ پہلے ہی وہاں کھڑی تھی۔ دونوں آگے پیچھے اندر گئے تھے۔ قدرے کونے والی میز کے پاس رک کر ایلاف نے اپنا بیگ نیچے رکھا۔ ایبک اس کیلئے کرسی کھینچ چکا تھا۔ وہ اپنا کوٹ درست کرتی ہوئی اس پر بیٹھی۔ ایبک بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے آج تم سے سب سننا ہے۔"

وہ جہاں بیٹھے تھے وہاں شیشے کی دیوار تھی۔ وہ ایک عام شیشہ تھا جن میں وہ دونوں خود کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ چونکہ ایبک کے سامنے ایک بڑا سا ران ڈور پلانٹ تھا اس لیے وہ دکھنے سے قاصر تھا۔ ہاں ایلاف کا سائیڈ پوز بہت آسانی سے اس شیشے میں سے ریفلیکٹ ہو رہا تھا۔

"جیسے؟" کافی آرڈر کرنے کے بعد وہ ایلاف کی جانب متوجہ ہوا تھا جو انجانی آواز، انجانی نظروں اور انجانے حوالے کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی اور اس سے کہہ رہی تھی۔

"جیسے میں نے تمہیں کیسے ڈھونڈا، جیسے تم مجھ تک کیسے پہنچے، جیسے میں اس سب میں کیوں انوالو کی گئی ہوں، جیسے جو تم کر رہے ہو وہ سب کیا ہے۔ سب سننا ہے مجھے، سب جاننا ہے۔"

کرسی کی بیک پر وزن ڈالے، سینے پر بازو باندھے بیٹھی لڑکی سب ہو سکتی تھی اس کی ایلاف نہیں، ایبک ناک میں سے آواز کے ساتھ سانس چھوڑ کر مسکرایا اور دونوں ہاتھ باندھ کر میز پر آگے کو جھکا۔ اس کے آگے ہونے سے کرسی بھی تھوڑی کھنچ کر آگے ہوئی تھی۔

"یہ سوالات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔"

سر کو تھوڑا سا ٹیڑھا کیے وہ اس کی بھوری آنکھوں میں سمائے پوچھ رہا تھا۔ ایلاف کی مسکارے میں چھپی پلکیں جھپک کر پھر اٹھیں، وہ گردن موڑ کر دائیں جانب نظر ڈالنے کے بعد اسے دیکھ رہی تھی۔ لائٹ براؤن گلوز سے ڈھکے اس کے ہونٹ ہولے سے ملے۔

"حالانکہ سب کا جواب ایک ہے۔"

سب بدلا تھا لیکن اس کا سینس آف ہیومر نہیں، وہ آج بھی لاجواب کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

کافی سرو کی جانے لگی۔ اس کی خوشبو میں اشتہا تھی۔ گول کھلے سفید کپ، ویسی ہی بے داغ سفید پرچ، کپ کے کناروں، ہینڈل اور پرچ کے کناروں پر سٹیل رنگ کی ہیڈ لائنز تھیں جس سے اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایلاف نے کافی کو ہاتھ نہیں لگایا، ہاتھ تو ایبک نے بھی نہیں لگایا تھا۔ وہ تو بس اسے سن رہا تھا جسے سننے کیلئے وہ آج یہاں موجود تھا۔

"اس ایک جواب میں بھی صدیاں بیت جاتی ہیں محترمہ، تکلیف وہ جوابوں کی اذیت کو تم جیسے برگر کیا جانیں۔"

وہ بھی مسکرائی، کافی ٹھنڈی ہو رہی تھی لیکن کسے پرواہ تھی۔ وہ دونوں تو یہاں بات کرنے آئے تھے، کافی پینے تھوڑی۔

"ایک مغربی انسان کو طنز کرتے ہوئے پہلی بار دیکھ رہی ہوں، اچھا لگا سن کر مسٹر۔۔۔ زمین زاد۔"

اور وہ اذیت کتنی بڑی ہوتی ہے جس میں آپ کا چاہنے والا آپ کو ہی بھول جائے۔ نام تک یاد نہ رکھے کیوں؟ کیونکہ۔۔۔!

"مغربی انسانوں کے سینوں میں بھی دل ہوتے ہیں یہ بات بھی تم جیسے برگر کیا جانیں۔"

وہ حظ اٹھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ بات کرنا ہمیشہ ہی اسے حظ میں مبتلا کردیا کرتا تھا۔ وہ مضبوط ہے، اس نے خود کو مضبوط رہنے دیا۔ سماعتیں اس کی آواز سے سیر ہورہی تھیں جن کو سننا کچھ عرصے پہلے تک فقط خواہش بن کررہ گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں ساجد قصائی کی موت کے پیچھے تمہارا ہاتھ ہے لیکن اس کے پیچھے کیا مقصد کارفرما ہے یہ سمجھ سے باہر ہے۔ مجھے اس بارے میں بھی خاصی تشویش ہے۔''

''تمہاری تشویش بجا ہے۔'' میز پر رکھے گلدان میں سے ایک سفید ٹیولپ لے کر اس نے ایلاف کی طرف بڑھایا۔ (دل کی بے ضرر سی خواہش) یہ ٹیولپ کچھ سالوں پہلے اس کیلئے کتنا معنی رکھتا تھا اور اب کتنا ہی بے معنی سا تھا۔ ایلاف نے اسے نہیں پکڑا۔ وہ یونہی سینے پر بازو باندھے کافی کی ختم ہوتی خوشبو میں بیٹھی تھی۔ ابرو ایبک کی اس حرکت کی وجہ سے اچک گئی تھی۔

''اپنے بارے میں انسان کو تشویش میں مبتلا رہنا چاہیے، آنکھیں اور کان بھی کھلے رکھنے چاہئیں۔ کب کیا ہوجائے کسے پتا، زندگی حالات کو جھیلنے کیلئے کافی چھوٹی ہے۔''

باہر بارش برس پڑی تھی۔ اندر بیٹھے نفوس اس بات سے انجان تھے۔ لوگوں کی چہل پہل اور دھیمے سروں میں بجتے میوزک نے بارش کی آواز کو داب لیا تھا جیسے انصاف کو حیوان داب لیتے ہیں۔

''تم یہاں ہو اس کا شک مجھے کافی پہلے سے تھا۔ تم اچھی طرح گمراہ کرنا جانتے ہو لیکن ایک بات یاد رکھنا، اگر تم بے قصور نہ نکلے جو کہ تم نہیں ہو تو تمہاری موت بہت خطرناک ہونے والی ہے۔'' کرسی کی بیک کو چھوڑ کر تھوڑا سا آگے جھکی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی تپش کی وجہ سے ایبک کے سر میں ایک ٹیس اٹھی۔ اس نے فوراً سے سر جھٹکا۔ اس وقت اسے اپنا آپ حاضر رکھنا تھا، توازن کھونا نہیں تھا۔

”واقعی؟ پھر تو اس دن کا انتظار رہے گا مجھے۔“

ایلاف اس کے اعتماد پر یکدم الجھی۔ آبروز آپس میں ملیں، ان ملی ہوئی آبروز کے ساتھ وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”تمہیں ڈر نہیں لگ رہا، تنہا ہو، میں اپنے ساتھ کسی کو بھی لا سکتی تھی۔ تمہیں پکڑوا بھی سکتی تھی۔ کہہ سکتی تھی کہ بیجنگ کی پولیس جسے ڈھونڈنے میں زور آزمائی کر رہی ہے وہ یہاں ہے۔ میرے سامنے ہے۔“

ایبک نے اس کی بات پر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کی پرسنالٹی، بولنے کا انداز، کپڑے، رویہ کچھ بھی تو اسے مجرم ثابت نہیں کر رہا تھا۔ وہ بالکل بھی پیشہ ور مجرم نہیں ہو سکتا، وہ بالکل بھی گناہ گار نہیں ہو سکتا، قاتل لفظ اس کیلئے نہیں تھا تو پھر کیوں وہ سب ہو رہا ہے جو وہ کر رہا ہے؟ کیا کوئی اہم وجہ ہے، ہاں ایسا ہو سکتا ہے یقیناً ایسا ہی ہے۔

”تمہیں کسی دن اپنے گھر انوائٹ کروں گا ضرور آنا۔ پتا ہے کئی سالوں سے میں اور میرا دوست تنہا رہ رہے ہیں۔ عورت کے ہاتھ کے کھانے کا ذائقہ بالکل بھول چکے ہیں۔ یہ اعزاز بھی کسی کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے اور جن کو ہوتا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے، قابل رحم لوگ۔“

وہ اس سے کیا پوچھ رہی تھی اور وہ کیا جواب دے رہا تھا۔ کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ہو چکنے کے بعد اپنا ذائقہ کھو چکی تھی۔ بالکل ویسے جیسے زندگی مشکلات میں گھر کر خود کی خوبصورتی کھو دیتی ہے۔ میز پر واز میں سے نکلا ٹیولپ بے جان سے پڑا تھا۔ ہوا میں ایک نئے ایئر سپرے کی خوشبو تھی اور دھیما چلتا میوزک انجانے بولوں کو فضا میں بکھیر رہا تھا۔ ایلاف کھڑی ہو گئی۔ یہ بات اور یہ انسان دونوں اس کیلئے نہیں تھے۔ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

”میں چلتی ہوں مجھے لگتا ہے ہمیں بعد میں بات کرنی چاہیے۔“

وہ بھی اس کے ساتھ اٹھا۔ میز پر پیسے رکھ کر وہ کافی کو یونہی ان چھوا چھوڑ گئے۔ ویٹر ان کے جاتے ہی بھاگتا ہوا وہاں آیا۔ بل میں رقم کم تھی جبکہ رکھنے والا پیسے دگنے رکھ کر گیا تھا۔

"کمال ہے ان امیر زادوں کی بھی، رزق کو ضائع کرنے میں مزا ملتا ہے انہیں۔" وہ ٹرے میں کپوں کو واپس رکھے بل اور پیسے جیکٹ میں رکھتے ہوئے مڑ گیا تھا۔ ریسٹورنٹ کے احاطے سے وہ جیسے ہی باہر آئے، موسلا دھار بارش ان کی منتظر تھی۔ ایلاف مڑ کر شیڈ کے نیچے چلنے لگی جو کہ خاص اس صورتحال کیلئے بنائی گئی تھی۔ ایبک اس کے پیچھے ہی تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی کاروں کے پاس آ کر رکے۔

"مطلب میں یہ سمجھوں اب ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ دیکھو میں تھوڑا فلرٹی سا انسان ہوں۔ ان کمفرٹیبل نہ ہو جانا میرے ساتھ۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ صاف دکھتا تھا۔ ایلاف نے پھر سے سینے پر بازو باندھے اور دو قدم اس تک چلتی آئی۔

"تمہیں ایسا لگتا ہے؟"

وہ اس کے انداز اور سوال پر سر خم کر گیا۔

"بالکل۔"

ایلاف نے اپنا دائیں ہاتھ آگے کیا۔ ڈائمنڈ رنگ اس کی تیسری انگلی کی زینت تھی۔ وہ اس انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اس کا حوالہ تو نہیں دینا چاہتی کیونکہ مجھ میں اچھے اچھوں کو پچھاڑنے کی صلاحیت ہے۔"

ایبک نے بھنویں اچکاتے ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر اسے سراہا۔

"لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں۔ یہ انگوٹھی جس شخص نے مجھے پہنائی ہے وہ میرے لیے خاصا سر پھرا ہے۔ تمہارا جینا حرام کر سکتا ہے سو اپنی فلرٹیشن شپ کسی اور کیلئے سنبھال کر رکھو، میرے

دائیں بائیں بہت مضبوط ہاتھوں کا گھیرا ہے۔"

"اسے میں دھمکی سمجھوں؟"

انگوٹھی پر نظر پڑتے ہی اس کے سر میں دوسری ٹیس اٹھی تھی۔ نہیں، ایک ابھی نہیں ابھی کچھ دیر نہیں پلیز۔

"وارننگ بھی کہہ سکتے ہو۔" صاف شفاف زمین کر پیچھے چھوڑ وہ مڑی۔ ابھی اس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ پیچھے سے آتی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ وہ تحیر کے ساتھ مڑی تھی۔

"تم نے وہ شعر سنا ہے ہم زمین زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے؟"

وہ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی جس کو پورے اکتیس دن دیکھتی چلی آئی تھی۔ یہ وہ الفاظ تھے، یہ وہ آواز تھی، یہی وہ انداز تھا جو اس کے خواب میں ہوا کرتا تھا۔ دھول مٹی، گرد آلود کپڑوں والا انسان جس کے سر پر اوپر سے آ کر گولی لگتی ہے، ہاں وہی انسان تو وہ تھا۔ وہ انسان تو یہ الفاظ دوہراتا تھا جو اس وقت سامنے کھڑا انسان دوہرا رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" خاموش پارکنگ لاٹ میں اس کی سرسراتی سی آواز گونجی تھی۔ وہ سہولت سے شانے اچکا دیا۔

"تم خود جان لو۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ گاڑی میں بیٹھا اور اسے ریورس کرنے لگا۔ پارکنگ لاٹ کی دور تک جاتی روش خالی تھی۔ اس خالی روش پر ریورس ہوتی کار میں بیٹھا وہ شخص دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر جمائے اسے تک رہا تھا جس نے اپنی کار کا فرنٹ ڈور پکڑ رکھا تھا وہ ادھ کھلا تھا۔

"تم نے کہا تھا ایک وقت آئے گا جب تم مجھے ہرا دو گی۔ دیکھو اب کون ہار رہا ہے۔"

دھندلکے میں، مدھم، چہکتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ نامکمل سے ہیولے

دماغ کے پردے پر جیسے بننے لگے تھے۔ وہ خود سے دور ہوتے انسان کو تکے جا رہی تھی اور وہ خود سے بہت دور موجود لڑکی پر سے نظر نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ اس کے سر میں ایک بار پھر سے ٹیس اٹھی۔

"وقت آنے دو پھر پتا چلے گا۔"

وہ متحیر سی نظریں جھکا گئی۔ کاؤ شوز میں سے چھلکتے پاؤں پر اس کی نگاہ تھی۔ ایک پل نگاہ گرانے کے بعد دوسرے پل وہ بڑی متعجب انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی جس کی کار اب ٹیڑھی ہو کر سڑک پر ڈل رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ خود سے سوال کر رہی تھی، بند لب، پریشان آنکھیں، کھوجتا دماغ اور خالی دل۔

"میرے خواب یا پھر تخیل کی انتہا۔" دروازے پر سے ہاتھ ہٹاتی وہ کار میں بیٹھی کار کا بٹن پش کرتے ہوئے وہ ابھی بھی پر تجسس تھی۔

"یہ انسان ایک مسٹری ہے اور اس مسٹری میں وہ دوسروں کو بھی الجھانا چاہتا ہے۔ میں اس کا پلان کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میں ثمر بھائی کو سب بتا دوں گی۔ ہاں یہی ٹھیک ہے۔"

پولیوشن پھیلاتی اس کی کار پارکنگ لاٹ سے نکلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ یہ زمین دو انسانوں کی گواہ بن چکی تھی۔ ان دو انسانوں کی جو ایک دوسرے کو بہت اچھے سے جانتے تھے لیکن اس بات کو جاننے سے انکاری تھے۔

☆......☆......☆

"ڈھائی کروڑ روپے دیتے ہیں تمہیں، ان سب کو چھوڑ دو۔"

وہ ایلاف سے ملاقات کے بعد بہت مضمحل ہو چکا تھا۔ گھر جب آیا تو برہان نے اسے گھیر لیا۔ ہڈ کو اتار کر اس نے ٹی شرٹ کے بازو شانوں پر چڑھائے، ہاتھوں کو رگڑنے کے بعد وہ

انہیں ہونٹوں پر توبہ کرنے کی صورت باندھ چکا تھا۔

''کیسی ہے وہ؟'' یہ سوال اس نے جھجک کر پوچھا تھا۔ ایک نے نگاہ اوپر اٹھائی، مارگلہ کی پہاڑیاں دھند میں ڈھک چکی تھیں اس لیے وا کھڑکی سے فقط سفیدی کے کچھ نظر میں نہ پڑ رہا تھا۔

''انجان۔'' یک لفظی جواب پر اس نے اپنا وزن کرسی کی پشت پر ڈالا اور پاؤں اٹھا کر میز پر رکھ دیے۔ وہ اب کیس کھول کر سگریٹ نکال رہا تھا۔ یہ لت۔۔۔ برہان جان گیا اب اس نے لمبے عرصے تک سگریٹ کے ساتھ وقت بتانا ہے۔

''کوئی مسئلہ وغیرہ تو نہیں ہوا یعنی پولیس، ایجنٹس وغیرہ کا۔''

اس سوال پر وہ نفی میں سر کو جنبش دے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں چھت پر تھیں۔ فرنچ ونڈوں کے وا پٹوں میں سے دھند بادلوں کی طرح رفتہ رفتہ اندر آ رہی تھی۔ اس سفید دھند کے ساتھ سگریٹ کا دھواں بھی مل چکا تھا۔ بارش ہو کر کب کی رک چکی تھی لیکن موسم ابھی بھی ابر آلود تھا۔

''ایک بری خبر ہے سنا دوں۔'' ایک چھت کے ڈیزائن کو نظروں میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، آواز بھاری اور تکان زدہ سی تھی۔

''زندگی بری خبروں سے بھری ہوئی ہے اجازت کس بات کی۔'' برہان نے گہرا سانس لیا۔ دھواں اور دھند دونوں کی مکس خوشبو اس کی حس شامہ کو متاثر کر گئی۔ وہ اچھے سے موسم میں برا سا منہ بنا گیا۔

''تمہارے خلاف میڈیا اور عوام بول اٹھی ہے۔ بیجنگ کے لوگ تمہارے خلاف احتجاج کرنا شروع ہو چکے ہیں اور ہمارا گھر۔'' گھر لفظ پر اس نے فوراً گردن ٹیڑھی کی، اس کی ابرو آپس میں مل چکی تھیں۔

''وہ پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے لیکن صد شکر انہیں وہاں سے۔''

ایبک نے جھٹ اس کی بات درمیان میں قطع کی۔ انداز میں عجلت اور بے چینی تھی۔
"جوسف انکل، نازوہ ٹھیک ہیں۔"
برہان اس کی پریشانی پر چند ساعتیں خاموش ہوا، اسے خفگی بھرے انداز میں تکا اور جب بولا تو آواز بھی خفا سی تھی۔
"وہ سب ٹھیک ہیں، پولیس ان تک نہیں پہنچی ہے اب تک اور تم اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا ایبک، اس طرح کے معاملات ہوتے رہیں گے۔"
اس کی انگلیوں کے درمیان دبی سگریٹ سلگ کر ختم ہو رہی تھی مگر اس کے سلگنے کی مدت قدرے کم تھی۔ انسان اس سے جلدی جل کر ختم ہوتا ہے، چاہے وہ انتقام کی آگ ہو، غربت کی انتہا یا آزمائشوں کا مقام، انسان خود کو دکھ کی بھٹی میں جلا کر جلد ہی ختم کر دیتا ہے۔
"لیکن میں سب ہینڈل کر لوں گا کسی کو کچھ نہیں ہوگا ایبک سلطان یہاں سے کھیلتا ہے۔"
اس نے کنپٹی پر انگلی بجائی تھی۔ برہان ہاتھ پھیلا کر اٹھتا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ پھر سے ریلیکس ہوا تھا۔ اس کا کمرہ ابھی بھی دھند اور دھویں سے بھر رہا تھا۔ ایبک نے گردن موڑ کر دیوار کے ساتھ لگے چھوٹے سے سٹینڈ پر نظر ڈالی جہاں وہ تنکوں والا بیگ ابھی بھی لٹک رہا تھا۔
"میری دوستیں کہتی ہیں میں عجیب ہوں۔ گاڑی، گھر کی خواہش کرنے کی بجائے اس بیگ کی خواہش کر رہی ہوں لیکن وہ یہ نہیں جانتیں ایبک کہ دل میں بسی چیزیں عام نہیں ہوا کرتیں، بھلے اس کی قیمت گاڑی یا گھر سے کم ہو لیکن میرے دل میں جو اس کا مقام ہے وہ شاید ہی کسی چیز کا ہو۔ میں ایک دن اسے ضرور خریدوں گی۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ بیگ اٹھایا، سگریٹ کو ایش ٹرے میں پھینکا اور دونوں ہاتھ اس بیگ کے گرد باندھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اس نے منہ بھی بیگ کے ربن میں چھپا لیا تھا۔ اداس ہو کر اپنوں کو گلے لگانے والا، انہیں منانے کیلئے خود میں سمونے والا آج اس بے جان چیز کو خود میں بھینچ رہا تھا جس سے کسی کو بے حد پیار تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سسک اٹھا تھا۔ دل کا درد بہت زور سے پروان چڑھنے لگا۔ مارگلہ کی پہاڑیاں اس کے دکھ سے ناآشنا تھیں ورنہ شاید وہ بھی اس کے ساتھ بھیگ جاتیں۔

چند خاموش لمحے یونہی سرک گئے تھے۔ کسی کے ساتھ کو شدت سے محسوس کر کے وہ خود کو بھلا بیٹھا تھا۔ کتنا اچھا ہوتا نا، اگر جو وہ بھلایا نہ جاتا۔ اس نے بیگ کو مزید سینے سے لگایا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا، کیوں مجھے چھوڑ کر گئی، کیوں مجھے بھول گئی؟''

دل کا درد بڑھ رہا تھا۔ اس پروان چڑھتے درد کو برہان کی آواز نے درمیان میں روکا، وہ کہہ رہا تھا۔

''ایبک! ثمر کال پر ہے۔''

اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔ آہستہ سے چہرے کو بیگ پر سے ہٹایا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ دھاگے تھے اور چہرے پر جنون، نتھنے پھول پچکنے لگے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا، بیگ کو احترام کے ساتھ واپس سٹینڈ پر لٹکایا اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ پتھرایا ہوا تھا اور آنکھوں کی نمی واضح تھی۔ اس نے آستین سے آنکھیں پونچھیں اور آئی ڈراپ اٹھا کر اس کے قطرے آنکھوں میں ڈالے۔ دو منٹ تک آنکھیں بند کر کے اس نے جیسے ہی کھولیں ان کی سرخی مکمل طور پر غائب تھی۔ وہ ایسی ہو گئی تھیں جیسے وہ رویا ہی نہ ہو۔ ٹی شرٹ کو شانوں سے درست کرتا وہ باہر آیا اور برہان کے ساتھ بیسمنٹ کی اور

بڑھا۔سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کا انداز خطرناک تھا۔

''سورج آج جنوب سے نکلا ہے کیا جو مابدولت خود شرف بخش رہے ہیں۔'' وہ کرسی کھینچ کراس پر بیٹھا۔اس کی بیک پر دونوں ہاتھ باندھ کر وہ سکرین میں نظر آتے اس خوبرو انسان کو دیکھ رہا تھا جسے دیکھنے پر آپ پہلی بار میں ہی متاثر ہو جائیں۔

''مجھے لگا تھا تم مغربی مرغے ہو لیکن تمہارا تلفظ بتا رہا ہے میں غلط ہوں۔''

ایبک نے لبوں کو ایک سائیڈ پر کھینچا، گردن ٹیڑھی کر کے وہ نیم جاں سے سابق وزیر کے بیٹے کو تکنے کے بعد پھر سے اسے دیکھ رہا تھا جو یونیفارم میں ملبوس سکرین کے اس پار بیٹھا تھا۔

''ابھی تو تمہیں بہت سی جگہوں پر غلط ہونا ہے مسٹر، تلفظ تو شروعات ہے۔''

ایبک کے سپرنگ بال اور مڑی ہوئی دراز پلکیں بار بار اس کے دماغ میں فلیش بیکس کر رہی تھیں۔وہ دس سال پہلے کی سوچ سے ڈسٹرب ہوا تھا تبھی سر جھٹک گیا۔

''ڈیل کرتے ہیں ایبک۔''

سپرنگ بالوں والے نے اشتیاق سے اس کی طرف دیکھا بھنویں اچکا کر اس نے ماتھے پر بلوں کی تعداد کو بڑھایا تھا۔

''دلچسپ، یہ کی نا بات، میں بھی کب سے اس چیز کا ہی تو منتظر ہوں۔''

ثمر سکرین پر مسکراتا ہوا نظر آیا۔وہ جہاں بیٹھا تھا وہاں اس کے عقب میں دی گریٹ وال آف چائنہ کا پورٹریٹ لگا ہوا تھا۔پوری دیوار پر وہ پورٹریٹ ہی تھا جو نظر آ رہا تھا۔پرانی اینٹوں سے بنی ایک عظیم الشان دیوار۔

''ڈھائی کروڑ روپے دیتے ہیں تمہیں، ان سب کو چھوڑ دو۔''

ایبک کے گالوں کا غبارہ بنا تھا پھر وہ منہ اونچا کر کے دل کھول کر ہنس دیا، ہنستا گیا یہاں

تک کہ ثمر کی آنکھوں میں ضبط ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ وہ لب بھینچے، آنکھیں چندھی کیے اسے دیکھ رہا تھا جو ہنستے ہوئے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

”ڈھائی کروڑ۔“

دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے اس نے رقم کا نام لیا، ہنسی کا فوارہ ایک بار پھر سے اس کے لبوں کی زینت بننے کو تیار تھا لیکن اس نے کنٹرول کر لیا۔

”تمہارا مطلب ہے ڈھائی کروڑ؟ تم مجھے ڈھائی کروڑ دو گے اور میں۔“

ثمر نے اس کی بات کاٹی، اپنی سمجھ کے مطابق اس نے رقم بڑھا دی تھی کہ ایک یہی چارہ تھا ڈیل کا۔

”پانچ کروڑ، پانچ کروڑ دیں گے، کیا یہ بھی کم ہیں؟“

ایک نے سکرین کے پیچھے کھڑے برہان پر ایک نظر ڈالی، ٹانگیں اٹھا کر کرسی پر سے اٹھا، اسے سیدھا کیا اور پاؤں کھول کر اس کے کنارے ٹک گیا۔ دونوں ہاتھ باہم باندھ کر وہ چہرہ بالکل سکرین کے پاس لے آیا تھا۔

”میں تمہیں پچپن کروڑ دیتا ہوں ان چاروں کے باپوں کی گردن لا دو، کہو منظور ہے۔“

انگلی کے اشارے سے وہ پیچھے بیٹھے لوگوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ثمر نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس بھرا۔

”تو یعنی میرا شک درست تھا۔ روسی سفیر تمہارے پاس نہیں ہے یہ بات ہم پہلے روز ہی جان گئے تھے۔ تمہارا ریڈ الرٹ کا طریقہ اچھا تھا لیکن باقی کی عوام جنہیں تم اپنا یرغمال کہتے ہو وہ دراصل کرائے کے ایکٹر ہیں، کیوں میں درست ہوں نا؟“

ایک نے اسے سراہا، وہ جانتا تھا ثمر جلد ہی سب جان جائے گا اس میں کوئی حیرانی کی

بات بھی نہیں تھی۔ مسکرا کر وہ اسے تیلی لگانے والے انداز میں بولا۔

''کبھی بھی اپنے مزاج کے خلاف بات کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے۔ میں بھی نہیں کروں گا۔''

ثمر لیپس پر ہاتھ مارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تو یعنی طے ہوا تمہارا معاملہ ان چار لڑکوں سے ہے۔ ٹھیک ہے اب ہم ان کے بارے میں ہی بات کریں گے۔''

برہان اس کی آواز سن رہا تھا اور اسے دیکھ بھی رہا تھا لیکن ثمر اسے دیکھ نہیں سکتا تھا کیونکہ برہان والی سائیڈ کا کیمرہ آف تھا۔ مارگلہ کی پہاڑیوں کے عین سامنے بنے اس گھر کا بیسمنٹ بالکل ایسے ترتیب دیا گیا تھا جیسے وہ بیجنگ کا بیسمنٹ ہو، ٹینوں پر لگے سٹیکرز، دیواروں کا رنگ اور وہاں لکھے چائنز الفاظ یہ بتاتے تھے کہ وہ پاکستان میں نہیں ہیں اور ہاں ایک اور چیز بھی ان کا پاکستان نہ ہونے کا بتاتی تھی اور وہ تھی ان لوگوں کی لوکیشن جو بیجنگ کے ایک پوش علاقے کا پتا دیتی تھی۔ ثمر اسی پوش علاقہ کے ایک گھر میں بیٹھا تھا۔ وہاں لگ بھگ چھبیس سو گھر تھے ان چھبیس سو گھروں میں انہیں زمین زاد کو تلاشنا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ یہ کر لے گا۔

''میرا معاملہ پانچ لوگوں سے ہے جن میں تمہاری بہن بھی شامل ہے۔ ہم ان پانچ لوگوں کے بارے میں ہی بات کریں گے۔'' اپنے تئیں وہ اسے بھڑکا رہا تھا لیکن ثمر نہیں بھڑکا، اس نے بہت تحمل سے جواب دیا تھا۔

''ٹھیک ہے اس کے بارے میں بھی بات کر لیں گے، ڈیل کرنی ہے تو میچور طریقہ تو اپنانا پڑے گا۔''

''میچور؟'' ایبک نے لفظ دوہرایا۔ برہان اسے کالم ڈاؤن رہنے کا اشارہ کر رہا تھا لیکن وہ

نہیں ہوا۔

''ٹھیک ہے ایسا ہی سہی، ردوبدل کر دیتے ہیں ڈیل میں، ان چاروں کے باپوں کی گردنیں نہیں مانگتا۔ تم مجھے اپنی بہن دے دو میں انہیں چھوڑ دوں گا۔'' آنکھوں میں انتقام کی آگ لیے وہ بھڑکیلے مگر دبے لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ ثمر لب بھینچے ضبط بھری نگاہوں سے چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ اس کا حوصلہ اب جواب دینے لگا تھا۔

''اپنے۔۔۔ لفظوں پر غور کرو۔''

''تم نے کہا تھا میچور ڈیل کرتے ہیں۔ مجھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لگتا، تم اپنی بہن کو دو میں انہیں تم پر وار دوں گا بس ایک ہفتے کی ہی تو بات ہے۔''

برہان نے آنکھوں کے سامنے ہاتھ کا چھجا بنایا تھا۔ اس کا نچلا لب ہونٹوں میں آچکا تھا۔ بیسمنٹ میں موجود کرائے کے یرغمال اور سیاہ فام گارڈ ان کی گفتگو سے ناآشنا تھے کیونکہ وہ ان سے دور تھے۔ ایک باتوں کے دوران انہیں دور ہی رکھتا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری موت کتنی بھیانک ہونے والی ہے۔'' ثمر کی غرائی مدھم آواز پر وہ ہنسا۔ ماحول یکدم ہی بہت گرم ہو گیا تھا۔

''دیکھو تم پھر مجھے دھمکی دے رہے ہو، ہم میچور ڈیل کر رہے ہیں سمجھے، تم میرے لفظوں پر غور کرو اور اگلی چیٹ میں جواب دو۔ نہیں تو اس بار ایک تحفہ تو تم تک پہنچے گا ہی، بہت لیٹ ہو گیا ہے نا اس لیے کہہ رہا ہوں۔''

وہ کرسی سے اٹھ گیا تھا۔ گارڈ نے بھاگ کر سسٹم آف کیا۔ برہان اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''یہ کیا، کیا تو نے ایبک؟ ایلاف کا مطالبہ کر دیا، اس طرح حاصل کرے گا اسے۔''

دروازے کو پار کر کے وہ دور نکل آیا تھا۔ مسلح گارڈ چوکس سا کھڑا تھا۔

”اسے حاصل کرنے کیلئے مجھے ان ہتھکنڈوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بہت پہلے سے میری ہے اور ہمیشہ رہے گی۔“ دبی آواز میں اس سے کہتا ہوا وہ رکا نہیں تھا۔ برہان ابھی بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔

”تو یہ مطالبہ کیوں؟“

”ہر اس شخص کو اذیت دوں گا برہان، جو میرے ماضی سے جڑا ہے۔ جانتا ہوں اس وقت وہ ویل مینرڈ، شریف، پاکیزہ انسان انگاروں پر لوٹ رہا ہوگا۔“

اور وہ درست تھا۔ ثمر ہاتھ کی مٹھیاں بنائے جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب تہس نہس کر دے۔ اس کے قدم اتنے جارحیت سے اٹھ رہے تھے کہ مانو زمین میں گڑھا ہو جائے گا۔ سردی میں بھی ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا۔ دل تھا کہ اس میں بھانبڑ جل رہے تھے۔

”اس کی ہمت کیسے ہوئی ہاؤ ڈیر ہم۔“ وہ طیش میں چلا رہا تھا۔ اس کے جونیئر آفیسر فاصلے سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ کچھ بیجنگ کے سپاہی بھی موجود تھے جو پرائیویٹ تھے اور ثمر کے ساتھ اس لڑکے کی گفتگو کو بڑے غور سے سن اور آبزرو کر رہے تھے۔

”وہ (گالی) میرے ساتھ میری بہن کا سودا کرے گا، میری بہن کا اس کی تو میں (پھر سے گالی)

(گالی)

(گالی)

(گالی)

”آآآآ۔۔۔۔“ لیپ ٹاپ کو اس نے زمین بوس کیا تھا اور اتنی شدت سے کیا تھا کہ

وہ چکنا چور ہو گیا۔ سب دم سادھے اسے سن رہے تھے لیکن کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ وہ اس وقت اس پوزیشن میں نہیں تھے۔ ڈپٹی کمشنر یاور نے یہ کیس ثمر کو دے کر غلط کیا تھا۔ اگر وہ اسے اس کیس میں انوالو نہ بھی کرتے تب بھی ایک نے اسے اس میں کھینچنا ہی تھا کیونکہ یہی اس کا پلان تھا۔

''سر! ہمیں کچھ ملا ہے۔'' یہ بیجنگ پولیس کا بندہ تھا جو دوڑا ہوا اس تک آیا۔ ثمر لمحے کے ہزارویں حصے میں اس تک پہنچا۔

''وہ کیا ہے؟'' اس کے لفظوں میں عجلت تھی۔ اس آفیسر نے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔

''جسے ہم کھوج رہے ہیں وہ کئی سال پہلے یہاں بیجنگ کے ہی ہاسپٹل میں زیر علاج تھا۔ یہ اس کی فائل ہے۔''

ثمر نے جھپٹنے کے سے انداز میں وہ فائل اس کے ہاتھ سے لی۔ سفید فائل پر لکھا نام اسے بڑی شدت کے ساتھ چونکا گیا تھا۔

''ایک سلطان۔''

اس کی آنکھوں میں تعجب ابھرا۔ دس سال پہلے کے فلیش بیکس ہونے لگے تھے۔ اسے اچنبھا ہوا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ دل میں خود سے ہم کلام تھا جبکہ فائل دینے والا اسے معلومات بھی فراہم کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''اس کی حالت نہایت غیر تھی۔ اس کا علاج کسی برہان ابراہیم نامی شخص نے کروایا تھا۔ علاج میں نوے لاکھ روپے لگے تھے۔'' فائل کو ہلاتے ہوئے اس نے رخ اپنے پرائیویٹ

جاسوسوں کی جانب کیا، بولا تو آواز میں کافی ٹھہراؤ تھا۔

''برہان کا پتا لگواؤ، کون ہے، کیا ہے مجھے دو دن میں معلوم ہونا چاہیے۔ یہ برہان ہی ہمیں ایک تک لے کر جائے گا۔''

سب ایک ایک کر کے اس کے کمرے سے چلے گئے تھے۔ بھوری شیٹس سے ڈھکا وہ کمرہ جس کی ایک وال پر دی گریٹ چائنہ دیوار کا پورٹریٹ لگا تھا، اس کی جانب منہ کر کے کھڑا ہو گا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چائنہ وال تھی۔ وہ چائنہ وال جہاں وہ دس سال پہلے گیا تھا کبھی کسی دوست کے ساتھ۔

''جو میں سوچ رہا ہوں وہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو گیا تو بہت برا ہو گا بہت زیادہ۔'' فائل کو جھٹک کر آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے اس کا انگ انگ پرسوچ بن گیا، وہ سوچ جو جلا ڈالتی ہے، راکھ کرتی ہے اور کر کے بے نام ونشاں بنا دیتی ہے، وہ سوچ جو انسان کو خود سے جدا کر دیتی ہے۔ ماضی کی دلدوز سوچیں لیکن رک جائیں، ٹھہریں ابھی ہم ثمر کے ماضی کو نہیں جائیں گے ابھی وقت نہیں آیا نا اس لیے فی الحال حال میں ہی گزارا کرتے ہیں۔ ثمر کو ہم بعد میں جائیں گے۔ ان شاءاللہ۔

☆......☆......☆

صبح کی روپہلی کرنیں اس کے صبیح چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ آسمان بالکل صاف تھا لیکن سردی تھی۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں لیکن اوس پھر بھی گر رہی تھی۔ اذان ہو چکی تھی، پو پھٹ چکی تھی لیکن اندھیرا اب بھی تھا۔ سورج کی ایک گول ٹکی فانٹا کینڈی کی مانند آسمان سے چپکی ہوئی تھی لیکن اس میں سے کرنیں نہیں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ آسمان پر چپکا ہوا تھا جیسے بیمار بیڈ پر چپک جاتا ہے۔ اف۔

”تم بہت تیز دوڑ رہی ہو انیشہ ، پلیز تھوڑا آہستہ چلو، جانتی ہو نا میرا سانس پھول جاتا ہے۔“اس کی ماما گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بینچ پر بیٹھ گئی تھیں۔انیشہ جوان سے کافی آگے نکل گئی تھی واپس مڑی اوران تک آئی۔واٹر بوتل کا ڈھکن کھول کران کی جانب بڑھایااور بولی۔

”پھرآپ فٹ کیسے رہیں گی ماما، ایک چکر بھی آپ نے مکمل نہیں کیا۔“

پانی کی آدھی بوتل خالی کر کے وہ اسے بینچ پر پٹخ رہی تھیں۔شلوار قمیض پر انہوں نے جرسی پہنی ہوئی تھی جو وہ اب پسینہ آنے کی وجہ سے اتار کر وہیں بینچ پر ہی رکھ رہی تھیں۔

”تم جانتی ہو میرا سانس پھولتا ہے اور یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو، اتنا بڑا گراؤنڈ ہے چکر ہی مکمل نہیں ہو رہا۔کہیں چھوٹی جگہ پر لے کر جاتی یہاں پر لے آئی ہو۔“ وہ اسے جھڑک رہی تھیں۔دفعتاً ان کی نگاہ سبزے پر بیٹھی یوگا کرتی خواتین پر پڑی۔وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھی تھیں۔

”تم دوڑو میں یوگا کرتی ہوں، بھاگنے سے زیادہ یہ آسان ہے۔“

انیشہ انہیں پکارتی رہ گئی مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی۔وہ ان خواتین کو جوائن کر چکی تھیں جو انسٹرکٹر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے بازوؤں کو بینڈ کر رہی تھیں۔

”ایسٹ اور ویسٹ میری ممی از دی بیسٹ۔“ ممی پر ایک نظر ڈال کر اس نے پھر سے اپنا کام شروع کیا تھا۔سیاہ جاگنگ سوٹ میں سر پر اونچا جوڑا باندھے وہ دوڑ رہی تھی جب دو قدموں نے اسے جوائن کیا۔انیشہ نے سیاہ دھاری دار جوگرز سے نظر ہٹا کر دائیں جانب دیکھا۔اس کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کے سامنے تھا۔خود بہ خود اس کے قدم سست ہو گئے۔

”میں کب سے منتظر تھا تنہا ہو تو تم سے بات کروں، کہاں ہوتی ہو آج کل؟“ وہ دوڑ نہیں رہی تھی، چل رہی تھی۔چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر مبادہ وہ جلد ہی اپنی ممی والی سائیڈ پر نہ پہنچ جائے۔

''خفا ہو مجھ سے؟''

وہ رک گئی، آسمان کے سینے پر چپکی وہ گول ٹکی ابھی بھی پھیکی سی تھی حالانکہ آج موسم بالکل صاف تھا۔ بس ٹھنڈی ہوائیں تھیں جو چل رہی تھیں۔ محسوس کی جانے والی سردی ہر سمت تھی۔

''میں تم سے کیوں خفا ہوں گی ایبک، خفا ان سے ہوا جاتا ہے جن سے کوئی تعلق ہو۔''

''تو کیا مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟'' اس نے یکلخت ہی پوچھا تھا۔ انیشہ کی نظریں جھک گئیں، پانی کی پرت تھی جو اس کی آنکھوں میں آن سمائی تھی۔

''میری بہن نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا تھا کہ کیا میری زندگی میں کوئی ہے؟ جانتے ہو میں نے اسے کیا جواب دیا؟''

ایبک نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''میں نے اسے کہا نہیں۔''

اس نے انیشہ کو خائف ہونے سے دیکھا۔

''حالانکہ اگر کوئی مجھ سے یہ سوال پوچھے گا تو میں کہوں گا ہاں میری زندگی میں کوئی ہے۔''

انیشہ بھاری دل کے ساتھ بولی۔

''تم مجھے الجھا رہے ہو، میں ان سب چیزوں میں نہیں پڑنا چاہتی، انسان کو وہ کام نہیں کرنا چاہیے جو اسے پریشان کردے۔''

ایبک نے ہڈ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، ساکن آنکھوں سے وہ اسے زیر کرنے کا ہر حربہ آزما رہا تھا اور وہ اپنے ہر حربے میں کامیاب بھی ہو رہا تھا۔

''یہ تم نے کیا کردیا انیشہ، تم نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے، کیا میں تمہیں فلرٹی لگتا ہوں؟''

اور جب مرد اس طرح کا سوال کرے تو اس کے منہ پر کہہ دینا چاہیے کہ ہاں اس طرح کی بات، اس طرح کی جگہ پر یوں کرنا ایک فلرٹی مرد کا ہی شیوا ہوتا ہے۔ جو اصل مرد ہوتے ہیں وہ سڑکوں یا پارکوں میں گفتگو کرنے کے بہانے نہیں ڈھونڈا کرتے، وہ آپ کو فونوں پر تاویلیں نہیں دیتے بلکہ آپ کے گھر آ کر بڑوں سے آپ کو مانگ کر اپنا بناتے ہیں۔ اصل مرد یہی کرتے ہیں۔ وہ عزت بناتے ہیں عزت اچھالتے نہیں۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

اور لڑکیاں کتنی بیوقوف ہوتی ہیں نا، چکنی چپڑی باتوں، تھوڑے سے دل کے بہلاوے میں ان پر اندھا یقین کر لیتی ہیں، کرنے کے بعد اندھی کھائی میں گرادی جاتی ہیں۔ کتنا برا کرتی ہیں نا اپنے ساتھ۔

''تم نے وہ سب نہیں کہا لیکن انداز تو یہی بتا رہا ہے۔ مجھے لگا تھا تم مجھے سمجھ جاؤ گی۔''

شیطان بہت بری شے کا نام ہے۔ وہ جب انسان کو گھیرتا ہے تو اتنے باریک اور ریشم جال اس کے گرد بنتا ہے کہ انسان اس جال میں خود کو بہت پر سکون محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ اسے لذت آ رہی ہوتی ہے ان سب چیزوں سے جن کی ممانعت ہے۔ جو شیطان کا جال ہیں ہاں شیطان کا جال ان ہی چیزوں کا تو ہوتا ہے۔ وہ منع کی ہی چیزوں میں ہی تو سکون مکس کر کے انسان کے سامنے پیش کرتا ہے اور بیوقوف انسان اس کی بات مان کر ہر حد پھلانگ دیتا ہے جس طرح ابھی ایک پھلانگ رہا تھا۔ انیشہ اس کے پلان کا حصہ نہیں تھی۔ انیشہ تو کہیں بھی نہیں تھی پھر بھی وہ اس کے دل کے ساتھ کھیل رہا تھا، کیوں؟ کیونکہ اسے انتقام لینا تھا گہرا انتقام۔

''سلطان۔'' اس نے فوراً اس کی بات کاٹ دی، آنکھوں میں جذب لیے، شیریں بھاری

آواز کے ساتھ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ سب جو اس نے ایلاف کیلئے سنبھال رکھا تھا لیکن اسے کہہ دیا تھا۔ وہ سب جو یہ تھا۔

''نکاح کرنا چاہتا ہوں تم سے، عزت بناؤں گا اپنی۔ تھام لو میرا ہاتھ۔'' وہ اپنا ہاتھ آگے کرتا کہہ رہا تھا۔ انیشہ خوف کے مارے پیچھے ہوئی۔ اس کا دل پسلیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

''بہت محبت کرتا ہوں نہیں رہ سکتا، اگر میرا ساتھ نہ دیا تو میں مرجاؤں گا۔'' یہ الفاظ، یہی الفاظ ہیں جو عورت کو مار دیتے ہیں۔ جو اس سے وہ سب کروا دیتے ہیں جن کا اس نے تصور نہیں کیا ہوتا، گناہ، بغاوت، ہٹ دھرمی اور احتجاج۔

لیکن پتا ہے ایک دینی لڑکی کیا کرتی ہے۔ وہ ان باتوں میں نہیں آتی، پھسلتی نہیں، گرتی نہیں، سنبھلتی ہے کیونکہ اسے سنبھلنا آتا ہے، ڈٹی رہتی ہے کیونکہ اسے ڈٹنا آتا ہے لیکن یہ سب ایک مسلمان لڑکی کرتی ہے، کیا ہم لوگ دینی ہیں۔ سوال تلخ ہے جواب اس سے بھی زیادہ کڑوا، کبھی اکیلے بیٹھ کر خود کا محاسبہ کرنا بلکہ کبھی کیوں ابھی ذرا ایک منٹ کا وقفہ لیں اور سوچیں کہ کیا آپ ایک اچھے مسلمان ہیں، اچھے چھوڑیں مسلمان ہیں؟

سال میں چند دن کے روزے رکھنا، کبھی کبھی نماز ادا کر لینا، زبان سے کلمہ پڑھنے سے صرف مسلمان ہوا جاتا ہے؟ اگر ہاں تو حیرت ہے پھر ہم زوال کا شکار کیوں ہیں؟ کیوں زنا کاری اتنی عام ہے؟ فحاشی پھیلی ہوئی ہے؟ لوٹ مار عروج پر ہے؟ ملک زوال میں ہے؟ حکمران نا اہل ہیں؟ بیٹیاں باغی ہیں؟ بیٹے ہاتھ میں نہیں؟ عزتیں نیلام ہیں؟ چادریں بے توقیر۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو یہ سب کیوں ہو رہا ہے، کیوں بھلا؟ صرف ایک منٹ کیلئے اس پیچ کو چھوڑ کر پلیز ایک بار سوچیں۔ ایک بار اپنے اندر جھانکیں۔ اپنے دل کے چوروں کو پکڑیں اور دماغ کی تختی پر لکھ دیں۔ لکھ کر پڑھیں دو بار، چھ بار، دس بار اور پھر ان میں سے ایک چیز

جسے ترک کرنا، سدھارنا بہت مشکل نہ ہو تو بہت آسان بھی نہ ہو پر فوکس کریں اور عہد کریں کہ آپ یہ کام نہیں کریں گی یا کریں گے، خود سے عہد کریں۔ ایک بار تو کر کے دیکھیں پلیز صرف ایک بار!

آپ کو سکون ملے گا۔ راہ ملے گی۔ ایک غلط چیز ترک کریں گے۔ اللہ بیس غلط عادتوں کو آپ سے دور کر دے گا۔ یقین کریں ایسا ہوتا ہے نہیں یقین تو خود کوشش کر کے دیکھ لیں کیونکہ تجربہ وہی معنی رکھتا ہے جو خود کی ذات سے نکلتا ہے۔ باقی سب تو بس باتیں ہی ہیں۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے بھاگی تھی مبادا وہ پھر سے اس کے پیچھے نہ آ جائے۔

زندگی دوہری مشکل میں پھنس گئی تھی۔ فرار کی کوئی راہ بجھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ خود مشکل میں پڑ گئی تھی۔ ایک ایسا انسان جو اسے کچھ عرصے پہلے ملا تھا کے ساتھ وہ کیسے اتنی جلدی اٹیچ ہو سکتی ہے یا شادی کر سکتی ہے لیکن وہ ہو گئی تھی۔ دل کو ہارنے میں پل نہیں لگتا۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اس کی محبت میں پور پور ڈوب گئی تھی۔ وہ بھی انجام کی پرواہ کیے بغیر، وہ چھوٹے چھوٹے قدم چلتی اپنی ممی کی طرف آئی جو اسی بینچ پر بیٹھی تھیں جس پر وہ تھک کر رکی تھیں۔

''دیر لگا دی تم نے۔'' زرینہ نے اس کا اترا ہوا چہرہ نوٹ نہیں کیا تھا۔ غلط کیا ماؤں کو بچیوں کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں کم از کم بیٹیوں کی حرکات پر تو نظر رکھنی چاہیے نا پھر کہتی ہیں اولاد ہم سے غافل ہو گئی، مائیں خود غافل ہوتی ہیں تو بیٹیاں دوراہوں میں پھنستی ہیں اور پھر ہمیشہ اسی میں قید رہتی ہیں۔

''جی وہ تھک گئی تھی۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا تھا۔ زرینہ کو دور سے ایک خاتون نظر

آئیں۔ وہ والہانہ طور پر ان سے جا کر ملیں اور انیشہ کو بھی ملوایا۔ دس منٹ بات کرنے کے بعد جب انیشہ ان کے ساتھ واپس گھر کو مڑ رہی تھی تب زرینہ نے اس سے کہا تھا۔

''ان کا بیٹا صغیر لندن میں فارماسسٹ ہے۔ اچھی شکل صورت کا ویل مینرڈ انسان ہے۔ پچھلی گرمیاں جب میں اور تمہارے ڈیڈی لندن گئے تھے تب اس نے ہمارا بہت خیال رکھا تھا۔ آتا جاتا رہا تھا، ملتا رہا تھا۔''

وہ خاموشی سی زرینہ کی بات سن رہی تھی۔ دونوں ایک ساتھ گھر تک جاتی روش پر چل رہے تھے۔

''مسز ظہیر نے تمہیں مانگا ہے صغیر کیلئے، میں نے اور غفور نے ہاں کر دی ہے۔ ثمر کو بھی یہ رشتہ مناسب لگا ہے۔ اگلے ماہ جب وہ آئے گا تو سوچ رہے ہیں تمہارا نکاح کر دیں۔ تم کیا کہتی ہو؟''

اور وہ جو یہ سب سن رہی تھی سانس روکے انہیں دیکھنے لگی، آنکھیں پھٹی تھیں، دم گھٹتا تھا۔ سر پر موجود پھیکا سورج جو ٹھنڈ سے جما ہوا تھا یکدم آگ پھینکنے لگا۔ انیشہ کو لگا وہ اس آگ میں جل جائے گی، مر جائے گی۔ اس کی آنکھوں میں یکا یک آنسو در آئے۔

''ویسے میں جانتی ہوں تم ہمیں مایوس نہیں کرو گی۔ میں نے غفور کو کہا تھا انیشہ بھی ایلاف کی طرح ہماری لاج رکھے گی۔ میری بیٹیاں خاصی سمجھدار ہیں، ہے نا؟'' اس کے لفظ لبوں میں ہی دم توڑ گئے۔ آنکھوں میں آئے آنسو زرینہ نہیں دیکھ رہی تھیں۔ کتنا اچھا ہوتا اگر وہ انہیں دیکھ لیتیں، جان جاتیں کتنا اچھا ہوتا نا۔

وہ خاموشی سے لب سیئے آگے بڑھ رہی تھی جبکہ اس کا دل تو صنوبر کے درخت کے نیچے ہی رہ گیا تھا۔ دل کے بغیر خالی وجود کیسا ہوتا ہے؟ زندہ لاش کی طرح، ہاں وہ زندہ لاش ہی تو بن

گئی تھی ایک چلتی پھرتی زندہ لاش۔

''شکر خدا کا آپ آ گئیں، میں کب سے آپ کا منتظر تھا۔'' ان دونوں کو آگے پیچھے اندر آتے دیکھ شراحیل اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ انداز میں اس کے عجلت تھی، اسی عجلت کی بنا پر اس نے انیشہ کو نوٹ نہیں کیا تھا۔ وہ ان کے قریب بے چینی سے آیا اور مدھم آواز میں بولا۔

''ثمر نے کال کی تھی، کہہ رہا تھا میں کل ہی ایلاف کے ساتھ نکاح کر لوں، آپ اس سے بات کریں۔ ایسا کیا ہو گیا ہے جو وہ یوں جلدی مچا رہا ہے، سیریسلی میں پریشان ہو گیا ہوں۔''

زرینہ خود بھی یہ خبر سن کر تفکر میں مبتلا ہوئیں۔ غفور کچھ عرصے کیلئے انگلینڈ گئے ہوئے تھے ورنہ وہ ضرور ان سے بات کرتیں۔

''ایسا کیوں کہہ دیا اس نے، فون ملاؤ میں بات کرتی ہوں۔''

شراحیل نے کال ملائی تھی لیکن وہ نہیں لگی۔ ہاتھ پھیلاتے ہوئے وہ زچ سا زرینہ کو دیکھے گیا۔ سمجھ سے باہر تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ بہن شادی سے ابھی انکاری تھی تو بھائی کو جلدی مچی ہوئی تھی یعنی کہ حد تھی۔

''ثمر نے اتنی بڑی بات کہی ہے۔ کوئی نہ کوئی اہم مسئلہ ضرور ہو گا، وہ ایلاف کی فطرت کو جانتا ہے۔ میرا ثمر جذبات میں فیصلے نہیں کیا کرتا۔'' وہ ان کی بات سے اتفاق کر رہا تھا لیکن اس دل کو بھی کون سمجھائے جو فوری طور پر دشمن جاں کا متمنی تھا۔ قدرت ان دونوں کو ملانے کے لیے ہر حربے آزما رہی تھی بس ایک وہی تھی جو ہر بار کنی کترا جاتی تھی۔

آہ ایلاف آہ۔

☆......☆......☆

''ہے میری شوکت و شان تو،

ہے حالت ویران تو،

تو ہی میرا سرمایہ ہے،

تو ہی نصف میرا حصہ ہے۔"

آسمان کے نیچے، ڈھلوان زدہ چھت پر بیٹھا گھٹنے پر گٹار جمائے وہ آنکھیں بند کر کے یہ بول دوہرا رہا تھا۔اس کے آس پاس چاندنی اکٹھی ہو گئی تھی۔نور تھا جو اس کے اردگرد پھیلا تھا۔ٹھنڈ تھی جو اس کی ہڈیاں جما رہی تھی لیکن وہاں پرواہ کسے تھی۔ایش گرے رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ وہ جینز کے پائنچوں کو فولڈ کیے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔اس کے سپرنگ والے بال ماتھے پر گرآئے تھے۔یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گیلے ہوں، مڑی ہوئی پلکیں بند اور متورم تھیں اور لب ہولے ہولے سے ہل رہے تھے۔

"تو چاند ہے آکاش کا، کم ہی نہ ہو سایہ تیرا، یہ ساعتیں مجھ تجھ سے ہیں۔"

"تم اچھا گاتے ہو، تمہیں سنگر ہونا چاہیے۔" وہ بند آنکھوں سے مسکرایا۔آنکھوں کی نمی شاید بڑھ گئی تھی تبھی پلکیں نئے سرے سے گیلی ہوئیں۔

"لیکن میں نشید پڑھنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں میں اس دنیا کا سب سے اچھا نشید کار بنوں، تم جانتی ہو میں اس میں بہت ساری نئی چیزیں لانا چاہتا ہوں جو حلال ہوں، حرام کا شائبہ تک نہ ہو ان میں۔" اس نے جارحیت سے گٹار کی تاروں کو چھوا تھا۔آسمان پر چمکتے تاروں نے تھرتھراتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ایسا کرنے سے وہ ایک پل کیلئے جل بجھے تھے۔

"میرا تو دل کرتا ہے تمہیں بیٹھ کر دیکھتی رہوں سنتی رہوں، تمہاری آواز میں بہت تاثیر ہے ایک۔"

یہ خواہش کرنے والی لڑکی آج اس کے ساتھ نہیں تھی لیکن وہ اس کی خواہش کو پورا کر رہا تھا۔ وہ اس کی ہر اس خواہش کو پورا کر رہا تھا جو وہ اپنی زندگی میں پوری نہیں کر پائی تھی۔ بیگ خریدنا، سکیٹنگ کرنا، تتلیوں کو پکڑ کر ان کے پروں سے رنگ چرانا، سرفنگ کرنا اور گانا گانا، وہ سب کر رہا تھا اس کیلئے جو نہیں تھی مگر تھی اس کے دل میں، اس کی سانسوں میں، اس کی دھڑکنوں میں، اس کے وجود میں۔

''ابہام کا سمندر بہت گہرا ہوتا ہے۔''

وہ اس کا مذاق بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دراصل اس کے لہجے سے مغلوب ہوا تھا۔ سانسوں کی طنابیں اس لڑکی کے ہاتھ میں تھیں جو اَب اس دنیا میں نہیں تھی لیکن تھی۔

''ایک وقت آئے گا جب تم میری باتیں یاد کرو گے۔''

بند پلکوں سے پانی کی لکیر پھوٹ پڑی تھی۔ ساکن آسمان تھا، ساکن دل، ساکن ماحول، شوریدہ احساسات، چیختے چلاتے آنسو۔

''اللہ نہ کرے وہ وقت آئے۔''

اس کی گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی تھی۔ ایک اور بار اس نے زور سے گٹار کی تار کو چھوا تھا، کانپتی، لڑکھڑاتی، لرزش میں ڈوبی یاسیت بھری آواز اس کے لبوں سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا جو کھڑکی میں کھڑا ابرہان سن رہا تھا۔ اس کے الفاظ پھر سے وہی تھے جو اکثر ہوا کرتے تھے۔

''تو ہے میری خواہش بھی،

تو ہی تو آسائش بھی،

اے چاند مجھ سے جان مانگ۔۔۔

اے چاند مجھ سے جان مانگ (آرون افشار)"

برہان مڑ گیا تھا۔ وہ اندر کاؤچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ جوسف انکل کا فون آیا تھا۔ وہ اسے بتا رہے تھے کہ بیجنگ کی پولیس نے ہاسپٹل میں سے ایک کا ریکارڈ اٹھا کر ثمر کو پکڑا دیا ہے۔ وہ جانتا تھا اب کیا ہوگا، ثمر اس تک پہنچنے کی سعی کرے گا اور پھر وہ اسی کے ذریعے ایک کے گریبان پر ہاتھ ڈالے گا۔ وہ پریشان تھا۔ ازحد پریشان، مشکلات آتی جا رہی تھیں اور وہ دونوں ان میں گھرتے جا رہے تھے۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں یہ آگ کا کھیل ہے، آگ کبھی سکون نہیں پہنچاتی۔ جاتے ہوئے بھی داغ دے جاتی ہے جس کا نشان کبھی نہیں بھرتا۔"

سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ تھیں اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے کیا نہ کرے، لوگوں کی زندگیاں بہت آسان ہوتی تھیں۔ کیا ہو جاتا اگر ان دونوں کی زندگی بھی آسان ہوتی، وہ بھی عام لوگوں کی طرح عام سی زندگی گزارتے۔ یہ دولت، کامیابیاں، عیش و عشرت نہ ہوتی بس سکون ہوتا اور متوازن زندگی۔

"وہ لوگ ایک تک پہنچنے والے ہیں۔"

اس نے جوسف انکل کا فون ملایا تھا جو نہیں لگا تھا تبھی اس نے ناز سے کانٹیکٹ کیا، وہ یہ بات سن کر اچھل ہی تو پڑی تھی۔ دنگ انداز میں بولی۔

"گھر ضبط کر لیا ہے اتنا معلوم ہے مجھے، ان کی رسائی سے پہلے ہی میں سب سمیٹ گئی تھی تو پھر وہ اس تک کیسے پہنچنے والے ہیں۔" وہ شاید روڈ کنارے تھی تبھی بنگالی ساز کی آواز بھی اس کے فون تک آ رہی تھی۔ بنگال کا سحر پھیل جاتا، اگر اس وقت پریشانی نہ ہوتی۔

"انہوں نے مجھے ڈھونڈ لیا ہے، جلد یا بدیر وہ مجھ تک پہنچ جائیں گے اور تم جانتی ہو ایبک مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑنے والا ہے۔"

یہ بات کافی پریشان کن تھی۔ وہ متوحش سی کچھ پل کو چپ ہوئی پھر کچھ سوچ کر بولی، عزم سے بھرپور سوچ۔

"میں تمہیں چھپا دوں گی، تم تک آتا ہر راستہ بند کر دوں گی، فکر نہ کرو ابھی تک وہ زیادہ آگے نہیں گئے ہوں گے، میں ان کے قدم راستے میں ہی روک دوں گی۔"

نسوانی بنگالی آواز کو اگنور کرتا ہوا وہ اسے سن رہا تھا جسے اچھی خاصی اردو آتی تھی۔ ابھی بھی وہ اسی زبان میں اس سے بات کر رہی تھی۔

"تمہیں یہ کرنا ہو گا ناز، ایبک کیلئے تمہیں یہ کرنا ہو گا۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے۔ میں اس سب میں بے قصور ثابت ہوں گا لیکن اگر ایبک ان کے ہاتھ لگ گیا تو بہت برا ہو جائے گا، وہ اسے کم میں نہیں چھوڑیں گے۔"

ناز نے سر پر ہاتھ رکھ کر اس بنگالن کو دیکھا تھا جو انسٹرومنٹس کے ساتھ کھیلتی ہوئی بیجنگ میں بنگالی زبان کا سحر پھیلا رہی تھی۔ وہ وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔

"میں کر لوں گی تم پریشان نہ ہو۔"

رابطہ منقطع کرتے ہوئے وہ ازحد افسردہ تھی۔ ایبک نے اسے ایک بھی کال نہیں کی تھی۔ کیا ہو جاتا اگر وہ صرف ایک بار ہی کال کر کے حال احوال پوچھ لیتا۔ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھی تھی۔ اس کی منزل اب وہ خفیہ جگہ تھی جہاں اسے جانا تھا۔ جانا اس لیے تھا تا کہ وہ برہان کو انٹرنیٹ کی دنیا سے مٹا سکے، برہان مٹے گا تب ہی ایبک بچ پائے گا۔

☆......☆......☆

"آپ مجھے انڈر ایسٹیمیٹ نہیں کر سکتے۔"

کسی باغ میں ایک پھول کھلا تھا۔ اس کی خوشبو نے پورے باغیچے کو معطر کر دیا۔ سرخ، شرمایا، لجایا سادہ گلاب جس کا رخ زمین کی طرف تھا، بہت ہی معصوم و پر سکون لگتا تھا۔ اس کی تازگی نئی تھی، شگفتگی انمول، اس کے وجود پر گرتے شبنم کے قطرے ایسے لگتے تھے جیسے ہیروں کو مخمل پر جگہ مل گئی ہو، سب کچھ ٹھیک تھا۔ زندگی سے بھرپور تھا کہ دفعتاً ہوا چلی، اس گلاب کی کئی پتیاں اکھاڑ کر لے گئی، سکون گیا، شگفتگی درہم برہم ہوئی، شرم کی موت ہوئی اور سرخ رنگ خون رنگ میں بدل گیا۔

لاؤنج میں اس وقت دبیز خاموشی کا راج تھا۔ شراحیل وہاں ناخوش سا بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں بار بار کلائی پر بندھی رولکس پر جا ٹکتی تھیں۔ اس کے عین سامنے زرینہ خاموشی کا چولا اوڑھے بیٹھی تھیں۔ دائیں جانب انیشہ تھی اور انیشہ کے پیچھے ہاتھ باندھے ان کی فلپینو میڈ، اسے وہاں کھڑے ہونے کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ وہ اردو نہیں جانتی تھی۔ یہ ان کے گھر کا ذاتی مسئلہ اس لیے وہ اس مسئلے میں کسی باہر والے کو انوالو نہیں کرنا چاہتے تھے کسی میڈ کو تو بالکل بھی نہیں۔

"وہ اتنی دیر سے اندر کیا کر رہی ہے؟"

شراحیل کے بے صبرانہ سوال پر دونوں نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی، نظروں نے اداسیوں سے اپنے سفر کو واپس کیا تھا۔

"شاید آپ کے انکار سے خائف ہے یا پھر بھائی کے فیصلے سے۔"

انیشہ کی بات پر اس نے سر کو ہولے سے جنبش دی۔ اس نے آناً فاناً شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بھلے وہ فوراً ایلاف کو اپنے نام کرنا چاہتا تھا لیکن اس طرح نہیں، ایسے نہیں، اسے

وقت درکار تھا۔ اگر اسے وقت مل جاتا ہے تو وہ اسے بہت شاہانہ طریقے سے اپنی زندگی میں لائے گا اور وہ ایسا کرے گا بھی۔ اسے یقین تھا اس بات پر تبھی اس نے ثمر کے فیصلے کو رد کر دیا تھا۔ یوں بھی غفور انکل اور اس کی ممی نے بھی اس بات سے انحراف کیا تھا۔ وہ شادی ایک ماہ بعد ہی چاہتے تھے۔ ایک ماہ بعد بہت شاہانہ انداز میں وہ اپنی من پسند ہستی کو اپنی زندگی میں شامل کرے گا۔ ایسا ہو گا اسے پورا یقین تھا۔

"میں نے اس چیز سے ایک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ بچوں کی لمبے عرصے تک منگنی نہیں کرنی چاہیے۔ ڈائریکٹ نکاح اور پھر شادی کر دینی چاہیے۔ اس سیکھ نے مجھے انیشہ کیلئے اچھا فیصلہ کرنے کا موقع دیا ہے۔ میری بیٹی بہت خوش رہے گی۔"

زرینہ کی بات پر اس کے معدے میں مرچیں بھرنے لگی تھیں۔ وہ پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔

"میرا ساتھ دو، صرف ایک بار تو ہاتھ تھام کر دیکھو۔" ایبک کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے زرینہ کی طرف پر سوچ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ضرور انہیں آج کل میں اپنے دل کی چاہ سے آگاہ کر دے گی۔ ان کی مام بہت سمجھدار اور پر لچک ہیں، وہ اس کی بات کو عزت دیں گی اور صغیر کو اس کے سر پر نہیں تھوپیں گی، ہاں وہ ایسا ہی کریں گی، اسے بھی اس بات کا یقین تھا تبھی وہ پر سکون ہو گئی تھی۔

"آنٹی! میں نے تو ایک بار ہی ڈیمانڈ کی تھی۔ وہ محترمہ نہیں مانی تو میں بھی چپ ہو گیا، آپ اچھے سے جانتی ہیں میری فیلنگز کو۔" اس نے شکوہ کیا تھا۔ زرینہ اس کے شکوے پر مسکا دیں، بہاروں جیسی مسکان تھی ان کے چہرے پر، ہر ماں کے چہرے کی مسکان ایسی ہی ہوتی ہے، تازگی میں ڈوبی ہوئی، محبت سے گوندھی ہوئی، رنگوں سے بھری ہوئی، سکون سے سجی ہوئی، پیاری ماؤں کی پیاری مسکان۔

”دل پر مت لو شراحیل، تم دونوں ہی سفر کر رہے ہو۔“

”سفر تو میں کر رہا ہوں، وہ محترمہ تو اس لفظ سے کوسوں دور ہیں۔“ اس نے دل میں سوچا تھا اور جل بھن کر پھر سے گھڑی کو دیکھا تھا۔ وہ بار بار گھڑی اس لیے دیکھ رہا تھا کیونکہ محترمہ ثمر کی ڈیمانڈ سن کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھیں۔ جو بھی تھا شراحیل کو ایک آس سی تھی کہ وہ اس نکاح کیلئے ہاں کر دے گی، بھلے وہ ابھی اسے نہیں بیاہنا چاہتا لیکن وہ اندر سے پھر بھی یہی چاہتا تھا کہ ایلاف ہاں کر دے، ایلاف ہاں کر دے گی تو وہ کوئی کسر نہیں چھوڑے گا اس کی شایان شان شادی کرنے میں، مگر وہ ہاں کرے تب نا۔۔۔ آہ!

”آپ مجھے انڈر ایسٹیمیٹ نہیں کر سکتے، آپ کیسے کہہ سکتے ہیں میں وہ سب کر لوں جو آپ کہہ رہے ہیں۔“ وہ بیڈ کی پائنتی میں ٹکی بے یقین سی اسے کال ملا گئی تھی۔ جب سے اسے ثمر کی خواہش کا پتا چلا تھا وہ اپنا دماغ ماؤف کر بیٹھی تھی۔ اب بھی وہ اس سے الجھ رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

”ایلاف! مت بھولو کہ تم صرف میری بہن نہیں ہو، بیٹیوں کی طرح چاہتا ہوں تمہیں، زندگی ہو تم میری، عزت ہو، میں اسی عزت کی حفاظت کیلئے یہ سب کہہ رہا ہوں، تمہیں میری بات ماننی پڑے گی بیٹے۔“

وہ لب چباتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ صبح سے اس کی طبیعت خراب تھی، گلا بیٹھا ہوا تھا، آواز بھاری تھی اور زکام بھی تھا۔ اسے جب بھی زکام ہوتا تھا اس کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلتا تھا اور وہ سرخ ہو جاتی تھیں ابھی بھی یہی کنڈیشن تھی۔ اس حالت کی وجہ سے ہی اسے ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ وہ اپنے عرق آلود ماتھے کا نوٹس لیے بنا ہی اس سے کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

”آپ کی محبت کی قدر کرتی ہوں بھائی، آپ کی انسکیورٹی بھی بجا ہے لیکن میں وہ نہیں

کروں گی جو آپ کہہ رہے ہیں۔"

ثمر نے زچ پڑنے سے اس کی بات درمیان میں قطع کی، وہ ایلاف کی ہٹ دھرمی سے عاجز آرہا تھا۔

"وقت ہی کیا ہے، تم دونوں کافی سالوں سے انگیجڈ ہو، پسند کرتے ہو ایک دوسرے کو، اس بہار میں تو یوں بھی تمہاری شادی ہونی تھی تو اب کیوں نہیں۔"

ایلاف نے فون کو لاؤڈ سپیکر پر لگا کر بیڈ پر رکھا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اسے چکر آرہے تھے۔ کمزوری اچانک محسوس ہونے لگی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے بھائی، لیکن میں اس طرح سے شادی نہیں کروں گی۔ اس طرح ڈر کر تو بالکل بھی نہیں، اسے میں چاہیے ہوں تب جا کر وہ ان لوگوں کو چھوڑے گا تو ٹھیک ہے میں اس کے پاس چلی جاتی ہوں۔"

ثمر کی آواز درشتی میں لپٹی دھاڑ آمیز تھی۔ وہ اس پر برس رہا تھا۔ اس کا غصہ خطرناک تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی، تمہارے فیصلوں کا اختیار اس معاملے میں تمہارے پاس نہیں ہے سمجھی، آئندہ اس طرح کی بات کی تو اچھا نہیں ہوگا۔ محبت کر سکتا ہوں تو غصہ اس سے زیادہ ہو سکتا ہوں میں۔"

اس نے سیل پر ایک نظر ڈالی، باہر دھوپ کھلی تھی، بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ ہلکی کن من ہو رہی تھی لیکن دھوپ کے ساتھ، بہت الگ سا امتزاج تھا، بہت عجیب سا ملاپ، بارش اور دھوپ۔ نہیں۔ ایلاف اور شراحیل امم ہمم۔۔۔ بارش اور بادل۔۔۔ ہاں۔ ایلاف اور ایبک۔۔!

"ابھی آپ غصے ہیں میری بات نہیں سمجھیں گے۔ جب آپ۔۔۔"

اس نے پھر طیش میں ایلاف کو کاٹا۔

''میں کبھی بھی تمہاری بات پر غور نہیں کروں گا ایلاف، خواہ میں غصے میں ہوں یا پھر نہیں، دو دن دے رہا ہوں تمہیں، فیصلہ کر لو، سمجھا لو دل کو، دو دن بعد تمہیں شراحل کے نام ہونا ہے۔''

''پر بھائی۔''

''بس، میں نے کہہ دیا اور کچھ نہیں سنوں گا۔''

ٹوں ٹوں کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ کال منقطع کر چکا ہے۔ ایلاف نے چند ثانیے روشن سکرین کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر اس نے انگلی سیل فون کی سکرین پر پھیری تھی۔ ایک کا نمبر وہاں موجود تھا۔ وہ اسے دباتے ہوئے کال جانے کی آواز سننے لگی۔

ساکورا میں بیٹھا وہ اس وقت سوشی نوش فرما رہا تھا۔ اس کے ساتھ برہان بھی تھا۔ یہ اسی کی تو خواہش تھی جس کی جہ سے وہ دونوں آج یہاں موجود تھے۔ کافی عرصہ ہوا تھا گھر سے نکلے ہوئے، پبلک پلیس میں بیٹھے ہوئے، آج وہ آزاد تھے، آج دل آباد تھے۔

''بہت عجیب سا موسم نہیں ہو گیا آج یعنی دھوپ اور بارش، بڑا عجیب سا تعلق لگ رہا ہے ان کا۔'' چاپ اسٹکس کے ذریعے سوشی کی بائٹ لیتے ہوئے ایک مسکرایا تھا۔ عوام سے بھرے اس ریسٹورنٹ کی دیواریں خالص اینٹوں سے بنی ہوئی تھیں اور وہاں انہیں کوئی روشن دان بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس سے وہ اس پر پیچ موسم کا مزہ لوٹ سکتے، برہان موبائل پر موسم کی صوتحال دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے اور انیشہ کے تعلق سے تو کم عجیب ہے۔'' اس کی مسکان بڑی ہی افسردہ سی تھی۔ وہ امیر تھا۔ دنیا کی کونسی دولت تھی جو اس کے پاس نہیں تھی لیکن کیا جینے کیلئے فقط دولت ہی کافی

ہوتی ہے؟ نہیں دولت سے بڑھ کر بھی کئی چیزیں ہیں جو درکار ہیں جن میں سرفہرست دماغی اور دلی سکون ہے جو فی الوقت ایبک کے پاس نہیں ہے۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی، تم اس سے شادی کر سکتے ہو، مطلب تم تو ایلاف سے۔۔۔''

ایبک نے سیل فون لکڑی کی میز پر رکھتے ہوئے اس کی بات درمیان میں قطع کی، دیواریں تھیں اس لیے وہ بارش اور دھوپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن وہ بادلوں گرج کو تو سن سکتے تھے نا جو ابھی ابھی ان کی سماعتوں سے ٹکرائی ہے۔

''میں نے سوچا ہے کچھ ادھار نہ چھوڑوں۔'' سفاکیت اس کے انگ انگ میں رچی تھی۔ کوئی کہہ سکتا تھا ہینڈسم سا، پرکشش لڑکا جسے دور سے دیکھنے پر اچھے خاندان کا گمان ہو اور امارت جس پر سے چھلکتی ہو وہ سنگدل ہو سکتا ہے۔۔۔ دور سے دیکھنے پر کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا کیونکہ دور سے سب کچھ ہی چمکتا ہوا نظر آتا ہے لائک گلیٹری شائن۔

''انیشہ کا کیا قصور۔''

اس کی بات ایک بار پھر سے قطع کی گئی۔ اس بار ایبک کے ساتھ قدرت بھی شامل تھی۔ بادل اتنی زور سے گرجا تھا کہ مانو آسمان کئی ٹکڑوں میں ٹوٹ گیا ہو۔ چھوٹے دل کے لوگ اس کی گرج سے سہم گئے تھے۔ ان کا سہمنا بہت شدت آمیز تھا۔

''قصور تو ادا کا بھی نہیں تھا، میری ماں کا اور اس بیوقوف لڑکی کا جو مجھے اپنا سب کچھ مان چکی تھی۔ وہ تینوں نہیں ہیں نا اس دنیا میں۔'' اس کی آواز میں طیش کے شعلے ملے تھے۔ بادلوں کی کیا گرج ہو گی جو ایبک کی دبی غراہٹ میں تھی۔

''ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ بے موت مری ہیں تینوں، میرے ہاتھوں میں دم توڑا ہے انہوں نے، وہ آنسو، وہ ٹوٹی سانسیں نہیں بھول سکتا میں، کچھ بھی نہیں، سب کو سفر کرنا پڑے گا۔

سب کو یونہی بے موت مرنا پڑے گا۔ جیسے میرا خاندان مرا تھا۔“ وہ غصے میں پھنکار رہا تھا۔ برہان نے یاددہانی کرائی۔

”ایلاف زندہ ہے۔“ اس نے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔ ایک دکھی دل سے مسکرایا۔

”وہ زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں ہے۔ میری ایلاف تو کب کی مر چکی۔“

وہ اپنی کرسی چھوڑ باہر کی جانب تیز تیز بڑھا تھا۔ دھوپ کب کی مٹ چکی تھی۔ گہرے گرے بادلوں نے اسلام آباد کو ڈھک دیا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کی بیک سائیڈ پر کونے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ سگریٹ کو ہونٹوں میں دباتے ہوئے وہ شعلہ دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور متورم بھی جیسے ضبط کی انتہا ہو، کمال کی ابتدا، جمال کا عروج اور زوال کا نزول۔

موسم بالکل گرے تھا۔ آسمان پر سیاہ بادل مہاراجوں کی طرح چھائے ہوئے تھے۔ بارش ایسے ہو رہی تھی جیسے کسی نے نل کھول دیا ہو۔ اس کے سفید سنیکرز پانی کی چھینٹوں کی وجہ سے تھوڑے گردآلود ہو چکے تھے۔ سہانی فضا میں سگریٹ کی بو ہر سوں پھیل گئی تھی۔ اس کا سیل فون بجنے لگا۔ بڑے بڑے بلاکس سے بنی دیوار کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے اس نے جیکٹ میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا اسے آنکھوں کے سامنے کیا، نام پڑھتے ہی اس کا وجود ڈھیلا ہوا تھا۔ اس نے یس کا بٹن دبا کر کانوں میں ہینڈ فری اڑسائیں اور سگریٹ کو دو انگلیوں میں تھامے اسے سننے لگا جو بادلوں سے بھی زیادہ گرج دار آواز میں اس پر برس رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

”دکھنے میں تم جتنے شریف لگے تھے حرکتوں میں اتنے ہی دو نمبر ہو، اتنی گھٹیا ڈیمانڈ ہو سکتی ہے تمہاری، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“

ایبک نے گہرا کش بھرا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بہت بڑا سا گراؤنڈ تھا جس کی

گھاس بہت باریک کٹی ہوئی تھی۔ گراؤنڈ سے پہلے سڑک تھی جو چہل پہل سے عاری تھی۔ شاید اس لیے کیونکہ بارش کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی اور یہ تھوڑی سنسان سی جگہ تھی۔ گراؤنڈ کے گرد بنی چھوٹی چھوٹی باؤنڈری وال پر نگاہ ڈالے وہ اسے جواب دے رہا تھا۔ اس کی آواز متوازن مگر بے چین تھی۔

''تمہاری سوچیں تو کب کی ختم ہو چکی ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو تم یہ سب نہ کہہ رہی ہوتی۔''

''اوہ شٹ اپ۔''

ایبک نے آنکھیں بند کیں، غصہ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہونے لگا تھا۔ غصے سے زیادہ بے بسی تھی جو اسے مات دیے جا رہی تھی۔ ہاں ایلاف کے سامنے وہ بے بس ہو جایا کرتا تھا۔ یہ کوئی بڑی بات تو نہیں تھی بالکل بھی نہیں۔

''مجھے تمہیں نہیں سننا، تمہیں میں چاہیے ہوں نا تو کر دو ختم سب کو، مار ڈالو ان سب کو لیکن ایک بات یاد رکھنا، ایلاف غفور کوئی عام لڑکی نہیں ہے جو خوف کھا جائے گی۔''

''خوف زدہ تو تم ہو۔'' وہ سہولت سے بولا۔ بارش کی آواز بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ سب کچھ تو پہلے ہی دھندلا گیا تھا۔ اب آوازیں بھی مدغم ہونے لگی تھیں۔

''خوف زدہ ہو تبھی چلا رہی ہو، غصہ ہو مان جاؤ مان لینا اچھا ہوتا ہے۔''

وہ اس کے تضحیکی انداز پر لب چباتی رہ گئی۔ آنکھیں خود بہ خود بھیگ گئی تھیں۔ اس کی اگلی بات سن کر وہ کرنٹ کھا کر کھڑی ہوئی۔

''لیکن رو نہیں، میری نیت غلط نہیں ہے۔ صرف تمہیں اپنے پاس ایک رات رکھوں گا اور بس۔''

ایلاف نے سختی سے آنکھیں میچ کر کھولیں، اس کے لہجے میں آواز والے کیلئے نفرت ہی

نفرت تھی۔ بارش اتنی تیزی سے نہیں برس رہی تھی جتنی تیزی سے ایلاف کے دل میں آواز والے کیلئے کراہیت بھر رہی تھی۔

"کیا تم انسان ہو؟ تمہاری سوچ کتنی سطحی ہے۔ تف ہے تم پر۔"

اس نے قدم بڑھائے۔ وہ بارش میں آ رہا تھا، اس بارش میں جو اسے سخت ناپسند تھی۔ چہرہ اوپر کر کے آنکھیں بند کیے وہ اسے جواب دے رہا تھا۔

"شاید تم ٹھیک ہو میں انسان نہیں ہوں۔"

بارش کی بوندیں تھپیڑوں کی مانند اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ کال منقطع ہوئی۔ کسی کے نرم وجود نے اسے اپنی بانہوں میں بھرا تھا۔ وہ سر نیچے کر گیا۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ اس کی رواں داڑھی والی تھوڑی سیاہ بالوں والے سر پر آن ٹھہری۔

"اداس نہ ہوا کرو، مجھ سے تمہاری اداسی برداشت نہیں ہوتی۔" نسوانی فکر سے گھلی آواز پر وہ مسکرایا تھا۔

"ٹھیک کہا تھا تم نے، مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑو گی۔" اس نے آنکھیں کھولیں، اسے کھولنی پڑیں کیونکہ جو سر اس کے سینے پر تھا وہ اب ہٹ چکا تھا۔ نرم ہاتھ ابھی بھی اس کی کمر پر بندھے تھے اور سر اٹھا تھا۔ وہ اس اٹھے سر کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے روٹھے لہجے میں بولی۔

"بہت بدتمیز ہو تم۔"

وہ پھر مسکرا دیا، سگریٹ ختم ہو چلی تھی تبھی اس کے ڈھلکے ہاتھوں سے گر گئی تھی۔ یوں بھی بارش میں آتے ہی اس کا شعلہ بجھ گیا تھا۔

"تم نے کہا تھا بدتمیز ہو جاؤ ورنہ تمیز تمہیں مار ڈالے گی۔"

اب وہ ہنسی تھی۔ معلوم نہیں پڑتا تھا اس لڑکے کی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں یا پانی، بس جو بھی تھا اچھا نہیں تھا کیونکہ سرخ آنکھیں اس پر جچتی نہیں تھیں۔

''تم نے صحیح کہا تھا تمیز نے مجھے مار دیا، میرے ساتھ ساتھ تمہیں بھی۔'' بھاری گیلی آواز پر اس سے لگا وجود غائب ہوا تھا۔ ایک سلطان ایک بار پھر خالی ہاتھ رہ گیا۔ اس کا دل پھر اداسیوں سے بھر گیا تھا۔ اس نے چہرہ ایک بار پھر سے آسمان کی جانب کیا، بند آنکھوں میں ایلاف تھی۔ وہ ایلاف جو اس وقت سر تھامے بیڈ کے کنارے ٹکی تھی۔ ایبک اس کے ساتھ غلط کر رہا ہے فقط اس کے ساتھ کیوں؟ وہ کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا ہے، سمجھنے سے قاصر تھی۔ بس اتنا معلوم تھا کہ ان سب باتوں سے اسے گھر والوں کو انجان رکھنا ہے۔ ثمر کی بھی یہی ہدایت تھی تبھی وہ لب بستہ تھی۔ انیشہ اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

''کیا کہا ثمر نے؟''

نرم آواز اور اعتماد سے بھرے ہاتھ کے بوجھ نے اسے سر اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ انیشہ کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو دیکھ کر وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''جو انہیں کہنا تھا۔''

انیشہ نے دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر دھرا، وہ ہلکی آواز میں اس سے دریافت کر رہی تھی۔ کھڑکی کے پردے گرے تھے اور کھڑکیاں بند تھیں تبھی باہر کے حالات سے وہ بے خبر تھی۔

''شراحیل پسند نہیں ہے تمہیں؟''

انیشہ کے منہ سے برآمد ہوتے سوال نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس سوال کی وجہ سے وہ نظریں بھی چرا گئی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ بس کچھ ہے جو مجھے اس سے دور رہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ میں الجھ

گئی ہوں۔‘‘

’’اوراس الجھن کی وجہ زمین زاد ہے، ہے نا؟‘‘

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر سے ناپسندیدگی در آئی، سر جھٹک کر وہ اسے وہ سب بتا رہی تھی جو بتانے سے منع کیا گیا تھا۔

’’وہ ٹھیک انسان نہیں ہے، اس نے میرا مطالبہ کیا ہے۔‘‘

اب کے انیشہ حیران ہوئی تھی۔ وہ سوچ نہیں سکتی تھی کہ اب تک شرافت کی ڈگر پر چلتا زمین زاد اس طرح کی حرکت کرسکتا ہے۔

’’تمہارا مطالبہ یعنی کس طرح کا۔‘‘

ایلاف نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی نظروں کے مفہوم کو جانتے ہوئے انیشہ بے یقینی کے عالم میں اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ سفید پردے ساکن و جامد تھے۔ ہاں بجلی کی چمک ان میں سے دیکھی جاسکتی تھی۔

’’چار جانوں کا سوچتی ہوں تو فیصلہ کرنے کو دل کرتا ہے اور جب اپنا سوچتی ہوں تو۔‘‘ اس نے دانستہ بات درمیان میں چھوڑ دی۔ انیشہ نے پردوں کو دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور زور کا جھٹکا دیا، وہ دونوں کھسک کر کونوں میں جا لگے، بے داغ شیشہ پانی کے دھبوں سے بھر چکا تھا۔ پردے سرکنے کے بعد شیشوں پر پڑتی بوندوں کی آوازیں بھی کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔

’’ہم مضبوط اور خودمختار ہیں ایلاف، اگر ثمر اسی بنا پر شادی کا کہہ رہا ہے تو اس کی بات مت مانو، ہم چوہے نہیں ہیں جو ڈر جائیں، ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔‘‘

انیشہ کے منہ سے اس طرح کی باتیں سن کر وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ مسکراہٹ چہرے پر واضح تھی۔

”ایسا ہی ہوگا۔“

اس نے موسم کی پرواہ کیے بغیر اپنا رین کوٹ اٹھایا تھا۔ انیشہ اس کے یکدم کھڑے ہونے سے چونک گئی تھی۔

”کہاں جانے کا ارادہ ہے۔“

باہر شراحیل اور موم بیٹھی تھیں یہ بات وہ جانتی تھی۔ اس کے اس طرح یوں اچانک جانے سے باز پرس ہوگی، یہ بھی وہ اچھے سے جانتی تھی اس لیے روکنے کیلئے تیار ہوگئی۔

”معاملات سیٹ کرنے، پریشان نہ ہو جلد ہی لوٹوں گی۔“

☆......☆......☆

مینہ رک گیا تھا لیکن اس کے آثار نہیں گئے تھے۔ شفاف شیشہ ابھی بھی بوندوں کے داغوں میں گھرا ہوا تھا۔ پردے تا ہنوز سرکے ہوئے تھے اور آسمان پر گرے بادلوں کا راج دیکھا جا سکتا تھا۔ ہوا میں شدت ہے یہ بھی واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں لب بستہ سی کھڑی تھی۔ نگاہیں غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے پاؤں کے پاس کھڑکی کے انتہائی دائیں جانب گیلی تصویر دیوار کے سہارے رکھی ہوئی تھی۔ اس تصویر میں کسی کا چہرہ مسکراتا تھا، آنکھوں میں ایک جہان آباد تھا۔ وہ چہرہ ایک مرد کا تھا۔ وہ مرد جو محبت کرنا جانتا ہے، اسے نبھانا جانتا تھا۔ وہ مرد جو دھوکا دینا بھی جانتا ہے اور اس دھوکے کے ساتھ سر اٹھا کر جینا بھی۔

”تم ہامی بھر لو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

درخت ہوا کے دوش پر جھول رہے تھے۔ کبھی دائیں تو کبھی بائیں۔ ایسا کرتے ہوئے اس پر لگے پرسی مونز (جاپانی پھل) ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر رہے تھے۔ تازہ، سرخ، رس سے بھرے جاپانی پھل۔

''یہ سب بہت مشکل ہے سلطان، ممی نے میری شادی فکس کروادی ہے۔'' دس منٹ پہلے ہوئی اس کی اور ایبک کی گفتگو اس کی آنکھوں میں موجود تھی۔ بوندوں کے دھبوں سے ڈھکا اس کا شیشہ۔ باہر کا منظر بہت دھندلا سا دکھا رہا تھا۔ جاپانی پھل کا وہ درخت جو کبھی ان کے دادا نے لگایا تھا اب کافی بڑا ہو چکا تھا۔ اتنا بڑا کہ اس کی ٹہنیاں زمین کو چھونے لگی تھیں۔

''وہ ماں ہیں، ان کا احترام واجب ہے لیکن کیا یہ صحیح ہے کہ آپ ایک ایسے انسان سے شادی کرلیں جس کو کبھی دیکھا یا جانا نہ ہو، جو بالکل اجنبی ہو۔''

اور مکڑی کے جالوں جیسی ہے یہ دنیا ریشمی مگر جان لیوا، خوبصورت مگر پر خطر، نرم پر ظالم۔

''میں عجیب سے دوراہے پر ہوں سلطان، ایک ایسے انسان سے کیسے شادی کی ہامی بھر سکتی ہوں جس کو میں نے چند دنوں پہلے ہی بس دیکھا ہو، انتہائی قدم اٹھانے کیلئے انتہائی جذبہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔''

اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔ گندم کے ساتھ جو تو پستی ہے، بدلے میں کوئی ایک بے قصور تو مارا جاتا ہے نا۔

''ظاہر ہے تمہاری بات درست ہے، میں سمجھ گیا ہوں۔ تنگ کرنے کیلئے معافی چاہتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں اب کبھی اصرار نہیں کروں گا۔''

کال منقطع ہو گئی تھی۔ کال کٹنے کے ساتھ چھوٹے دل کی انیشہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سلطان نے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ کبھی اسے شادی کیلئے اصرار نہیں کرے گا تو پھر وہ کیا کرے؟ اس سے شادی کرلے جسے اس نے آج تک دیکھا بھی نہیں، آج کے دور میں یہ ممکن ہے؟ ایسا ہو سکتا ہے؟ ہاں کیوں نہیں ہو سکتا، بلکہ یہی تو ہے جو صحیح ہے۔ محفوظ ہے۔ انڈرسٹینڈنگ کے نام پر منگنی کرنا، ملنا، ڈیٹ اور پھر وہ تعلقات جو شوہر بیوی کے درمیان میں ہوتے ہیں کیا جائز ہیں؟ چلو

دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔اس بحث میں ایک انسان ہونے کے ناطے فقط ایک انسان ہونے کے ناطے کیا یہ سب ٹھیک ہوتا ہے؟ ضمیر مطمئن ہوتا ہے ان سب چیزوں پر، انڈرسٹینڈنگ کے نام پر ایک دوسرے کو یوز کرنا اور پھر چھوڑ دینا؟ انسانی طور پر کیا یہ صحیح ہوتا ہے، کبھی پوچھیے گا ضمیر سے، محاسبہ کیجئے گا جواب مل جائے گا۔

وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔دوزانوں اس تصویر کے سامنے آ کر بیٹھی جسے اس نے دل کے قلم سے روح کی دنیا میں سجایا تھا۔بھوری آنکھیں، مسکاتا چہرہ، نوڈلز بال۔

''ایسا کیوں لگتا ہے جیسے تمہیں پہلے کبھی دیکھا ہے؟'' وہ اس تصویر سے مخاطب تھی۔''جیسے تمہارا چہرہ، تمہاری آواز اور تمہارے بال نظروں کے سامنے سے گزرے ہوں۔کیوں تم جانے جانے سے لگتے ہو۔''

تصویر گیلی تھی لیکن اس کی انگلیاں اسے چھونے کو بے چین ہورہی تھیں۔اس نے اسے نہیں چھوا۔حسرت کو مارنا بھی ایک آرٹ ہے۔وہ آرٹ جو آپ کو سرخروئی کی منزل تک لے کر جاتا ہے۔مطمئن کرتا ہے اور شاد بھی۔

''جو بھی ہو پر میں سوچوں گی اس بارے میں، تمہاری طوفانی محبت کے بارے میں، تمہارے پرپوزل کے بارے میں، تمہاری نیت کے بارے میں۔'' وہ اس سے مخاطب تھی جو وہاں نہیں تھا مگر تھا۔اس کی تخیل میں جاویدہ تھا اور اس سے ہمکلام تھا۔

''تمہاری باتیں، تمہارا انداز یہ ظاہر کرتا ہے کہ تم واقعی مہذب خاندان سے تعلق رکھتے ہو، تم نے شادی کی پیشکش کی ہے یعنی تم اپنے جذبوں میں کھرے ہو۔میں ان جذبوں کے بارے میں بھی سوچوں گی میں سب چیزوں کے بارے میں سوچوں گی۔''

وہ جس سے محوِ گفتگو تھی وہ انسان اس کی سگی بہن کے ساتھ پور پور اس کی محبت میں ڈوبا

بیٹھا تھا۔ سفید ہائی نیک اور جینز میں، گلے میں لمبی چین پہنے ہوئے وہ اسے تک رہا تھا جس کی آنکھوں میں سامنے والے کیلئے نفرت ہی نفرت تھی۔ کبھی ایلاف بھی اس سے نفرت کرے گی اس نے سوچا نہ تھا۔

"میں تمہاری آفر قبول کرتی ہوں۔"

وہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔ سر کو پیچھے گرا کر چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ پھر وہ رکا، ہنستے ہوئے اس کا منہ کھلا تھا۔ زبان کو نچلے ہونٹ پر پھیرتے ہوئے اس نے منہ بند کیا۔ جب بولا تو آواز بہت پسماندہ سی تھی۔

"بہت عرصے پہلے کسی نے اسی طرح کسی کو کہا تھا تب ریڈ الرٹ جاری نہیں ہوا تھا۔ بس مجبوری تھی، غریبوں کی مجبوری۔" آخری جملہ وہ آگے کو جھک کر سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

"پتا ہے۔" وہ یک لخت پیچھے ہوا۔ "یقین نہیں آتا کہ مل کے آنر اور سابق وزیر کے بیٹوں کی جان اپنی بہن کی عزت سے زیادہ عزیز ہے تمہارے بھائی محترم کو۔"

ایلاف نے شہادت کی انگلی اوپر اٹھائی اور غصے میں پھنکارتے ہوئے بولی۔

"میرے بھائی کے خلاف ایک لفظ نہیں بولنا تم، وہ تم جیسا نہیں ہے جو عورتوں کا سودا کرے۔ وہ مرد ہے تبھی جواں مردی سے مقابلے کیلئے میدان میں کود پڑا ہے۔ تم بھی مرد ہوتے تو ایسا ہی کرتے۔"

ایبک کے سر میں درد کی لہر اٹھی اور بڑی شدت سے اٹھی۔

"تمہیں لگتا ہے میں تمہارا سودا کر سکتا ہوں؟" اس کا تنفس تیز ہوا تھا درد کی رفتار بڑھی تھی۔

"تم ایسا کر چکے ہو ایبک سلطان، خرید رہے ہو مجھے ان چار لوگوں کی جانوں کے عوض۔"

درد کی لہر پھر سے ٹھاٹھیں مارنا شروع ہوئی۔ سامنے بیٹھی جان سے عزیز لڑکی اسے ہولے

ہولے دکھنا بند ہو رہی تھی۔ ایلاف اس کی بگڑتی حالت پر کشمکش میں مبتلا ہوئی، وہ تکلیف دہ مسکان کے ساتھ اس سے کہہ رہا تھا۔

''ایک سلطان مر سکتا ہے لیکن۔'' اسے بولنے میں دشواری ہوئی، چہرہ ست گیا تھا۔ ننھے ننھے پسینے کے قطرے اس کے پورے منہ پر ڈیرہ جما گئے۔ ''اپنی ایلاف کا سودا نہیں کر سکتا۔''

وہ اس کے لفظوں پر کرنٹ کھا کر کھڑی ہوئی۔ وہ لوگ جہاں بیٹھے تھے وہاں لوگوں کی ریل پیل کم تھی۔ سکون تھا اور خاموشی بھی۔

''یہ، یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟'' اس نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے غلط بات کی۔'' اس کی حالت ضرورت سے زیادہ بگڑ رہی تھی۔ ایک اور اٹیک۔ یہ اس کی جان کیلئے خطرناک ہو سکتا تھا۔

''تمہیں کیا ہو رہا ہے؟'' وہ ڈر گئی، گھبرا گئی۔

''محبت کا کب سودا ہوتا ہے ای۔۔لا۔۔۔ف۔'' میز پر گرتے ہوئے اپنی سرخ بوجھل آنکھوں سے آخری بار اسے دیکھتا وہ کہہ رہا تھا۔ ایلاف نے اپنا پرس اٹھایا اور وہاں سے بھاگ گئی۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہاں کون اس کی مدد کو آئے گا۔ اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ آندھیاں سی تھیں جن کو نظر انداز کر کے وہ مین روڈ تک آئی تھی۔ اس کی کار گیراج میں کھڑی ہے وہ بھول گئی۔ اسے کہاں جانا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد وہ یہ بھی بھول گئی فقط یاد تھے تو ایبک کے الفاظ۔ اگر وہ جھوٹ بول رہا تھا تو کمال کا جھوٹا تھا اور اگر اس نے سچ کہا تھا تو وہ کہاں تھی اس سچ میں؟ کیا تھا جو اس سے چھپایا جا رہا تھا یا پھر کچھ نہیں تھا جو پوشیدہ تھا۔ سب سامنے اور واضح تھا۔ بالکل واضح۔

اس نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا، پسینہ وہاں موجود تھا۔ نڈر ایلی جانے کہاں چلی گئی تھی۔

ڈرپوک ایلاف پتا نہیں کہاں سے آگئی۔

"محبت۔" ایک یہی لفظ تھا جو چاروں اور سے گردان کر رہا تھا۔ ایک کا اور اس کا کیا تعلق ہے۔ اس نے سر پیچھے گرایا اور آنکھیں موند لیں۔

"کیا اس سب کا کنیکشن ماضی سے ہے۔ اگر ہاں تو مجھے کچھ یاد کیوں نہیں، نہیں ماضی نہیں ہوسکتا۔ وہ انسان مجھے ٹریپ کر رہا ہے۔ اموشنل کارڈ کھیل کر وہ مجھے اس کے جال میں پھنسانے کی سعی میں ہے لیکن میں نہیں پھنسوں گی، میں اس کی یہ خواہش، خواہش ہی رہنے دوں گی۔"

آنکھیں بند کر کے وہ خود سے ہمکلام تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا جو اسے یاد آجاتا، سوچوں کا پردہ بالکل خالی تھا۔ جیسے وہاں کبھی بھی کسی نے خوبصورت یادوں کے غبارے نہیں لگائے ہوں، پھول نہیں چپکائے ہوں یا پھر رنگ برنگے ستارے نہیں جگمگائے ہوں۔

آپریشن تھیٹر میں کھلبلی کا سماں تھا۔ وہ جو سب کو ٹف ٹائم دے چکا تھا۔ ٹف ٹائم سے گزر رہا تھا۔ ڈاکٹرز اس کی حالت سے تشویش میں مبتلا تھے۔ کسی بھی وقت ذرا سی بھی کوتاہی اس کی جان لے سکتی تھی۔ نالیوں میں جکڑا وہ وجود جسے ثمر پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا، اس کا جانی دشمن نکلے گا پتا نہیں تھا۔ وہ اس کی فائل ہاتھ میں تھامے لب بستہ سا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں ایک ہی جگہ ساکن تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا تھا۔ وہ بیجنگ حکومت کی جانب سے آیا تھا تاکہ روسی سفیر کو زمین زاد سے چھڑوایا جاسکے۔ روسی سفیر زمین زاد کے پاس نہیں، یہ سب فقط ڈرانے کیلئے کیا گیا ہے۔ جب پتا چلا تو ایک تیز لہر تھی جو ثمر کے دل میں اٹھی تھی۔ پہلے اسے زمین زاد زندہ چاہیے تھا پھر اس نے زندہ یا مردہ پر اکتفا کیا لیکن اب اس سفید فائل کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے وہ اس کے صحیح سالم ہاتھ لگنے کی خواہش کر رہا تھا تاکہ اسے خود بیدردی سے

موت کے گھاٹ اتارے۔

ڈاکٹر جوسف اور مسز جوسف وہاں خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بیجنگ کی پولیس نے انہیں طلب کیا تھا۔ وہ پروفیشنل لوگ تھے۔ جوسف کا ایک نام تھا، رتبہ اور مقام تھا جس کی وجہ سے ان سے بہت لحاظ سے بات کی جارہی تھی اور وہ بھی بڑے تحمل سے ہر بات کا جواب دے رہے تھے۔

''ایبک سلطان، اس کے بارے میں جاننا ہے مجھے۔'' فائل کو ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے خوبرو سالڑ کا ان سے باز پرس پر اتر آیا۔ یہ پہلی مداخلت تھی جو آدھے گھنٹے میں اس نے کی تھی۔

''ضرور، میں بتانے میں دلچسپی رکھتا ہوں لیکن کیا تم اس بات پر یقین کرو گے، مجھے بالکل یاد نہیں ہے اس کے بارے میں۔ فقط اس کے کہ وہ ایک معمولی سا کیس تھا جسے میں نے ڈیل کیا تھا۔ غالباً کوئی ایکسیڈنٹ یا میموری لوس ہاں وہ میموری لوس کیس تھا۔ دیکھو لکھا ہے اس پر۔'' اپنے ہاتھ کی تیار کردہ فائل کے ایک پیج کو آگے کھسکاتے ہوئے جوسف نے سنجیدگی سے کہا۔ ثمر نے فائل پر نظر نہیں ڈالی۔ وہ تو یک ٹک جوسف کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''سنا تھا فارنز بہت پکے ہوتے ہیں اپنے عقائد کو لے کر، پھر آپ تو کنورٹڈ مسلم ہیں۔ آپ کیلئے تو دین کی ویلیوز زیادہ اہم ہوں گی۔ جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے یہ تو پتا ہوگا، نہیں؟''

جوسف اس کے بر فیلے طنز پر پیچھے کو ہوئے۔ ایک نظر اپنی بیگم پر ڈالی جو تسبیح پڑھنے میں مگن تھیں، پھر بولے تو آواز خاصی متوازن تھی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا، جھوٹ، زنا، قتل، فحاشی یہ سب گناہِ کبیرہ ہیں۔ یاد دلانے کیلئے شکریہ۔''

ثمر نے جبڑہ بھینچا ہوا تھا اور آنکھیں میچی ہوئیں۔

"یعنی کہ آپ ایک کو نہیں جانتے؟"

"فقط ایک مریض کے علاوہ نہیں۔"

ثمر نے مسز جوسف کی اور نظر ڈالی۔ اس کے لب پر اسرار انداز میں پھیلے تھے۔ اس مسکراہٹ کا مفہوم سمجھتے ہوئے جوسف تلخی سے مسکرا کر بولے۔

"لیڈی خدیجہ کی یہاں بہت ویلیو ہے۔ اگر تم نے انہیں اریسٹ کیا تو بیجنگ کی سونامی تمہیں بہا لے جائے گی۔"

ثمر ٹانگوں پر ہاتھ بجاتا ہنسا، پھر قدرے آگے ہوا، جھکا اور سرگوشی کرنے لگا۔

"مجھے بہنے کا مزہ لینا ہے۔ ہم۔" وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا۔ ان سب کے سروں پر جلتا بلب اور تفتیشی روم کی سٹیل کی دیواریں ثمر کی آواز سن رہی تھیں جو کہ یہ تھی۔

"مسز جوسف کو باعزت طور پر اپنی تحویل میں لو، بہت کچھ ہے جو اِن سے جاننا ہے۔"

فیصلہ سنا کر سر پر کیپ رکھے وہ دروازے کی اور بڑھا تھا۔ سپاہی نے اسے سیلوٹ کا اور سٹل کا دروازہ کھول دیا۔

"مجھے کمزور مت سمجھو جوسف، حالات کا سامنا کرنا آتا ہے مجھے۔" اس سارے عرصے میں وہ بھی پہلی بار ہی بولی تھیں۔ سر سے لے کر پیر تک سیاہ چوغے میں ملبوس مسز جوسف کا جھریاں زدہ چہرہ پر عزم تھا۔ انہوں نے ان کے نحیف ہاتھ تھامے جن پر گزرے وقت کے آثار رقم تھے۔

"میں بہت جلد لوٹوں گا۔" اعتماد کی گرفت انہیں تھماتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔ مسز جوسف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جانتی ہوں اپنا خیال رکھنا۔"

وہ دونوں جان بوجھ کر ایبک کی بات نہیں کر رہے تھے۔ جسے وہ جانتے ہی نہیں تھے بھلا اس کی بات کیونکر کرتے۔ کیا وہ اسے جانتے تھے؟ ششش!

"تم کچھ بھی کر لو ایبک، ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔" سیل فون پر نظر ڈالتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے۔ ان کی سوچ پدرانہ تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک سگے باپ کی اپنی اولاد کے لیے ہوتی ہے۔ بے غرض اور صاف!

☆......☆......☆

"ہم ان کے بارے میں پر امید نہیں ہیں، اگر مزید اسی طرح کے چند اور اٹیکس ہوئے تو یقیناً ان کا بچنا مشکل ہے۔" برہان کے دماغ میں ڈاکٹر کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ ایبک کے پاس اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ وہی ایبک جسے دنیا کی ہوش تھی نہ اپنی خبر۔

"ایک وقت آئے گا جب میں نہیں رہوں گا اس وقت سے پہلے میری دلی خواہش ہے ایلاف سب جان جائے۔ اس کرپٹڈ فائل کو ری سٹور کرلے اور میرے پاس آئے۔ بالکل ویسے جیسے وہ پہلے آیا کرتی تھی۔"

برہان کے ایک ہاتھ میں ایبک کا ہاتھ تھا تو دوسرے میں سیل فون، اسے فیصلہ کرنا تھا جلد یا بدیر اسے ایبک کے حق میں فیصلہ کرنا تھا اور اس نے کرلیا۔ دیر نہیں لگائی فوراً فیصلہ کرلیا۔ اس نے ایبک کے نمبر سے ایلاف کو کچھ بھیجا تھا۔ کچھ ایسا جو دونوں کی زندگی بدل دے گا۔ وہ جو حقیقت تھی، وہ جس میں ماضی قید تھا تلخ، حسین، شرارتی اور دکھوں سے بھرا ماضی۔

غفور صاحب طیش میں یہاں سے وہاں منڈلا رہے تھے۔ وہ حال ہی میں لندن سے لوٹے تھے۔ لوٹنے کے بعد اتنی بڑی خبر انہیں ملی تھی کہ وہ بپھر ہی گئے۔ ہاتھ میں سگار تھامے ان کا غصہ دیکھنے کے لائق تھا۔ شش وپنج میں مبتلا انیشہ وہاں کھڑی تھی کہ آیا وہ ایلاف کو بلا کر

آئے یا نہ، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔

"ابھی کل ہی۔" غفور صاحب کی آواز لاؤنج کے درو دیوار میں گونجی۔ "کل ہی میں محترمہ کی خبر پڑھ رہا تھا جس میں انہوں نے سابقہ مجسٹریٹ کے کردار کی دھجیاں بکھیری ہوئی ہیں۔ کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں دشمنیاں پالنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟" وہ رک کر، جھک کر سینے پر انگلی ٹھونکتے ہوئے زرینہ سے سوال کر رہے تھے۔ وہ نارمل تھیں یا پھر ظاہر کر رہی تھیں۔ ان کے بیٹھنے کا انداز بہت عام سا تھا جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو اور وہ سب سچویشن سے ناواقف ہوں۔

"میں بتاتا ہوں بلکہ پڑھ کر سناتا ہوں۔" انہوں نے اپنا سیل نکالا اور سکرین کھول کر اونچی آواز میں بولے۔ "ایلی محترمہ کو اپنے لفظوں کا حساب دینا ہوگا، وہ کون ہیں یہ بات جلد ہی منظر عام پر ہوگی اور یہ میرا وعدہ ہے۔ وعدہ کیا ہے بیگم صاحبہ انہوں نے۔ اس بات کا مطلب سمجھتی ہیں آپ؟" زرینہ نے اپنے انگوٹھے کا ناخن دانوں کے درمیان ہلکی سی خلا میں اڑایا ہوا تھا، شوہر کی بات پر وہ اسے وہاں سے ہٹا کر ہاتھ کھولے کہہ رہی تھیں۔

"سو واٹ، ایسے ہزاروں وعدے ہزاروں لوگ کرتے ہیں۔ سب سے ڈر جائیں ہم؟ اور آپ اتنے کیوں بوکھلا رہے ہیں۔ ہماری فیملی کا ریکارڈ بالکل صاف ہے اور ہمارا بیٹا ثمر، کیا آپ کو لگتا ہے وہ اپنی بہن کو منظر پر آنے دے گا، بیکار میں ٹینشن لیتے ہیں آپ۔"

غفور صاحب بیگم کے اتنے کول رویے پر خون آشام نگاہوں سے انہیں گھور رہے تھے۔ ان کی اسی شے نے بہت پہلے ان سے ان کا لخت جگر چھین لیا تھا اور اب بھی وہ ویسی ہی بلا کی پر سکون تھیں، انہیں حیرت ہوئی۔

"مجھے یہ یقین کرنے میں دشواری ہو رہی ہے کہ تم راحم کی موت سے بھی کچھ نہیں سیکھ سکیں، وہ کیا چیز ہے جو تمہیں محتاط رہنا سکھا دے گی۔ وہ لڑکا تھا، سب سہہ گیا یہ لڑکی ہے ٹوٹ

جائے گی۔"
اور زرینہ کو ایسا لگا جیسے کسی نے ان کے دل پر برچھی چلادی ہو۔آنسو تیز رفتاری میں ان کی پلکوں کی باڑ توڑ کر گرے تھے۔دکھ منہ زور گھوڑے کی طرح دوڑ اٹھا۔ان کا پیارا راحم ان کی آنکھوں میں آن سمایا تھا۔ہنستا مسکراتا، چوڑے وجود کا مالک دراز قد راحم جسے ہر وقت چیونگم، مسکرانے کا خبط تھا جو ان کی جان تو بہنوں کا مان تھا۔ثمر سے بڑا اور ذمہ دار بھی۔
"ڈیڈ پلیز۔" انیشہ نے انہیں ٹوکا تھا۔زرینہ کے الفاظ اسے بھی روہانسا کر گئے۔
"آپ مجھے دکھ نہیں دے سکتے غفور، آپ مجھے راحم کا دکھ نہیں دے سکتے۔"
غفور نے آنکھیں بند کر کے کھولیں، ان کا بیٹا ان کی آنکھوں میں بھی تھا ان کا لخت جگر، ان کی جان۔
"اس لیے کہہ رہا ہوں روک لو ایلاف کو، راحم کے بعد اس کا دکھ ہم سہہ نہیں پائیں گے۔"
انیشہ کو زندگی میں دوسری بار ڈیڈی کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے تھے۔پہلی بار وہ راحم کے مردہ وجود کو ہاتھوں میں لیے روئے تھے اور آج وہ سالوں بعد اس کا ذکر کرتے ہوئے روہانسے ہو گئے تھے۔زرینہ نے تو اتر سے گرتے آنسوؤں کو رگڑا۔
"میرا بیٹا شہید ہوا ہے۔میں اس پر نہیں روؤں گی اور اس کی وہ خواہش بھی نہیں دباؤں گی جو ایلاف کو لے کر اسے تھی۔وہ کہتا تھا اسے اپنی بہن کی آنکھوں میں کچھ کر گزرنے کا جنون نظر آتا ہے۔راحم ایسا سمجھتا تھا تو ایسا ہی رہے گا۔میں ایلاف کو نہیں روکوں گی۔"
فیصلہ سنا کر وہ مضبوط بنی اپنی جگہ سے اٹھیں۔غفور صاحب نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔پرسوچ نگاہیں ان کے جوتوں پر آ کر جم گئیں۔
"بہت کچھ ایسا ہے جو تم نہیں جانتی زرینہ، بہت کچھ ایسا ہے جو تم جاننا نہیں چاہو گی۔" وہ

آنکھیں بند کیے سوچ رہے تھے پھر ان کی نظر خاموش کھڑی انیشہ پر پڑی، ان کی پیاری بیٹی انیشہ پر۔

"ادھر آؤ۔" محبت پاش لہجے میں وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب آنے کا کہہ رہے تھے۔ایک وہی تو تھی جو ان سب جھمیلوں سے الگ تھی۔ان کی پیاری بیٹی، معصوم اور بھولی۔وہ قدم قدم چلتی ڈیڈ کے پاس آئی اور صوفے کے کنارے پر ٹک گئی۔غفور صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"اگر میں کچھ کہوں تو مانو گی؟"

اس سوال کے پیچھے چھپی بات کو وہ جان گئی تھی تبھی سر جھکاتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی۔

"ممی بتا چکی ہیں مجھے، یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے۔"

وہ ان کے سامنے اس طرح کی بات کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔گو کہ ان کے گھر کا ماحول تھوڑا لبرل قسم کا تھا لیکن اتنا بھی نہیں تھا کہ یوں منہ اٹھا کر ڈیڈی یا بھائی سے بات کر لی جائے۔آج وہ ہمت پکڑ رہی تھی۔آج اسے انہیں سلطان کے بارے میں بتانا تھا۔کیا وہ بتا پائے گی؟ پتا نہیں!

"جب آپ کی ممی اور میری شادی ہوئی تھی تب میرے بھی یہی نظریات تھے۔ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا جسے دیکھا تک نہ ہو، جانتے نہ ہوں، دوسرے شہر کی الگ رسم و رواج کی لڑکی سے شادی بھلا کیسے کامیاب ہو سکتی ہے، یہی سب کچھ میں سوچتا تھا لیکن نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔میں نے اپنی ماں کی بات مانی تھی تو ہی میں خوش رہا ہوں۔راحم کا دکھ بھی شاید کسی گناہ کے عوض ہی ہمیں ملا ہے بیٹا ورنہ آپ جانتی ہو، ہم کتنے خوش تھے اپنی زندگیوں میں۔"

وہ خاموش سامع بنی انہیں سن رہی تھی۔بہت کچھ تھا کہنے کو مگر بہت کچھ کو لفظوں میں

ڈھالنے کی سکت نہیں ہو رہی تھی اس میں۔

''صغیر ایک اچھا لڑکا ہے۔ ویل مینرڈ اور سیٹلڈ، وہ آپ کو خوش رکھے گا۔''

وہ سلطان (ایبک) کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے یہ بتانا تھا انہیں لیکن الفاظ دم توڑ رہے تھے اور وہ بے بس ہوئی جا رہی تھی۔

''ان کی ممی نے بذات خود آپ کا کہا ہے۔ ان کی نظروں میں آپ کا انتظار ہے بیٹا۔''

اس نے ہمت کی، زندگی میں پہلی بار اس نے اتنی بڑی ہمت کی۔

''پر ڈیڈی۔''

نظریں اٹھائیں، دل زور کا دھڑکا، گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی، غفور صاحب دکھی چہرے کے ساتھ دونوں بھنویں کو آپس میں ملاتے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کا چہرہ دکھی اس لیے تھا کیونکہ راحم کا قصہ جو چھڑ گیا تھا۔ اولاد کا دکھ بہت جان لیوا ہوتا ہے۔ یہ دکھ انہیں یوں ہی تڑپا کرتا تھا۔

''میں۔۔۔'' اس نے توقف سے کام لیا، نچلے ہونٹ کو تر کر کے چھوڑا اور ڈرتے ہوئے انہیں دیکھ کر بولی۔ ''میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔''

غفور صاحب کی بھنویں ڈھیلی ہو کر ایک دوجے سے جدا ہوئیں، چونکاہٹ واضح تھی۔

''ہم چار ماہ پہلے ملے تھے اور۔۔۔'' گردن کی ہڈی پھر سے اوپر نیچے ہوئی۔ لاؤنج میں پھیلی خاموشی جان لیوا لگنے لگی۔ ''اور ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے، اس نے مجھے شادی کی آفر کی ہے۔''

غفور صاحب لاجواب ہوئے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا ری ایکشن دیں۔ کچھ دیر قبل ہوئی دلدوز گفتگو جیسے وہاں سے چپکے سے چلی گئی تھی بالکل ویسے جیسے راحم چپکے سے ان

کی زندگیوں سے نکل گیا تھا اب موجود تھی تو فقط جان لیوا خاموشی۔

''ڈیڈی۔'' آگے سرک کر اس نے ڈرتے ہوئے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور نظریں اٹھا کر کہنے لگی۔ ''میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔ وہ بھی بہت اچھا ہے۔ اس نے، اس نے کبھی مجھے اصرار نہیں کیا بس اپنی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس کے دل میں سافٹ کارنر ہے میرے لیے، ڈیڈی کچھ تو کہیں۔''

غفور صاحب نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے آزاد کروائے، انیشہ نے گھبراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں تھیں اور چہرے پر گزرے دکھ کے آثار۔

''نام کیا ہے اس کا؟'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد وہ مدھم آواز میں پوچھ رہے تھے، ماتھے پر تا ہنوز سوچ کا جال تھا اور آنکھیں غیر مرئی نقطے پر جا ٹکی تھیں۔

''سل۔۔سلطان۔'' اس کا وجود ٹھنڈا ہونے لگ گیا تھا۔ دل کی لرزاہٹ واضح تھی۔ شاید اس کی ممی ہوتیں تو یہ کنڈیشن نہ ہوتی اس کی، ڈیڈی کے سامنے وہ کچھ زیادہ ہی گھبرا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ موقع نہیں ہے بات کرنے کا لیکن اس نے کر دی۔ اگر وہ آج انہیں یہ سب نہ بتاتی تو کبھی نہ بتا سکتی۔

''فون ملاؤ اسے۔'' وہ کوٹ سے موبائل فون نکال کر اس کی طرف بڑھا رہے تھے۔ انیشہ نے خاموشی سے موبائل تھاما، تھام کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''کیسا محسوس ہو رہا ہے اب؟'' برہان اس کے قریب بیڈ پر ہی بیٹھا تھا۔ اٹلی میں اس کا بہت ضروری کام تھا لیکن وہ نہیں گیا۔ اس نے اپنے ہر کام کو پینڈنگ پر رکھ لیا تھا۔ جب تک ایک سیٹ نہیں ہو جاتا، جب تک ایک کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا وہ کسی کام پر نہیں جائے گا۔ اس بات کا تہیہ اس نے کر لیا تھا۔

''بہت اچھا۔'' مسکرا کر گہری سانس بھر کر اس نے کہا تھا۔ آسمانی رنگ کی ٹائلز سے سجا اس ہاسپٹل کا کمرہ خاصا آرام دہ تھا۔ بیڈ کے بالکل سامنے بڑی ساری ایل ای ڈی پر برہان نے اے آر وائی نیوز چینل لگایا ہوا تھا جس میں الیکشن کے نتائج کے بارے میں دکھایا جا رہا تھا۔ آواز بہت دھیمی تھی کہ یہ ڈاکٹر کی ہدایت تھی جبکہ دائیں جانب جو کھڑکی تھی وہ کھلی ہوئی تھی۔ اس کے پردے بھی سائیڈ پر سرکے ہوئے تھے۔ صنوبر کے درخت کی موٹی ٹہنیاں باآسانی نظر آ رہی تھیں۔ تازہ ہوا اور پھولوں کی مصنوعی خوشبو نے کمرے کے ماحول کو خاصا تازہ دم بنا دیا تھا۔ بیڈ کو سرہانے سے اوپر کیے وہ تکیوں سے ٹیک لگائے اپنے ہاتھ میں لگی سوئی کو دیکھ رہا تھا جس میں سے قطرہ قطرہ ڈرپ اس کی نسوں میں منتقل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر گہرا سانس بھرا۔

''یہ تو اچھی خبر ہے یعنی میں سوچ رہا ہوں ہمیں کچھ عرصے کیلئے شام چلے جانا چاہیے۔ تھوڑی ہوا بدلے گی تو دماغ بھی بدل جائے گا۔''

ایک اس کی بات پر ہنسا تھا۔ آدھی آستینوں کا مریضوں والا فیروزی لباس اس کی صاف رنگت پر خاصا جچ رہا تھا۔ اوپر سے اس کے سپرنگ بال اس پر بہت سوٹ کرتے تھے۔ کوئی کوئی ہی ہوتا تھا جس پر اس طرح کے ڈھیلے لچھوں والے بال اچھے لگتے ہوں۔ باقی تو جتنے بھی دیکھے نمونے ہی دیکھے۔ اچھا سوری۔

''دماغ نہیں بدلے گا بھائی جب تک سب واضح نہیں ہو جاتا۔ دماغ نہیں بدلے گا۔'' بات ختم کر کے مسکراتے چہرے کے ساتھ وہ پھر سے ڈرپ کو دیکھنے لگا تھا۔ باہر ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس کے جھونکے اندر بھی آ رہے تھے۔ سردیوں کی ہواؤں کی یہی تو خاص بات ہوتی ہے، دل اور روح کو معطر کر دیتی ہیں یہ، جس طرح ابھی ایک ہو رہا تھا۔

''ثمر پتا نہیں کیوں اتنا سلو کام کر رہا ہے وہ جلدی کرے تو سب جلدی کلیئر ہو سکتا ہے۔''
ایبک نے برہان کی زچ زدہ سی آواز سنی۔ وہ کچھ کہنے والا ہی تھا کہ اس کا سیل فون چنگھاڑ اٹھا۔
ایبک نے ایک مسکراتی نظر فون پر ڈالی اور اسی طرح کی آواز سے بولا۔
''لو حاضر ہو گئے وہ لوگ، جس طرح سے فون دھاڑ رہا ہے، ضرور ثمریا اس کے باپ کی کال ہو گی۔ آہ میں ٹھیک تھا غفور صاحب ہمیں یاد کر اٹھے ہیں۔'' لاؤڈ سپیکر پر فون کو لگا کر ایزی ہو کر نیم دراز ہو چکا تھا لیکن جلد ہی اسے کمر کو سیدھا کرنا پڑا۔ آواز انیشہ کی آئی تھی۔
''کیسے ہو سلطان؟'' سلام کے بعد وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔ برہان نے ہاتھوں کو پھیلا کر سر جھکا یعنی ان کا کھیل الٹ ہو گیا تھا۔ انیشہ سب کچھ اپنے باپ کو بتا چکی تھی، کمال۔
''شکر اللہ کا، تم کیسی ہو؟ یہ کس کا نمبر ہے۔'' انیشہ نے غفور صاحب کو دیکھا تھا جن کے ماتھے کے جال ابھی آن بان شان سے موجود تھے۔ اس نے مدھم آواز میں جواب دیا۔
''ڈیڈی کا ہے، وہ تم سے۔'' اس نے ایک نظر پھر اپنے ڈیڈی پر ڈالی۔ ''بات کرنا چاہتے ہیں۔''
ان لوگوں کا فون بھی لاؤڈ سپیکر پر تھا۔ ایبک نے برہان پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ صنوبر کے درخت کے پتے ہوا کے جھونکے سے اڑ کر اندر آ گئے تھے۔ ان کی تعداد تین تھی اور وہ زندگی کو الوداع کہتے ہوئے وہاں پڑے ہوئے تھے۔
''السلام علیکم انکل، کیسے ہیں آپ؟'' متوازن لہجہ، بے فکر آواز، نڈر انداز۔
''خدا کا شکر ہے۔'' ان کی آواز سپیکر میں ابھری، ایبک نے آنکھوں کو بند کیا تھا۔ ماضی کی یادیں اس کے دماغ میں کالی آندھی کی طرح پھیلنے لگی تھیں۔ ان کی آواز کسی سے بہت میچ کر رہی تھی۔ وہ کسی جو اب اس دنیا میں نہیں تھا۔ برہان نے اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر اپنائیت کا احساس دلایا۔ وہ آنکھیں کھول کر مسکرا اٹھا۔

"انیشہ نے آج بتایا تمہارے بارے میں، فیملی کو لے کر کل گھر آ سکتے ہو۔"
ایبک کی آنکھوں میں کانچ بھر گیا تھا۔ ٹوٹا ہوا کانچ جس نے اس کی آنکھوں، اس کے دل کا لہو کر دیا۔ یہ الفاظ، یہ دعوت۔۔۔ کچھ خواہشات اس طرح سے بدل کر پوری ہوتی ہیں سوچا نہ تھا۔
"فیملی نہیں ہے میری سر، تنہا ہوں میں۔"
غفور صاحب نے نظروں کا زاویہ انیشہ کی طرف کیا۔ یہ بات اسے معلوم تھی اور جانتی تھی کبھی بھی اس کے ڈیڈی اس بات کو ہضم نہیں کریں گے۔
"کوئی رشتہ دار؟" سوال پیچیدہ ہوتے جا رہے تھے جواب مشکل۔
"نہیں۔"
کچھ دیر خاموشی رہی پھر آواز ابھری، صنوبر کے دم توڑتے پتے اس آواز کی تلخی کو سہار نہیں پا رہے تھے۔ وہ کچھ اور سکڑ گئے۔
"ممکن ہی نہیں کوئی انسان اتنا تنہا کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی رشتہ دار، دوست احباب کچھ تو ہو۔"
ایبک نے ان کی بات درمیان میں قطع کی۔ غفور صاحب کو آواز سے وہ خاصا سلجھا ہوا لگ رہا تھا۔ خیر آواز سے سلجھے ہوئے تو بڑے بڑے بدمعاش بھی لگتے ہیں تو کیا سب پر یقین کر کے بیٹھ جائیں وہ۔
"ایک بھائی ہے میرا، کہیں تو فیملی کے طور پر اسے لے آتا ہوں۔"
برہان نے بھنویں اچکاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ یہ سب ان کے پلان کا حصہ نہیں تھا تو یہ سب ہو کیوں رہا تھا آخر۔
"سگا بھائی ہے؟"
انیشہ کا دل دھک دھک کرنے لگا، کوئی آ نہ جائے، کوئی ان کی بات سن نہ لے، کوئی

درمیان میں نہ ٹوک دے۔یہی خدشہ اسے لاحق تھے۔سب سے بڑا خدشہ سلطان کی ریجیکشن کا تھا۔اگر ڈیڈ نے اسے ریجیکٹ کردیا تو؟ کیا بنے گا اس کا؟ کیا وہ رہ پائے گی اس کے بنا، کیا وہ رہ سکتی تھی؟ جواب تھا نہیں، نہیں، بس نہیں!

''اب تو بس جو ہے وہی ہے یوں کہہ لیں سگوں سے بھی زیادہ ہے۔''

غفور صاحب خاموش رہے تھے۔پھر ان کی آواز نے ان کے کمرے میں جگہ بنائی تھی۔ کمرے کے ساتھ ساتھ سماعتوں میں بھی۔

''کل ملتے ہیں پھر شارپ آٹھ بجے، ڈنر ٹائم۔'' کہہ کر انہوں نے کال منقطع کردی۔

ایبک نے سیل فون کو بیڈ پر اچھالا اور برہان کو سننے لگا جو کہہ رہا تھا۔

''میں ہرگز تمہارے ساتھ ٹائی لگا کر بکے پکڑے کہیں نہیں جاؤں گا۔میں بتا رہا ہوں ایبک، یہ صحیح نہیں ہے۔''

ایبک اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔ہنس دیا مگر جلد ہی سنجیدہ بھی ہوگیا کیونکہ بات ہی ایسی تھی۔کہاں وہ ایلاف کے سپنے سجائے بیٹھا تھا اور کہاں اب انیشہ کے ساتھ شادی کرنے جا رہا تھا۔کیا ایسا ہونا تھا ایبک سلطان کی کہانی کا انجام؟

''صحیح تو کچھ بھی نہیں ہے میرے بھائی، سب کچھ الٹ پلٹ ہورہا ہے۔سب اپنے اپنے مدار سے ہٹ چکے ہیں۔کہانی بکھر رہی ہے۔معلوم نہیں آگے کیا ہوگا۔بس اتنا پتا ہے کہ میں جو کررہا ہوں درست کررہا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں موجود عزم کے سبب برہان رخ موڑ چکا تھا۔کوئی نہیں جانتا تھا، آگے کیا ہوگا۔بس یہی معلوم تھا کہ کہانی چل رہی ہے یا یوں کہیں بھاگ رہی ہے۔

☆......☆......☆

"تم کیا لگتی ہو ان کی؟"

بیجنگ کی سرزمین پر بادل ویسے ہی اترے تھے جیسے پہلے اترا کرتے تھے۔ کن من نے رم جھم کی چادر اوڑھ کر، اسے زور سے جھٹکا تو گیلی چادر کے دلنشین چھینٹے زمین زادوں کو بھگو گئے۔ موسلا دھار بارش میں چھتریوں تلے ڈھیر سارے جوان اور بوڑھے پولیس اسٹیشن کے سامنے ایستادہ تھے۔ ہاتھ میں بینر پکڑے ہوئے تھے جن پر ہیش ٹیگ جسٹس فار مسز جوسف لکھا ہوا تھا۔

مسز جوسف ایک نہایت سلیقہ شعار اور جانی مانی سکالر تھیں جن کے ہاتھوں لاتعداد لوگوں نے بیعت لی ہوئی تھی۔ کئی لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے اور ان گنت گھران کے خرچ پر زیر کفالت تھے۔ پچھلے سال ہائی سکول کے کانوکیشن پر انہیں بطورِ چیف گیسٹ بھی بلایا گیا تھا۔ نیوز چینلز اکثر و بیشتر اس خدا ترس عورت کا انٹرویو لے لیتے تھے۔ مسز جوسف ان سب چیزوں سے کتراتی تھیں کہ وہ اس بات کی قائل نہیں تھیں، آپ نیکی کرو تو اس کا اشتہار دنیا والوں کے سامنے لگا دو۔ نیکی چھپ کر کرنے کا کام ہے بالکل خاموشی کے ساتھ، تو وہ سونا ہے جسے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ نظروں میں آجائے تو اسے نظر لگ جایا کرتی ہے اور جن چیزوں کو نظر لگتی ہے وہ زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ بھلا کون چاہے گا ان کی نیکی زوال کا شکار ہو۔ ہم؟

ناز اس ہجوم میں سب سے آگے کھڑی تھی۔ مسز جوسف کے منع کرنے کے باجود وہ وہاں پر تھی اور ہاتھ میں موجود لاؤڈ سپیکر پر زور زور سے مسز جوسف کی رہائی کی درخواست کر رہی تھی۔ باہر مینہ برس رہی تھی اور اندر آرام دہ صوفے پر ہاتھ میں تسبیح پکڑے مسز جوسف مسکراتے چہرے کے ساتھ اس لڑکے کو دیکھ رہی تھیں جو پچھلے آدھے گھنٹے سے ان سے ایک کے بارے میں سوال کر رہا تھا اور ہر بار کی طرح مایوس ہی نظر آ رہا تھا۔

”آپ میرے ساتھ تعاون کریں گی تو ہی میں اس کرمنل کو پکڑ پاؤں گا۔ اس نے کئی جانوں کو اپنی تحویل میں لیا ہوا ہے۔ آپ یقین نہیں کرسکتیں ملک کے امراء کے ہاتھوں گزشتہ دو ہفتوں سے ہم کتنا ذلیل ہو رہے ہیں۔ کون سی دھمکیاں یا پریشر نہیں ہے جو ہم لوگوں کو نہ ملا ہو۔ آپ سن رہی ہیں نا میں آپ سے کیا کہہ رہا ہوں؟“ وہ لوگ تفتیشی روم میں براجمان نہیں تھے۔ وہ لوگ تو گھر کے کمرے کی طرح دکھتے ایک کمرے میں موجود تھے جہاں صوفے تھے۔ ٹی وی تھا۔ واز تھے اور سر پر جھولتا چھوٹا سا فانوس بھی۔ اوہ ہاں وہاں دو دیواروں پر قدیم زمانے کے لوگوں کی پینٹنگز بھی موجود تھیں۔ ایک میں پورا چاند تھا اور اس کی اور منہ اور ہاتھ دعا کے سے انداز میں اٹھائے لوگ جن کے جسموں کا رنگ سیاہ تھا لیکن جڑے ہوئے ہاتھوں پر چاند کی چاندنی پڑ کر انہیں منور کر رہی تھی۔

دوسری تصویر میں کچھ لوگ ایک شکار کیے بیل کے گرد اکٹھے تھے۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھے تھے۔ ہاتھوں میں بھالے اور دیگر اوزار تھے یعنی وہ پارٹی کرنے کے موڈ میں تھے۔ کرنے دو ہوسکتا ہے ایک دن ان کا بھی آئے اور وہ اپنی یہ حسرت پوری کرلیں ہوسکتا ہے۔

”تم جس کرمنل کی بات کر رہے ہو اس کے بارے میں، میں فقط اتنا جانتی ہوں کہ وہ میرے شوہر کا ایک پیشنٹ تھا۔“

ثمر نے تحمل و تمیز سے ان کی بات درمیان میں قطع کی۔ میز پر رکھا ریکارڈر لا یعنی گفتگو سن کر تھک گیا تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اس کی سماعتوں میں قید ہوتی، ہو کر اس لڑکے کی مشکل آسان کر دیتی جواب تھک سا گیا تھا۔

”ایسا نہیں کریں مسز جوسف، اپنی بات کو جھوٹ کے لبادے میں نہیں ڈالیں کیونکہ ایک بار ایبک کو آپ کے گھر جاتے دیکھا گیا ہے۔ وہ آپ کے گھر جا رہا تھا، مطلب آپ اسے

جانتی ہیں۔"

مسز جوسف کی یاقوت کے دانوں والی تسبیح ہولے ہولے آگے کو سرک رہی تھی۔ انہوں نے ایک پوائنٹ پر آ کر اسے روک دیا۔ نظر اٹھائی اور مدعا بیان کیا۔

"ان گواہان کو طلب کر سکتے ہو میرے سامنے جو اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اگر ایسا ہے بھی تو کیا یہ ضروری ہے میرا اس سب سے کوئی تعلق ہے؟ آپ سلجھے ہوئے لگتے ہو، اس لیے آپ کو ایک آخری بار سمجھا دیتی ہوں۔ اس لڑکے کے بارے میں مت پوچھو مجھ سے، کچھ حاصل نہیں ہوگا فقط وقت کی بربادی کے۔"

ثمر نے منہ کو دونوں ہاتھوں سے رگڑا تھا۔ ایک آخری بار وہ ان سے آس بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کوئی بھی لچک نہیں ہے۔"

نورانی چہرے والی عورت کا سر نہ میں ہلا۔ وہ دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے پھر ایسا ہی سہی، آپ اپنی ظہر کی نماز ادا کر لیں، آپ کو باعزت طور پر گھر پہنچا دیا جائے گا۔" وہ کھڑا ہو گیا تھا باہر کی اور قدم اٹھا رہا تھا جب مسز جوسف کی آواز پر اسے رکنا پڑا۔

"نماز تو ادا کر لوں گی لیکن کیا ان تصاویر میں ایسا ممکن ہے؟"

وہ مڑا تھا۔ یونیفارم کی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور دوسری تصویروں پر۔

"معذرت کے ساتھ سخت الفاظ بول رہا ہوں لیکن عجیب نہیں کہ آپ کو اپنی نماز ضائع ہونے کی فکر ہے ان جانوں کی نہیں جنہیں اللہ نے بہت چاہ سے تخلیق فرمایا، کیا خون کے وضو سے نماز قبول ہو جائے گی آپ کی؟"

وہ اس لڑکے کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ جو آگے بڑھ کر باری باری ان تصویروں کو اتار کر دیوار کے سہارے الٹا رکھ رہا تھا۔ ایسا کر چکنے کے بعد وہ ایک بار پھر ان کی جانب متوجہ ہوا۔

''میری باتوں پر غور ضرور کیجئے گا، آپ کی پرسنالٹی سے لگتا ہے خاصی نرم دل انسان ہیں آپ۔'' دروازے کو بند کر کے وہ باہر آیا تھا۔ کمرے کے پرسکون ماحول کی نسبت باہر خاصا شور تھا۔ بارش کا شور اور لوگوں کے چلانے کا شور، وہ یونہی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیے خراماں خراماں چلتا پولیس اسٹیشن کے مین دروازے کے فریم میں آن کھڑا ہوا۔ ایک سپاہی نے جھٹ سے چھتری اس کے سر پر تانی تھی کہ شیڈ سے پانی آبشار کی طرح ٹپک رہا تھا۔ واثق امید تھی کہ اگر ایک سیکنڈ بھی لیٹ کرتا ثمر اس پانی میں بھیگ جاتا۔

''خداترس خاتون کو رہا کیا جائے، فوراً کیا جائے۔'' نازکی آواز سپیکر میں ابھر رہی تھی۔ اس کے پیچھے موجود باقی عوام بھی چیخ اٹھی۔ چند ایک نیوز چینلز والے لائیو کوریج دے رہے تھے۔ پولیس کی موبائل سائیڈ پر ہی کھڑی تھی۔ اوپر سے دیکھا جائے تو ان گنت سیاہ چھتریاں آپ کو نظر آئیں گی جن سے پانی مسلسل گر رہا تھا۔ ثمر کی پتلیوں نے اس لڑکی کی طرف حرکت کی اور وہیں ساکن ہو کر رہ گئیں۔ وہ لب بستہ سا اسے دیکھ رہا تھا جو بپھرے ہوئے انداز میں مسز جوسف کیلئے نعرے لگا رہی تھی۔ ایک وہی تھی جو بپھری ہوئی تھی ورنہ تو یہ پرامن احتجاج تھا۔

''اس لڑکی کو اندر لے کر آؤ۔'' اس نے ساتھ کھڑے دوسرے سپاہی کو آرڈر دیا اور خود قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔ کچھ دیر بعد لکڑی کی کرسیوں میں سے ایک پر نازٹک رہی تھی۔ اس کے بالکل سامنے میز کے اس پار ایشین آفیسر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میز پر رکھی کرسٹل کی گیند کو شہادت کی انگلی سے ہلا رہا تھا۔ چوکور لکڑی کے خانے پر ٹکی وہ کرسٹل کی گیند جو کئی رنگ رفلیکٹ کر رہی تھی ثمر کے ہلانے سے ڈسکو بال لگ رہی تھی۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' وہ اسی طرح گیند کو ہلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔نظریں بھی گیند پر ہی ٹکی تھیں۔لاؤڈ سپیکر ہاتھ میں تھامے اس لڑکی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ناز آبشار۔''

گیند کو اس نے ایک جگہ روکا اور نظریں اٹھائیں۔

''ٹرکش؟'' لڑکی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''انڈین،مہاراشٹرا سے تعلق ہے میرا۔''

''ہم۔'' وہ سیدھا ہوا،دونوں ہاتھوں کو باہم پھنسا کر تھوڑا میز پر جھکا اور اس لڑکی کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھ ڈالا۔''مطلب بالکل مختلف دنیاؤں کے باسی ہو تو پھر اتنا واویلا کیوں؟ تم کیا لگتی ہو ان کی جو یہ اٹھا کر چلا رہی ہو؟'' وہ لاؤڈ سپیکر کی طرف اشارہ کر کے اس سے دریافت کر رہا تھا۔ناز نے لبوں کو تضحیکی انداز میں پھیلایا۔

''انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے مسٹر ایشین،انسانیت کے علمبردار بھی بہت ہیں۔'' ثمر نے بھنوؤں کو اچکایا تھا۔''ہر کوئی بے حس نہیں ہوتا۔''

''تو مس انسانیت کی علمبردار،میں آپ کے سامنے ایک آفر رکھتا ہوں،مسز جوسف کو چھوڑ دیتا ہوں ان کی جگہ تم گرفتاری دے دو،کیوں مشکل ہے؟''

ناز نے سرخ رنگ کا سپیکر اٹھا کر میز پر رکھا اور اسی کے انداز میں دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہوئی۔

''اگر ان کے خلاف ایف آئی آر کٹ چکی ہے تو ٹھیک ہے لیکن ایک بات کہوں،یہ آپ کا ملک نہیں ہے جہاں اندھا قانون چلتا ہو۔یہ چائنہ ہے شیشے جیسا قانون ہے یہاں کا۔''

ثمر اس کی بات پر یکلخت ہی ہنس پڑا۔مذاق ہی ایسا تھا کہ اسے ہنسنا پڑا۔

"درست فرمایا محترمہ، شیشہ ہی ہے جس پر سے رولز ایک ایک کر کے پھسل کر گرتے ہیں۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے سلائیڈ کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "خیر مجھے ان وطنوں کے قانونوں کی لایعنی بحثوں میں نہیں الجھنا، میں تو یہاں اپنے کیس کے سلسلے میں ہوں۔ کیس حل ہو جائے گا تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔"

ناز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی باہر جیسے سناٹا سا چھا گیا تھا۔ خاموش احتجاج، پرسکون ماحول، فوری نتیجہ، یہ تھی یہاں کے لوگوں کی سٹریٹجی۔

"بیجنگ کی فضا کیلئے یہ بہت بہتر ہوگا۔" وہ بڑبڑائی تھی۔ پاکستانی پولیس آفیسروں کے متعلق اور اپنے ملک کے آفیسروں کی آنکھوں دیکھی بدتمیزیوں کی وجہ سے ہی وہ محتاطی سے کام لے رہی تھی۔ کیا بعید تھا وہ اسے اندر ڈال دے۔ یوں بھی پاکستانی مردوں کے دماغ کچھ زیادہ ہی تیز چلتے ہیں۔

"مسز جوسف کو رہا کر دیں ہم بھی یہاں سے چلے جائیں گے۔" اس کا چہرہ نروٹھا تھا۔ پانی کی وجہ سے بال قدرے گیلے ہو چکے تھے تبھی جڑے جڑے سے تھے۔

"وہ ہو چکی ہیں آپ اپنی عوام کو بھیج دیں۔"

کوئی بھی ری ایکشن دیے بنا وہ کرسی کو پیچھے کرتی کھڑی ہوئی، ایک مخصوص آواز ابھری تھی۔ ثمر نے اسے جاتے ہوئے دیکھا خواہ مخواہ ہی ایک تبسم اس کے لبوں پر آن ٹھہرا تھا۔

"سرپھری۔"

سر جھٹکتے ہوئے یہ لقب خاص طور پر اس نے ناز کیلئے چنا تھا۔ جیسے یہ بنا ہی صرف اس کیلئے ہو اور شاید ایسا تھا بھی، تھا کے نہیں؟

☆......☆......☆

اور جب کچھ یاد نہ رہے، کچھ ساتھ نہ رہے

تب تم چلے آنا، مجھ کو یاد کرانا

وہ بیتے ہوئے لمحے، وہ چاہتوں کے ادوار

وہ میری تمہاری باتیں، وہ محبتوں کی ساعتیں

جو بیت گئی ہیں چپکے سے

جو کھو گئی ہیں جھٹکے سے

تم ایک بار چلے آنا، تم مجھ کو یاد ضرور کرانا!

وہ سنک کے سامنے موجود تھی۔ کتنے ہی چھینٹے تھے جو وہ چہرے پر مار چکی تھی۔ ٹھنڈا پانی بھی اس کے اعصاب درست کرنے سے قاصر تھا۔ وہ نہیں سمجھ رہی تھی کیا ہو رہا ہے، کیا اس سے ہو چکا ہے۔ وہ ایک کو بیمار حالت میں چھوڑ آئی تھی۔ کوئی دشمن بھی ہوتا تو وہ ایسا نہیں کرتی تو پھر اس کے ساتھ کیسے کر بیٹھی۔ اس کا آدھا سر مسلسل پانی لگنے کے وجہ سے گیلا ہو گیا تھا۔ ٹھوڑی و گردن سے پانی ٹپک ٹپک جا رہا تھا۔

''ہے ایلاف، تمہاری رپورٹ اب تک سمٹ نہیں ہوئی۔'' کوورکر کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ ایک کو چھوڑ کر وہ سیدھا آفس آ گئی تھی۔

''لا رہی ہوں تم جاؤ۔'' واش روم کے دروازے کی طرف منہ کر کے اس نے کہا تھا۔ اس کا سر درد سے بھاری ہو چکا تھا۔ بہت زیادہ بھاری۔

''تم ایسا کیسے کر سکتی ہو ایلاف؟ تم ایک بیمار انسان کو کیسے اکیلے چھوڑ سکتی ہو۔'' ان سوچوں میں گھری وہ واش روم سے باہر آئی۔ ہوا میں چہرے کو سکھانے کے بعد اس نے موسچرائز لگایا۔ لائٹ براؤن رنگ کی لپ اسٹک کو لبوں پر جگہ دیتے ہوئے وہ فائل کو اٹھا رہی

تھی۔ ”فون کر کے معلوم کروں وہ کیسا ہے؟ کیا یہ فیصلہ صحیح ہے؟“ غائب دماغی سے وہ کمرے سے باہر آئی تھی۔ ایڈیٹر کو اپنی رپورٹ جمع کرانے کے بعد وہ واپس اپنے کیبن میں آ گئی۔ غفور صاحب نے اسے خطرناک کاموں میں ملوث ہونے سے روکا تھا۔ وہ خود بھی کوشش کر رہی تھی کوئی میس نہ پھیلے لیکن اس سے یہ سب ہوتا جا رہا تھا اور وہ اس سب میں پھنستی جا رہی تھی۔

”مجھے اسے ایسے نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ غلط کیا، غلطی کی تلافی تو بنتی ہے۔“ وہ میز کی جانب آئی اور جھک کر گلوب کے پاس رکھا اپنا فون اٹھا لیا۔

”مگر وہ ہے کون جس کیلئے میں تلافیاں کرتی پھروں، مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے اس سب سے۔ اس کی جرأت اور بڑھ جائے گی۔“ فون کو میز پر رکھنے سے پہلے اس کے دماغ میں سوچ کا ایک اور کوندا لپکا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

”لیکن اس ضمیر کا کیا کروں جو اپنی غلطی پر پشیمان ہے۔“ گہرا سانس بھر کر اس نے سیل فون اٹھایا۔ ہر بار کی طرح ضمیر کی رہائی کا فیصلہ لمحہ بھر میں ہوا تھا۔ اس نے ایک کا نمبر ڈائل کیا اور لکڑی کی پالشڈ میز پر انگلی پھیرنے لگی۔

وہ جیکٹ کو شانوں پر سے جھٹکتے ہوئے پہن رہا تھا۔ جھک کر اس نے جوگرز میں پاؤں ڈالے اور والٹ اٹھا کر جیب میں رکھ دیا۔ ابھی وہ بازوؤں کی زیپ بند کر ہی رہا تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل فون گھوں گھوں کرنے لگا۔ کھڑے کھڑے اس نے سیل فون کی چمکتی سکرین کو دیکھا جس پر لکھا نام اسے چونکا گیا تھا۔ جیکٹ کے کالر کو درست کرتے ہوئے اس نے کال رسیو کی اور لاؤڈ سپیکر آن کر لیا کہ یہ وہ کال تھی جسے وہ قطعی اگنور نہیں کر سکتا تھا۔

”زندہ ہوں۔ اتنا تو اندازہ ہے کال خیریت پوچھنے کے لیے کی ہو گی اس لیے تم فکر نہیں کرو، ابھی جان نہیں چھوڑوں گا۔“ گھڑی کو کلائی میں جگہ دیتے ہوئے وہ دبیز خاموشی کو

توڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایلاف کی سانس کی آواز بخوبی اس تک پہنچ رہی تھی۔
''تم درست ہو میں نے اسی لیے کال کی تھی۔ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟'' براہِ راست شاید یہ ان کی سالوں بعد ایک نارمل گفتگو تھی۔ ایبک کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا، ہونٹوں کے کناروں کے قریب چھوٹے گڑھے پڑ گئے۔
''زیادہ کچھ نہیں بس کچھ یادیں ہیں جو آ کر حالت خراب کر جاتی ہیں یا کچھ ایسے الفاظ جو دل کو زخمی کر دیتے ہیں۔ تمہارے الفاظوں نے بھی زخمی کیا تھا مجھے۔'' سیر نگ بالوں میں وہ انگلیاں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کا ماتھا کشادہ تھا اور شانے قدرے چوڑے۔
''ہمیں بات کرنی چاہیے۔'' ایلاف کی طرف سے آئی پیشکش پر اس نے آواز کے ساتھ سامنے کی زیپ کو سینے تک کھینچا اور بیڈ پر دونوں ہاتھ باندھے بیٹھ گیا۔
''ہماری باتوں کے نتائج اچھے نہیں ہوتے، یہ چیز ہم فیس کر چکے ہیں مگر پھر بھی اگر تم زور دیتی ہو تو مل لیتے ہیں۔'' اپنی آواز پہنچانے کے بعد وہ اس کا منتظر تھا جیسے سالوں سے تھا اور شاید سالوں تک رہے۔
''پرسوں ملتے ہیں پھر میں اس معاملے کو فوری طور پر سلجھانا چاہتی ہوں۔''
برہان دروازہ کھول کر اندر آیا۔ ایبک نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی پھر وہ شانے اچکا گیا۔
''پرسوں نہیں کل، ہم کل مل رہے ہیں لاہور میں کیونکہ اس کے بعد میرے بہت سے پلانز ہیں اور آج سے لے کر اگلے ایک ہفتے تک میں لاہور ہی ہوں گا۔ اگر یہ ممکن ہے تو تم لاہور آ جاؤ، لوکیشن تمہیں بھیج دوں گا۔''
برہان لب کھولنے والا تھا جب ایبک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کا کہا۔
وہ دونوں غفور صاحب کے مینشن میں جانے کیلئے بالکل تیار تھے۔ وہاں ایلاف ہو گی یا نہیں یہ

ایبک نے نہیں سوچا تھا، ہاں اسے منظر سے غائب کرنے کیلئے اس کے پاس اچھا پلان تھا۔ چونکہ وہ پلان ضائع گیا اس لیے پلان بی جب چل کر خود آیا تھا تو وہ اس پر عمل کیونکر نہ کرتا۔

"یعنی کہ لاہور۔" کچھ دیر بعد اس کی پرسوچ آواز گونجی، برہان نے سیاہ پینٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں اس کے بلیو بیلز کا بکے تھا۔ بلیو بیلز ایلاف کو بہت پسند ہیں۔ یہ بات فقط ایبک جانتا تھا برہان نہیں، اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ انیشہ کی ان پھولوں سے اٹیچمنٹ ہے۔ اگر اسے حقیقت کی بھنک بھی لگ جاتی تو واللہ وہ انہیں نہیں خریدتا۔

"ٹھیک ہے پھر ملتے ہیں یوں بھی مجھے بھی کام تھا لاہور میں، تم مجھے لوکیشن سینڈ کر دینا۔"

"سپر پہنچ کر اپنی تصویر ضرور بھیجنا۔"

ایلاف اس کی بات پر بدکی۔

"تصویر؟ وہ کیوں بھیجوں، کیا تم نہیں جانتے یہ گناہ ہے۔ محترم فقط سود لینے یا دینے والے جہنم کی آگ میں نہیں جلیں گے، نامحرم کی تصویر لینے اور دینے والے بھی اس کی آگ میں جلیں گے اور اتنے عبرتناک جلیں گے کہ پناہ ہے بس!"

ایبک نے بھنویں اچکائیں، جانے کیوں اس کی بپھری آواز میں اسے کوئی یاد آیا تھا۔

"زندگی کی آگ مجھے لگتا ہے جہنم کی آگ سے زیادہ جلن دار ہے۔ خیر میں تو تصدیق کیلئے کہہ رہا تھا۔ مجھے بالکل بھی شوق نہیں ہے نامحرموں کی تصویروں سے اپنے فون کو بھرنے کا۔ اللہ حافظ۔"

فون بند ہو چکا تھا۔ برہان فون کے بند ہونے کے ایک سیکنڈ بعد ہی اس پر برس پڑا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو، ایک طرف انیشہ کے ساتھ رشتہ جوڑنے کی بات کر رہے ہو، دوسری طرف ایلاف کے ساتھ میٹنگز کر رہے ہو، کیا چاہ رہے ہو آخر؟"

وہ کھڑا ہوا تھا۔خود پر سپرے کیا اور آئینے میں اس سڑو کا عکس دیکھنے لگا جو اس وقت کچھ زیادہ ہی سیخ پا لگ رہا تھا۔ایک اس کی شکل دیکھ کر مسکرا دیا۔

''تم پریشان تھے نا کہ اگر وہاں ہمیں ایلاف نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ کس طرح مینیج کریں گے۔دیکھ لو اللہ نے راستہ نکال دیا۔وہ اس وقت پلین میں ہوگی جب ہم اس کے گھر ڈنر کر رہے ہوں گے،راستے اسی طرح بنتے ہیں میرے بھائی۔'' وہ مڑ گیا تھا۔چہرے پر چھائی زبردستی کی شگفتگی اس حزن کو چھپانے کی ناکام سعی میں تھی جو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا تھا بالکل اس کے ہم زاد کی طرح۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی ایک۔'' وہ بھی کھڑا ہوا۔ہاتھوں میں بکے اور ایک شاپنگ بیگ تھامے اس کے ساتھ گھر سے باہر آیا۔''ایلاف سے تم محبت کرتے ہو یقیناً اور انیشہ کے ساتھ شادی کر رہے ہو،یہ الجھن کس طرح کی ہے؟''

برہان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔سیٹ بیلٹ باندھ کر ایک اس انسان کو دیکھ رہا تھا جس کا وہ عمر بھر کا مقروض تھا۔جس کا سرمایہ اس کے علاج میں بالکل ختم ہو گیا تھا۔وہ انسان جو خدا ترس اور نیک فطرت کا مالک تھا،جو اس کا کچھ نہیں تھا مگر سب کچھ تھا۔

''الجھن تو کوئی بھی نہیں ہے اور رہی ایلاف سے محبت کی بات تو شاید میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ اسے چاہ سکوں۔'' اس کے دل میں درد اٹھا تھا۔گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔ آباد سڑکیں،کھلی فضائیں،بے فکرے لوگ،وہ کہاں تھا ان سب میں؟ وہ جس نے زندگی کو کبھی جیا ہی نہیں تھا اور جب جینے لگا تھا تو اسے درد کے اعلیٰ درجے پر بٹھا کر باور کروایا گیا کہ زندگی فقط اس کیلئے نہیں ہے باقی سب کی ہے مگر اس کی نہیں ہے۔

''انیشہ سے شادی کرو گے؟''

وہ دکھی چہرے کے ساتھ مسکرایا۔ انڈر پاس میں دائیں بائیں لگی بے تحاشہ لائٹس کا عکس اس کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔ ان زرد روشنیوں نے دل مسوس کر اس کے چہرے پر جگہ بنائی تھی کہ جو حزن اس شخص کے چہرے سے ٹپک رہا تھا وہ بہت دل دوز تھا۔

''نہیں۔''

جواب پر بڑی زوردار انداز میں برہان نے بریک پر پاؤں رکھا تھا۔ حیرت ہی حیرت تھی۔ ایک سائیڈ پر کار کو روک کر وہ پورا اس کی طرف مڑا۔

''اگر نہیں کرنی تو ہم ان کے گھر کیوں جا رہے ہیں؟ ایبک! کھل کر بتاؤ اصل بات کیا ہے۔ جب تک مجھے اعتماد میں نہیں لو گے تو ہم ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ تمہیں مجھے سب بتانا ہو گا۔''

ایبک نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ دیر بعد وہ غفور مینشن کے اندر اپنی کار پارک کر رہے تھے۔ گاڑی سے نکلنے کے بعد اب برہان کے چہرے پر اطمینان تھا۔ انہیں ریسیو کرنے وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ فقط ایک میڈ کے جو انہیں اپنے ساتھ اندر لے جا رہی تھی۔ اس کی شکل صورت، قد کاٹھ اور ڈریسنگ سے لگتا تھا کہ وہ یہاں کی نہیں ہے لیکن وہ غلط نکلے۔ وہ ایک پٹھان تھی جو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلی گئی تھی۔

''گھر خوبصورت ہے۔'' برہان نے چاروں اور نگاہ دوڑا کر کہا۔ ایبک کی نظریں سفید رنگ کے مصری پردوں پر تھیں جن کی قیمت دور سے ہی بول رہی تھی۔ پاؤں کے نیچے جو رگ تھا وہ یقیناً ترکی سے امپورٹ کر کے منگوایا ہوا تھا اور دیواروں پر آویزاں پینٹنگز پیرس کی گیلری کی لگ رہی تھیں کیونکہ تصاویر میں جو رنگ استعمال ہوئے تھے وہ وہیں کے تھے ہلکے پائیدار مگر پر اثر۔

”حرام بولتا ہے میرے بھائی۔“ اس کا تبصرہ بے لاگ تھا۔ برہان کو تو اس وقت ایسا ہی لگا تبھی وہ سر جھٹک گیا۔

”استغفر اللہ، دیکھو تو یہ چھوٹا سا گلدان کتنا نفیس ہے لیکن تمہیں میں بتاؤں یہ اتنا ہی مہنگا بھی ہے۔ اٹلی میں دیکھا تھا اسے، قیمت سن کر تو ہوش ہی اڑ گئے تھے میرے۔“

ان کے سامنے بچھی تکون میز اور اس پر رکھا گلدان جس میں روز میری ابھی تازہ تھے کو دیکھ کر جھٹ سے برہان کو اٹلی کی وہ انٹیک شاپ یاد آ گئی جہاں خاص طور پر ڈیلی گیشن اسے لے کر گئی تھی۔

”پاکستانیوں کو لگتا ہے خبط ہوتا ہے نمائش کا، اتنا تو یورپی پاگل نہیں ہوتے جتنا میں یہاں دیکھ رہا ہوں۔ میں حیران ہوں۔“ وہ ایک ایک چیز کو نظروں میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اگر وہ پورا لاؤنج لوٹ لیں تو یقیناً پوری زندگی آرام سے بیٹھ کر کھا سکتے ہیں۔ کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی انہیں واللہ۔

”اور اس وال کلاک کو تو دیکھو۔“

ایبک نے اسے ٹوک دیا۔

”بس کر دو بہت ہو گیا، دو سائے نزدیک آ رہے ہیں۔“

ایبک نے فٹ میٹ پر دو سر دیکھے تھے جن کے اب شانے نظر آنے لگے تھے۔ برہان اس کے کہنے پر چوکس بیٹھ گیا۔

”السلام علیکم!“

دروازہ کھلا تھا کھلنے کے ساتھ ہی غفور صاحب اور انیشہ اس کے فریم میں ایک ساتھ ابھرے تھے۔ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ دونوں کے علاوہ تیسرا بھی با آسانی اس میں کھڑا ہو سکتا تھا۔

شاہی طرز کے جالی دار دروازے پر جو کشیدہ کاری ہوئی تھی وہ شاید عربی گھروں کے بعد یہاں ہوگی اور کہیں نہیں ہوگی۔ دیکھ کر دیکھ لیں اور لکھ کر رکھ لیں۔

سنہرہ جالی دار دروازہ اور چمکتی ہوئی سنہری کشیدہ کاری سے معلوم ہوتا تھا شاہی دربار کا دروازہ کھلا ہے اور بادشاہ کے ساتھ شہزادی وہاں آن موجود ہوئی ہے۔ ایبک اپنی شرٹ سامنے سے جھٹکتا کھڑا ہوا، برہان نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

''وعلیکم السلام!'' وہ آگے بڑھا تھا، ان کے سامنے آ کر رکا اور اپنا سر آگے کر دیا۔ غفور صاحب کیلئے یہ سچویشن تھوڑی نا قابل یقین ہوئی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔ شاید بیٹیوں کے بعد یہ پہلا انسان تھا جس کے سر پر وہ ہاتھ رکھ رہے تھے۔ وہ ان کا ہاتھ لے کر چومنے لگا۔ اس کے بعد انہیں ماتھے سے لگا کر ہٹا تھا۔

''تمہاری صورت بتا رہی ہے تم بغداد سے ہو۔''

وہ مسکرا کر پیچھے ہٹا۔ برہان نے فقط مصافحہ سے کام چلایا تھا۔ اس سے یہ نوٹنکیاں نہیں ہوتی تھیں۔

''رسم و رواج سے بھی اندازہ لگایا ہوگا آپ نے، ہمارے ہاں بڑوں کی دعائیں زندگی سہل کر دیتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ میرے نصیب میں ان کی دعائیں نہیں۔''

وہ سب آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ انیشہ ظاہری بات ہے غفور صاحب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بلیو بیلز کا بکے تھا جسے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے ایبک کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔ برہان نے شاپنگ بیگ غفور صاحب کو تھمایا۔ اسے اب سمجھ آ رہی تھی کہ ایبک نے اتنا مہنگا ایش ٹرے کیوں خریدا تھا۔ یہاں کی امارت دیکھ کر اسے ایبک کے گفٹ کی قیمت پھر بھی کچھ کم لگی۔

”تمہارے والد صاحب کیا کرتے تھے۔ مطلب کیا وہ بھی بغدادی تھے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ تھوڑا سا آگے جھک کر بیٹھا اور اس جوس کو نظرانداز کرنے لگا جو ابھی ابھی میڈ رکھ کر گئی تھی۔ اسے پینے میں دلچسپی نہیں تھی اس لیے اس نے گلاس نہیں تھاما تھا۔

”میرے والد صاحب سلطان حسین ایک پاکستانی مرد تھے۔“

انیشہ اور غفور سلطان نام پر چونکے۔ یہ تو اس کا نام تھا کیا نہیں تھا؟

”وہ یہاں سے پہلے ترکی گئے تھے۔ وہاں ان کے کچھ بغدادی دوست بنے جن کے ساتھ وہ ان کا ملک گھومنے چلے گئے تھے۔ اس کے بعد وہاں وہ میری ماں سے ملے، دونوں کی انڈراسٹینڈنگ ہوئی اور پھر انہوں نے شادی کرلی۔“ اس نے تھوڑا وقفہ لیا تھا۔ نظر انیشہ پر ڈالی جو گھونٹ گھونٹ جوس کو حلق سے نیچے اتارتی متعجب دکھتی تھی۔

”مگر سلطان نام تو تمہارا ہے۔“ غفور صاحب نے اپنے تعجب کو زبان دی۔ ایبک نے سہولت سے اسے اگنور کیا اور مزید کہنا شروع ہوا۔

”وہ ایک کامیاب تاجر تھے۔ میرے ہونے کے چند عرصے بعد جوئے کی وجہ سے وہ ناکارہ ہوگئے تھے۔ ایک رات اچانک ان کی لاش آئی اور کہا گیا کہ انہوں نے کسی کا بہت بڑا قرضہ دینا تھا جسے ادا نہ کرنے پر دونوں پارٹیوں کی لڑائی ہوئی اور میرے بابا مارے گئے۔“ وہ اپنی زندگی کی تلخ حقیقت آج اس انسان کو بتا رہا تھا جس سے وہ کبھی نہیں ملا تھا۔ آج وہ اس انسان کے سامنے بیٹھا تھا جس کے سامنے ان کی بیٹی اسے کبھی بٹھانا نہیں چاہتی ہوگی۔ وقت نے کروٹ لی تھی۔ آج ایبک بھی وہی تھا اور غفور صاحب بھی، بس وہ انسان نہیں تھا جس کے خواہش تھی کہ وہ یہاں تک آئے۔ لاؤنج کی گرم دیواریں سانسوں، جوس کو نگلنے اور پلک جھپکنے کے علاوہ بھی کسی اور کی آواز سن رہی تھیں۔ وہ کوئی اور ایبک تھا جو مزید کہہ رہا تھا۔

”مگر تمہارا نام سلطان کیسے ہے، اگر یہ تمہارے والد کا ہے تو؟“ غفور صاحب زور سے بولے تھے۔

”میری ایک بہن بھی تھی ادا۔ ہم دونوں ساتھ بڑے ہوئے تھے۔ بہت سٹرگل کی تھی ہم دونوں نے، ہماری ماں حالات کی تنگی اور محبوب شوہر کے چھوڑ جانے کی وجہ سے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔ میری بہن اور میری بہت خواہش تھی کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ان کا قتل کر دیا گیا۔“

غفور صاحب کو اچھو لگا تھا۔ انیشہ کے ہاتھ سے بکے پھسل کر قدموں میں جا گرا۔ برہان نے ایبک کا ہاتھ تھام کر اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ رکا اور نہ ہی اسے رکنا تھا۔

”ان کا قتل پاکستان میں ہوا تھا۔ یہیں۔ ہم بہت غریب تھے۔ میری بہن اور میں ہم دونوں کام کرتے تھے تاکہ زندگی کو گھسیٹ سکیں۔ یہاں ہم آئے بھی اسی لیے تھے۔ وہاں یعنی نیویارک میں ہماری کوئی جگہ نہیں تھی کوئی گھر نہیں تھا لیکن یہاں ہمارے والد کا گھر تھا جس کا ایڈریس والدہ نے ہمیں حفظ کروایا ہوا تھا مگر افسوس وہ گھر قبرستان بن گیا۔ جانتے ہیں وہ گھر قبرستان کیوں بنا تھا؟“

برہان نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔ غفور صاحب کے ماتھے پر شکنوں کا پہاڑ امڈ آیا تھا۔ انیشہ کے دماغ میں فلیش بیکس ہو رہے تھے۔ ان جھماکوں کو نظرانداز کرنا آسان نہیں تھا۔ بیتے دس سالوں کو دوہرانا آسان نہیں تھا۔

”ایبک! بس کر دو، ہم یہاں سے چل رہے ہیں۔“

”ایبک؟“ انیشہ اس نام پر سن ہوئی تھی۔

”ایبک، ایبک سلطان۔“ اس کا دل کانوں میں دھڑک اٹھا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسا نہیں

ہونا چاہیے تھا۔اس کے وجود کے مساموں سے پسینہ پھوٹنے لگا۔۔سردی میں پسینہ۔
''کیونکہ آپ کے بیٹے کی میری بہن پر نظر تھی۔ثمر دی موسٹ آبیڈ ینٹ بیٹے کی۔''
غفور صاحب کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا تھا۔ان کے نئے نکور سیاہ چمچماتے شوز اور نج جوس سے میلے ہو گئے۔انیشہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔وہ متحیر سی ایبک کو دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ ہوش میں تو تھا۔وہ دس سالوں کو کیوں واپس لا رہا تھا۔ہاں وہ ایبک سلطان ہی تھا۔
''میری بہن اور میری ماں کا قاتل آپ کا لاڈلا ریپسٹ بیٹا،ایس پی ثمر غفور۔''
وہ یکدم بپھر کر کھڑے ہوئے۔ان کے کھڑے ہونے اور چیخنے کی وجہ سے انیشہ بری طرح ڈری تھی۔ڈر کے سبب اس کی آنکھ سے آنسو نکلنے لگے۔وجود ٹھنڈا پڑ رہا تھا اور دماغ ماؤف، جسم کی لرزش واضح تھی۔
''کیا بکواس ہے یہ، نکلو یہاں سے؟'' ان کے چیخنے کی آواز پورے مینشن میں گونج اٹھی۔ اپنے کمرے میں موجود ہاتھوں پر موئسچرائزر لگاتی زرینہ فکرمندی سے کھڑی ہوئیں۔انہیں غفور صاحب نے بتایا تھا کہ ان کے کچھ خاص مہمان آرہے ہیں اس لیے کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔اگر وہ مہمان خاص تھے تو یہ چیخنے کی آوازیں کیوں؟ وہ اسی فکر کے ساتھ دروازہ کھول کر لاؤنج کی طرف لپکی تھیں۔
''میری بہن اور میری ماں کا قاتل، آپ کے بیٹے راحم کا قاتل آپ کا پیارا ثمر۔''
زرینہ نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے۔وہ لاؤنج کے دروازے میں ایستادہ تھیں۔انیشہ کا اس کے انکشافوں سے دم گھٹنے لگا تھا۔وہ دونوں ہاتھ کانوں پر سختی سے جمائے رو رہی تھی۔غفور صاحب پورے کانپ اٹھے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ فوراً سے دفع ہو جاؤ۔ آئی سیڈ آؤٹ۔" انگلی اٹھا کر غصے کی زیادتی کی وجہ سے وہ پھٹی آواز میں کہہ رہے تھے۔ ایبک نے تحمل سے پیچھے سے اپنی شرٹ اوپر کر کے جینز میں اڑسی پسٹل نکالی اور اسے لوڈ کرتے ہوئے انیشہ کے پاس آیا۔

"جاؤں گا، ضرور جاؤں گا لیکن اسے ساتھ لے کر جاؤں گا، سالی صاحبہ چلیں گی نا میرے ساتھ؟ کیوں، حیران کیوں ہو رہی ہو۔ بھول گئی ہو، تمہاری بہن نے نکاح کیا تھا مجھ سے اور تم وہاں ہمارے ساتھ موجود تھی۔ کیا نہیں یاد؟"

برہان نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ حالات تھوڑے مشکل ہو گئے تھے تبھی وہ محتاط سا وہاں کھڑا تھا۔ زرینہ دروازے کا سہارا لے رہی تھیں جبکہ غفور صاحب کا چہرہ ایسے ست گیا تھا۔ مانوان کے وجود سے روح کھینچ دی گئی ہو۔

"جس انسان کو حقیقت جاننے کے بعد آپ چھ ماہ تک تلاش کرتے رہے تھے نا، وہ میں تھا۔ ایلاف کا شوہر اور آپ کا داماد جسے آپ کے تابعدار بیٹے نے مرا ہوا سمجھ کر کوڑے دان میں ڈال دیا تھا۔ کتنا سفاک ہے نا آپ کا فرمانبردار بیٹا۔" اس نے چند قدم بڑھائے۔ برہان میسج کر کے ان کرائے کے غنڈوں کو بلا بیٹھا تھا جو بیجنگ سے اس کے ساتھ تھے۔ بھلا دگنی سے بڑھ کر سیلری کسے نہیں چاہیے ہوتی۔

"ایبک۔" انیشہ کے لبوں نے سرگوشی کی۔

"کہہ دو یہ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔" زرینہ کی آواز عقب سے ابھری تھی۔ ان کا بیٹا، ان کا ثمر، نہیں وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ بالکل بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ بہتان ہے ایک سفید بہتان۔

"تسلیم کر لیں اسے کیونکہ مزید جھٹکے آپ کو ہلا دیں گے۔ آدھا سچ بتایا ہے میں نے آدھا

خودسامنے آجائے گا۔ جب یہ میرے ساتھ جائے گی اور میں اسے لے کر جاؤں گا۔" پورے کمرے میں سفاک چہروں والے غنڈے آن کھڑے ہوئے تھے۔ دو نے غفور صاحب کے سر پر بندوقیں تانی ہوئی تھیں تو ایک نے نڈھال زرینہ کے سر پر، باہران کے گارڈز کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا یقیناً۔

"آپ کی حالت قابل رحم ہے۔ مزید ہوگی تب تک کیلئے گڈ لک۔" غفور صاحب پر ایک استہزائیہ نظر ڈال کر وہ بت بنی انیشہ کو اپنے ساتھ وہاں سے لے گیا تھا۔ ان کے جانے کے کافی دیر تک زرینہ اور غفور صاحب یونہی کھڑے رہے تھے۔ ایک قیامت تھی جو اس مینشن پر آ گری تھی مگر وہ اس کے اثرات کو زائل کرنے سے قاصر تھے کیونکہ وہ خود ہی اس کے اثرات تھے۔ خود کو بھلا کون ختم کرتا ہے۔

☆......☆......☆

شراحیل نے آخری فائل پر سرسری نظر دوڑائی، سب ٹھیک تھا تبھی اس نے فائل کو بند کرکے پرے کھسکا دیا۔ کرسی کی بیک پر وزن ڈالنے کے بعد وہ آنکھیں بند کر رہا تھا۔ باہر خاصی خنکی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے آفس کا ماحول پرسکون تھا۔ سینٹرل ہیٹنگ کے باعث وہاں گرمی کا نام ونشان بھی نہیں تھا لیکن پھر بھی اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا کیوں؟ یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"ناصر، میرے لیے ایک کپ کافی لے کر آؤ۔" انٹرکام بند کرنے کے بعد وہ اپنے ماتھے کو مسل رہا تھا۔ گزشتہ کچھ دن خاصے دقت آمیز رہے تھے اس کیلئے، جس کیس میں وہ ہاتھ پھنسا بیٹھا تھا وہ بہت مشکل لگ رہا تھا۔ ایک رئیس کا کیس تھا جس کے بیٹے نے قتل کر دیا تھا اور جس کا کیا تھا، وہ بھی کوئی عام انسان نہیں تھا ایک جانا مانا مشہور بزنس مین تھا۔ وہ چاہے جتنا بڑا بھی

بزنس مین ہوتا شراحیل کے آگے نہیں ٹک سکتا تھا۔ اس نے جیسے تیسے کر کے لے دے کر اس معاملے کو رفع دفع کر دیا تھا لیکن ہاں اس سب میں اس کے اعصاب کافی کھنچ گئے تھے۔ مام کی کال آئی تھی۔ وہ اسے کچھ عرصے کیلئے ٹورینٹو بلا رہی تھیں۔ وہ جانا چاہتا تھا تبھی اس نے اپنی فلائیٹ کنفرم کروالی تھی۔

''سر! آپ سے ملنے کوئی خاتون آئی ہیں۔'' وہ کافی کے ذریعے اپنے کسے اعصاب کو ڈھیلا کر رہا تھا جب اس کا منشی اندر آ کر اسے اطلاع دے گیا۔ گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے کرسی کی بیک کو چھوڑا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''انہیں اندر بھیج دیں۔''

کچھ دیر بعد ایک ادھیڑ عمر عورت اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ شراحیل نے اسے نہیں پہچانا تھا شاید وہ کوئی کلائنٹ ہو۔ وہ انہیں اپنی تھکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر وہ عورت کچھ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ وہ مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہوا۔

''جی کہیے؟''

''وکیل صاحب! مجھے اپنے شوہر سے خلع چاہیے۔''

شراحیل نے بھنویں اچکائی تھیں۔ دکھنے میں وہ عورت مڈل کلاس لگ رہی تھی۔ اس کے بولنے کا انداز، اس کے کپڑے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ایک عام سی گھریلو عورت ہے جو کہ لگ بھگ اڑتیس برسوں کی ہے۔ آنکھوں اور ہونٹوں کے کناروں پر جھریاں، کہیں کہیں بالوں میں چھلکتی چاندی اور فربہی مائل وجود اس کے حالات کا پتا دے رہا تھا۔ خلع کی وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ عموماً تو اس طرح کے کیسز میں وہ میٹنگ کیلئے وقت دیا کرتا تھا لیکن سامنے بیٹھی

عورت کے چہرے کا دکھ اور آنکھوں کی ویرانگی نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ بھول گیا تھا کہ کچھ گھنٹوں بعد اس کی فلائٹ ہے اور اس سے پہلے اسے غفور مینشن جانا ہے۔

''ظاہر ہے یہاں آپ کسی وجہ سے آئی ہیں لیکن وہ وجہ خلع ہوگی سمجھا نہیں، یعنی آپ مجھے کوئی ٹھوس وجہ بتائیں جس کی بنا پر آپ یہ فیصلہ کر چکی ہیں۔ آپ کے بچے تو ہونگے یقیناً۔''

کافی مگ میں تھوڑی سی کافی بچ گئی تھی۔ اس نے سیاہ سادہ کوسٹر کے اوپر اسے رکھا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا کر اس عورت کو سننے لگا جو کہہ رہی تھی۔

''میرے شوہر کو میں پسند نہیں ہوں۔ انہیں چالیس کی عمر میں بھی اپنے ساتھ ایک لڑکی چاہیے۔ میں ویسی نہیں رہی اس لیے اب روز لڑائیاں ہوتی ہیں۔ وہ مجھے مارتے نہیں ہیں لیکن اس سے زیادہ زخم دیتے ہیں۔ لفظ اتنے سخت ہوتے ہیں کہ مجھے لگتا ہے میں مر جاؤں گی۔''

وہ رونے لگی تھی۔ یہ ایک فیملی کیس تھا اور وہ زیادہ تر کرمنل کیسز میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس طرح کے کیسز کم ہی ڈیل کرتا تھا لیکن کہانا اس عورت سے نا جانے کیوں اسے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی جس کی بنا پر وہ اسے سن رہا تھا اور اب پانی کا گلاس پیش کر رہا تھا۔ وہ گلاس اس کے ہاتھ سے تھام کر گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے نیچے اتارنے لگی، مانو اسے بڑی دقت ہو پینے میں اور اسے تھی بھی۔

''ان کا کئی عورتوں کے ساتھ تعلق ہے۔ لاتعداد بار وہ پتا نہیں کس کس کو گھر لا چکے ہیں۔ کل رات بھی۔'' اس نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔ حلق میں اٹکتا درد کا گولہ اسے بولنے سے روک گیا تھا۔ شراحیل کو اس کیلئے برا لگا۔

''آپ کے بچے ہیں؟'' اس نے پھر سوال کیا تھا۔ عورت نے نم آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں اور اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے اس سے محروم رکھا، ایسے لوگوں کو اولاد راس نہیں آتی۔“ اس کے لہجے میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا۔ شراجیل نے ٹشو پیپر باکس اس کے آگے کیا۔

”آپ کو بھی اسی دکھ نے کھایا ہے ورنہ جس ملک میں، میں رہتا تھا وہاں آپ کی عمر کی کنواری لڑکیاں ہوتی ہیں۔ چست اور چنچل۔ میری مانیں یہ گناہ نہ کریں۔ طلاق ایک ناپسندیدہ فعل ہے اور طلاق یافتہ عورتوں کی یہاں کیا حیثیت ہے یہ بات آپ مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں۔ پلیز آپ کوشش تو کریں نبھانے کی۔“ وہ حتی المقدور اسے سمجھانے کی سعی میں تھا ورنہ وہ بہت کم ہی کسی کو سمجھتا تھا۔ اس کی بلا سے کوئی طلاق لے یا بھاگ کر شادی کرے، ہر کسی کی اپنی مرضی، ہر کسی کی اپنی زندگی۔

”تو کیا میں نے نہیں کی ہوگی؟ گزشتہ بیس سالوں سے نباہ کی کوشش کر رہی ہوں۔ اب تھک چکی ہوں۔“ اس عورت کے نقوش اچھے تھے بس حالات اور اولاد کے دکھ نے اسے جلد بوڑھا کر دیا تھا۔ اگر وہ تھوڑی سی پالش ہو جائے تو یقیناً اس کا شوہر بدفطرتی نہیں کرے گا۔

”کیا آپ کے شوہر شروع سے ایسے تھے؟“

عورت نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

”وہ تلخ تھے لیکن یہ کام گزشتہ چار سالوں سے کر رہے ہیں۔“

شراجیل کے لبوں نے پہلی بار مسکان کو چھوا بس اس نے طے کر لیا تھا وہ ان دونوں کی طلاق نہیں ہونے دے گا۔

”ٹھیک ہے پھر میں اپنی سیکرٹری کو کہہ دیتا ہوں وہ آپ کو گروم کر دیں گی۔ آپ کو تین ماہ تک ہمارے ساتھ تعاون کرنا ہوگا اس کے بعد بھی آپ طلاق لینا چاہیں گی یا آپ کا شوہر اپنی حرکتوں پر قائم رہا تو میں آپ کا کیس درج کر لوں گا۔“ وہ کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہوا اور اس کی

بیک پر رکھا کوٹ اٹھا کر پہننے لگا۔

"میری فیس کیا ہوگی وکیل صاحب؟" اس کے فوراً ماننے سے شراحیل کو اندازہ ہوا وہ خود بھی دل سے خلع نہیں چاہتی تھی۔ شراحیل نے کالر جھٹکتے ہوئے اسے دیکھا پھر ہلکا سا مسکرایا۔

"دعا۔" یک لفظی جواب دے کر وہ اسے کراس کرتا نکلا تھا۔ عورت نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں مزید پانیوں سے بھر گئیں۔ اپنے مخصوص لباس میں ہاتھ میں بریف کیس تھامے وہ جلدی جلدی کچہری کی سیڑھیاں اترتا ہوا دائیں جانب مڑا، پارکنگ لاٹ میں آ کر اس نے دور سے ہی گاڑی کو ان لاک کیا تھا۔ ابھی وہ سیٹ بیلٹ باندھ ہی رہا تھا کہ ایلاف کی کال اس کے سیل فون پر آنے لگی۔ وہ مسکرا دیا۔

"کہو کیسے یاد کیا مجھے آج؟" کار ریورس کرنے کے بعد وہ اسے مین روڈ پر لے آیا تھا۔ دھوپ آج تیز تھی مگر بھلی تھی۔

"لاہور جا رہی ہوں میں، دو دن بعد آؤں گی، سوچا تمہیں بھی بتا دوں کبھی پریشان ہوتے پھرو۔" شراحیل کے معدے میں خوشی کی تتلیاں یہاں وہاں منڈلا اٹھیں۔ یہ احساس جو تھا انوکھا تھا۔

"یعنی تمہیں یقین ہو گیا، میں تمہارے لیے پریشان ہوتا ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ آواز میں بھی گھلتی تھی۔ ایلاف سمجھ گئی تبھی سر جھٹک کر بولی۔

"مجھے تو تب سے یقین ہے جب سے تم نے انگوٹھی پہنائی تھی۔" وہ خوش ہے چلو اور کر دیتے ہیں یوں بھی اس کا فیوچر ہزبنڈ تو وہی ہے کچھ نہیں ہوتا اگر وہ اس طرح کی چھوٹی موٹی بات کر دے تو۔

"بس کر دو مادام، ہارٹ اٹیک دلوانا ہے کیا۔"

یوٹرن آیا تھا۔ وہ گاڑی کو موڑ کر ون وے پر لے آیا۔ اس کا رخ چاچو کے گھر کی جانب ہی تھا۔

''ویسے آج یہ عنایتیں کس لیے ہو رہی ہیں مجھ پر؟'' (کہیں اس عورت کے دل سے نکلی دعاؤں کا اثر تو نہیں؟ اگر ایسا ہوا تو واللہ میں نے چیرٹی چیمبر کھول لینا ہے۔)

''کیوں کیا پہلے کبھی میں نے ایسے بات نہیں کی؟'' اس نے انڈیکیٹر لگا کر اشارہ دیا۔ وہ مڑنے والا تھا کہ یہاں سے بس دو سٹریٹ بعد ہی وہ گھر تھا جہاں اسے جانا سب سے زیادہ پسند تھا۔

''یاد دلا دو تو یاد آ جائے گا مجھے بھی، ویسے کیا ثمر کا فیصلہ ابھی بھی وہی ہے؟''

''کوئی نہیں ڈیڈی نے انہیں منع کر دیا ہے۔'' وہ سر جھٹک رہا تھا۔ اسے اچانک رک جانا پڑا۔ وجہ وہ بات تھی جو اچانک ہی اسے یاد آ گئی تھی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو شانے تھکن سے ڈھیلے کر دیے۔ اس کی آج بہت اہم کیس کی میٹنگ تھی، چار بجے کا اس نے وقت دیا تھا اور ابھی سوا تین ہو چکے تھے۔ اتنی دور آ کر اسے واپس مڑنا اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن کیا کر سکتے تھے میٹنگ بھی ضروری تھی اور وقت پر پہنچنا تو اس سے بھی لازم۔

''بہت بری ہو تم، مجال ہے جو کبھی میرے دل کی بات جان جاؤ۔ انکار کیا تھا اس لیے تاکہ تمہارے منہ سے اقرار سنوں مگر غلطی میری ہے میں بھول گیا تھا کہ محترمہ تو خود دل سے چاہتی ہیں میں انکار کر دوں۔'' وہ سر جھٹک کر کہہ رہا تھا۔ نگاہیں سڑک پر تھیں جبکہ دل ایلاف پر۔

''تمہارے شکوے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اچھا سنو تمہارے لیے کیا لاؤں؟'' وہ شاید عجلت میں تھی۔ اسی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''میرے لیے۔'' اس نے وقفہ لیا۔ ''وسعت لے آؤ اپنے دل میں اور کچھ نہیں چاہیے۔''

وہ اس کی بات پر ہنس دی تھی۔

''ٹورنٹو جا رہا ہوں آج قریباً ساڑھے دس کی فلائٹ ہے میری۔'' اس نے اطلاع دی تھی۔ ایلاف کی عجلت اسے پسند نہیں آئی بھلا وہ کیوں اتنی جلدی کال منقطع کرے۔ ایلاف کو اس کیلئے وقت نکالنا پڑے گا کیونکہ وہ اس کا منگیتر ہے۔

''اچھا اتنی اچانک، سب خیریت ہے۔'' شراحیل کی اگلی بات پر ایلاف نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''حالانکہ میں سوچ رہا تھا تم کہو گی مجھ سے ملے بنا جاؤ گے۔ تم کبھی وہ نہیں کہتی جو میں سوچتا ہوں۔'' مطلوبہ جگہ بس آنے ہی والی تھی۔ اس نے تھوڑا سا سر جھکا کر ونڈ سکرین سے باہر جھانکا۔

''میں نے اگلی بات یہی کہنی تھی۔ تم مجھ سے ایک قدم آگے نہیں چلو گے تو کبھی مایوس نہیں ہو گے۔ کہو تو لاہور نہیں جاتی واپس آجاتی ہوں ورنہ تم نے طعنے دے دے کر میرا جینا حرام کر دینا ہے۔'' شراحیل ناک سے آواز نکال کر مسکرایا کیونکہ ایلاف اپنی بات ختم کرنے کے بعد خود بھی کھلکھلا اٹھی تھی۔

''بہت بری ہو تم، کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔'' ایلاف کی اگلی بات پر شراحیل کا دل پھولوں سے بھر گیا۔ تشکر سے پلکیں جھکیں اور لبوں پر مسکان آن دوڑی۔ ایلاف کی بات یہ تھی۔

''اب جو بھی ہوں آپ کی ہی ہوں۔''

اس کا دل سرشار ہوا تھا۔ دعا اگر فیس ہو تو خوشیاں اور نیک بختیاں ہر لمحہ قسمت کے دروازے پر دستک دیتی ہیں۔ شراحیل نے ایک چھوٹی سی نیکی کرنے کا سوچا تھا۔ اس کا اجر اسے بہت بڑا مل رہا تھا۔ ان کے آٹھ سال پرانے رشتے میں آج پہلی بار محبت پھوٹی تھی۔ آج

پہلی بار ایلاف کی طرف سے اسے خوشی ملی تھی۔

''میری خوش بختی ہے۔'' خوشی سے مغلوب لہجے میں کہا۔

ایلاف کے ساتھ اچھی گفتگو کرنے اور کامیاب میٹنگ کے بعد وہ قریباً نو بجے فارغ ہوا تھا۔ اب بس ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد اس کی فلائٹ تھی۔ اس سے پہلے اسے چاچو سے ضرور ملنا تھا تبھی وہ فریش ہونے کے بعد کپڑے بدل کر ان کے گھر کی اور دوبارہ روانہ ہوگیا۔ جانتا تھا اب تک ایلاف لاہور پہنچ بھی گئی ہوگی کوئی نہیں یہ ایک طرح سے اس کیلئے اچھا بھی ہے۔ ماحول بدلے گا تو اس کا موڈ بھی بدل جائے گا۔ وہ ان کے گھر کے قریب پہنچا۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اس کے ماتھے پر بل آن سمائے۔

''چوکیدار کہاں ہے؟''

اس نے گاڑی گیٹ کے اندر ڈالی، پورچ میں کار کو لے جانے سے پہلے ہی وہ زخمی چوکیدار کو دیکھ چکا تھا۔ گارڈز کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ عجلت میں کار سے باہر آیا اور زخمی گارڈ کی سمت لپکا۔

''ہے، کیا ہوا تمہیں کون آیا تھا یہاں؟'' وہ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھ رہا تھا جو نیم بیہوش سا تھا۔ انہیں زیادہ چوٹ نہیں پہنچائی گئی تھی۔ ہاں صاف دکھتا تھا کہ وہ کسی ایسے انجکشن کا شکار ہوئے ہیں جس نے ان کی قوت کو سلب کر لیا تھا۔ وہ ادھ موئے سے وہاں پڑے تھے۔ شراحیل انہیں چھوڑ کر اندر کی طرف دوڑا۔ لاؤنج عبور کرنے کے بعد وہ آوازیں لگاتا ہوا آگے بھاگ ہی رہا تھا کہ ڈرائنگ روم کے باہر ایستادہ زرینہ کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ بے قراری سے ان کی طرف مڑا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وہ ان کے نچڑے چہرے پر نگاہ ڈالے پوچھ رہا تھا۔ اس کا روم روم

سراپا سوال تھا۔ غفور صاحب تو گویا ایسے بیٹھے تھے جیسے مومی مجسمہ ہوں اور کیا وہ تھے؟ شاید ہاں، جو ٹھوکر دل کو لگی تھی اس نے انہیں بت بنا دیا تھا۔ اب تو یہ بت شکن کا کام تھا کہ وہ اسے توڑے اور اس میں سے وہی پرانے والے غفور کو نکال دے لیکن کیا بت شکن کر پائے گا یہ؟ ثمر اس قابل رہا ہے اب؟ یقیناً نہیں!

''کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک ہے۔ خدارا کچھ بولیں، میں پریشان ہو رہا ہوں۔'' زرینہ نے ہچکی بھرتے ہوئے آنسوؤں کو گالوں پر سے صاف کیا اور آئی بال اس کی طرف گھمائیں جو کبھی ان پر تو کبھی غفور صاحب پر نظر ڈال رہا تھا۔

''انسان کو اس کے اعمالوں کا حساب دینا پڑتا ہے۔'' زرینہ سے پہلے غفور کی آواز ڈرائنگ روم کی خاموشی میں ابھری تھی۔ شراحیل بھنوؤں کو آپس میں ملا کر انہیں سن رہا تھا جو مزید کہہ رہے تھے۔

''کچھ کو آخرت میں تو کچھ کو دنیا میں۔''

خاموشی دبیز خاموشی، دلخراش، چیختی چنگھاڑتی، روتی کرلاتی خاموشی۔

''بہت سالوں پہلے جب میں نے کئی ناانصافیاں کیں، کئی غلط فیصلے کیے، بے تحاشہ لوگوں کی زندگیاں اپنے انصاف کے ہتھوڑے تلے کچل دیں۔ ان کی آہوں کو جوتوں تلے روند دیا ہاں تب ہی کی بات ہے۔ میرا بیٹا مرا تھا۔ میرا ارحم قتل ہوا تھا۔''

شراحیل ناسمجھی سے اپنے اتنے سوفٹ سپوکن اور کنٹرولڈ انکل کو یوں ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا جیسے وہ بھربھری مٹی ہوں اور وہ تھے بھی تو صحیح، وہ کیا ہر انسان بھربھری مٹی سے ہی تو بنا ہے۔ کچے ریت کے ٹیلے کی مانند جو ہلکی سی ضرب سے، ہلکے سے جھٹکے سے سیکنڈ میں زمین بوس ہوتا ہے اور پھر اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس سے بقا ہوئی اسی میں فنا بھی۔

”میری بیٹی پاگل ہوئی تھی۔ دنیا کہتی تھی یہ اب کبھی نارمل نہیں ہوگی کیوں؟ کیونکہ میرے گناہوں کے بوجھ تلے اس کا دماغ دب کر رہ گیا تھا۔“ وہ رو دیے تھے۔ وہ اونچے پورے مرد اولاد کے غم میں رو دیے تھے۔ وہ اولاد جو ان کے وجود کا حصہ تھی جوان میں سے تھی اور ان میں ہی رہ گئی۔

”میں نے توبہ کی، وہ ٹھیک ہوگئی لیکن آہیں اتنی جلدی نہیں ختم ہوا کرتیں، ان کا اثر تاحیات رہتا ہے۔ میرا ایک بیٹا قتل ہوا، شراحیل اور بیٹی کو پاگل کر دیا گیا۔ جانتے ہو اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟“

وہ ٹرانس کی کیفیت میں نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ بلیو بیلز زمین پر گرے تھے۔ ان کی خوشبو لاؤنج میں جلتی موم بتی کی خوشبو سے زیادہ تھی لیکن اب وہ مر رہے تھے رفتہ رفتہ لیکن مسلسل۔

”ثمر کا۔“

اور شراحیل کو لگا جیسے پورا آسمان اس کے سر پر آن گرا ہوا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اس انکشاف کو سن رہا تھا۔ اس کی سانس شاید رک چکی تھی۔ راحم اس کا بھائی، اس کا دوست اس کی آنکھوں کے سامنے آن سمایا۔

”وہ بات جو ہم نے ایک عرصہ بھلائی رکھی وہی بات آج کوئی ہمارے سامنے دوہرا گیا۔ وہ ہمارے زخم کو ادھیڑ گیا۔“ آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ وہ روتے ہوئے ہلتے وجود کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ زرینہ کی زبان ابھی بھی تالو سے چپکی تھی۔ دس سال پہلے کا صدمہ آج پھر انہیں پہنچا تھا۔ ان کی آنکھوں میں گزشتہ دس سال پہلے کے مناظر تھے۔ وہ دس سال جنہیں ان کے پیارے راحم نے چھوٹے چھوٹے کلپس کی صورت قید کیا ہوا تھا۔ وہ لمحات جن میں وہ جیتا تھا۔ ہنستا تھا مسکراتا تھا۔ ان کا پیارا راحم، دلخراش دس سال!

وقت نے کروٹ بدلی اور ماضی کی چادر خود پر تان لی۔ وہ ماضی جو حسین بھی تھا اور ظالم بھی۔ کمال بھی تھا اور وبال جان بھی۔

وہ ماضی جو راحم اور ادا کا تھا۔

وہ ماضی جو ایبک اور ایلاف کا تھا۔

وہ ماضی جس کا ولن ثمر تھا۔

آؤ آپ سب کو لے کر چلوں وہاں جہاں سے یہ سب شروع ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سن 2012ء۔۔۔یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ، نیویارک۔۔۔سٹے ویسنٹ ہائی سکول!

"راحم، راحم۔۔۔راحم۔"

نیویارک سٹی کے بادل آج بھی سنہری مائل تھے بالکل اس طرح کے جس طرح کے یہاں کی لڑکیوں کے بال ہوا کرتے ہیں۔ ہلکے سنہری مگر سلکی اور چمکدار ہاں نرم بھی، نا جانے وہ کون سا ایسا کنڈیشنر یا شیمپو استعمال کرتی ہیں جو ان کے بال اتنے ملائم ہوتے ہیں۔ مانو وہ بال نہ ہوں ریشم ہوں بہت نرم مگر محسور کن، خوشبودار اور خوبصورت، اوہ کہاں چلی گئی میں، واپس آتے ہیں۔

یہ نیویارک سٹی کی تین سو پینتالیس چیمبرز سٹریٹ تھی جہاں سٹیویسنٹ ہائی سکول کی بلند و بالا عمارت سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس وسیع و عریض عمارت کی بیک سائیڈ پر موجود گراؤنڈ کا منظر تھا جہاں اس وقت فٹ بال میچ اپنے زور و شور سے جاری و ساری تھا۔ ریڈ شرٹ راحم کی ٹیم کی تھی، سرخ رنگ کی شرٹ اور اس پر نیلے رنگ کی آؤٹ لائنز موجود تھیں۔ شرٹ کے سامنے کھلاڑی کے نمبر درج تھے جبکہ اس کے پیچھے کھلاڑی کا نام لکھا تھا۔ چائنہ ایمبیسی کے تھرو منعقد

کیا گیا یہ ان کا پہلا میچ تھا اور راحم پہلی بار ہی اتنے بڑے میچ کو کھیل رہا تھا۔ اس کی سپورٹرز اس کی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا اور ہاں شراحیل بھی جو ایک ساتھ ایک ہی رو میں بیٹھے حلق پھاڑے اسے بوسٹ اپ کر رہے تھے۔ دراز قد اچھے نقوش والے راحم نے دوڑتے ہوئے مڑ کر اپنی فیملی کو دیکھا اور دعا کے طرز میں ہاتھ اٹھا کر بلند کیے۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ چیخنے کی بجائے اس کیلئے دعا کریں کیونکہ میچ پھنس گیا تھا۔ ایک گول ہار اور جیت کا فیصلہ کر سکتا تھا صرف ایک گول۔

ریڈ شرٹ اور یلو شرٹ دائرہ بنائے کھسر پھسر کر رہے تھے یعنی اس میچ کو جیتنے کی سٹریٹجی بنا رہے تھے۔ راحم کپتان تھا اور سب کو ہدایت دے رہا تھا۔ آخری ہدایت اس نے کیپر کو دی تھی جو اُن سب میں کم عمر، لاغر اور سہما ہوا تھا۔ وہ لو کانفیڈینس کا مالک لڑکا ان امیر زادوں میں گھرا کچھ زیادہ ہی احساس کمتری کا شکار ہو رہا تھا۔ ان سب کی یونیفارم صاف اور چمکدار تھی اور ہاں نئی بھی لیکن فقط ایک اس کی ہی نہیں تھی۔ سکول کی طرف سے ایک ہی وردی ملی تھی جو وہ اب تک چلا رہا تھا۔ اس میچ کیلئے اسے خاص الخاص نئی یونیفارم دی گئی تھی مگر اس نے وہ نہیں پہنی تھی، چپکے سے جا کر اسے اچھے داموں بیچ آیا تھا کہ وقت اور حالات کے اس دھارے پر کھڑا تھا کہ پیسہ ہی اب اس کی اولین ترجیح رہ گیا تھا۔ پیسے کے جنون کی خاطر ہی تو وہ یہاں کھڑا تھا ورنہ شاید اب تک بیری کی شاپ پر برتن دھو رہا ہوتا۔

''سنو ایک۔'' نرم دل، شگفتہ گو راحم اسے کہنی سے پکڑ کر سائیڈ پر لے گیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے سمجھانے کی غرض سے اسے کہہ رہا تھا۔

''یہاں ہم ایک ٹیم ہیں، کوئی چھوٹا، بڑا، امیر غریب نہیں ہے۔ ہم ایک جھنڈ کی طرح ہیں جس کا کوئی شکار نہیں کر سکتا اس لیے پلیز اور چیزوں پر فوکس کرنے کی بجائے میچ پر کرو، یہ گول

اب اللہ کے بعد تم پر منحصر ہے۔ چاہو تو جتوادو چاہو تو ہروادو۔“

میچ وہ کب کا جیت جاتے لیکن سامنے کھڑے لڑکے کی احساس کمتری اور گھبراہٹ کے سبب وہ کئی گول ہار چکے تھے۔ راحم نوٹ کر رہا تھا کہ سامنے کھڑا لڑکا ہر کھلاڑی سے مرعوب ہو رہا ہے اور اس کے دل میں بہت سے خیالات پنپ رہے ہیں۔ وہ کون سے تھے یہ وہ نہیں جانتا تھا بس اتنا معلوم تھا ان سب وجوہات کی بنا پر وہ میچ پر فوکس نہیں کر پا رہا۔

”میں پوری کوشش کروں گا کپتان، میں کر رہا ہوں۔“ راحم نے اس کے شانے کو تھپکی دی۔ سب دوڑتے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے پورے گراؤنڈ میں نظر ڈالی تھی اور اس کراؤڈ پر بھی جس میں سے ایک بھی فرد اس کیلئے وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ تنہا تھا۔ بالکل تنہا۔۔ ایک اور خیال، ایک اور مایوسی، ایک اور احساس کمتری۔

سیٹی بجی، ریفری نے اشارہ دیا، مخالف ٹیم کا لڑکا بال کو پوائنٹ پر رکھ کر دس قدم اس سے دور گیا۔

”ڈاکٹر نے جو انجکشن بتایا ہے وہ بیس ڈالر کا ہے۔ میں وہی بیس ڈالر کمانے جا رہی ہوں تا کہ ماما کو انجکشن لگ سکے، سوری تمہیں سپورٹ کرنے نہیں آسکوں گی لیکن میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔ تم ضرور کامیاب لوٹو گے۔“

اس نے فل فوکس گیند پر رکھا۔ مخالف پارٹی کا لڑکا دوڑنے لگا تھا۔ ایبک کی آنکھوں میں اچانک دھند آئی، اس نے سر جھٹکا تھا مگر دھند ابھی تک قائم تھی۔

”تمہیں ضرورت نہیں ہے جانے کی، میں آج کے پیسے جو جیت کر آؤں گا وہ ماما کے علاج کیلئے ہی ہوں گے۔ تم میرا انتظار کرنا میں جلد لوٹوں گا۔“

ادا نے متاسف نظروں سے بھائی کی پشت کو دیکھا۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا جو پیسے وہ لوگ

جیتیں گے، وہ فیکلٹی کے ممبر رکھیں گے یا پھر ڈونیٹ ہوں گے۔ اسے اپنے بھائی پر دکھ ہوا۔ وہ ان امیرزادوں میں چنا گیا تھا جنہوں نے میچ کے پیسوں کو ڈونیٹ کرنے کا پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کیونکہ ان سب کو ان پیسوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہوتی بھی کیوں، جتنے پیسے وہ جیتتے اتنے تو وہ ایک دن میں اڑا جاتے تھے۔ بے پرواہ اور فضول خرچ امیرزادے۔ ہنہہ۔

دھند کے ساتھ اب اس کے سر میں درد بھی اٹھنے لگا تھا۔ سب سانس روکے بیٹھے تھے مگر جس نے گول ہونے سے روکنا تھا اس کا سانس خود ہی اکھڑنے لگ گیا۔ سر میں ٹیس اٹھ رہی تھی اور نظر مزید دھندلا گئی۔ مخالف ٹیم کا لڑکا گیند کے پاس آ کر رکا اور ایک زوردار کک اسے ماری، گیند ایک کے سر سے اونچی تھی اس نے چھلانگ لگا کر اسے روکنے کی سعی کی مگر نہیں روک سکا۔ سر کی تکلیف، نظر کا گرنا اس کے اعصاب اکڑ اگیا تھا تبھی اچھلنے کے باجود وہ گیند کو نہ روک سکا اور یوں ریڈ ٹیم ہار گئی۔ آدھے گراؤنڈ میں ہار کا سناٹا تھا تو آدھے میں جیت کا شور، ایک یونہی اوندھے منہ لیٹا تھا جب اس کے ٹیم کا ایک ممبر آیا اور اسے کالر سے اٹھا کر گراؤنڈ سے باہر اس کمرے میں لے گیا جو ان لوگوں کیلئے مختص تھا۔ کمرے میں آتے ہی اس لڑکے نے ایک کی ناک پر گھونسا مارا تھا تبھی وہاں سے خون جاری ہونے لگا۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو ڈینس، چھوڑو اسے۔“ راحم اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا۔ جانتا تھا غصے کا تیز بلینیر کی اکلوتی اولاد اس کے ساتھ یہی کچھ کر رہی ہوگی۔

”اس کی وجہ سے ہم ہارے ہیں۔ یہ آج سے ہماری ٹیم سے آؤٹ ہے۔“ اعلان کرتا وہ وہاں سے گیا تھا۔ دونوں جانتے تھے اب ایسا ہی ہوگا، پیسہ بولتا ہے بھئی۔

”میں نے بہت کوشش کی تھی مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا۔“ وہ لڑکا جو کم و بیش سترہ سال کا ہوگا، سرخ آنکھوں کے ساتھ وضاحت دے رہا تھا۔ راحم نے ٹشو

پیپر اسے تھمایا جو وہ اپنے دائیں نتھنے پر رکھ چکا تھا۔ وہیں سے تو خون بہہ رہا تھا۔

''جانتا ہوں پریشان مت ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کا شانہ تھپتھپاتا وہاں سے چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے مڑ کر ایک نظر اس لڑکے پر ضرور ڈالی تھی جو اپنی ناک سے نکلتے سرخ مائع کو ٹشو سے رگڑ رہا تھا۔ اس کا سر جھکا تھا اور آنکھیں متورم تھیں۔ زندگی ہر ایک پر ایک جیسی مہربان نہیں ہوتی اس کا اندازہ اسے دیکھ کر باآسانی لگایا جاسکتا تھا۔ راحم وہاں سے باہر آیا۔ شکست کا اتنا دکھ نہیں تھا اسے جتنا ایلاف کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ہوا تھا۔ وہ اسے تسلی دے رہا تھا مگر وہ روئے چلی جارہی تھی کہ اس کا بھائی کیوں ہارا۔ ایک وہی تو تھا جسے وہ کبھی بھی ہارتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر آج وہ ہار گیا تھا۔ سب کے سامنے ہارا تھا یہی دکھ دونوں بہنوں کو کھائے چلا جارہا تھا۔ کیا وہ دونوں نہیں جانتی تھیں اس میچ کیلئے اس کے بھائی نے دن رات کتنی محنت کی ہے۔ کتنا انتظار کیا ہے۔ راتوں کی نیند چھوڑی تھی تاکہ وہ یہ میچ جیت جائے مگر صبح کے اجالوں نے اسے میچ ہرادیا۔

''انیشہ سے تو میں اس چیز کی توقع کرسکتا ہوں لیکن حیرت ہے تم جیسی آئرن لڑکی بھی اس طرح روسکتی ہے۔ یار شراحیل لگتا ہے بادلوں کا سارا پانی دونوں محترماؤں نے اپنی آنکھوں میں سمالیا ہے۔'' وہ ان دونوں کے رونے سے عاجز آگیا تھا۔ ان دونوں میں اس کی جان جو تھی۔

''بادلوں کا کیوں یہ کہیں ڈیڈسی (مردہ سمندر) کا پانی بھی ان کی آنکھوں میں آگیا ہے۔'' ثمر نے بھی لقمہ دینا بہتر جانا۔ وہ تینوں ایک ساتھ ہنس پڑے تھے جبکہ وہ دونوں اپنی ہتک پر وہاں سے پیر پٹختی چلی گئی تھیں۔

''تم مجھ سے دور رہا کرو، تمہاری ساری عادتیں مجھ میں آتی جارہی ہیں۔'' ایلاف نے انیشہ کو جھٹکا اور اس سے آگے نکل گئی۔ وہ سب ان دونوں کو دیکھ کر ہنس اٹھے تھے۔ دونوں اسی

طرح لڑتی تھیں ہر وقت، ہر بات پر۔

☆......☆......☆

شام کو وہ گھر لوٹا تھا تب جب زندگی جاگ اٹھی تھی۔ اس کے قدم سست تھے اور شانے ڈھلکے ہوئے۔ بروک لین کے اختتام پر ایک گمنام سی چھوٹی سے آبادی والی کمیونٹی کی ایک بلڈنگ میں موجود گھر کا سفید دروازہ بند کرتے ہوئے وہ اندر آیا۔ جیسے ہی اس نے چھوٹے سے لاؤنج میں قدم رکھا، اشتہا انگیز کھانے کی خوشبو نے اس کی بھوک کو بڑھا دیا تھا۔ وہ لاؤنج کے بالکل ساتھ موجود چھوٹے سے کچن میں داخل ہوا تو اس کی جڑواں بہن سر پر بو باندھے ڈھکن اٹھا کر مشروم کو توڑ کر دیکھ رہی تھی کہ آیا وہ گل چکے ہیں یا نہیں، آہٹ پر وہ مڑی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

''جانتے ہو جس باغ میں، میں جاپانی پھل توڑنے گئی تھی وہاں ایک درخت کے نیچے یہ مشروم اگے ہوئے تھے۔ باغ کے مالک سے اجازت لے کر میں انہیں توڑ لائی ہوں، سیا آنٹی نے بتائی تھی ان کی ریسپی تمہیں بہت پسند ہے نا مشروم کا سالن؟'' اس کی ناک قدرے سوجی ہوئی تھی اور شانے ڈھلکے ہوئے، چہرے سے کلو کلو مایوسی ٹپک رہی تھی۔ وہ جان گئی اس کا بھائی میچ ہار آیا ہے۔

''باغ کا مالک بہت اچھا انسان تھا۔ اس نے مجھے اجرت کے ساتھ مشروم بھی دیے اور ٹوکری بھر جاپانی پھل بھی، ہم لوگوں کے تین دن سکون سے گزریں گے اب۔'' وہ پین کا ڈھکن بند کرنے کے بعد کاؤنٹر کی سائیڈ پر رکھی ٹوکری میں سے ایک جاپانی پھل اٹھا کر اس کے پاس لائی۔ پھل سرخ اور رسیلا تھا۔ اس پر کہیں کہیں پانی کی بوندیں دمکتے ہوئے ہیروں کی مانند پڑی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ دیر پہلے ہی دھو کر رکھی ہوں۔

”لو کھاؤ، تم نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ یہ تمہیں طاقت دے گا۔ اس کے بعد کچھ ہی دیر میں مشروم پک جائیں گے وہ بھی کھا لینا۔“

ایبک کی آنکھوں میں پھر سے سرخی دوڑنے لگی۔ گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی اور وہ پھنسی ہوئی آواز کے ساتھ بولا۔

”میں ہار گیا۔“

اس کی بہن مسکائی۔ جاپانی پھل کو سائیڈ پر رکھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر سنک تک لائی۔ لیکوئیڈ اس کے گرد آلود ہاتھوں پر ڈالنے کے بعد وہ نل کھول چکی تھی۔

”جو وقت گزر جائے اس کا غم نہیں مناتے آج کو جیتے ہیں۔ آج ہی انسان کی اصل جیت ہے، زندگی کی جیت۔“

ایبک نے ہاتھوں کو پانی کے نیچے کیا۔ لیکوئیڈ سے جھاگ بن گیا تھا جو اس کے ہاتھوں سے ساری گرد کو ہٹا رہا تھا۔

”ایک اچھے انسان کا اللہ پر توکل اسی طرح تمام پریشانیوں اور مایوسیوں کو دھو ڈالتا ہے جس طرح ابھی تمہارے ہاتھ سے یہ گرد اتری ہے۔ اگر تم اپنے دل پر ایمان کی پختگی کا خول نہیں چڑھاؤ گے تو کبھی صاف نہیں ہو سکو گے۔ روح گرد آلود ہی رہے گی۔ جانتے ہو روح کی گرد کیا ہوتی ہے؟“ نل بند کر کے وہ سٹینڈ سے تولیہ اٹھا رہی تھی۔

”روح کی گرد دکھ ہیں، رنج و ملال، فسق و فجور، درد و مشکلات، مایوسی اور ناامیدی اور ناکامی بھی ہے۔“

اس کے دونوں ہاتھوں کو سکھانے کے بعد وہ تولیہ واپس سٹینڈ پر رکھ رہی تھی۔ دوبارہ مڑ کر اس نے پھل اٹھایا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھل کی ٹھنڈی تاثیر نے ایبک پر اچھا اثر ڈالا

تھا۔

''اور میں جانتی ہوں میرا بھائی اداس ضرور ہوتا ہے لیکن ان سب چیزوں کو اپنی روح پر اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ ہے نا؟''

وہ مسکرا دیا۔ اس کے ''ہے نا'' پر وہ یونہی مسکرا دیا کرتا تھا۔ اس نے ایک بائٹ لی۔ وہ اچھے سے پکا ہوا تھا اور خاصا رسیلا بھی تھا۔

''تمہاری باتیں مجھے ہیل کرتی ہیں ورنہ میں آج بہت دکھی تھا۔'' وہ فلیم کی طرف مڑی، آنچ ہلکی کی اور کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ناک پر کیا ہوا تھا؟''

اس کے سوال پر ایک کوشرمندگی ہوئی۔ وہ کچھ ہچکچایا۔

''ڈینس نے گھونسا مارا تھا کیونکہ میں گول نہیں روک پایا تھا۔''

ادا کے عقب میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس پر شیشہ لگا ہوا تھا۔ شیشے سے باہر کا نظارہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ستاروں سے سجا آسمان اور وقفے وقفے سے گزرتی ٹرین کی آواز۔

''ایسا کیوں ہوا تھا؟'' اسے واقعی بہت بھوک لگی تھی تبھی وہ جھٹ پٹ ہی پھل کو کھا گیا۔ آخری بائٹ لیتے ہوئے بھرے ہوئے منہ کے ساتھ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

''نظر دھندلا گئی تھی اور سر میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔''

مشروم کی خوشبو پورے اپارٹمنٹ میں پھیل چکی تھی۔ ٹاؤن سے تھوڑی دور مضافات میں واقع یہ لو درجے کی کالونی تھی جس کی بلڈنگ نمبر چار میں وہ دوسرے مالے پر رہتے تھے۔ وہاں سب ان جیسے ہی بستے تھے۔ سفید پوش مگر محنتی۔

''ڈاکٹر نے کہا تھا، کھانا کم از کم دو ٹائم کھایا کرو، کمزوری کی وجہ سے تمہارے ساتھ ایسا

ہو رہا ہے۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتے ہو۔" اس نے بامشکل آخری بائٹ کو نگلا اور بات کا رخ بدلتے ہوئے بولا۔

"ماما کیسی ہیں؟"

وہ اپنے بھائی کو دیکھتی رہی تھی۔ ہمیشہ وہ خود کے ساتھ ایسا کرتا تھا محنت و مشقت زیادہ اور خوراک کم، پتا نہیں وہ کب سدھرے گا۔

"اچھی ہیں انجکشن لگنے کے بعد تو اور بہتر ہو گئی ہیں۔ ان کی چپی نہیں ٹوٹ رہی بس، وہ ٹھیک ہو جائیں گی جلد۔"

"ان شاء اللہ۔" اس نے ہاتھوں کو پھر سے کھنگالا اور اس کی سائیڈ سے نکل گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ ٹوٹے پھوٹے بٹنوں والے موبائل کو تکیے کے نیچے سے نکال رہا تھا۔ اس کا چارجر نہیں تھا۔ ایک تاروں کی ہیرا پھیری کے ذریعے ہی اسے چارج کرتا تھا۔ ابھی بھی وہ یہی کر رہا تھا۔ موبائل کو چارجر پر لگانے کے بعد وہ واش روم گیا۔ کچھ دیر بعد بالوں کو تولیے سے پونچھتے ہوئے وہ بیڈ پر آ کر بیٹھا اور موبائل کو دیکھنے لگا جو اب تک صرف بیس پرسنٹ ہی چارج ہوا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا۔ اس نے رابر کا نمبر ڈائل کیا۔ یہ اس مکینک کا نمبر تھا جس کی دکان پر وہ پچھلے کچھ ماہ سے پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا اور کل ہی نکالا گیا تھا کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

"ہاں، ہیلو رابر سر، یہ میں ہوں ایبک۔" وہ مدھم مگر سہمی آواز میں ان سے مخاطب تھا۔ کل سے اب تک یہ اس کی دسویں کال تھی۔

"ہاں ہاں جانتا ہوں تمہارا نمبر اور اگر تم نے کہا تمہیں جاب پر رکھ لوں تو یاد رکھو میں پھر سے دوہراؤں گا مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ایک بیمار کی میری دکان میں کوئی جگہ نہیں

ہے سمجھے۔" دھاڑ کے بعد کھٹاک سے فون بند ہوا تھا۔اس نے آنکھیں بند کر کے، گہرا سانس بھر کر تاروں سے جڑے فون کو واپس سائیڈ میز پر رکھا۔

یہ دو دن پہلے کی ہی تو بات تھی جب وہ ایک رئیس کی کار اپنی خراب طبیعت کے باعث وقت پر نہیں بنا پایا تھا۔وہ رئیس کتنا چیخا تھا، چلایا تھا، اوپر سے باس کی بھی کتنی سبکی ہوئی تھی۔ اس کے بعد چانس تھا کہ وہ اسے رکھ لیتا؟ ناممکن!

اس کے علاوہ بھی اس سے میس پھیل گیا تھا۔وہ کیا تھا آگے جا کر پتا چل جائے گا۔

"کیا کروں اللہ، مدد فرما میری۔"

وہ اور اس کی بہن ایک مہنگے ہائی سکول میں سکالرشپ پر پڑھ رہے تھے۔ان کا مستقبل یقیناً بہت روشن تھا لیکن وہ حال کا کیا کریں جو انہیں جینے نہیں دے رہا تھا۔وہ دونوں کم عمر آخر کس طرح اور کب تک سب سنبھال پائیں گے۔اپارٹمنٹ کا رینٹ، بل، گروسری اور ان کی ماما کی میڈیسنز یہ سب مینج کرنا کتنا مشکل تھا اب سمجھ آ رہی تھی۔زندگی کتنی دشوار ہے اب پتا چل رہا تھا۔وہ بیڈ سے واپس نیچے اترا۔اپنے کمرے سے ملحق اس کی بہن اور ماں کے مشترکہ کمرے میں گیا جہاں ادا جائے نماز بچھائے عشاء پڑھنے میں مشغول تھی جبکہ اس کی ماما بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گم صم سی بیٹھی تھیں۔وہ ان کے پاس آیا، مسکرا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔کوئی کہہ سکتا تھا فقط ڈیڑھ سال قبل اس کی ماں ایک باہمت خاتون تھیں جنہوں نے زندگی کے ہر مشکل دور کو با آسانی سہا تھا مگر کہتے ہیں نا، کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو جانے کے باوجود اپنے نشانات چھوڑ دیتے ہیں۔اس کی ماں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔محبوب شوہر کی لاش نے ان کے لبوں پر قفل لگا دیا تھا۔قفل بھی اتنا گہرا تھا کہ ٹوٹ کے ہی نہ دے رہا تھا۔

"کیسی ہیں اب؟"

ہمہ وقت سکارف اوڑھے ان کی ماما کے بال اس وقت کھلے ہوئے تھے۔ اب انہیں اس چیز کا ہوش بھی کہاں رہتا تھا۔ وہ ان کے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے پوچھ رہا تھا جیسے وہ اس بات کا جواب دے دیں گی۔ ادا نے سلام پھیر کر مڑ کر اس پر نظر ڈالی جو ماں کے ساتھ ہر روز کی طرح لاڈ کر رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ حجاب میں وہ کوئی معصوم پھول تھی۔ پاکیزہ اور خوشبودار پھول۔

''جانتی ہیں آپ کا بیٹا آج بڑا میچ ہار گیا۔ جیت جاتا تو شاید نیشنل ٹیم میں ایک چانس مل جاتا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ ایسا نہیں ہونا تھا۔'' اس نے نظریں جھکاتے ہوئے توقف کیا، کچھ لمحوں بعد پھر سے بولا۔

''سب میری وجہ سے بہت دکھی تھے۔ میں بھی تھا۔ شاید یہی قسمت کو منظور ہو، معلوم ہوتا ہے فٹ بال کا یہ میرا آخری دور تھا۔ ڈینس بہت اثر ورسوخ والا ہے۔ اس نے کہا ہے وہ مجھے نکلوا دے گا ٹیم سے، وہ ایسا کر بھی دے گا۔ اس کیلئے آسان ہے۔''

دعا مانگتی ادا چاہنے کے باوجود اپنا دھیان اس پر سے نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ ماں کی گود میں سر رکھے، ان کے ہاتھوں کے دل پر مقام پر دھرے وہ اپنے دل کی بات ہی ان سے کر رہا تھا۔ یہ دور جوانی کا دور تھا لیکن اس دور میں اس کے کاندھوں پر ذمہ داریاں آن بیٹھی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی وہ اپنی عمر سے بڑا دکھتا تھا اور اس کی بہن جو اس سے دو منٹ چھوٹی تھی اپنی عمر سے کئی سال چھوٹی۔

''اگر تمہارے حق میں بہتر ہوگا تو تم اس کی ٹیم میں رہو گے۔'' جائے نماز کو فولڈ کر کے سٹینڈ پر رکھتے ہوئے وہ اس کی جانب مڑی۔ ''ورنہ وہ جتنی مرضی کوشش کر لے، نکال نہیں پائے گا۔''

ڈینس کو وہ بھی جانتی تھی، آخر ایک ہی کلاس میں تو تھے یہ سب، وہ سکارف کھول کر اس کے پاس آکر بیٹھی۔ اس کے ہلکے بھورے سلکی بال شانوں پر بکھر گئے تھے۔ دنیا میں ایک مرد تھا جو انہیں دیکھ چکا تھا۔ روز دیکھتا تھا اور وہ تھا اس کا بھائی، اس کا پیارا بھائی۔

''اب جلدی سے اٹھ کر بالوں میں کومب کر دو چلو اٹھو۔''

اور یہ تو ایک کا روز کا کام تھا۔ ادا کے بال کچھ زیادہ ہی دراز اور گھنے تھے تبھی وہ انہیں سمیٹ نہیں پاتی تھی۔ ایک روز اس نے انہیں کٹوانے کے بارے میں سوچا تو ایک نے درشتی سے اس کے فیصلے کو رد کر دیا۔

''بھلے شارٹ بال فیشن میں ہوں لیکن مجھے میری بہن کے بال ہرگز چھوٹے نہیں چاہئیں۔ تمہیں مسئلہ ہے انہیں سلجھانے میں تو میں ایسا کر دیا کروں گا مگر آج کے بعد تم یہ بات کبھی نہیں دوہراؤ گی۔''

اور وہ یہی تو چاہتی تھی۔ تب سے لے کر اب تک روز صبح اور روز شام میں ایک ہی اس کے بالوں میں کومب کرتا تھا۔ انہیں سمیٹتا تھا اور پھر ان کیلئے رنگ برنگی ہیئر ایکسیسریز (بالوں میں لگانے والے کیچرز، پنیں، بینڈز اور بیڈز) لاتا رہتا تھا جب وہ اکثر اس طرح کی چیزیں لاتا تھا تو ادا کہتی تھی۔

''خواہ مخواہ تم ان چیزوں پر پیسے خرچ کرتے ہو۔ پورا دن تو میں سکارف لیتی ہوں۔ چند گھنٹے ہی ہوتے ہیں گھر میں، جب میں اسے اتار دیتی ہوں، کوئی ضرورت نہیں ہے ان سب چیزوں کی۔''

وہ تحمل سے اس کی بات سنتا، ہنستا اور سہولت سے اسے رد بھی کر دیتا۔

''تمہیں نہ ہو مجھے تو ہے۔ مجھے اچھی لگتی ہیں تمہارے بالوں یہ چیزیں لگی ہوئیں۔ چند گھنٹے

ہی سہی لگتی تو ہیں نا۔" ابھی بھی وہ بیڈ پر گھٹنوں کے بل بیٹھا اس کے بال سلجھا رہا تھا۔ ان کی ماما خاموش بت کی مانند انہیں تکے جا رہی تھیں۔ ایبک نے اس کے بال سمیٹ کر سلور رنگ کی گلیٹر پنز کراس کر کے کانوں سے اوپر بالوں میں لگا دی۔ دوسری جانب بھی وہ یہی کر رہا تھا جبکہ ادا مسکراتے ہوئے اپنے بھائی کی کارروائی سے حظ اٹھا رہی تھی۔ باہر رات گہری ہو رہی تھی اور اندر وہ تین نفوس اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ مشروم کی خوشبو مدھم ہوتی چلی جا رہی تھی اور رات کی چاندنی گہری۔

☆......☆......☆

یہ راحم کا ہائی سکول میں آج آخری دن تھا۔ اس کے بعد اس نے یونیورسٹی چلے جانا تھا۔ سوچا تو یہ تھا کہ میچ جیتنے کی خوشی اور آج کا دن وہ بہت اچھے سے سیلیبریٹ کریں گے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وہ ہار گئے تھے اور مخالف ٹیم جیت گئی تھی۔ مہینوں کی ریاضت ضائع گئی۔ جوش ماند پڑ گیا۔ شراحیل اور ثمر کے ساتھ وہ ٹرین میں بیٹھنے سے پہلے ایلاف کو اچھے سے کول ڈاؤن رہنے کی ہدایت کر گیا تھا۔ جانتا تھا اس کی یہ بہن کچھ زیادہ ہی سر پھری اور جذباتی ہے مگر اسے اس پر مان بھی تھا کہ وہ اس کی بات کا احترام ضرور کرے گی۔ ٹرین چل پڑی تھی۔ ایلاف نے اسے خود سے بہت دور جاتے ہوئے دیکھا۔ جب ٹرین دور نکل گئی تبھی دونوں شانوں پر ڈلے بیگ کی سٹرپس کو جارحیت سے کھینچتے ہوئے وہ آگے کی طرف چل پڑی تھی۔

"یہ تم اس طرح سے کہاں جا رہی ہو؟" انیشہ بھی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ بڑے بڑے صاف ستھرے بلاکس کی بنی زمین پر پاؤں جماتے ہوئے وہ اس تک پہنچنے کی سعی میں تھی جو اتنا تیز چل رہی تھی کہ اس کے بال اچھل اچھل جا رہے تھے۔

"کسی کو سبق سکھانے۔" لمبی قمیض، کھلا ٹراؤزر، گلے میں مفلر اور پاؤں میں سفید اونچے جوگرز۔

"ایسا نہیں کرو، ہار جیت تو قسمت کا کھیل ہے پھر اس میں اس کا کیا قصور؟"
وہ ایک دم رکی، مڑی، آنکھیں چھوٹی کیں اور نتھنے پھلائے، انگلی وارن والے انداز میں اٹھا کر وہ اس پر دھاڑ رہی تھی۔
"دیکھو اگر تم نے اس کی ذرا سی بھی حمایت کی تو واللہ میں تمہیں ٹرین کے آگے ڈال دوں گی۔ خبردار اگر تم نے اپنے مگرمچھ کے آنسو میرے سامنے بہائے۔ میں نے کہا خبردار۔"
سٹیشن کی دیوار جس پر بڑا سا رامر لگا ہوا تھا وہ دونوں اس میں دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک نے چھوٹے چھوٹے پرنٹ والا زرد رنگ کا جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا جس کے ٹراوزر اور شرٹ پر ایک جیسا پرنٹ تھا تو دوسری نے بالکل سادہ، ڈیزائن دونوں کا ایک سا تھا مگر ایک میں بہار کھلی تھی تو دوسری بے موسم وہاں کھڑی تھی ہاں شاید جھڑی لگنے والی تھی تبھی خود میں بہار کھلائے لڑکی وارننگ والے انداز میں اسے روک رہی تھی۔
"تم بہت ظالم ہو ایلاف۔"
"تمہارے سوچ سے کہیں زیادہ۔" وہ اسی انداز میں وہاں سے چلی گئی۔ سکول پہنچ کر وہ اپنی دوست کے پاس پہنچی۔
"کام ہو گیا؟" چیونگم چباتے ہوئے وہ دریافت کر رہی تھی۔ اس کی دوست مسکائی۔ اثبات میں سر ہلایا اور بالٹی اس کی جانب بڑھا دی۔ ایلاف نے اس سے کیڑوں اور گیلی مٹی سے بھری بالٹی لی اور پھر گراؤنڈ کی طرف مڑ گئی جس کے کناروں کے گرد لگی دو فٹ اونچی باؤنڈری وال پر وہ بیٹھا تھا۔ اس طرح کہ رخ گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلتے لڑکوں کی جانب تھا اور گود میں کتاب کھلی ہوئی تھی۔ جالی کے اس پار کھیلتے لڑکے باآسانی نظر آ رہے تھے۔ وہ کبھی ایک نظر کتاب پر ڈالتا تو کبھی دوسری ان لڑکوں پر، آج اس سے ٹیم کی بوسیدہ یونیفارم لے لی

گئی تھی۔ آج اسے ٹیم سے خارج کر دیا گیا تھا۔ امیر لوگ، بے رحم فیصلے۔

ایلاف کو وہ دور سے ہی بیٹھا نظر آ گیا۔ سرخ بالٹی کو مضبوطی سے تھامے وہ تیز قدموں کے ساتھ اس کے قریب پہنچی اور پوری بالٹی اس پر الٹ دی۔ ایبک اس افتاد پر بوکھلایا تھا۔ گیلی چپچپی مٹی اور ان میں رینگتے کیڑوں نے اسے متوحش نہیں کیا تھا بلکہ اس کی کتاب اور اس کی وردی کے گندے ہونے پر وہ سٹپٹا گیا تھا تبھی یک لخت ہی مڑا۔

''میرے بھائی کو ہرانے کی سزا تمہیں اس سے زیادہ ملنی چاہیے تھی۔ یو فلسر۔'' وہ انگلی اٹھاتی اس پر بہتان لگا رہی تھی۔ چکنی مٹی سے لتھڑے اس لڑکے کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

''یہ تم نے کیا، کیا۔ تم نے میری کتاب خراب کر دی۔'' سرخ آنکھیں، متاسف لہجہ، فکر یہ انداز۔ ایلاف نے گردن اکڑائی۔

''میرا بس چلے تو میں تمہارا چہرہ بھی خراب کر دوں اور تمہارے ہاتھ بھی جس سے تم نے گول نہیں روکا، جان کر کیا تھا نا، پیسوں کیلیے کیا تھا نا۔''

ایبک کی توجہ ابھی بھی اپنی کتاب پر ہی تھی جس پر اچھی خاصی گارا نما مٹی گری تھی۔ وہ اسے جھاڑ رہا تھا مگر اس کے کئی صفحے آپس میں چپک کر گرد آلود ہو گئے تھے۔ الفاظ مٹ گئے تھے۔

''تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے کہہ دیتی میں پورا کیچڑ میں گر جاتا، میری کتاب تو خراب نہ ہوتی۔ میں کیسے ٹیسٹ تیار کر پاؤں گا۔ یہ تم نے کیا کر دیا۔''

ایلاف کا غصہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔ وہ اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی جو مٹی سے لتھڑا ہوا تھا مگر اس کی ساری توجہ اپنی کتاب کی جانب تھی۔ اس کی ناک پر ٹھہرا کیڑا اپنی پشت کو اوپر اٹھا رہا تھا۔ اسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ وہ تو بس اپنی کتاب کے دکھ میں ہی تھا۔ وہ شخص جو فلسر ہو، کیا اس طرح فکرمند ہوا کرتا ہے وہ بھی ایک کتاب کیلیے؟ وہ رک گئی تھی۔ رک

کر اسے نوٹ کر رہی تھی جس کی توجہ کتاب کے بعد اپنی یونیفارم پر بھی آ گئی۔ وہ بھی گرد آلود ہو گئی تھی۔ مٹی کے داغ اس پر پکے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایک نے جن نظروں سے یونیفارم سے نظر ہٹانے کے بعد اسے دیکھا تھا وہ اسے اندر ہی اندر نادم کروانے کیلئے کافی تھی۔

"تم امیر لوگ کیوں بھول جاتے ہو زندگی ہر ایک پر ایک جیسی مہربان نہیں ہوا کرتی، تم نے سزا دینی تھی تو کہہ دیتی۔ کم از کم میری محنت سے حاصل کی گئی چیزیں تو بچ جاتیں۔ تم جانتی بھی ہو کتنی مہنگی یونیفارم ہے یہ۔" اس کی آنکھیں سرخ تھی۔ ان میں پانی تھا یا نہیں وہ دیکھ نہیں پائی۔ ہاں اس کی آواز ضرور بھیگی ہوئی تھی جس نے ایلاف کے دل کو گیلا کر دیا تھا۔ وہ غصے میں اپنا بیگ اٹھاتا اس کے پاس سے گزرا تھا۔ ایلاف نے اسے مڑ کر دیکھا۔

"کیا میں نے زیادتی کر دی؟" وہ اسے دور جاتا دیکھ سوچ رہی تھی۔ وہ سٹوڈنٹس کی ہنسیوں کی آوازیں اگنور کرتا واش روم میں آیا اور ٹھاہ کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا۔ اندر ایک ڈچ لڑکا موجود تھا جو آنے والے کے طیش سے مرعوب ہو کر کھسک کر وہاں سے نکل گیا۔ ایک نے غصے میں بیسن کے کناروں پر ہاتھ جمائے۔ اپنا گرد آلود چہرہ وہ آئینے میں دیکھ رہا تھا۔

"لڑکی نہ ہوتی تو بتاتا تمہیں۔" دانت کچکچاتا وہ غصے میں بولا تھا۔ نل کے آگے ہاتھ کیے سینسر کو محسوس کرتے ہی پانی اس میں سے گرنے لگا تھا۔ اچھے سے ہاتھ منہ دھونے کے بعد اس نے کتاب اٹھائی اور دیوار پر لگے ڈرائیر سے اسے سکھانے لگا۔ جب وہ سوکھ گئی تو اسے سائیڈ پر رکھ کر یہی سب اس نے اپنی یونیفارم کے ساتھ بھی کیا تھا۔ ہینڈ لیکوئیڈ کو جمے ہوئے داغوں پر گرا کر انہیں اچھے سے رگڑا۔ داغ مکمل طور پر تو نہیں گئے تھے ہاں کسی حد تک وہ صاف ہو چکے تھے۔ سوکھی ہوئی کتاب اٹھا کر وہ اس پر جمی ہوئی مٹی اور مرے ہوئے کیڑے کھرچ رہا تھا۔

دفعتاً دروازے پر ناک ہوئی۔

''ایبک! باہر آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

اس نے دروازے کی جانب گردن موڑی پھر اپنا بیگ اور کتاب اٹھاتا باہر آگیا۔ ادا اس کا ہاتھ تھامے ایک کونے میں لے آئی تھی۔

''کیا ہوا تھا؟ سنا میں نے سب سے کہ تم مٹی میں بھرے ہوئے تھے۔ تمہارے۔'' وہ رکی پھر توقف کے بعد بولی۔ ''تمہارے لاک اپ کی بھی یہی حالت ہے۔ غصہ نہیں ہونا میں نے شکایت کردی ہے جس نے بھی یہ سب کیا ہے، وہ آفس میں ضرور طلب ہوگا۔''

ایبک نے کتاب اوپر کی، گرد آلود کتاب کو دیکھ کر وہ چپ ہوگئی۔

''راحم کی بہن نے کیا ہے یہ، اسے لگتا ہے میں فلرٹ ہوں۔ میں نے جب کہا ہے مجھ سے بدلہ لیں تو میری چیزوں کے پیچھے کیوں پڑ رہے ہیں یہ سب۔''

''لگنے دو اور یاد رکھو وہ ایک لڑکی ہے۔ تم اس کا لحاظ کروگے تو ہی میرا لحاظ کیا جائے گا۔''

ایبک نے خائف پنے سے سر کو جھٹکا۔ اس کی ناک سے غصے میں سانس خارج ہو رہا تھا۔

''ہم جس معاشرے میں ہیں وہاں مرد اور عورت کی تشریح نہیں ہوتی۔''

ایبک نے احتجاج کیا تھا۔ یہ احتجاج کتاب اور یونیفارم کی حالت کے بعد لاکر کا سننے پر آیا تھا۔

''ہم جس دین کے پیروکار ہیں وہاں ہوتی ہے اور رہے گی بھی، تم سمجھ رہے ہو نا اسے کچھ نہیں کہو گے۔''

وہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پورا کاریڈور خالی تھا کیونکہ یہ لیکچر کا وقت تھا بس کچھ ہی دیر بعد تمام سر اپنی اپنی کلاسز میں موجود ہوں گے۔

”تمہاری یہی باتیں مجھے روک دیتی ہیں اور کبھی کبھی تم بھی میرے ساتھ ظلم کر جاتی ہو۔تم میری بہن ہو؟“

وہ مسکرادی۔ پنجے اٹھا کر ہاتھ اونچا کر کے اس کے بالوں پر رکھا اور پھر انہیں بکھیر دیا۔

”نہیں میں تمہاری بہن ہی نہیں، دوست بھی ہوں۔کیا نہیں ہوں؟“

اس کا منہ ابھی تک پھولا ہوا تھا۔گرد آلود کتاب تاہنوز ہاتھ میں تھی۔

”میں اس کے بیگ میں کاکروچ چھوڑنا چاہتا تھا۔“

”وہ کاکروچ سے نہیں ڈرتی۔“

ایبک نے دانت کچکچائے۔

”پھر میں چھپکلی ڈالتا۔اگر وہ اس سے بھی خوف نہ کھاتی تو ہر وہ کیڑا اکٹھا کرتا جو یہاں موجود ہے مگر ایسا کرتا ضرور۔“

وہ دونوں چلنے لگے تھے۔ادا نے اس کے بازو میں ہاتھ ڈالا اور کلاس کی طرف بڑھ گئی۔

”لیکن اب تم ایسا نہیں کر رہے ہو کیونکہ تم میرے بھائی ہو اور میری بات کی لاج ضرور رکھو گے ہے نا؟“

”کتنا اچھا ہوتا تم میری بہن نہ ہوتی۔“

”کتنا اچھا ہوتا اگر میری جیسی تمہاری دس اور بہنیں ہوتیں۔“

”استغفراللہ۔“

”ہاہاہا۔استغفراللہ۔“

☆......☆......☆

دوپہر عروج پر تھی اور سورج چمکدار مگر جو ہوا تھی وہ ایسی تھی جیسے اس میں برف گھلی ہو،اس

سرد گرم موسم میں ایلاف چیونگم چباتے ہوئے پرسوچ سی زینوں پر بیٹھی تھی۔اس کے سر پر وول کیپ تھی اور سبز کوٹ گھٹنوں کو چھوتا تھا۔وہ آدھی دھوپ میں تھی اور آدھی چھاؤں میں،اس کی نظروں کے عین سامنے سبزے سے پرے سٹیچو آف لیبرٹی کی کاپی کے پاس انیشہ اپنی دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مشغول تھی۔وہ پرسکون تھی مگر ایلاف نہیں تھی۔اس کی وجہ تین دن قبل کا واقعہ تھا جو بالکل بھی تسلی بخش نہیں تھا۔

ہوا یوں تھا کہ وہ دھبوں والی یونیفارم کے ساتھ جونہی کلاس کے دروازے کے چوکھٹے میں کھڑا ہوا،سر پیٹر نے اسے بری طرح جھڑک دیا اور فوری طور سے حکم جاری کیا تھا کہ جب تک وہ صاف ستھری یونیفارم نہیں پہنے گا ان کی کیا کسی کی بھی کلاس میں داخل نہیں ہوگا۔تب سے اب تک وہ نظر نہیں آیا تھا۔وہ بھی اور اس کی بہن بھی۔

''یہ میں نے کیا کردیا،زیادتی کردی اس کے ساتھ۔''

وہ ابھی ابھی سر پیٹر کی کلاس لے کر فارغ ہوئی تھی۔ان کی کلاس کی دو سیٹس پچھلے تین دن سے خالی تھیں اور اس کی وجہ سے تھیں۔یہ وہ کیسے فراموش کردے۔آخر کیسے؟

''کیا وہ سچ کہہ رہا تھا زندگی ہر ایک پر ایک جیسی مہربان نہیں ہوتی۔کیا وہ ہماری کمیونٹی جیسا نہیں ہے،لگتا تو ہے یار۔'' وہ جھنجھلا گئی،پھر گہرا سانس بھرتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اتری۔ایبک کے آگے پیچھے پھرتی لکڑی جیسی لڑکی (ایلاف کو کم از کم اس کا فیگر لکڑی جیسا ہی لگتا تھا) اس کے سامنے سے گزری تھی۔وہ آواز دے کر اسے روک گئی۔

''ہونجا۔''

وہ لڑکی پکار پر مڑی،آ ابرو اچکائی اور ساتھ میں شانے بھی۔

''ایبک کی دوست ہونا تم؟''

وہ لڑکی اس سوال پر خوش ہوگئی مگر ساتھ ہی بجھ بھی گئی۔ ایبک کی دوست ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ دوستیاں افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔ ایسا اس کا نظریہ تھا تبھی وہ سب سے کٹا کٹا سا رہتا تھا۔ وہ اور اس کی بہن دونوں۔

"ہاں ہاں کہہ سکتی ہو۔ کیا کام ہے تمہیں؟"

"ایبک کچھ دنوں سے نظر نہیں آرہا۔" وہ چلتی ہوئی اس کی قریب آئی۔ باہر آکر دھوپ کی لطافت مزید سکون بخشنے لگی تھی۔ طمانیت سی جیسے جسم میں بھر گئی ہو۔ "یعنی وہ اور اس کی بہن کا کچھ پتا، ہے تمہیں کیوں غیر حاضر ہیں؟"

چند بالوں کی مالک، سوکھی، پھیکی ہونجا جو ایک پیور اطالوی تھی اپنی دراز پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

"معلوم نہیں مگر جہاں تک نتیجہ نکلتا ہے وہ یونیفارم گندا ہونے کی وجہ سے نہیں آرہا۔ جو داغ لگے تھے وہ آسانی سے مٹنے والے نہیں تھے۔" وہ اسے جتا رہی تھی۔ تلخ انداز، باریک آواز۔

"صحیح کہا، ایسا ہی ہے۔ تم مجھے اس کے گھر کا ایڈریس دے دو، ازالہ کروں گی جو کیا ہے اس کا، کرنا ضروری ہے بہت۔"

اسے نہیں معلوم تھا ہونجا اتنی آسانی سے اسے ایبک کا ایڈریس دے دے گی۔ اسے تو اس بات کا بھی شک تھا کہ کہیں ہونجا اس کے گھر سے لاعلم نہ ہو لیکن جہاں سوال آتا ہے کمپیوٹر ماسٹرز کا تو ان کیلئے پتا لگوانا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ یہی اس لکڑی اوہ سوری لڑکی نے بھی کیا تھا۔ اس کے ڈیڈ انٹرپول پولیس میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے اور واثق امید تھی ان کا شعبہ کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ سے رہا ہوگا تبھی تو وہ پورے سکول میں اس سبجیکٹ میں ٹاپ کرتی ہے۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ دوپہر کی عمر نے سورج پر بھی بڑھاپا طاری کردیا تبھی اس کی روشنی خاصی

پھیکی اور بے اثر تھی۔ سردی اتنی تھی کہ ناک سے دھواں نکل رہا تھا۔ مکمل یقین تھا آج یا پھر کل برف برسے گی، سردیوں کی پہلی برف۔

اس نے اپنی کار ایک پرانی بستی کی بوسیدہ بلڈنگ کے پاس روکی۔ سفید کار سے نکل کر وہ سر اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ وہ بلڈنگ کئی منزلہ تھی شاید سات یا پھر چھ۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اس پر بھی سفید رنگ چڑھا تھا جو کافی جگہ سے اتر چکا تھا۔ چھوٹی سرخ اینٹیں جس میں سے ننھے بچوں کی طرح جھانکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اس عمارت کی خستگی اور پاؤں کے نیچے موجود ٹوٹا ہوا روڈ جگہ کی قیمت بتا رہا تھا۔

''زندگی ہر ایک پر ایک جیسی مہربان نہیں ہوتی۔''

ہوا مدھم تھی مگر بہت زیادہ ٹھنڈی مانو ہڈیاں جم جائیں۔ وہ اپنا سرخ فر کوٹ اچھے سے خود کے گرد لپیٹے قدم اٹھا رہی تھی، جب دوڑتا ہوا ایک بچہ آ کر اس سے ٹکرایا۔ اکا دکا بچے ہی تھے جو وہاں کھیلتے ہوئے نظر آ رہے تھے، وہ بھی ان میں سے ہی ایک تھا۔

''ایم سوری مادام، میں رکنا چاہتا تھا مگر پاؤں بریک نہیں لگا پائے۔'' سرخ ناک والا وہ بچہ جس کے تن پر بوسیدہ جیکٹ تھی ڈرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ جیکٹ میں سے نکلتی روئیوں پر نظر پڑتے ہی وہ مدھم سا مسکائی۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا، زندگی ہر کسی پر ایک جیسی مہربان نہیں ہوتی۔''

اپنا برینڈڈ فر کوٹ نا جانے کیوں اسے بوجھ لگنے لگا، گلا کھنکار کر وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

''ایک سلطان یہیں رہتا ہے؟''

''ہاں وہ یہیں رہتے ہیں مگر اس وقت وہ گھر پر نہیں ہیں۔ دو گلیاں چھوڑ کر ایک شاپ ہے وہاں پر ہیں۔''

"آپ مجھے وہاں لے جاؤ گے؟"

"ہمم۔"

وہ اس بچے کی تقلید میں چلنے لگی تھی۔ بوسیدہ گھر، ٹوٹی ہوئی سڑکیں، پسماندہ شاپس اور غریب لوگ، یہاں کی دنیا اس دنیا سے بہت مختلف تھی جو ایک گھنٹے کی مسافت پر موجود ہے۔ وہاں بیٹھنے کیلئے پلاسٹک کے سٹولز نہیں ہوتے بلکہ سلور پلیٹڈ کرسیاں ہوتی ہیں۔ وہاں کی شاپس پر عام دودھ کی چائے نہیں بنتی بلکہ مہنگی کافی بنا کرتی ہے۔ وہاں کارن کاغذ کے پیکٹس میں نہیں ملتے بلکہ ان کیلئے ڈسپوزایبل کپس استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہاں کی سڑکیں صاف ہوتی ہیں جیسے کسی مٹی کا گزر وہاں سے نہیں ہوا ہو، وہاں کے گھر ایسے ہوتے ہیں جیسے ابھی عمارتیں تازہ کھڑی کی گئی ہوں، بناوٹی دنیا، بناوٹی لوگ، بناوٹی طرز زندگی۔

وہ ایک دکان کے باہر آ کر رکی جہاں چھوٹی موٹی کاریں ڈیج کھڑی تھیں۔ بوسیدہ تھیں اور کچھ سپیئر پارٹس بھی تھے جو وہاں پر پڑے تھے۔ ایک آدمی فارمیکا کے چھوٹے سے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا چائے کی چسکیاں بھر رہا تھا۔ بچہ دوڑتا ہوا اس کی طرف گیا اور کچھ کہا۔ تھوڑی دیر بعد چائے کی چسکیاں بھرتا آدمی اسے اوپر سے نیچے دیکھنے کے بعد آواز لگا رہا تھا۔

"مسٹر ایبک، تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

ایبک کے نام کے آگے "مسٹر" آنے والے کی پرسنالٹی دیکھ کر لگایا گیا تھا۔ ایک نیلی کار کے نیچے سے خود کو سلائیڈ کرتے ایبک نے متحیر پنے سے سر اٹھا کر پوچھا۔

"ادا آئی ہے کیا؟"

"بالکل نہیں کوئی اور خاتون ہیں۔"

وہ کھڑا ہوا، کھڑے ہونے پر ایلاف کی نظر اس پر پڑی تھی۔ منہ، دائیاں شانہ اور اس کے

ہاتھ سیاہ تھے۔ جسم پر فقط ایک پینٹ اور بنیان کے کچھ نہ تھا۔ اتنی ٹھنڈ میں وہ یوں کیوں تھا؟
باس سے نظر ہٹا کر اس نے گھمائی تو وہ سامنے کھڑی ہوئی نظر آئی۔ سرخ مہنگا کوٹ زیب تن کیے، ہاتھ اسی کوٹ کی جیبوں میں ڈالے ہوئے۔ وہ وہاں کیوں تھی؟ ایبک نے اس سے نظر ہٹائی، مڑا، چھت سے بندھی رسی کے ذریعے لٹکتے ٹائر پر رکھی اپنی شرٹ اٹھا کر پہنی اور تیز قدموں سے اس کے پاس سے نکل گیا۔ اس کے باس نے اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس لڑکی کو بھی جو اس کے پیچھے لپکی تھی۔
"رک جاؤ ایبک، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"
وہ ڈھلوان سڑک تھی جس پر سے ایبک تیز تیز اتر رہا تھا۔ ایلاف دوڑتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور سر ہلا کر دوبارہ بولی۔
"سچ کہہ رہی ہوں صرف بات کرنی ہے۔ دیکھو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جس سے تمہیں زک پہنچا سکوں۔" وہ جیبوں سے ہاتھ نکال کر اسے دکھا رہی تھی جو کہ خالی تھے اور سردی کی وجہ سے سرخ پڑ رہے تھے۔ ایلاف کے سر کی بالکل سیدھ میں ڈھلتا سورج نظر آ رہا تھا۔ کسی بچی کے ہاتھ پر لگی مہندی کی ٹکی کی طرح جو دھل دھل کر پھیکی ہو جاتی ہے بالکل ویسا۔
"میں غلط تھی، مجھے تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں اور تمہاری بہن کو سکول میں ہونا چاہیے۔ تم لوگ آ کیوں نہیں رہے ہو؟"
اس کے ماتھے پر، ناک پر، آنکھ کے نیچے اور تھوڑی کے ساتھ گال پر بھی گریس لگی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ گریس اور گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ اس نے جو بنیان کے اوپر چیک دار شرٹ پہنی ہوئی تھی اس کے بٹن کھلے تھے جس کی وجہ سے گریس اور تیل کے دھبوں سے اٹا بنیان واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس میں سے سمیل بھی تو وہی آ رہی تھی گریس اور موبل آئل کی۔

”تم لڑکی ہو، اپنی بہن کے ناطے میں تمہارا احترام کرنے پر مجبور ہوں ورنہ اچھا سبق سکھاتا تمہیں۔“ اس نے سوچا تھا کہا نہیں تھا۔ کہہ تو وہ یہ الفاظ رہا تھا جو آس پاس سے گزرتے لوگ نہیں سن سکتے تھے کیونکہ اس کی آواز مدھم تھی اور انداز محتاط۔

”ہماری ماما ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔“ چھوٹا سا جملہ، چھوٹی سے وضاحت مگر بہت گہری اور پراثر بھی۔

”اوہ ایم سوری، کیا ہوا ہے انہیں؟“

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تم نے اپنی بات کر لی، اب میں جا سکتا ہوں؟“

ایلاف نے اس کے جوگرز پر نظر ڈالی۔ وہ بھی گرد سے اٹے خاصے خستہ حال دکھتے تھے۔ پھر اس نے گہرا سانس بھرا اور نظر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”دیکھو، میں ازالہ کرنا چاہتی ہوں، شرمندہ ہوں اپنی حرکت پر، ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے۔ کیا تم میری کار میں تھوڑی دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہو۔ یہاں ٹھنڈ زیادہ ہے۔“

اسے یکدم ہی اس کی حالت کا احساس ہوا تھا جہاں سب لوگ موٹی موٹی جیکٹس اور اپرز میں دبکے ہوئے تھے وہ فقط ایک بنیان اور شرٹ میں موجود تھا۔ اسے ٹھنڈ لگ سکتی تھی۔ وہ بیمار ہو سکتا تھا۔

”میں تمہاری معذرت کو قبول کرتا ہوں۔ مجھے بہت سارا کام ہے اس کے بعد ہاسپٹل بھی جانا ہے۔ امید ہے اگلی بار تم زحمت نہیں کرو گی۔“ وہ اس کی سائیڈ سے نکل گیا تھا۔ ایلاف نے ہتک سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

”ہاؤ مین، بدتمیز انسان، زندگی جس طرح ہر ایک پر مہربان نہیں ہوتی اسی طرح تمیز بھی نہیں ہوا کرتی۔ کوئی سمجھائے اسے، دیکھو تو ذرا ایٹی ٹیوڈ اس کا۔“ دانت چباتی وہ بھی مڑ گئی

تھی۔ ایبک نے بہت آگے جا کر خود کو ایک دیوار کے پاس روکا۔ وہاں تھوڑے سے فاصلے پر ایک چمچماتی کار کھڑی تھی جس میں وہ بیٹھ کر واپس جا رہی تھی۔

''ادا کا خیال ہے فقط ادا کا۔'' وہ چلی گئی تھی اس کے جانے کے بعد ایبک نے خود کو دیوار کے سہارے کھڑا کیا۔ اپنے میلے کچیلے ہاتھوں کو آنکھوں کے سامنے کر کے وہ افسردگی سے مسکرایا۔

''پتا نہیں کبھی یونیورسٹی بھی جا پاؤں گا یا نہیں۔''

تین دن پہلے جب ایلاف نے اس پر کیچڑ پھینکا تھا۔ وہ سر پیٹر کے نکالنے پر ادا کے ساتھ گھر آیا تھا جہاں ان کی ماما زمین پر اوندھے منہ پڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بوکھلاتے ہوئے انہیں ہاسپٹل لے گئے تھے۔ ڈاکٹرز نے خبر اچھی نہیں سنائی تھی۔ ان کا علاج بہت مہنگا بتایا تھا۔ ہاسپٹل کے اخراجات اور دواؤں کے پیسے پورے کرنے کیلئے وہ دونوں بہن بھائی تین دن سے کولہوں کے بیل کی طرح جتے ہوئے تھے۔ آج ان کی ماما کو ڈسچارج کر دینا تھا۔ آج انہیں بلز پے کرنے تھے اور آج تک وہ خالی ہاتھ ہی تھے۔

اس کا چھوٹا سا فون رنگ کرنے لگا۔ ہاتھوں کو نیچے گرائے وہ پینٹ کی جیب ٹٹول رہا تھا۔ نمبر شناسا نہیں تھا پھر بھی اس نے کال ریسیو کر لی۔ جانتا تھا یہ اس کی بہن ہوگی۔ آج بھی کسی نہ کسی سے فون ادھار لے کر اسے کال کر رہی ہوگی کہ وہ فون بوتھ سے کال کر کے پیسے ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دونوں پیسے بچاتے تھے تا کہ پڑھ سکیں اور اپنی ماما کا علاج کرا سکیں۔ ایبک کے پاس جو فون تھا وہ بھی ادا نے ہی لیا تھا اور زبردستی اسے تھمایا تھا تا کہ اس فون سے وہ اپنے بھائی سے رابطہ کر سکے تب جب رابطہ کرنے کی ضرورت ہو۔

''ہیلو ایبک، یہ میں ہوں ادا، ایک عجیب سی سچویشن ہوگئی ہے سمجھ نہیں آ رہی کیسے بتاؤں۔'' ادا

کی آواز میں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ چونک گیا۔ جھٹکے سے اپنی پشت دیوار سے ہٹائی۔

"تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا ہے۔" آواز میں استعجاب تھا فکر مندی بھی اور چاہت بھی۔

"میں ٹھیک ہوں کول ڈاؤن، ہاسپٹل کا بل پے ہو چکا ہے۔ راحم نے کیا ہے۔" وہ ڈرتے ڈرتے اسے بتا رہی تھی کیونکہ جانتی تھی یہ اس کے بھائی کی خودداری پر ایک کاری ضرب ہے۔ کسی کا بھی احسان لینا وہ دونوں گویا اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اس طرح کا احسان تو خاص کر۔

"راحم؟ راحم نے کیوں؟" سبز سکارف سے ڈھکے سر کو ادا نے موڑ کر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ہی راحم جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے شراحیل کے ساتھ کھڑا محو گفتگو تھا۔ اس نے سر سیدھا کر لیا۔ اگر وہ اسے بتا دیتی کہ یہ نمبر بھی راحم کا ہے جس سے وہ کال کر رہی ہے تو یقیناً ایک اس سے بہت خفا ہو جاتا۔

"گھر آ کر بتاتی ہوں۔" کال کاٹ کر اس نے ہاتھوں میں دبوچے فون کو دیکھا۔ کتنی زیادہ قیمت کا تھا نا وہ، اتنی کہ ان کی ماما کا علاج اچھے سے ہو جاتا اور ان کے چھ ماہ کا رینٹ بھی اتر جاتا۔ وہ مڑ کر اس تک آئی۔

"سائنس میں تم کافی ذہین ہو، سائنٹسٹ بننے کا ارادہ ہے کیا۔" وہ ان دونوں کے نزدیک آ رہی تھی۔ ہاسپٹل کے احاطے میں کھڑے وہ دونوں شاید اسی طرح کی گفتگو کر رہے تھے۔

"بالکل ایسا ہی ہے یہ میرا پسندیدہ سبجیکٹ ہے۔" اس نے گردن موڑ کر خود سے فاصلے پر رکتی ادا کو دیکھا، سبز سکارف میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ سترہ سال کی معصومیت سے بھری ہوئی وہ لڑکی بیس سالہ راحم کو اچھی خاصی بھا رہی تھی۔ اتنی زیادہ کہ اس کے احترام میں دل کے ساتھ راحم کی نظریں بھی جھک رہی تھیں۔

عورت کو ایسا ہونا چاہیے کہ مرد کی نگاہ اٹھتے ہی جھک جائے شرم یا کراہیت سے نہیں بلکہ

عزت اور رعب سے۔ راحم کی نظریں ہمیشہ اسے دیکھ کر یونہی جھک جایا کرتی تھیں کیوں؟ اس بارے میں وہ کچھ کچھ جان رہا تھا۔

"مدد کیلئے شکریہ، آپ کا قرضہ بہت جلد لوٹا دیں گے ہم۔" راحم نے جھجکتے ہوئے نظروں کو اس کے چہرے پر ٹھہرایا پھر واپس گرا بیٹھا۔ شراحیل پر نظر ڈالنے کے بعد اس کے ہاتھ میں موجود اپنے سیل کو دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے مدد نہیں کی فرض نبھایا ہے۔ ایبک کے ساتھ میری خاصی پرانی جان پہچان ہے اس کیلئے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں۔" شراحیل آنکھیں سکیڑے باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ادا کے جانے کے بعد وہ بھنویں اچکاتے ہوئے مشکوک نگاہوں سے اپنے بھائی کو تکنے لگا جو اس کا کزن کم دوست زیادہ تھا۔ وہ اس بارے میں بات کرے گا اس نے سوچ لیا تھا۔

"مگر پھر بھی آپ نے بہت وقت پر مدد کی۔ آپ ایک نیک دل انسان ہیں۔"

وہ اس کی تعریف پر بلش ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے یونہی بلش ہو جایا کرتا تھا۔

"اللہ آپ کی نیکی کو رائیگاں نہیں جانے دے گا ان شاء اللہ۔" وہ کہہ کر اس کی سائیڈ سے گزر گئی تھی۔ راحم نے نگاہیں زمین پر ہی رکھیں۔ دل میں پنپتے جذبات بڑی شدت سے اپنا آپ منوانے لگ گئے تھے۔ وہ بے بس ہوا اور اعتراف کر بیٹھا اس چیز کا جو بہت انمول ہے۔

محبت بہت انمول ہے۔

☆......☆......☆

ادا کے جانے کے کئی منٹ تک وہ اس راستے کو تکتا رہا تھا جس پر وہ چل کر گئی تھی۔ شاید وہ

اس راستے کو زندگی بھر تکتا رہتا اگر شراحیل اسے ٹوک نہ دیتا۔

''بھائی میرے، چلی گئی ہے وہ ویسے خیریت تو ہے؟'' راحم نے لبوں کو کچلتے ہوئے نظریں چرائیں اور پھر ریسٹ واچ میں وقت دیکھنے لگا۔

''مجھے لگتا ہے اب ہمیں چلنا چاہیے خاصا وقت ہوگیا ہے۔ یوں بھی کل تک مجھے ریسرچ ورک مکمل کرنا ہے۔ خدا جانے کیا ہوگا میرے ساتھ اس بار۔''

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ لاٹ تک آئے تھے جہاں شراحیل کی سرخ کار ان دونوں کی منتظر تھی۔ شراحیل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور بٹن پش کردیے، چھت فولڈ ہوگئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان کے بالوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ کار روڈ پر ڈل چکی تھی۔ ہوا میں تیزی آئی۔

''وہی ہوگا جو بچپن سے ہوتا آرہا ہے اور کیا کرنا ہے تم نے، اول آنے کے علاوہ ویسے کبھی لاسٹ کا مزہ لو تمہیں بھی معلوم ہو۔ سب سے آخیر میں ہونا کیسا ہوتا ہے۔ بور نہیں ہوجاتے ٹیچرز کی داد لیتے لیتے، ڈانٹ بھی کھاؤ یار۔''

اور وہ سر کو پیچھے گرا کر ہنس رہا تھا جو اپنے والدین کا سب سے فرمانبردار بیٹا تھا۔ اچھی صورت، شگفتہ لہجہ یا امارت چھلکاتا وجود اسے دل موہ لینے والا نہیں بناتا تھا بلکہ وہ اس کا اخلاق تھا جو ہر ایک کا دل جیت لیتا تھا۔ عزت کرنے اور پسند کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ والدین سب اچھے ہوتے ہیں مگر کامیاب وہی ہوتے ہیں جن کی اولادیں فرمانبرادر اور نیک فطرت کی مالک ہوتی ہیں۔ زرینہ کو لگتا تھا ان جیسے کامیاب والدین اور کوئی نہیں ہیں ان کا یہ لگنا غلط بھی نہیں تھا۔

''وقت آنے پر تمہاری خواہش پوری کردوں گا۔'' بات کرتے کرتے اس کی نگاہ ٹیکسی

سٹینڈ کی جانب اٹھی تھی جہاں وہ عمر رسیدہ عورت کے ساتھ سڑک پر نگاہ گاڑے بیٹھی تھی۔ ان کی کار آگے نکل رہی تھی۔ راحم نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ وہ کبھی بھی ادا سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ وہ کبھی بھی اسے یوں بیچ راہ کے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"روکو تو۔"

شراحیل نے بریک پر پاؤں رکھے۔ راحم اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ چند قدم پاٹ کر وہ سبز سٹولر والی کے سامنے کھڑا تھا جو بے صبری سے خالی ٹیکسی کی منتظر تھی۔

"یہ بزنس ایریا ہے اس وقت یہاں پر کوئی ٹیکسی نہیں ملے گی، آجاؤ ہم ڈراپ کر دیتے ہیں آپ لوگوں کو۔" بات مکمل کرنے کے بعد اس نے لب بستہ اس کی ماں پر نظر ڈالی اور پھر آسمان کی جانب جو ہولے ہولے گہرے ہونا شروع ہو چکا تھا۔ گہرے سرمئی بادلوں کا راج شروع ہوا۔ خنکی اور موسم میں نمی اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ بارش برسنے والی ہے۔

"پر۔۔۔"

راحم نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

"انکار کرنے سے پہلے اپنی ماما کی کنڈیشن دیکھ لینا۔ انہیں اس حال میں، اس موسم میں چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔"

ادا نے مڑ کر اپنی گم صم ماں کو تکا اور پھر اسے دیکھنے لگی جو گرم لانگ کوٹ زیب تن کیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خاموش طبع مگر اچھے اخلاق والا۔

"بہت شکریہ مگر۔۔۔"

"مگر کو چھوڑ دو۔ آؤ اس سے پہلے کہ بارش ہو جائے۔" وہ اس کی سنے بنا ہی گم صم عورت کو کہنی سے اٹھا کر گاڑی کی سمت بڑھ چکا تھا۔ اس کی ماما جیسے ہی بیک سیٹ پر بیٹھیں گاڑی کی

فولڈ ہوئی چھت کھول دی گئی تھی۔شاید ایسا اس کی ماما کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ادا کو ناچار دروازہ کھولے راحم کی طرف بڑھنا پڑا۔اس کے بیٹھنے پر گاڑی بھی چل پڑی تھی۔سڑک کو چھوڑ، شہر کو چھوڑ کچی آبادیوں میں وہاں جہاں اس کار کے ٹائر میلے ہو جائیں، جہاں کوئی بھی ان جیسا جانا نہ چاہے۔ہاں انہیں رستوں کی مسافر ہوئی تھی وہ کار۔

گدلی سڑکیں، کوڑے سے بھرے یوزمی اور اس بدبودار علاقے کے اینڈ میں ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت کے سامنے وہ سرخ چمچماتی کار رکی تھی جسے آس پاس کے لوگ مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔یہ آج کے دن کی دوسری مہنگی کار تھی جو اُن کی بستی کالونی میں آئی تھی۔راحم کو فرق نہیں پڑا تھا۔بالکل اسی طرح شراحیل کو بھی نہیں پڑا تھا۔جگہ اور امارت سے وہ دونوں مرعوب نہیں ہوتے تھے۔لوگوں سے ہوتے تھے،ان کے صاف دلوں سے ہوتے تھے۔اچھے انسان کی خصوصیت بھی تو یہی ہے کہ وہ دولت کو چاہنے کی بجائے انسان کو چاہے، دولت کو پوجنے کی بجائے اس خالق و مالک کو پوجے جو اس کا اصل معنی میں حق دار ہے۔اس کے علاوہ اور ہو بھی کون سکتا ہے۔

"بہت شکریہ آپ کا، پوری زندگی احسان مند رہوں گی۔"

بجلی کڑک اٹھی تھی۔کالی گھٹاؤں نے پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ہوا کی شورش اور اس لڑکی کی نرم آواز کتنا تضاد تھا ان دونوں چیزوں میں، راحم کی نظریں جھکی تھیں۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔خیال رکھنا۔" وہ یہ کہہ کر مڑ گیا تھا۔ادا نے ایک نظر اس دریا دل شخص پر ڈالی اور پھر اپنی ماما کو تھامتی ہوئی اندر آگئی۔وہاں جہاں کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔گھر پورا صاف تھا جیسے ابھی ابھی صفائی کی گئی ہو، ہر چیز پرفیکٹ تھی۔وہ ماما کو ان کے بیڈ پر لٹا کر کچن میں آئی۔دیکھا تو دنگ بالکل بھی نہیں ہوئی کیونکہ ایک اکثر و بیشتر ایسے

کام کرتا رہتا تھا۔ وہ میلے برتنوں کو چمکانے کے بعد سکھاتے ہوئے ریک میں لگا رہا تھا۔ آہٹ پر مڑا مگر مسکرایا نہیں، خائف نظر اس پر ڈال کر پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ادا پھیکی سی مسکرائی۔

''لگتا ہے کوئی مجھ سے خفا ہے۔''

''کوئی تم سے خفا نہیں ہے اپنی بے بسی سے ہے۔''

کھلے روشن دان سے آتی نمکین ہوا یہ پیغام دے رہی تھی کہ باہر مینہ برسنا شروع ہو چکی ہے۔ ادا نے گہرا سانس خارج کیا۔ اسے کہنی سے تھام کر رخ اپنی طرف کیا اور سر اٹھا کر بولی۔ سر اس لیے اٹھایا تھا کیونکہ وہ اس سے دراز تھا کافی دراز۔

''میں نے جان بوجھ کر یہ سب نہیں کیا ہے ایبک، بہت ضروری تھا یہ کرنا ہم اس کا قرضہ چکا دیں گے۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ وہ ہمیں تاحیات کیلئے مقروض کر چکا ہے۔ راحم غفور کبھی دیا ہوا واپس نہیں لیتا۔ اس کی فطرت بہت مختلف ہے۔''

ایبک کی دوراندیشی سچ ثابت ہونے والی ہے یہ بات وہ اچھے سے جانتی تھی مگر اس وقت اس کے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ ڈیوز کلیئر کروانے تھے۔ ہر حال میں کروانے تھے اور ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ انتظام بھی نہیں ہو رہا تھا ایسے میں راحم کی اچانک مدد اس کیلئے کسی نعمت سے کم نہ تھی۔ وہ وہاں اپنے دائیں شانے کا ٹیسٹ کروانے آیا تھا جو کل رات سے دکھ رہا تھا۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ دو وینز آپس میں رگڑ کھا رہی تھیں جس کی وجہ سے اسے درد ہو رہا تھا۔ وہ بس جا ہی رہا تھا جب اسے ادا وہاں پریشان کھڑی نظر آئی۔ وہ ریسپشنسٹ سے کسی بات پر الجھ رہی تھی۔ وہ بات راحم سن چکا تھا اس لیے اس کے لاکھ گریز کے باوجود اس کی

مدد کرنے سے خود کو روک نہیں پایا اور اس پر عمر بھر کیلئے احسان کر بیٹھا۔

''اچھا ٹھیک ہے، پرسکون ہو جاؤ اس بات کو ہم بعد میں ڈسکس کر لیں گے۔ یہ بتاؤ کیا بنایا ہے کھانے میں، خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔ ارے واہ میرے بھائی نے تو مکس ہربز کا سوپ بنایا ہے، زبردست۔'' وہ ڈھکن کھولے گہرے سانس سے خوشبو کو اندر انڈیلتی کہہ رہی تھی۔ اس کا اشتیاق دیدنی تھا۔ اس سارے عرصے میں پہلی بار ایک مسکرایا۔ اس کے ہاتھوں پر کٹس لگے تھے اور کافی گہرے تھے جنہیں وہ مٹھیوں میں چھپا رہا تھا۔

''صرف سوپ بنایا ہے یا کچھ اور بھی ہے؟'' وہ آس پاس نظر دوڑاتی پوچھ رہی تھی۔ تھوڑی دور کاؤنٹر پر کرسٹل کی فش شکل کی پلیٹ میں تین لیمن بریڈز رکھی ہوئی تھیں جن پر چھوٹی چھوٹی تین ہی مچھلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ادا حیرت سے اس کی طرف مڑی۔

''اس موسم میں مچھلیاں کہاں سے لائے تم؟''

ایک شانے اچکا کر مسکرا دیا۔ اس نے جھٹ سے ایک کبڈ کھولا۔ اس میں سے چھوٹی پلیٹ نکالی جس میں گلابی رنگ کا کپ کیک رکھا ہوا تھا۔ رنگ برنگے سپر نکلز اس پر چھڑکے ہوئے تھے اور ایک چھوٹی سی نیلے رنگ کی موم بتی اس کی ٹاپ پر موجود چیری پر لگی ہوئی تھی۔ وہ خوشی سے مغلوب چہرے کے ساتھ کپ کیک اس کی طرف لے کر آیا اور محبت پاش لہجے میں بولا۔

''سالگرہ مبارک میری بہن، اللہ عمر دراز کرے، صحت دے، نصیب اچھے کرے، ڈھیر ساری خوشیاں دے اور تمہیں میرا تابعدار بنائے۔'' اس نے وہ دعائیں دی تھیں جو ان کی ماما انہیں کبھی دیا کرتی تھیں۔ آخری دعا اس نے اپنے پاس سے کہی تھی جس پر ادا نے ایک چپت اس کے شانے پر رسید کی۔

''تابعدار کے بچے، بہت شکریہ۔''

ایک نے اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو پھیلایا تھا۔ وہ کپ کیک پر موجود کینڈل کو شعلہ دکھاتے ہوئے ماما کے پاس لے کر جا رہے تھے کہ اس بھری دنیا میں وہ تینوں ہی ایک دوسرے کا سہارا تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی، ایک دوسرے کا سایہ۔

رات قطرہ قطرہ بیت رہی تھی۔ چھوٹے سے گھر میں بڑی ساری خوشیاں پَر پھیلائے ہوئے تھیں۔ کون جانتا تھا ان خوشیوں کی میعاد کتنی تھوڑی ہونے والی ہے۔

کون جانتا تھا آخر۔

☆......☆......☆

باسکٹ بال گراونڈ میں نیم تاریکی کے ساتھ خاموشی بھی تھی۔ خاموشی کسی ذی روح کے نہ ہونے کی تھی۔ دور سفید اور سیاہ دھاریوں سے بنی بال ساکن پڑی تھی۔ اس کا سایہ دراز تھا۔ اس سائے پر نظر ڈالتے آگے بڑھو تو آپ کو ایک دھچکا لگے گا، کیوں؟ کیونکہ وہاں جہاں کسی ذی روح کے بھٹکنے کا بھی اندیشہ نہیں تھا۔ ایک لڑکا شارٹس پہنے دونوں گھٹنے کھڑے کر کے ان پر بازو لٹکائے بیٹھا ہوا نظر آئے گا۔ وہ نوعمر تھا مگر چہرہ سخت تھا اور آنکھیں ساکن، لب آپس میں بھینچے ہوئے تھے اور سیدھے لٹکے ہوئے ہاتھ کی دو انگلیاں مسلسل محو حرکت تھیں۔ وہ کسی کا منتظر تھا، اس کا انتظار طویل نہیں گیا۔ ایک سایہ تیز تیز اس تک چلتا آ رہا تھا۔ وہ بھی اسی کی عمر کا لڑکا تھا جو اپنی جیب سے سفید پڑیا نکال کر اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

''بہت مشکلوں سے لے کر آیا ہوں، بخدا تم بہن بھائیوں پر تعینات کیے گئے باڈی گارڈز بہت ایکٹو ہیں۔''

ثمر نے جھپٹنے کے سے انداز میں اس سے پڑیا لی اور بے قراری سے بولا۔

''راحم کو تو پتا نہیں چلا؟''

اگلی بات جو اس نے سنی تھی وہ اس کے ہاتھوں کے طوطے چھڑوا گئی کیونکہ آواز اور بات اس کے فیلو کے منہ سے نہیں بلکہ کسی اور کے منہ سے برآمد ہوئی تھی۔

''کیا بات مجھے پتا نہیں چلنی تھی، کچھ خفگی ہے مجھ سے کیا؟''

ثمر نے لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ پڑیا شارٹس کی جیبوں میں ڈالی اور اپنا ہونق چہرہ درست کرنے کی ناکام سعی کرتے ہوئے بولا۔

''کچھ بھی تو نہیں، کیا چھپانا ہے آپ سے بھلا۔ اوہ ہاں اچھا سمجھ گیا آپ میری ابھی کہی بات کی بابت پوچھ رہے ہیں ناں تو وہ یہ ہے کہ میں ابھی اس سے میچ ہارا ہوں، کل بھی ہارا تھا اسی بارے میں بات کر رہے تھے۔ بالکل ایسا ہی تھا۔'' جھکی نظریں، اڑی ہوئی رنگت، چور انداز۔۔۔ راحم دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ یہ ضروری تھا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔ یار کچھ خیال کرو میرے بھائی کو مات دیتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ کوئی اتنے اچھے انسان کو کیسے ہرا سکتا ہے۔'' وہ اس لڑکے کا شانہ تھپک کر کہہ رہا تھا۔ ثمر کی جان میں جان آئی۔ راحم سے وہ محبت کرتا تھا اس سے اتنا ہی لگاؤ اور عزت تھی جتنی ڈیڈ کے ساتھ تھی۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ وہ آئس لینا شروع ہو چکا ہے تو وہ تو بالکل ہی ٹوٹ جائے گا۔ وہ اپنے بھائی کو ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا کبھی نہیں۔

''آپ فکر نہ کریں اگلی بار ایسا نہیں ہوگا۔ اب میں چلتا ہوں ہوم ورک کرنا ہے مجھے۔'' وہ دونوں وہاں سے کھسک گئے تھے۔ راحم نے ساکن بال، نیٹ اور مدھم لائٹس کو دیکھا جوڑ توڑ کی اور نتیجہ اخذ کر لیا۔

''یہ مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہا ہے؟''

گردن موڑ کر ان کے سایوں کو تکنے کے بعد اس کی نظر ساکن بال پر جا کر ٹھہری تھی۔

آسمان کی سیاہی گہری تھی اس لیے نیم تاریکی میں بھی کچھ ٹھیک طرح سے دکھائی نہیں پڑتا تھا۔ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا چھوٹے قدم اٹھاتا اس بال کے پاس پہنچا، ساکن نیٹ اس کے سر پر تھی۔ اس نے جھک کر گیند اٹھائی، اسے ٹٹولا۔ وہ گرم تھی اور نہ ہی قدرے نرم وہ سخت اور یخ تھی جیسے کافی وقت سے ایسے ہی پڑی ہو، سر پر موجود نیٹ کے تار بھی اکڑے ہوئے لگ رہے تھے۔ پرسوچ انداز میں اس نے بال کو ہاتھوں کے درمیان سے چھوڑا۔ وہ گرتی، اچھلتی بہت دور جا گری۔ خاموشی میں ارتعاش سا برپا ہوا تھا جس نے ماحول کو لمحے کیلئے بدل کر واپس ویسا ہی کر دیا جیسا کہ کچھ دیر قبل تھا۔

''تم کیا کر رہے ہو ثمر، کیا مجھے اس بارے میں سوچنا چاہیے۔''

وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح مڑ کر جا رہا تھا۔ قدموں کی دھمک فضا میں منتشر ہونے لگی تھی۔ بال اور نیٹ اب پھر سے ساکن تھے۔ وہ ان دونوں چیزوں کو سابقہ پوزیشن میں چھوڑتے ہوئے ڈورم میں گیا۔ کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے ایک ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے گردن موڑی تھی۔ ثمر کے کمرے کی لائٹ آن تھی۔ باہر اندھیرا تھا اس لیے اس کا سایہ دروازے کی جھری سے باہر آ رہا تھا۔ فقط پاؤں تھے جو دکھائی پڑ رہے تھے۔ وہ تینوں بہن بھائی ایک ساتھ ایک گھر میں رہتے تھے۔ ڈورم تو بس یونہی کبھی کبھی آ کر چکر لگا لیا کرتے تھے۔ اب بھی راحم اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا جو اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر گیا ہوا تھا اور باقی کے جو روم میٹس تھے وہ بھی ندارد تھے تبھی کمرے میں کافی دیر سے وہ تنہا تھا۔

''میں پاگل ہو گیا ہوں یقیناً۔'' خود کو سرزنش کرتے ہوئے اس نے ناب پر رکھے ہاتھ کو حرکت دی۔ کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر آیا اور ریسٹ واچ میں وقت دیکھا

سوا گیارہ۔

''تھوڑا پاگل نہیں کچھ زیادہ ہی پاگل، اس انسان کی سالگرہ کا انتظار کر رہا ہوں جو مجھے ٹھیک سے جانتی بھی نہیں اور جس کے پاس فون بھی نہیں ہے۔ آفرین راحم آفرین، بارہ بجے کیسے وش کرو گے تم جواب تک جاگ رہے ہو۔'' پاؤں کو جوگرز سے آزاد کراتے ہوئے وہ خود سے ہم کلام تھا۔ کمرے کے کھڑکی کھلی تھی اس لیے دبیز بادلوں کی تہہ سے ڈھکا آسمان اندر جھانکنے کی سعی میں تھا مگر وہ جھانک پاتا تب نا جب خود بادلوں کی قید سے رہائی حاصل کرتا آہ بیچارہ آسمان۔

''وقت لکھے گا میری بیوقوفیوں کو، ماضی ہنسے گا مجھ پر اور میں قابل رحم مرا جا رہا ہوں فقط ایک جملے کیلئے، سالگرہ مبارک کہنے کیلئے، آہ راحم دنیا کی تمام ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔'' ریسٹ واچ کو ڈریسنگ پر پھینکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک ہی عکس تھا۔ سبز سٹولر میں ڈھکے اس چہرے کا جو اس سے بہت دور تھا۔ اتنی دور کہ اسے وہاں تک پہنچنے کیلئے پچپن منٹ درکار ہوں گے مگر وہ جائے گا ہی کیوں اور کس حیثیت سے؟

جیکٹ کو بیڈ پر اچھال کر وہ واش روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تھا۔ جہاں وہ اندر گیا تھا وہیں ساتھ والے کمرے میں سے کوئی دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔ وہ ثمر تھا جو واش روم سے نکلا تھا۔ ٹاول سے چہرے کو پونچھتے ہوئے اس نے سٹڈی ٹیبل پر رکھی پلاسٹک کی پڑیا اٹھائی۔

''خالص ہے اور بہت پر اثر بھی۔'' اس کے تین دوست اس کمرے میں موجود تھے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ روم شیئر کرتے تھے۔ دو ایک ساتھ بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگا کر نیچے بیٹھتے تھے تو تیسرا دائیں جانب پڑے صوفے پر نیم دراز تھا۔ اوپر والا جملہ بھی اس نے ہی بولا تھا۔ ثمر نے سٹڈی ٹیبل کے پاس رکھی کرسی کھینچی اور اس پڑیا کو آنکھوں کے سامنے کیا۔ چھوٹے

چھوٹے باریک دانے براق سفید تھے۔

''مجھے لگتا ہے راحم کو شک ہو گیا ہے ہم پر۔'' اس نے صوفے پر نیم دراز وکرم کی جانب گردن موڑی۔ ''دیکھا نہیں تھا ہم نے درخت کی اوٹ میں چھپ کر، کیسے وہ بال کا معائنہ کررہا تھا۔'' وکرم نے پشت کو آرام دہ صوفے ہٹایا۔

''تمہارا کہا درست ہے مگر وہ کس طرح کا شک کرسکتا ہے۔'' بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگائے ڈینس نے بات کا جواب دیا۔

''اس کی شک کی بنیاد بہت بودی ہوگی اب تک وہ بھول بھی چکا ہوگا۔'' اگلا جملہ ڈبن نے جوڑا تھا۔

''کیونکہ وہ ثمر سے پیار جو کرتا ہے۔''

اس بات پر مدھم قہقہوں کا سیلاب کمرے میں امڈ آیا تھا۔ ثمر نے سر کو جھٹکا، پیکٹ کی سیل کھولی اور اس میں سے چند دانے ہتھیلی پر گرا دیے۔ دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے سے انہیں مسلنے کے بعد وہ اسے سونگھ رہا تھا۔ باقی سب یہ کام پہلے ہی کر چکے تھے اس لیے قدرے نشے میں تھے۔

''اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔'' دماغ کو بوجھل کرتے ہوئے وہ ان سب سے کہہ رہا تھا۔ ڈب نے بھی یہی کام کرنا شروع کیا لیکن وہ آئس کا استعمال نہیں کررہا تھا بلکہ الکوحل کی بوتل کو ہونٹوں سے لگا رہا تھا۔ لگانے کے بعد کہہ رہا تھا۔

''یار، خالی الکوحل مزہ نہیں دیتی، کوئی صنف بھی یہاں پر ہونی چاہیے۔ اف کیا بتاؤں تمہیں، ایبک کی بہن میں کیا حسن چھپا ہے۔'' صدا وکرم کی جانب سے آئی تھی۔ ایک بار پھر سب ہنس پڑے تھے۔ ثمر نے حواس مختل ہونے سے پہلے شانے جھٹکے۔

''مجھے تو گرینا بھاتی ہے۔''

اس کی پسند پر سب اووؤ کر رہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے نشے میں گم ہوا جا رہا تھا۔ بلونڈ بالوں والی، دراز قد اور پتلی سی گرینا اس کی کلاس فیلو ہی تھی۔ ایک خالص ڈچ تھی۔ ثمر کو اس کی مغروریت سے پُر آنکھیں بہت بھاتی تھیں۔ ابھی بھی ان آنکھوں کی شبیہ اس کی آنکھوں میں بن رہی تھی تبھی تو وہ اتنا مخمور سا نظر آ رہا تھا۔

''تو معاملہ یہ ہے مگر ڈوڈ جان لو کہ وہ کمیٹڈ ہے۔ اس کا بوائے فرینڈ ایک ریسلر ہے۔''

ڈب کے ڈرانے پر اس نے ابرو چڑھائی اور الفاظ لبوں سے نکالے، نکلے ہوئے الفاظ آئکس کے نشے کے نہیں بلکہ اپنی ذات کے نشے سے بھرے ہوئے تھے۔

''تو (گالی) ودھ دس گائے۔'' پھر وہ پشت چھوڑ آگے جھکا اور آنکھوں کو چندھیا کر گویا ہوا۔ ''بھول رہے ہو میں کون ہوں، میں وہ ہوں جو ہارتا نہیں ہے۔ ثمر اور ہار دو متضاد چیزیں ہیں۔ مجھے جو حاصل کرنا ہوتا ہے وہ میرا ہو کر رہتا ہے۔ بائے ہک یا کروک۔''

اس کے لفظوں کی گونج مدھم تھی مگر ان کا اثر بہت گہرا تھا۔ بالکل رات کی اس سیاہی کی طرح جس نے سب کچھ اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا، مگر کب تک؟ اندھیرے کو زوال ہے بالکل اسی طرح جس طرح سویرے کو ہے۔

☆......☆......☆

''تم آج بھی نہیں آؤ گے؟''

وہ علی الصبح ہی نہا دھو کر شاپ پر پہنچ گیا تھا۔ آج اجرت کا دن تھا اور اسے پورے ہفتے کے کیے گئے کام کے پیسے ملنے تھے۔ پرنسپل کی کال اسے صبح ہی موصول ہوئی تھی جس میں اسے فوری طور پر سکول آنے کا کہا گیا تھا۔ سر پیٹر نے دو دن کیلئے اسے کلاس سے برخاست کیا تھا باقی کے تین وہ خود آف لے گیا تھا۔ آج سے ویک اینڈ شروع ہونے والا تھا اس کے بعد وہ

سوموار سے روزانہ سکول جایا کرے گا یہ اس نے سوچ لیا تھا۔ ادا کو اس نے خاص ہدایت کی تھی کہ وہ سکول جائے تبھی وہ اس کے اٹھنے کے بعد گھر کا سارا کام نبٹا کر سکول جانے کیلئے بس میں سوار ہوگئی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے شکایتی انداز میں اپنے بھائی کی خالی سیٹ کو دیکھا تھا، کیا ہو جاتا اگر وہ آج آ جاتا تو۔

”سنو لڑکے، آج تمہاری اجرت کا دن ہے۔ پیسے لو اور پھر مجھے نظر نہ آؤ، سمجھے کہ نہیں۔“
ایک فٹافٹ یونیفارم پہن آیا تھا۔ نیلے رنگ کا جمپر سوٹ زیب تن کیے وہ پھیکی مسکان کے ساتھ اس موٹے گنجے کو دیکھ رہا تھا جو سفاکیت کی حد تک سفاک تھا۔

”سمجھ گیا ہوں جناب لیکن کتنا اچھا ہو اگر آپ تھوڑی سی وسعت پیدا کر لیں میرے لیے، میں بہت دلجمعی سے کام کروں گا۔“ ہاتھ میں سکریو گیج تھامے وہ متانت بھرے لہجے میں ان سے مخاطب تھا۔ موٹے گنجے کی ابرو اچکی اور جبڑے بھینچے۔

”دیکھو لڑکے۔“ وہ انگلی اٹھا کر سخت لہجے میں گویا ہوا۔ ”تم ایک غیر ذمہ دار اور نا تجربہ کار انسان ہو۔ تمہاری وجہ سے میں ایک کار کا نقصان اٹھا چکا ہوں اور جیل بھی جا چکا ہوں۔ تم نے جو ٹائر بدلا تھا وہ ڈھیلا تھا۔ سوچو اگر کار چلانے والی کی جان چلی جاتی تو کیا کرتے ہم۔ اس لیے آئندہ مجھ سے التجائیں مت کرنا، اس ہفتے تم پر رحم کھایا ہے تو تمہاری ماں کی وجہ سے۔ میرے رحم کو پچھتاوا نہ بناؤ سمجھ گئے نا؟“

مایوسی سے سر ہلاتا وہ مڑ گیا تھا کہ اب اس کی کسی بھی گزارش پر کان نہیں دھرے جائیں گے۔ یہ تھا وہ میس جو وہ پھیلا چکا تھا۔ اسے آج ایک سٹوڈنٹ کی سائیکل ریپئر کرنی تھی۔ وہ کٹ اٹھاتا اس سائیکل کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ صبح آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی مگر باہر موسم بتا رہا تھا کہ صبح ڈھلے نہ ڈھلے کیا فرق پڑتا ہے۔ رات کو بھی اندھیرا ہونا ہے اور دن کو بھی، یہ پورا ہفتہ

ابر آلود رہنا ہے۔ اس پورے ویک شدید سردی پڑنی ہے۔ وہ پیڈل پر نیا کور چڑھانے کے بعد اسے گھما کر دیکھ رہا تھا جب ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ نظر اٹھا گیا۔

''تم آج بھی نہیں آؤ گے؟''

نسوانی آواز، پشیمان لہجہ، ایبک نے پلکوں کو اٹھایا۔ سائیکل کے بڑے پہیے کے اس پار وہ بیٹھی تھی۔ پنجوں کے بل اونچے اٹھے گھٹنے پر ہاتھ ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ پہیہ برق رفتاری سے حرکت میں تھا۔ پیڈل ایبک کے چہرے کے گرد گول گول گھوم کر اس کی بلائیں لے رہا تھا۔

''تم یہاں کیوں ہو؟'' اس نے محتاط انداز میں اپنے خرانٹ باس کی طرف نظر ڈال کر پوچھا جو اسی سمت متوجہ تھا۔ اس کی بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور نظروں کا تجسس آسمان کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

''تمہیں دیکھنے آئی تھی، راستے میں ٹائر میں کیل پھنس گیا۔'' وہ تھوڑی سی سائیڈ پر ہوئی۔ ٹائر تبدیل کرتا ایک لڑکا بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔ محو حرکت پہیہ اب قدرے سست پڑ رہا تھا تبھی اس کی بلائیں لیتا پیڈل جیسے تھک چکا تھا۔ اس کے پاس لائسنس نہیں تھا۔ وہ خود بھی کار نہیں چلاتی تھی۔ ڈرائیور ہمہ وقت ان بہنوں کے ساتھ ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی وہ اس طرح تنہا نکل آیا کرتی تھی جیسے آج موقع ملتے ہی نکلی تھی۔

''تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' لہجہ درشت ہو رہا تھا مگر اس نے کنٹرول کر لیا۔ ادا کو بالکل اچھا نہیں لگتا تھا اس کا سخت لہجے میں کسی بھی لڑکی سے مخاطب ہونا۔

''تمہارے لیے میرا ابھی یہی خیال ہے۔ چل سکتے ہو ساتھ میرے، ابھی کلاسز شروع نہیں ہوئی ہیں۔''

''محترمہ، آپ کا کام ہو گیا ہے۔'' ٹائر تبدیل کرتے لڑکے کی مداخلت پر وہ مڑی۔ چھوٹی

سی مسکراہٹ اس کے نظر کی اور واپس گردن موڑ لی، پہیہ مکمل طور پر رک چکا تھا۔ایبک کا چہرہ واضح نظر آنے لگا۔

"میں سوموار سے آؤں گا۔" جان چھڑانے والے انداز میں کہا گیا۔ایلاف کھڑی ہو گئی تھی۔وہ بیٹھا رہا۔

"چلو پھر ملتے ہیں سوموار کو۔خدا حافظ۔" ایک دزدیدہ نگاہ اس پر ڈال کر وہ پے منٹ کر رہی تھی۔ اپنی کار میں بیٹھنے سے قبل اس نے آنکھوں کی پتلیوں کو حرکت دی۔ مضمحل، پرسوچ، کملایا سا وہ لڑکا اسے نا جانے کیوں اجنبی نہیں لگ رہا تھا۔وہ سن چکی تھی اس موٹے آدمی کی باتیں جو وہ اسے کہہ چکا تھا۔وہ اس کیلئے کچھ کرنا چاہتی تھی مگر کیا؟

جس طرح وہ اس پر مٹی پھینک سکتی ہے اسی طرح وہ اس کی مدد بھی کر سکتی ہے اور وہ کرے گی چاہے ایبک انکار کرے یا نا۔سکول پہنچنے اور ایک کلاس لینے کے بعد اس کے سیل فون پر راحم کی کال آ رہی تھی۔وہ میوزک ہال کے پیچھے ٹہلتی ہوئی گئی اور اس کی کال پک کر لی۔

"میں نے سنا ہے میری بہن بدتمیز ہو گئی ہے۔"

ایلاف اس کی بات پر مسکرائی۔شبنم سے گیلی گھاس کو بوٹوں تلے مسلتے ہوئے وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"سترہ سالوں بعد آپ کو اس بات کا ادراک ہو رہا ہے۔مابدولت تو پیدائشی بدتمیز ہے۔" وہ کوٹ کے کالر کو ایسے جھٹکتے ہوئے کہہ رہی تھی جیسے یہ کوئی بڑی اعزاز کی بات ہو۔جانتی تھی اس لمحے راحم نے سر کو ضرور پکڑا ہو گا۔

"ایبک کے ساتھ غلط کیا تم نے، اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔" پشیمانی کا ایک اور پتھر اس کے دل پر آ کر لگا تھا۔راحم نے اسے کسی بات سے ٹوکا تھا، منع کیا تھا تو یعنی وہ غلط تھی

چاہے پوری دنیا صحیح کہہ دے لیکن اس کا بھائی کہہ رہا تھا تو وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔نم گھاس مردہ سی اس کے ہر قدم سے مزید پس رہی تھی۔اس کا ہر اٹھتا قدم اس گھاس کو تکلیف دے رہا تھا۔ کون جانتا تھا اب اس کا ہر قدم یونہی سب کو وقفے وقفے سے تکلیف دے گا۔شروعات ایک اور راحم سے ہو چکی تھی۔

"شرمندہ ہوں اپنے اس عمل پر، معذرت بھی کر چکی ہوں۔آپ بتائیں کب واپس جا رہے ہیں۔"

گھاس پر شبنم تھی تو ہوا میں نمی گھلی تھی۔گالوں کو چھوتی فضا خاصی گیلی اور سرد محسوس ہو رہی تھی۔اس کے گال سفید سے سرخ ہونے لگے، ٹھنڈ کی زیادتی نے اس کے گال اور ناک کو سرخ کر دیا تھا۔

"کل نکلوں گا۔اچھا سنو۔"

راحم کے عجلت میں پکارنے پر وہ چونکی۔اس سے زیادہ چونکاہٹ اس کا مخاطب کرنے کے بعد چپ ہو جانا تھا۔کئی خاموش ساعتیں ان دونوں کے بیچ حائل ہوئی تھیں پھر اس خاموشی میں خلل ایلاف کی آواز نے ڈالا۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے؟" وہ یاد دہانی کروا رہی تھی۔دھوپ ندارد تھی۔ٹھنڈ کا بول بالا تھا۔جنوری کی دو تاریخ تھی تو سردی کیونکر نہ ہوتی بھلا۔

"نہیں اب کوئی جواز نہیں رہتا۔"

کال کٹ گئی تھی۔ایلاف نے اچنبھے سے فون کی جانب دیکھ کر نظر اٹھائی۔دور گلابی سکارف میں ادا انیشہ کے ساتھ کھڑی کسی بات پر نزاکت سے مسکرا رہی تھی۔انیشہ اور اس کی ابھی دوستی ہوئی تھی۔یہ دوستی ادا کیلئے کتنی جان لیوا ثابت ہونے والی تھی اس کا ادراک اسے

ہو جاتا تو کبھی اس کے ساتھ ہاتھ نہ ملاتی۔

کسی کے گالوں پر سردی ڈیرہ جما رہی تھی آہستہ آہستہ، مسلسل مسلسل۔

☆......☆......☆

دو جنوری گزر گیا تھا۔ ادا کی سالگرہ بھی خاموشی کے ساتھ گزر گئی تھی اور راحم بھی چپ اوڑھے، حسرتیں دل میں لیے چلا گیا تھا۔ زندگی روٹین پر تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی صبح سویرے سکول پہنچ جاتے اور شام میں اپنی اپنی پارٹ ٹائم جاب کو، ایبک کی سابقہ نوکری چھوٹ گئی تھی۔ وہ شہر میں موجود بابیز ریسٹورنٹ میں ویٹرنگ کا کام کر رہا تھا۔ کافی لے جانا، کھانا سرو کرنا، یس سر، جی میم، گڈ ایوننگ، ہیو آ گریٹ ڈے اور جھوٹی مسکان چہرے پر سجا سجا کر وہ جیسے عاجز آ چکا تھا۔ کتنے سارے کام تھے جو وہ دونوں بہن بھائی اکیلئے ہی سرانجام دے رہے تھے۔ یہ عمر زندگی جینے کی تھی۔ اسی عمر میں وہ زندگی کے تلخ ادوار کو جی رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے کلاس فیلوز کو دیکھتا تھا تو ان پر بہت رشک کرتا تھا۔ انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ سکول آتے تھے۔ ہنستے تھے، کھیلتے تھے پھر گھر چلے جاتے تھے وہاں جہاں ان کی موم ڈنر پر ان کا انتظار کر رہی ہوتی تھیں اور ڈیڈی ان کے فری ہونے کا تاکہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ شطرنج کی بازی لگا سکیں یا چلو وہ نہیں بیس بال ہی کھیل لیں۔ اس نے گہرا سانس بھرا، آزردہ، تھکا ہوا گہرا سانس۔

''ایبک! ٹیبل نمبر دو کیلئے آرڈر لے جاؤ۔'' سفید یونیفارم خود پر چڑھائے وہ سر کو اثبات میں جنبش دے رہا تھا۔ بڑی ساری ٹرے کو ایک ہاتھ میں اونچا پکڑے وہ تیز قدموں کے ساتھ میز نمبر دو کی طرف بڑھ رہا تھا جب اچانک اس کے قدم سست پڑے۔ سست اس لیے کیونکہ اس میز پر ایلاف، انیشہ اور ثمر کے علاوہ اس کے چند اور کلاس فیلوز بھی موجود تھے۔ وہ

انہیں وہاں دیکھ کر خوش ہوا تھا۔ سب کو اچھی سروس دے گا یہ سوچ لیا تھا اس نے مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ اب سے کچھ منٹ بعد اسے کیسی حقارت اور ترحم بھری نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ مغربی دنیا میں بھی یہ ہوگا جہاں ہر سٹوڈنٹ فخر سے پارٹ ٹائم جاب کرتا ہے اور لوگ اس کی محنت کو سراہتے ہیں۔ ہاں اسی دنیا میں ایبک سلطان کو ذلیل کیا جائے گا اور کیا خوب کیا جائے گا دیکھنا تم۔

''ارے دیکھو یہ تو ایبک ہے۔'' میگھا کے حیرت سے کہنے پر وہ مسکراتے ہوئے ان کے قریب آیا اور میز پر برتن سجانے لگا۔ کئی گردنوں نے اسے مڑ کر دیکھا تھا۔ سترہ سالہ چھوٹے سے لڑکے کے چہرے پر سب نے جیسے نظریں گاڑلی تھیں۔ ایلاف بھی ہلکی سی مسکرائی۔ یہ جاب راحم کی سفارش پر ہی تو ایبک کو ملی تھی۔ اسے بیتے دن یاد آئے تھے۔

''بھائی! میں اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔ ایبک بابیز میں اپلائے کرنے گیا تھا۔ انہوں نے کل کا وقت دیا ہے آپ پلیز کسی طرح اس کی جاب وہاں فکس کروا دیں۔'' اور وہ جانتی تھی ایبک کی جاب کے پیچھے راحم کا ہی ہاتھ تھا۔ اس نے کس طرح یہ کیا وہ نہیں جانتی تھی، معنی رکھتی تھی تو یہ بات کہ اب ایبک پھر سے نوکری شدہ ہے اور خوش لگ رہا ہے۔

''کچھ بھی مزید چاہیے ہو تو مجھے بلانا۔'' سیل فون پر بزی شمر کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا پھر ایک نگاہ سب پر ڈالی۔ ڈینس نے کرسی کی پشت چھوڑی ہوئی تھی۔ وہ میز پر کہنیاں ٹکائے بیٹھا تھا۔ اس بات پر تحقیر سے اس سے مخاطب ہوا۔

''کیوں نہیں اور کسے بلائیں گے۔ تم سے زیادہ بہتر سروس اور کون دے سکتا ہے ہمیں، لو درجے کے لوگ اچھے سے چاکری کرنا جانتے ہیں۔''

مسکراہٹیں یکدم سکڑیں، خاموشی نے لمحے کے ہزارویں حصے میں سب کو اپنی لپیٹ میں لیا

تھا۔ مانو وہاں جیسے کوئی نہ ہو فقط ان سات لوگوں کے، چھری کانٹوں کی آوازیں، دبے دبے قہقہے اور کھسر پھسر کی آوازیں سب اس ایک طعنے میں گھل گئی تھیں جو ڈینس کے لبوں سے برآمد ہوا تھا۔ خوشی زائل ہوئی ہتک نے آن گھیرا۔

''ڈینس۔'' یہ ایلاف تھی جو اسے باز رہنے کا کہہ رہی تھی۔ ڈینس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروا دیا۔

''ٹپ کتنی ملتی ہے تمہیں۔ امم۔'' اس نے اوپر سے نیچے تک اسے دیکھا۔ ''افسوس زیادہ نہیں ملتی ہوگی خوش ہو جاؤ بلکہ جشن مناؤ کیونکہ آج میں تمہیں اتنی ٹپ دینے والا ہوں جتنی تمہاری تنخواہ بھی نہیں ہوگی۔''

''میں بھی ایسا کروں گی۔'' سائنا نے لب دباتے ہوئے کہا تھا۔

''اور میں پیچھے کیوں رہوں، کسی غریب کا بھلا ہو جائے اس سے بہتر کیا بات ہے۔'' ڈچر بھی کیوں پیچھے رہتا۔ ہتک کے زیر اثر ایبک کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ ثمر نے سیل فون لکڑی کی ٹیبل پر رکھا اور ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈال کر بولا۔

''کم آن، کیا ہو گیا ہے تم سب کو جب ٹپ آئے گی دے دینا ابھی تو جانے دو بیچارے کو۔'' اور یہ لفظ تھا یہ ''بیچارہ'' لفظ جس نے ایبک کے جبڑے بھینچ دیے تھے۔ انیشہ اس گفتگو کے وقت غصے سے ڈینس کو تک رہی تھی۔ کتنی چھوٹی سوچ رکھی تھی اس انسان نے، چھوٹی سوچ ہی تھی جو لفظوں کے ذریعے باہر نکل رہی تھی۔ ایلاف میز پر دونوں ہاتھ مار کر کھڑی ہوئی۔

''انف از انف، کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو، کس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔''

ایبک نے آگے بڑھ کر آخری گلاس میز پر رکھا اور لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ جاتے جاتے ڈچر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ ٹکرا کر اس کے خون کو کھولا گئی وہ آواز یہ تھی۔

”یار، ہم تو غریب کی مدد کر رہے ہیں، کیا برا کر رہے ہیں۔“

اس نے سٹیل کی گول ٹرے پر اتنی سختی سے انگلیاں جمائیں کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اندر دھنس جائے گی۔ وہ نہیں جانتا تھا باہر ایلاف اس کے مقدمے میں کیا، کیا کہہ رہی ہے۔ دکھ تھا تو اس بات کا کہ وہ اپنے ہی کلاس فیلوز کے ہاتھوں سب کے سامنے ذلیل کیا گیا تھا۔ اس نے ٹرے کو سٹیل کے بڑے سارے سنک میں اچھالا اور اسے کناروں سے تھام کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے اس عمل پر زبردست آواز گونجی تھی جس پر کئی گردنوں نے اسے مڑ کر دیکھا تھا۔ ایک نے تو پوچھ بھی لیا۔

”یہ کیا طریقہ ہے نوعمر لڑکے۔“ ایک نے سنک کو جھٹکے سے چھوڑا، ایپرن کو گناہ آلود چیز کی مانند بدن سے الگ کیا اور قہر برساتی نگاہوں سے وہ وہاں سے بھی چلا گیا۔ فٹ پاتھ پر سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھے ایک کے قریب کسی کی تیز سانسوں کی آواز گونجی تھی، سانسوں کے بعد بولنے کی آواز جس پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

”تم کتنا تیز چلتے ہو واللہ اتنا تو کبھی میرے جم ٹرینر نے مجھے نہیں بھگایا جتنا کہ آج تم بھگا چکے ہو۔“

سردی میں بھی اس کی بھنوؤں کے کناروں پر پسینے کی بوندیں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ سانس کی رفتار تاہنوز تیز تھی اور چہرہ بھاگنے کی وجہ سے تھوڑا ست گیا تھا۔ وہ ہونٹوں کو گول کر کے اس میں سے سانس چھوڑ رہی تھی۔

”یہاں کیوں ہو تم، اوہ اچھا سمجھ گیا دوستوں کو ساتھ لائی ہو گی یہاں بھی میرا مذاق بنوانے کیلئے۔ ہے نا۔“ اس کے نحیف سے چہرے پر بدگمانی کی بہت گہری پرچھائیاں تھیں۔ ایلاف اپنی عمر سے کئی کم دکھتے لڑکے کو دیکھتی رہی پھر اس نے نظریں اس کے گدلے بوٹوں پر ڈال دیں جس کے بھورے لیسز مٹی پڑنے کی وجہ سے مزید بھورے لگ رہے تھے۔

"تمہارا شکوہ بجا ہے ایبک مگر میرا کیا قصور ہے اس سب میں، میں تو تم سے معافی مانگ چکی ہوں نا۔" وہ اس کے لیسز کی بھول بھلیوں میں کھوتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ وہ دونوں جس فٹ پاتھ پر بیٹھے تھے اس کے دوسرے کنارے کے گرد پول لگا تھا جس پر موجود جالیوں میں قید بلب مانو بس ان پر ہی روشنی پھینک رہا ہو، باقی تو سب اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ہاں یہاں سے قدرے دور اکا دکا ٹریفک تھی جو اندھیرے کو چیرتی ہوئی گزر رہی تھی۔ ابھی بھی ایک کار گزری تھی جس کی سرخ لائٹ ان دونوں پر بھی پڑی تھی۔

"تم سب امیر زادے ہو ہمارا تمہارا کوئی جوڑ نہیں، تمہارا تو میرے ساتھ بیٹھنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہوگا۔"

ایلاف کی آنکھوں میں مرچیں بھر گئیں۔ "امیر زادے" کتنا بڑا طعنہ تھا نا یہ، کیسا خنجر تھا جو دل کو زخمی کر کے اس کے لہو کو آنکھوں میں بھر گیا تھا۔ وہ ان ہی لہو لہو آنکھوں کے ساتھ مدھم آواز میں بولی۔

"امیر زادہ کیا ہوتا ہے ایبک؟" اس نے سر اٹھا کر سوال کیا۔ اس کے بال کھلے تھے اور پلکیں مسکارے کی زیادتی سے جڑی ہوئیں۔ "کوئی امیر زاد نہیں ہے۔ یہاں پر سب زمین زاد ہیں۔ زمین کی پیداوار، زمین کی امانت، اسی سے نکلے ہیں، اسی میں جائیں گے اور میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔"

وہ لبوں کو آپس میں جوڑے خاموش نگاہوں سے اسے سن رہا تھا۔ پول کی زرد لائٹ مری مری سی ان دونوں پر گر رہی تھی۔

"جس کا دل اور ذہن پست ہو نا وہ امیر نہیں ہوا کرتے، پھر چاہے ایک دنیا کی دولت ان کے پاس ہو، غریب ہی رہتے ہیں۔ تمہارے خیال میں ڈینس، ڈچ، سائنا کیا ہیں؟ کیا تم

انہیں امیر سمجھتے ہو، اگر ہاں تو پورا یو۔"

ایبک نے نظریں اس پر سے ہٹالیں مگر وہ تا ہنوز اسے دیکھتی رہی، کملائی ہوئی رنگت، پچکے گال، مایوسی چھلکاتی آنکھیں اور نحیف سا وجود کون کہہ سکتا تھا، یہ لڑکا سترہ سالوں کا ہے۔ سترہ سال میں اتنے سارے غم۔

"زندگی واقعی ایسے نہیں کٹتی ہے طعنوں تشنوں سے، زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے صبر اور محنت سے کام لینا پڑتا ہے اور اس سے زیادہ دوسروں کے غرور کو کچل کر اسے کامیاب بنایا جاتا ہے۔ تم ان تین لوگوں کی باتوں کو دل پر لو گے اور نوکری سے دستبردار ہو جاؤ گے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا تمہیں گوارا ہے ان کی جیب بھری رہے اور تمہاری خالی۔"

وہ ہاتھوں کی مٹھی کو ٹھوڑی تلے ٹکائے اسے سن رہا تھا۔ سڑک پر موجود چھوٹے چھوٹے کنکر ہوا کی دوش پر ادھر سے ادھر بکھر رہے تھے۔ ایبک کو ان پتھروں میں اپنا وجود بھی بکھرتا ہوا نظر آیا۔

"لفظوں کو بہت آسانی سے نکالا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے بھاری لفظ بہت آسانی سے ادا کیے جا سکتے ہیں مگر وہ درد۔" اس نے اب بھی ایلاف کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نظریں تو پتھروں پر ہی اٹکی ہوئی تھیں۔ پول کی زرد لائٹ ہولے ہولے دم توڑ رہی تھی۔

"اس کی اذیت کا احساس اسے ہی ہوتا ہے جو سہتا ہے۔" کہتے ساتھ ہی وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ ایلاف وہاں تنہا بیٹھی رہ گئی۔ ایبک کی پرچھائی بھی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور خود کو وہاں کچھ دیر کیلئے تنہا چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

دن یونہی سستی اور کاہلی سے بیتتے چلے گئے تھے۔ ایلاف کی باتوں کا اثر اس نے اتنا لیا تھا کہ وہ واپس اپنی جاب جوائن کر چکا تھا۔ ان کی ماما کی کنڈیشن ابھی تک وہی تھی۔ سکول میں وہ

دونوں بہن بھائی اپنا سابقہ ریکارڈ تیار کرتے ہوئے اچھا رزلٹ دے رہے تھے۔ اب اس کی ایلاف کے ساتھ کبھی کبھی براہ راست بات ہو جایا کرتی تھی۔ ایبک نے جان لیا تھا کہ یہ لڑکی اپنے سرکل سے کافی مختلف ہے۔ ایلاف کا خاص پنا ہی تھا کہ گروپ کے دو تین لڑکے اس کیلئے جی توڑ محنت کر رہے تھے مگر ثمر سے چھپ کر، جانتے تھے اگر ثمر کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو ان کا بھرکس نکال دے گا۔

مگر کون جانتا تھا اپنی بہنوں کیلئے محتاط انسان کسی دوسرے کی منگیتر کیلئے کس قسم کے خیالات رکھتا ہے۔ چھٹی کا وقت تھا۔ کرینا اتفاق سے نکلی دھوپ میں سب سٹوڈنٹس کی طرح گراؤنڈ میں ٹانگوں کو پسارے بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھوں کو تھوڑا پیچھے رکھ کر آنکھیں بند کئے منہ آسمان کی جانب تھا۔ اس کے سنہری بال جس کی فرنچ ناٹ بنائی گئی تھی دھوپ کے زرد زروں میں مزید چمک رہے تھے۔ سنہری پلکیں بند تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے ان پر کسی نے افشاں چھڑک دی ہو۔ آئس کے ہلکے سے نشے میں گم ثمر اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ ایک پوری نظر اس کے وجود پر ڈالی تھی۔ کھلا سفید ٹراؤزر اور اورنج فارمل شرٹ جس کے کف بہت کھلے اور بڑے تھے، بازو بھی بڑے تھے فیشن کے طور پر انہیں بٹنوں کی قید میں نہیں دیا گیا تھا۔ گلے کے بٹن بھی کھلے تھے اور ان میں سے سلور کلر کی کافی ساری چینز تھی جو جھلک رہی تھیں۔ کالر کو کافی پیچھے کیا گیا تھا یا پھر کالر کو، اسے پیچھے نہیں کیا گیا تھا اس کی سلائی ہی ایسی تھی کہ وہ پیچھے گرا ہوا تھا جس کے سبب اس کی مخروطی گردن صاف نظر آ رہی تھی۔ ثمر نے ہاتھ اسی گردن کی طرف بڑھایا، ابھی اس کی دو انگلیوں نے کالر کو ٹچ ہی کیا تھا کہ کرینا نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور اس کے ہاتھ کو بری طرح جھٹک دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم؟" وہ دو قدم پیچھے بھی سرکی تھی۔ دونوں ڈھلوان پر موجود تھے۔ ان

سے کافی دور طلباء بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔

''محسوس کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تمہیں، کیا نہیں کر سکتا؟''

اس کی بوجھل آواز پر گرینا کے ماتھے پر دو بلوں کا اضافہ ہوا۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی، نزدیک کوئی بھی نہیں تھا۔

''حد میں رہو ثمر، تمہاری فطرت کتنی گھٹیا ہے۔''

وہ اس کی بات پر ہنسا تھا، گردن کو پیچھے گرا کر وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

''بہت ڈھیٹ ہو تم، کتنی بار تمہیں دھتکار چکی ہوں پھر پیچھے آجاتے ہو مگر بس اب بہت ہو گیا۔ اب تمہاری کمپلین کرنی ہی پڑے گی۔'' وہ اٹھ کر جانے لگی تھی جب اس کی کلائی کو ثمر نے مضبوطی سے ہاتھ میں جکڑا۔ جکڑنے کے بعد اسے زور سے اپنی جانب کھینچا۔

''بات سنو میری، زندگی عزیز ہے تو چپ رہو اور خاموشی سے آج شام میرے پاس آجانا ورنہ بہت برا ہو گا تمہارے ساتھ۔'' منہ سے کف نکالتا وہ اسے ڈراتے ہوئے کہہ رہا تھا مگر گرینا نہیں ڈری، اس کا منگیتر اثر ورسوخ والا آدمی ہے۔ وہ خود ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی ہے تو کیونکر ڈرتی ان گیدڑ بھبکیوں سے۔

''بھاڑ میں گئے تم اور تمہاری دھمکیاں۔''

اپنا ہاتھ چھڑاتی وہ وہاں سے تیز تیز چل دی تھی۔ وہ تو چلی گئی تھی مگر ادا وہاں بیٹھی رہی تھی۔ کون جانتا تھا کہ اس خزاں رسیدہ درخت کے پیچھے بیٹھی لڑکی ان کی تمام گفتگو سن رہی ہے، سن کر اپنی آنکھیں بھگو بیٹھی ہے۔

سورج آکر چلا گیا تھا۔ دن سے رات ہو گئی تھی۔ ادا جلے پیر کی بلی کی مانند یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔ اسے کیا کرنا چاہیے، کیا وہ راحم کو ثمر کے بارے میں بتا دے یا وہ ثمر کی باتیں

انیشہ کے گوش گزار دے۔ مگر کیا وہ دونوں اس کا یقین کریں گے؟ ان چار بہن بھائیوں کی باؤنڈنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے سب اسے ہی جھوٹا ڈکلیئر کریں گے اور وہ سب برداشت کر سکتی تھی یہ لفظ نہیں۔

''پریشان لگ رہی ہو۔'' وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی جب اس کے استغراق میں خلل ایک نرم آواز نے ڈالا تھا۔ وہ راحم کی آواز تھی۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ادا کے سر اٹھاتے ہی راحم کی نظریں جھک گئی تھیں۔ سیاہ اونی سکارف میں اس کا چہرہ ہیرے کی مانند دمک رہا تھا۔

''آپ؟'' چونکتے ہوئے اس نے آس پاس نگاہ، دوڑائی وہ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی اور اس وقت شاپ بالکل خالی تھی۔ اسے اپنی سوچوں پر بند باندھنا ہوگا ورنہ گاہک آ کر یونہی چلے جائیں گے اور وہ بوڑھی خاتون جنہوں نے یہ آرگینک پرفیوم کی شاپ کھولی ہے اسے یہاں سے کک آؤٹ کر دیں گی۔

''کیوں کیا نہیں ہو سکتا؟'' بیس سالہ راحم کی ایک چور نظر اس سترہ سالہ لڑکی کے چہرے پر بھٹکی تھی۔ اس نے دل کو سرزنش کی اور نظروں کو ڈپٹا، کیا ہو جاتا اگر یہ دونوں چیزیں اپنے جذبات پر کنٹرول رکھ لیں حد ہے ان دونوں کی بھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، آپ کیا لیں گے، لیڈی آہن نے نئی خوشبو لانچ کی ہے کیا آپ وہ ٹرائے کرنا چاہیں گے۔'' راحم نے شانے اچکا دیے۔ وہ اس کا پرانا کسٹمر تھا۔

''ضرور۔'' پھر وہ آدھے گھنٹے تک اس کے ساتھ ایک ایک شیشی کو ٹرائے کرتا رہا تھا۔ نئی خوشبو اسے نہیں بھائی تھی لیکن جونہی معلوم ہوا کہ ادا نے بھی آج اسی خوشبو کا استعمال کیا ہے وہ اس کو لینے پر راضی ہو گیا۔ بوتل کو ہاتھ میں تھامے وہ کاؤنٹر کی طرف اس کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

''ابھی تو آپ نے کہا تھا آپ کو اس کی خوشبو پسند نہیں آئی ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے

بوتل کو لے کر باکس میں منتقل کر رہی تھی۔ راحم کے لبوں کا کنارہ پھیلا کیسے سمجھائے وہ اسے۔

"وہ میری دس منٹ پہلے کی رائے تھی اب میرے دل نے کہا ہے اسے لے لینا چاہیے۔ ویسے تم کونسی خوشبو استعمال کرتی ہو، مطلب یہی یا۔"

باکس میں ڈالنے کے بعد وہ اس پر سیاہ ربن باندھ رہی تھی۔ بھورا باکس بالکل خالی تھا کچھ بھی اس پر تحریر نہیں تھا ہاں البتہ پرفیوم کی شیشی پر چڑھے کور پر لیڈی آہن کے الفاظ ضرور کندہ تھے۔ اس خوشبو کا نام سیپ تھا جو لیڈی آہن نے بہت دل سے رکھا تھا۔

"میں آج کل سیپ ہی استعمال کر رہی ہوں، لیڈی آہن نے مجھے یہ گفٹ کیا ہے۔ اس کی خوشبو بہت مدھم اور دل کو چھو لینے والی ہے۔ اب سے یہ میری پسندیدہ خوشبو ہے۔"

"میری بھی۔"

ادا چونک گئی۔ باکس اس کی سمت بڑھاتی پوچھ رہی تھی۔

"کچھ کہا آپ نے۔"

راحم نے وائلٹ سے کارڈ نکال کر اسے مشین پر سے گزارا اور نفی میں سے سر ہلا دیا۔

"نہیں بس ایک اجازت لینی تھی۔" اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ کے رنگ تھے۔ پرفیومز سے مہکتی دکان بالکل خاموش تھی۔ رسید اسے تھماتے ہوئے ادا نے پوچھا۔

"کس بات کی؟"

راحم نے سر جھکاتے ہوئے لبوں کو کچلا، چائے کی دعوت دینے کی ہمت کر رہا تھا مگر نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے نظروں میں احترام پیدا کر کے اس کے چہرے کو دیکھا، بڑی بڑی کانچ جیسی بھوری آنکھوں نے ایک بار پھر سے راحم کو مسمرائز کر دیا۔ اس نے تیزی سے نظروں کو جھکایا اور نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

''نہیں کچھ نہیں۔''

شاپنگ بیگ اٹھا کر وہ لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ادا نے اسے دروازے سے نکل کر بائیں جانب مڑتے ہوئے دیکھا۔ نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ شانے اچکا رہی تھی۔

''عجیب انسان ہے۔''

یہ اس کا راحم کیلئے پہلا تجزیہ تھا۔ خوشبوؤں سے مہکتی دکان میں ایک بار پھر سے خاموشی اور سوچوں کا دور چل نکلا تھا۔

فیصلے کا دور۔

مشکلوں کا دور۔

☆......☆......☆

شاپ سے باہر آ کر اس نے کار سے ٹیک لگاتے ہوئے یکدم آنکھوں کو بند کر کے گہرا سانس لیا۔ پچھلے ایک سال سے وہ جس بات کو نظر انداز کر رہا تھا وہ سچ نکلی تھی۔ اسے ادا پسند تھی اس پسند کی نوعیت شاید نہیں یقیناً محبت تھی۔ وہ جب جب اس کے قریب جاتا تھا، احترام کی باؤنڈری جیسے اس کے اردگرد بن جاتی تھی۔ سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد کے ساتھ بات کرنے والا وہ لڑکا اس کے سامنے بالکل زیرو ہو جاتا تھا۔ اس کا سارا اعتماد پانی کے بلبلے میں بدل جاتا تھا۔ وہ اسے کئی سالوں سے دیکھ رہا تھا، کئی سالوں تک وہ سوچتا رہا تھا کہ اسے اس چھوٹی سی بچی پر کرش ہے مگر پچھلے ایک سال سے دل کی جو حالت تھی وہ بتا رہی تھی یہ کرش نہیں محبت ہے جو اسے اس چھوٹی سی لڑکی سے ہو گئی ہے۔

''کیسے۔۔۔ کیسے میں اتنی چھوٹی سی لڑکی سے دل لگا سکتا ہوں جبکہ وہ صرف سترہ سال کی

ہے۔ ایلاف اور انیشہ کی عمر کی، اف راحم، بہت برے ہو تم۔"

وہ بیس سال کا تھا۔ اس کے آگے پوری زندگی پڑی تھی۔ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ ہر طرح کی لڑکیوں سے اس کا واسطہ پڑتا تھا۔ پچھلے چھ ماہ میں کتنی ہی لڑکیاں اسے بوائے فرینڈ بنانے کی آفر دے چکی تھیں۔ ایک دو بار تو اس نے خود بھی ایسا سوچا تھا مگر وہ فقط سوچ ہی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا ضمیر اسے اس چیز کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ضمیر سے پہلے وہ ادا تھی جو اس کے خیالوں میں آ کر اسے ایسا کرنے سے روک دیتی تھی۔

"ادا۔۔۔ اف راحم راحم، کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیا کر رہے ہو تم۔ تمہارے پلانز میں یہ سب نہیں ہے سمجھو۔" ایک نظر اس خالی پڑی دکان پر ڈال کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کرنے لگا۔

"محبت، لڑکی، یہ سب نہیں ہے تمہاری منزل، تمہیں آگے بڑھنا ہے بہت آگے، خود کیلئے، اپنے ملک کیلئے اور اپنے پیرنٹس کیلئے بہت کچھ کرنا ہے۔ اس لیے پلیز جھٹک دو اپنے دماغ سے ادا کو، تمہیں یہ کرنا ہو گا۔ ڈو ڈیو کین ڈو اٹ۔" اس کی سوچیں مسلسل اس سے ہمکلام تھیں۔ وہ پھر بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔

"مگر کس طرح جھٹکوں، وہ کسی پل تنہا چھوڑتی ہی نہیں۔" جنگ چھڑ چکی تھی۔ کہانی بن چکی تھی۔

"تم کوشش کرو گے تو ایسا ہو گا نا۔" چہرے پر پژمردگی چھائی۔ نگاہ سامنے روڈ پر تھی۔

"کر کے دیکھوں؟"

"بالکل۔" اس نے اسٹیئرنگ پر انگلیاں چلائیں۔

"او کے ڈن۔ مجھے اس بارے میں کسی سے بات کرنی ہو گی، مگر کس سے۔" گاڑی کو سائیڈ پر لگائے وہ اس بات کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ کے تانے بانے بن ہی رہا تھا

جب اس کے ڈیڈ کی کال آنے لگی۔
"ڈیڈی، ہاں یہ ٹھیک ہے ان سے کرتا ہوں بات۔" کال اٹھا کر کچھ ان کی سن کر کچھ اپنی سنا کر وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ گالف کھیلتے غفور اس کی خاموشی پر اچنبھے میں مبتلا ہوئے تھے۔
"تم غیر حاضر ہو، کیا ہوا ہے ایسا جس نے تمہیں ماؤف کر دیا ہے۔"
اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ یہی صحیح وقت ہے وہ انہیں بتا دے اور اس نے بتا دیا۔
"ڈیڈ! مجھے لگتا ہے میں کسی کو پسند کرنے لگا ہوں۔" اس نے ایک سانس میں کہہ دیا تھا۔ کہہ کر گہرا سانس بھرا۔ دوسری طرف سے کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر سوال ابھرا۔
"پہلے لگنے میں اور کرنے میں فرق کرو۔ اگر فقط "لگتا ہے" تو اس بات کو چھوڑ دو۔ "کرتے" ہو تو وضاحت کرو۔"
اس نے اوپر والا لب دانتوں میں لے کر چھوڑا۔
"کرتا ہوں۔" ایسی شرمندگی سے کہا تھا جیسے کسی گناہ کا اعتراف کر رہا ہو۔ دوسری جانب سے پھر سے خاموشی ہوئی۔ اس خاموشی میں پنہا سوالات کو بھانپتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔
"وہ مسلم ہے۔ اچھی ہے۔ سکارف اوڑھتی ہے۔ نرم لہجہ اور نظریں محتاط رکھتی ہے۔ کردار کی بھی کافی مضبوط ہے۔"
اسے غفور کی مسکراہٹ سنائی دی تھی وہ چوکنا ہو گیا۔
"آپ ہنسے کیوں؟"
"جانتا تھا اسی طرح کی پسند ہو گی تمہاری۔ خیر یہ بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟"
اس سوال پر وہ الجھ گیا تھا۔ یہی تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ چاہتا کیا ہے۔
"ڈیڈ! وہ سترہ سال کی ہے۔ چھوٹی ہے بہت، ہمت نہیں ہوتی اسے پرپوز کرنی کی۔

جب بھی کہیں لے جانے کے بارے میں سوچتا ہوں یا اپنی فیلنگز کا اظہار کرنے کے بارے میں تو فوراً سے اندیشہ اور ایلاف دماغ میں آجاتی ہیں۔ پھر ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔"

اسٹیئرنگ پر انگلی پھیرتے ہوئے اس کی نظریں پھر سے جھکی تھیں۔ وہ مضمحل اور کنفیوزڈ دکھ رہا تھا۔ دکھ کیا رہا تھا وہ تھا۔

"برخوردار! اگر وہ سترہ کی ہے تو آپ بھی کوئی تیس چالیس کے نہیں ہو۔ چار ماہ پہلے ہی بیس کے ہوئے ہو اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس عمر میں ایسا ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ آج وہ بچی ہے تو کل کوئی اور یہ عمر ہی شادابی کی ہوتی ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو الجھن سے نکالنا ہے تو اس سے اعتراف کرلو۔ نہیں کرسکتے تو کسی دوسری لڑکی کی طرف خود کو مائل کرنے کی کوشش کرو۔ یوں پتا چل جائے گا کہ تمہارے جذبوں کی حقیقت کیا ہے۔"

وہ قائل نہیں ہوا۔

"ڈیڈ! میں کردار کا ہلکا نہیں ہوں۔"

اس کے احتجاج پر غفور صاحب پھر سے مسکرائے تھے۔ وہ چھوٹا تھا لیکن فطرت اپنے دادا کی تھی محتاط، ذمہ دار، احساس کے جذبے سے لبریز اور پختہ کردار۔

"ہاں تو میں کب کہہ رہا ہوں تم ہو، میں تو تمہیں مشکل سے نکلنے کی راہ دکھا رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے لگ رہا ہے معاملہ کرش کا ہے۔ مجھ پر بیت چکی ہے اور میں وہ حربہ آزما چکا ہوں جو تمہیں بتایا ہے۔"

راحم نے لبوں کو ایک بار پھر سے دانتوں میں جکڑا۔

"تو پھر کیا نتیجہ نکلا تھا؟"

غفور صاحب کو بتانے میں ہچکچاہٹ ہوئی مگر وہ بتا گئے۔

”ظاہر ہے بھول گیا تھا۔بھول جانے والے انسان یا چیزوں سے محبت نہیں ہوا کرتی، فقط وقتی لگاؤ ہوتا ہے۔“

اس نے فیصلہ کیا۔

”ٹھیک ہے پھر ٹرائے کر کے دیکھتا ہوں۔“

غفور صاحب کی اگلی بات پر وہ فون کو کان سے ہٹا کر بند کر رہا تھا۔

”او کے کچھ عرصے بعد پوچھوں گا میں، مشکل میں مت ڈالنا خود کو۔“

اس نے فون بند کر دیا تھا۔ڈیڈ ٹھیک کہتے ہیں کسی کو ڈچ کرنے سے بہتر ہے، راہ بدل کر دیکھ لو۔اس نے بھی وہی کیا اپنی راہ کو بدل لیا۔وہ سبرینہ کو کال ملا رہا تھا۔سبرینہ اس کی سکول لائف کی کلاس فیلو تھی اور وہ اس میں خاصی دلچسپی رکھتی تھی۔یہ بات راحم کے ساتھ ساتھ باقی لوگ بھی قبول چکے تھے کہ سبرینہ راحم کی پرچھائی بن چکی ہے۔جہاں وہ جاتا تھا اس نے جانا ہوتا تھا۔جہاں وہ ہوتا تھا وہاں پہنچنا گویا اس کا فرض تھا۔

”لیکن اگر میری پذیرائی پر اس کا دل ٹوٹ گیا تو، کیونکہ میں شیور ہوں اپنے جذبوں کے بارے میں بس تصدیق کی خاطر مڑ رہا ہوں۔کیا سبرینہ کا راستہ لینا صحیح ہے؟“

وہ وہاں کشمکش میں مبتلا تھا جبکہ ادا اپنے اس خالی سٹور میں بیٹھی قرآن پر ٹریننگ کرنے میں مصروف تھی۔وہ اتنی مصروف تھی کہ لیڈی آہن کی موجودگی کو محسوس نہ کر سکی۔چونکی تو تب جب انہوں نے گلا کھنکارا تھا۔

”لگتا ہے میری بچی بہت مصروف ہے۔“

وہ ان کی آواز پر بری طرح چونکی۔سر اٹھایا تو وہ سامنے ہی تھیں۔

”لیڈی آہن۔“

کرسی کو پیچھے کھسکا کر وہ کھڑی ہوئی۔ جیل پن انگلیوں میں ہی دبا تھا اور کتاب کھلی ہوئی تھی۔ اس کی خوبصورت رائٹنگ سیاہ صفحات پر ہیروں کی مانند جگمگا رہی تھی لیکن ایک منٹ رک جائیں، ذرا غور کریں وہ اس کی رائٹنگ نہیں تھی بلکہ وہ تو پہلے سے لکھے شدہ لفظوں پر اپنے سفید پن کو پھیر رہی تھی۔ سیاہ صفحات پر سفید لکھائی۔

''میں اکثر دیکھتی ہوں تم اس میں مصروف ہوتی ہو۔ لگتا ہے یہ تحفہ تمہارے دل کو بھا گیا ہے۔'' وہ ٹریسنگ قرآن تھا جو ایبک نے اس کی سترہویں سالگرہ پر اسے بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ جب بھی اسے فارغ وقت ملتا تھا وہ اسے لکھنے بیٹھ جاتی تھی اور اس کام میں وہ اتنا کھوتی تھی کہ آس پاس کا بھی ہوش نہ رہتا تھا۔

''ایبک جانتا ہے مجھے کیا چاہیے۔'' اس نے سورۃ الضحیٰ پر نظر ڈالی جہاں اللہ اپنے محبوب سے محبت کی قسم کھا رہے تھے۔ اس کے چہرے پر الوہی سی مسکان آن سجی۔

''صدیوں پہلے اترے گئے الفاظ پر اپنا قلم چلانا بہت اچھا لگتا ہے لیڈی آہن، یہ احساس بہت اچھوتا سا ہے۔''

لیڈی آہن نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔

''بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں بھائی، خاص کر وہ جو احساس کرنے والے ہوں، اللہ سے ایبک کی عمر درازی کی دعا مانگا کرو، بہت چاہتا ہے تمہیں۔''

وہ مسکرا دی کہ یہی سچ تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کیلئے سب کچھ تھے۔ ان کی تو دنیا ہی ایک دوسرے سے شروع ہوتی تھی خاص کر ایبک کی، اس کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ ہی حساس تھا۔

''کیا کوئی آیا تھا یہاں؟''

لیڈی آہن سیریا کی رہنے والی تھیں۔ وہاں کے حالات خراب ہونے کے بعد وہ اپنا تمام اثاثہ بیچ کر یہاں آ گئی تھیں اور پھر یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ ڈرون اٹیکس میں شوہر اور بچوں کے مرنے کے بعد انہوں نے پھر کبھی گھر بسانے کا نہ سوچا کہ جو چلے گئے تھے وہ اپنے ساتھ ان کا دل بھی لے گئے تھے۔

''جی راحم آیا تھا۔''

راحم ان کا پرانا کسٹمر تھا۔ لیڈی آہن نے اپنے آفس روم کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ادا ان کے پیچھے ہی تھی۔ ان کا آفس شیشے کی چار دیواری میں قید تھا۔ گلاس روم میں موجود واحد لکڑی کی میز پر انہوں نے اپنا بیگ رکھا اور چونک کر اسے دیکھا۔

''راحم وہی ہمارا پرانا کسٹمر؟''

لکڑی کی میز بھی سفید رنگ کی تھی اور وہ فقط میز نہیں تھی پوری سٹوریج ٹیبل تھی جس کے فرنٹ پر اور دائیں بائیں درازیں بنی ہوئی تھیں، بس تھوڑی سی کھلی جگہ تھی جہاں کرسی فٹ تھی۔ لیڈی آہن اسی کرسی کو گھسیٹتے ہوئے اس سے مخاطب تھیں۔

''جی وہی۔''

ادا نے میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور کرسی میں دھنسی لیڈی آہن کی جانب بڑھا دیا۔ درمیانے قد کی فربہی مائل وجود کی حامل لیڈی آہن جن کے اخروٹی بال سامنے سے سیدھے ہو کر ہمیشہ جوڑے میں قید رہتے تھے، سفید چین والے چشمے کے پیچھے سے دکھائی پڑتی آنکھوں کو سکیڑ کر اس کی جانب تکنے لگیں۔

''ضرور سیپ لے کر گیا ہوگا۔''

اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھامتے ہوئے متانت سے پوچھ رہی تھیں۔ ادا کو درست

اندازے پر حیرانی ہوئی۔

''بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔آپ کو کیسے معلوم؟''

وہ مدھم سی مسکرادیں۔

''ایک کو کہنا مجھے بھی قرآن گفٹ کرے، کچھ سکون تو میرے بھی حصے میں ہو۔'' بات کا رخ بڑی سہولت سے انہوں نے بدلا۔ادا نے جگ کو میز پر واپس رکھا۔لیڈی آہن گھونٹ گھونٹ پانی حلق میں انڈیل رہی تھیں۔

''میں اسے کہہ دوں گی مگر آپ کو کیسے پتا چلا، راحم وہی خوشبو لے کر گیا ہے جبکہ آپ یہاں نہیں تھیں۔'' یہ سوال اس لیے اس کے دل میں کھلبلی مچا رہا تھا کہ پچھلے دس دنوں سے بے تحاشہ لوگ اس سمپل کو ریجیکٹ کر کے جا چکے تھے کیونکہ آج کل کے لوگوں کو قدرتی اور نرم چیزوں سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔انہیں تو تیز چنگھاڑتی ہوئی خوشبو چاہیے ہوتی ہے جو دس میل سے بھی سونگھائی دے جائے۔پتا نہیں کیا خبط ہے لوگوں کو اس طرح کی خوشبوئیں استعمال کرنے کا۔اف۔

''کیونکہ میں جانتی تھی وہ ایسا ہی کرے گا، اس کی فطرت بہت نرم ہے۔سادہ دل اور دھیمے مزاج کے لوگ ہی سیپ کو پسند کریں گے اور راحم وہ دونوں ہے۔''انہوں نے اصل بات کو گول کر دیا تھا۔وہ کیا کہتیں اس چھوٹی سی لڑکی سے کہ وہ چھوٹا سا لڑکا اپنے دل میں اس کیلئے جذبات رکھ بیٹھا ہے۔وہ اس بات کو مخفی رکھیں گی کیونکہ وہ اچھے سے جانتی ہیں یہ عمر لا ابالی سی ہوتی ہے۔اس میں کوئی جتنی تیزی سے دل میں بیٹھتا ہے اتنی ہی تیزی سے اتر بھی جاتا ہے۔ ادا انہیں عزیز تھی، نہیں چاہتی تھیں کہ اسے کوئی رنج پہنچے۔

''اوہ۔''اس نے لبوں کو گول کر کے کہا اور آدھے بھرے گلاس کو ان کے سامنے سے اٹھا

کر کوسٹر پر رکھ دیا۔ "صحیح کہا میں چلتی ہوں، لگتا ہے کوئی کسٹمر آیا ہے۔" مٹھی بند کر کے انگوٹھے سے باہر کی جانب اشارہ کرتی وہ ان کے سر ہلانے پر مڑ گئی۔ مڑتے ہی اس نے آزاد سانس سینے سے خارج کی، نہیں نہیں غلط سمجھ رہے ہیں آپ، ادا ابھی ان سب چیزوں سے ناواقف ہے جن کے بارے میں لیڈی آہن سوچ رہی ہیں۔ اسے تو لگ رہا تھا سٹور میں لگے کیمراز کو لیڈی آہن چیک کرتی ہیں اور اس پر نظر رکھتی ہیں کہ وہ کام کر بھی رہی ہے کہ نہیں لیکن صد شکر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ انہیں اس پر یقین ہے اور یہ سب سے بڑی بات ہے۔

☆......☆......☆

"یہ تم چھپ کر کیا کر رہی ہو؟"

دھوپ ملا دن ڈھل گیا تھا۔ شام نے انگڑائی لی تو ہر سو نیم اندھیرا سا پھیل گیا۔ درخت پرندوں سے بھرنے لگے اور فضا میں قدرتی گیت زور و شور سے بلند ہوا۔ گرے آسمان کے نیچے سیاہی مائل سبز درختوں کی دائیں جانب ایک لمبی روش تھی جو بہت صاف اور خاموش تھی۔ وہ روش بھی سیاہی مائل ہی تھی۔ اس کے دائیں جانب گھروں کی قطار تھی جبکہ بائیں جانب ندی بہتی تھی۔ بل کھاتی وہ روش ڈھلوان پر واقع سرخ گھر کے بیرونی دروازے تک جاتی تھی۔ کہیں کہیں وقفے وقفے سے لکڑی کے بینچ روش سے قدرے فاصلے پر نصب تھے۔ ان میں سے ایک بینچ پر بال کھولے چھوٹے پرنٹ کی کھدر کی لیونڈر رنگ کی قمیض اور ویسا ہی کھلا ٹراؤزر پہنے وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور سفید رنگ کے فرکوٹ پر گرے گردن سے کافی اونچے لگ رہے تھے۔ پاؤں میں موجود اونچے سول والے سفید جوگر کو مسلسل جھلاتے ہوئے وہ لیپ ٹاپ کی کیز پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھی تھی اس لیے اس کا ٹراؤزر پنڈلیوں سے کافی اونچا ہو گیا تھا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں تھی، سفید

موزے اس کے وجود کو ڈھکنے میں اپنا کردار بخوبی نبھارہے تھے۔ گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے رک کر ایک نظر اس ٹھہری ہوئی جھیل پر ڈالی جس کا پانی سبز تھا اور جس میں آسمان تیرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ندی اس سے فقط دس قدموں کی دوری پر تھی اور وہ کہاں ختم ہوتی تھی معلوم نہیں تھا۔ بس دور سے ایک دو پہاڑیاں نظر آرہی تھیں جن کے پیچھے سورج غروب ہو چکا تھا، اب تو بس اندھیرے کی شبیہہ ہی تھی۔

"کیا میرا کام ہو جائے گا؟" وہ خود سے ہمکلام تھی۔ دفعتاً اس کے سر میں ٹیس اٹھی۔ اس نے دو انگلیوں سے کنپٹی کو مسلا۔ کوٹ کے بازوؤں نے اس کے ہاتھ تقریباً چھپا دیے تھے۔

"ضرور ہوگا ایلاف خود پر یقین رکھو تم۔" جھیل پر سے نظر ہٹا کر اس نے واپس سکرین پر ڈالی جہاں ایک پیج کھلا ہوا تھا۔ ابھی اس نے سیدھے ہاتھ کی تیسری انگلی کو "کے" اور بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی کو "ایکس" پر رکھا ہی تھا کہ ثمر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے جھٹ سے سکرین کو کی بورڈ سے لگایا۔

"یہ تم چھپ کر کیا کر رہی ہو؟"

ایلاف نے گردن موڑی، وہ اس کے دائیں بائیں بینچ پر ہاتھ جمائے جھکا ہوا کھڑا تھا۔

ایلاف نے ابرو اچکائے۔

"کیا کر سکتی ہوں بھلا؟"

دونوں ہاتھ ہٹا کر وہ گھومتا ہوا اس کے سامنے آیا پھر سائیڈ پر جگہ بنا کر بیٹھ گیا۔ ایسے کہ دونوں ٹانگیں کھلی تھیں اور ہاتھوں کی مٹھی بنا کر آگے جھکا ہوا تھا۔ گردن موڑ کر ایک نظر اسے اور ایک لیپ ٹاپ پر ڈالی اور پھر لفظوں کو جنبش دینے کی زحمت کی۔

"غلط کچھ نہیں کر سکتی ہو اتنا یقین ہے، بس مجھے اچھا نہیں لگا اس طرح یوں میری موجودگی

میں اسے بند کرنا۔"

ایلاف نے سکرین کو کیز سے ایک بار پھر سے جدا کیا۔نیم اندھیرے میں وہ ستارے کی مانند جگمگا اٹھی تھی مگر مدھم ستارے کی طرح کیونکہ ایلاف تیز روشنی برداشت نہیں کرتی تھی چاہے لیپ ٹاپ کی ہو یا پھر موبائل فون کی۔

"کوئز کامپیٹیشن میں پارٹ لیا ہے اور یقین ہے کہ میں جیتوں گی۔اب تو یقین آ گیا ہوگا نا تمہیں کہ میں کچھ غلط نہیں کر رہی تھی۔" اس نے غلط پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔نا جانے کیوں اس کی اور ثمر کی کبھی نہیں بنی تھی شاید اس لیے کیونکہ ثمر تھوڑی عجیب فطرت کا انسان تھا، کس قسم کی فطرت وہ سمجھ نہیں پاتی تھی۔

"ایلاف! مجھ سے کھنچی کھنچی کیوں رہتی ہو تم جبکہ انیشہ تو ایسا نہیں کرتی۔"

"انیشہ تمہیں جانتی جو نہیں ہے اس لیے۔" وہ منہ میں بڑبڑائی تھی۔اس کا بھائی لڑکی باز ہے اس طرح کی شکایتیں وہ ہر روز کسی نہ کسی سے سنتی رہتی تھی۔سننے کے بعد اسے کتنی سبکی ہوتی تھی یہ بات وہی جان سکتی تھی۔ایک بہن کیلئے اس سے بڑی ہتک اور شرمندگی کی کوئی بات نہیں ہوتی کہ اس کا بھائی کسی دوسرے کی بہنوں پر غلط نگاہ رکھے۔انہیں وقت گزاری کیلئے استعمال کرے اور ان کا دل توڑے۔اس طرح کے بھائی یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر کسی نے ان کی بہن کے ساتھ اس طرح کا کچھ کر دیا، انہیں چھوڑ دیا، ڈچ کر دیا، ٹھکرا دیا تو؟ ویسے ہوتا تو یہی آ رہا ہے۔دنیا مکافاتِ عمل ہے آپ کسی کی عزت کو تار تار کرو گے تو آپ کی عزت تار تار ہوگی۔وہ لڑکی جو ٹھکرائی گئی، چھوڑی گئی کیا کسی کی بہن بیٹی نہیں ہوتی؟ کیا کسی کے گھر کا مان نہیں ہوتی جسے بے امان ہونے کیلئے آپ جیسے بہترین بیٹے اور فرمانبردار بھائی اپنا مطلب نکالنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں؟ پلیز اس چین کو توڑ دیں۔اس زنجیر کو کاٹ دیں۔مت بنئے

دیں اسے وہ تالا جو آپ کے جنت کے دروازے پر اسی زنجیر سے لپٹا ہوا ہوگا۔ پہل کرلیں، روک لیں خود کو کسی بھی نامحرم رشتے کی طرف بڑھنے سے، گناہ کرنے سے اور اگر نہیں رک سکتے تو نکاح کرلیں۔ کم از کم اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہے بلکہ بچ جائیں گے آپ گناہِ بے لذت سے، محفوظ کرلیں گے خود کو بھی اور اپنی عزتوں کو بھی رسوائی سے، دکھ سے، پشیمانی سے، درد سے، آہوں سے اور قبر کے عذاب سے بھی۔

''کچھ کہا تم نے؟''

''میں کچھ کہہ سکتی ہوں بھلا؟''

وہ ایک نظر اسے تکتا رہا پھر اس بحث کو فضول جان کر وہاں سے چلا گیا۔ ایلاف نے گردن موڑ کر اسے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے جاتے دیکھا اور واپس اپنے کام میں مگن ہوگئی۔ اس کے کام کے عین تین دن بعد جب ایک زور و شور سے پڑھائی میں مگن تھا ان کے دروازے کی ڈور بیل بجی، ادا گھر نہیں تھی اور ماما آج صبح سے نیم غنودگی میں تھی۔ ان کی آنکھ نہ کھل جائے اس لیے وہ تیزی سے بیڈ سے اترا، پاؤں مار کر سلیپر پہنے اور دبے قدموں سے بھاگتے ہوئے مین دروازے کے ہک کو کھول دیا۔

''جی فرمائیں؟''

کوریئر والا ہاتھ میں ایک باکس لیے کھڑا تھا۔ سر پر سبز ٹوپی تھی اور چہرے پر مسکان۔

''سر آپ کا انعام نکلا ہے۔'' وہ ہاتھوں میں تھامے باکس کو اوپر اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ ایبک نے اچنبھے سے ماتھے پر بلوں کو جگہ دی۔

''میرا انعام مگر کس طرح کا؟''

وہ ووچر ز خریدتا تو رہتا تھا مگر آج تک کوئی نکلا نہیں تھا، آگے بھی اس کا انعام نہیں نکلے گا

اس بات کا اسے یقین تھا۔غلط کیا۔

''سر چائنیز فوڈ کمپنی کی جانب سے یہ انعام ہے۔''

چائنیز فوڈ کمپنی پر اس کے دماغ میں جھماکا ہوا۔یاد آیا کہ پچھلے دنوں ایک بہت بڑی چائنیز میٹ کمپنی ان کے سکول آئی تھی، وہاں اس نے بھی دو چیزیں خریدے تھے۔خریدتے وقت اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کا انعام نکل آئے گا، بڑی بات تھی ایسا ہونا بھی، کم از کم اس کیلئے تو تھی۔سر ہلاتے ہوئے اس نے باکس کو تھاما، ایک پیپر پر سائن کیا اور اس بڑے سارے باکس کو اندر لے آیا۔بیڈ کے نیچے اس باکس کو گھسانے کے بعد وہ واپس اپنی پڑھائی میں مشغول ہو گیا تھا۔اسے اس بڑے سارے باکس اور جیتے گئے انعام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔کل اس کا بہت اہم ٹیسٹ تھا جس کی اسے تیاری کرنی تھی۔ادا کا کیا تھا وہ اس سے کئی گنا ذہین تھی۔گھر آتی، آ کر دو تین بار کتاب پڑھتی اور رٹ لیتی۔یاد تو اسے کرنا پڑتا تھا نا، مغز تو وہ مارتا تھا پھر اس کی نائٹ ڈیوٹی بھی تھی۔چار بجے جائے گا تو رات بارہ بجے گھر گھسے گا۔تھکن میں کہاں پڑھا جاتا تھا اس سے بھلا اس لیے وہ کتاب کو ہاتھ میں تھامے اونچی آواز میں پڑھنے میں بزی تھا۔ابھی دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اس کا چھوٹا سا بٹنوں والا موبائل چنگھاڑ اٹھا۔جس حساب سے موبائل نے شور مچایا تھا، کچھ نہ کچھ گڑ بڑ ہے اس کا احساس ایبک کو ہو گیا تھا اس لیے پہلی فرصت میں ہی اس نے کال پک کر لی۔نمبر انجانا تھا۔

''ایبک! میں گرینا ہوں مجھے تمہاری مدد چاہیے۔'' روتی ہوئی آواز، ہچکیوں پر ہچکیاں۔

''گرینا؟'' اس نے فون کان سے ہٹا کر اس پر نظر ڈالی اور پھر واپس اسے کان سے لگا کر بولا۔''کہو میں کس طرح کی مدد کر سکتا ہوں۔''

''ایبک! مجھے تم سے ملنا ہے۔میرے ساتھ کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا، میری مدد کرو پلیز مجھ سے ملنے

آجاؤ۔" گرینا اور اس کی سکول میں اچھی علیک سلیک تھی مگر اتنی نہیں کہ وہ دونوں آپس میں نمبروں کا تبادلہ کریں۔ وہ ایک بہادر اور کانفیڈنٹ لڑکی تھی، اس کا اس طرح رونا واقعی معنی رکھتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں آرہا ہوں، تم بتاؤ کہاں ہو۔"

اور پھر کچھ دیر بعد وہ اس کے بتائے گئے پتے پر موجود تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا فوڈ کورٹ تھا جو اس سمے سٹوڈنٹس سے بھرا ہوا تھا۔ یہ وہ طلبا تھے جو ڈیٹ کی خاطر وہاں آتے تھے یوں بھی یہ فوڈ کورٹ ڈیٹنگ پوائنٹ کے نام سے ہی مشہور تھا۔ سادی سی نیلی جینز اور ویسی ہی شرٹ پر وہ گہرے سبز رنگ کا بوسیدہ سا کوٹ پہنے فوڈ کورٹ کے داخلی دروازے پر کھڑا نظریں گھما رہا تھا۔ کھسر پھسر، ہنسیوں اور قہقہوں کی آوازوں سے ذرا پرے وہ ماتھے پر دونوں ہاتھ جمائے بیٹھی تھی ایسے کہ اس کا سر جھکا تھا اور بال اطراف میں گرتے تھے۔ ایبک نے اس کی جانب قدم بڑھائے۔ وہ اس کی میز کے سامنے کھڑا ہوا تھوڑا جھکا، دو انگلیوں سے اس کی سطح کو بجایا اور واپس سیدھا ہو گیا اس کے سیدھے ہونے کے دوران ہی گرینا نے سر اٹھایا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ایبک کو بری طرح دھچکا لگا، سرخ آنسوؤں سے تر چہرہ، کاجل پھیلی آنکھیں اور ناک کی سرخی اسے ابھی بھی ہچکی لگی ہوئی تھی۔

"گرینا۔"

"میری منگنی ختم ہو گئی ہے ایبک۔" وہ روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ بتانے کے ساتھ ہی اس نے خالی انگلی کو بھی آگے کیا تھا۔ "وہ ابھی مجھ سے منگنی توڑ کر گیا ہے۔"

"مینڈلی تو ایک سمجھدار انسان ہے اس نے ایسا کیوں کیا۔" کرسی کو کھینچ کر وہ اس پر ٹک گیا تھا۔ ان کے سروں پر سبز جھاڑیاں لٹک رہی تھیں۔ انفیکٹ پوری چھت ہی سبز مصنوعی جھاڑیوں سے بھری تھی۔ ان جھاڑیوں میں کہیں کہیں لگی فیری لائٹس بہت اچھا سا تاثر دے

رہی تھیں۔ زرد ٹمبر کی بغیر پوشاک والی میز پر اس وقت ان چھوا کھانا رکھا ہوا تھا اور بل کھاتے گلاس میں دو تازہ گلاب بھی موجود تھے جو تقریباً ہر میز پر رکھے تھے مگر جو گرینا کی میز پر گلاب تھے وہ شاید ماحول کی افسردگی سے مرجھا گئے تھے تبھی جھکے ہوئے تھے۔

''وہ مجھ سے دس سال بڑا تھا، پھر بھی میں نے اس سے منگنی کی اس کی خوشی کیلئے حالانکہ مجھے ابھی پڑھنا تھا، بہت سے گولز تھے جو اچیو کرنے تھے مگر اس نے کیا، کیا، جھوٹی داستان پر یقین کر کے رشتہ ہی ختم کر دیا۔'' وہ ہاتھوں سے آنکھوں اور ناک کو صاف کر رہی تھی۔ ایبک نے ٹشو باکس اس کی طرف بڑھایا وہ چند ٹشو نکال کر اپنی ناک پونچھنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے، تمہیں اس میں کسی اجنبی کو انوالو نہیں کرنا چاہیے۔''

جھوٹی داستان والی بات اسے کھٹکی ضرور تھی مگر اس نے کریدا نہیں کہ کسی کی پرسنل باتوں کو کرید کر نکلوانا اس کی تربیت کا حصہ نہیں تھا۔

''ایبک! مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ مجھ پر بہتان لگا ہے کہ میں۔۔۔'' وہ ایک دم رک گئی۔ جس کرسی پر وہ بیٹھی تھی اس کے پیچھے اس کا سرمئی کوٹ رکھا ہوا تھا۔ چست مرون رنگ کی ہائی نیک کے ساتھ اس نے سرمئی ہی جینز پہنی ہوئی تھی۔ گولڈن رنگ کا لمبی چین والا پینڈنٹ اس کے گلے میں جھول رہا تھا اور کرلی سنہرے بال اطراف میں گرے ہوئے تھے۔

''کہ میں کردار کی ہلکی ہوں۔ مینڈلی کو لگتا ہے میرے کسی کے ساتھ غلط تعلقات ہیں۔ کیا تمہیں بھی ایسا لگتا ہے کیا میں ایسی ہو سکتی ہوں؟'' اس نے نظر جھکا کر اٹھائی۔

''مینڈلی کو ایسا لگتا ہے تو مطلب وہ معاملہ فہم انسان نہیں ہے۔ تم اسے سمجھاتی، دو سال کا ساتھ ہے تم لوگوں کا۔''

''تو کیا میں نے نہیں سمجھایا ہوگا؟'' اس کی آنکھوں کی نمی پھر سے بڑھی۔ وہ آج تک کسی

کے سامنے نہیں روئی تھی، یہ اس کا ریکارڈ تھا۔

"میں نے بہت وضاحتیں دی ہیں ایبک مگر وہ پھر بھی مجھے ٹھکرا گیا۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک بار پھر سے رونے لگی تھی۔ ایبک کو اب ہمدردی کے ساتھ الجھن ہوئی۔ وہ بھلا یہاں کیوں تھا اس کے ساتھ کس لیے تھے۔ فقط دعا سلام کے ان دونوں کے کوئی تعلقات نہیں رہے تھے۔ آخری بار دونوں کی ایک دوسرے سے بات کب ہوئی تھی یہ بھی اسے یاد نہیں تھا تو پھر وہ کیوں اس کی ایک کال پر چلا آیا، آخر کیوں؟

"گرینا! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مجھے لگتا ہے مجھے جانا چاہیے۔" اس کے آخری جملے پر جن نظروں سے گرینا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا ان نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ پشیمانی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گیا۔ اسے اس طرح بے رحم نہیں ہونا چاہیے۔ بالکل بھی نہیں۔

"پورے سکول میں تم اور تمہاری بہن کی شرافت کے چرچے ہیں۔ تم اچھے دل، نیک فطرت اور سچے مشہور ہو فقط اس لیے ہی میں نے تمہیں مدد کیلئے بلایا کہ تم ایک بار میرے لیے مینڈلی سے بات کرو، اسے سمجھاؤ مگر مجھے لگتا ہے میں نے غلط فیصلہ کیا۔ تمہارا وقت برباد کرنے کیلئے معافی چاہتی ہوں۔" وہ اپنا پرس اور کوٹ کہنی پر ڈال کر وہاں سے برق رفتاری سے چلی گئی تھی۔ ایبک نے آزردہ سانس خارج کرتے ہوئے گلاس کے نیچے رکھے نوٹوں کو دیکھا ضرور یہ مینڈلی رکھ گیا ہوگا تا کہ گرینا بل کے پیسے ادا نہ کرے۔ سر جھٹکتے ہوئے وہ بھی کرسی دھکیلتا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس بات سے انجان کہ دو قہر آلود نگاہوں نے اس کا دروازے تک پیچھا کیا ہے۔ وہ قہر آلود نگاہیں اسے بھسم کرنے کی چاہ رکھنے لگی ہیں۔ ثمر کے دل میں آگ جل اٹھی ہے۔

☆......☆......☆

اگلے دس روز تک وہ لوگ اپنے سیکنڈ لاسٹ سمسٹر کی تیاریوں میں مگن رہے تھے۔ گرینا کا قصہ وہ دونوں بہن بھائی فراموش کر بیٹھے تھے کیونکہ انہیں اپنے مستقبل سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں تھی۔ وہ لوگ امیر طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ نہ ہی پڑھتے تو بھاری فیس ادا کر کے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیتے مگر ان دونوں کو ایک بار پھر سے سکالرشپ کے لیے جہت کرنی تھی اور وہ کر بھی رہے تھے۔

کل آخری پیپر تھا۔ وہ اور ایبک دونوں ایک ساتھ ہی سکول کے گراؤنڈ میں بیٹھے پڑھائی میں مگن تھے جب ایبک کے ریسٹورنٹ سے کال آئی تھی۔ کوئی بزنس ڈیلی گیشن تھی جو وہاں بیس منٹ میں پہنچ رہی تھی اسی وجہ سے تمام سٹاف کا وہاں ہونا ازحد ضروری تھا۔ چاروناچار ایبک کو جانا پڑا۔ اس کے جانے کے عین دس منٹ بعد ہی راحم ایک لڑکی کے ساتھ وہاں چلا آرہا تھا۔ اس لڑکی نے سفید نیٹ کا چست گاؤن پیروں تک پہن رکھا تھا اور شانوں پر نیلے رنگ کا کوٹ ڈالا ہوا تھا۔ پاؤں میں نیوڈ پمپس تھے اور ایک کان میں دراز چینوں والا نیلا ائیر رنگ۔ وہ دونوں اس کے پاس آکر رکے تھے۔ راحم نے ہمیشہ کی طرح ہم رنگ جینز شرٹ اور کوٹ پہنا ہوا تھا مطلب سیاہ رنگ کا۔

''کیسی ہو ادا؟''

سوال پر اس نے سر اٹھایا۔ اٹھاتے ہی وہ دونوں نظر آئے۔ وہ جھٹ سے کھڑی ہو گئی۔ راحم نے سبرینہ کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ وہ کبھی بھی اس چیز کا انتخاب نہیں کرتا تھا جو کسی کو زک پہنچائے یا دل کو داغ دے جائے۔ وہ اپنا دامن اور کردار بچانے والا انسان تھا کیونکہ محبت میں دھوکے کا طعنہ سہتا۔ اب بھی جو لڑکی اس کے ساتھ تھی وہ دوست کی حیثیت سے تھی۔ یہ بات صرف راحم اور وہ جانتے تھے، ادا نہیں۔ وہ اس پر ظاہر بھی نہیں ہونے دے گا۔

"میں اچھی ہوں آپ کیسے ہیں؟"

اسے دیکھ کر ادا کے چہرے کی ہوائیاں اڑی تھیں۔ یکدم ہی ہاسپٹل کا بل اور اپنے اور ایبک کے مشترکہ اکاؤنٹ میں پڑے پیسے یاد آئے۔ وہ اس بل سے کم تھے جو راحم نے ادا کیا تھا۔ وہ اتنے کم تھے کہ آنے والے دو دنوں میں ادا نہیں مکمل کر لیتی، کتنا اچھا ہوتا اگر وہ دو دن بعد آتا۔

"پرفیکٹ الحمدللہ، اس سے ملو یہ میری۔" لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے بات کو مکمل کیا تھا، کر کے خود کو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں گرا دیا۔

"گرل فرینڈ ہے جاز۔" وہ اردو میں بول رہا تھا مگر جاز سمجھ گئی کیونکہ وہ راحم اور اس کی فیلنگز کو جانتی تھی۔ راحم نے ہی اسے سب بتایا تھا۔ یہ بھی کہ وہ کوشش کرے گا کہ اسے اس سے محبت ہو جائے مگر وہ جانتی تھی راحم کو نہیں ہو گی۔ ادا کیلئے جو اس کی آنکھوں میں تھا وہ کبھی بھی اسے بھٹکنے نہیں دے گا۔

"مل کر اچھا لگا۔" ادا نے مدھم آواز میں کہا تھا۔ اس کی آواز قرض کے بوجھ سے مدھم تھی۔

"مجھے بھی۔"

دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ وہ جس معاشرے میں رہتے تھے وہاں یہ سب عام تھا اس لیے اسے کوئی فرق نہیں پڑا، اسے فرق نہیں پڑا تھا مگر راحم کو ضرور پڑا تھا یعنی وہ زیرو پرسنٹ بھی اس کی فیلنگز سے آگاہ نہیں تھی۔ یعنی وہ یہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کی گرل فرینڈ ہو سکتی ہے۔ اس کا دل ٹوٹ گیا، چہرہ بجھ گیا۔

"کیوں نہ لگتا جاز اچھی جو ہے۔" آواز میں شکوہ تھا۔

"صحیح کہا۔"

پھر وہ چپ ہوئی۔ پیسے بار باراس کے دماغ میں آرہے تھے۔ وہ کل ہر صورت انہیں مکمل کر کے راحم کو لوٹا دے گی تا کہ وہ پھر کبھی اسے یوں سرراہ نہ روکے، نہ پکارے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے وہ ایسا ہی کرے گی۔ ایبک کی آج کی ٹپ اور اپنی ایڈوانس سیلری لے کر وہ راحم کو اس کے پیسے لوٹا دے گی بس۔

''ایبک کہاں ہے؟''

اس سوال پر وہ چونکی۔

''ہوں، ہاں، وہ ابھی گیا ہے کوئی کام تھا کیا؟'' ڈرتے ہوئے دریافت کیا۔ کسی کا مقروض ہونا کتنا سبکی آمیز ہوتا ہے اس بات کا ادراک اب ادا کو ہو رہا تھا۔ ایبک کو کیسا محسوس ہوتا ہوگا وہ اب سمجھ رہی تھی۔ اکثر مہینے کے آخر میں پیسے کم ہونے کی وجہ سے وہ ادھار لیتا تھا۔ کہاں سے لیتا تھا ادا کو نہیں پتا تھا، کیسے چکاتا تھا یہ بھی اسے معلوم نہیں تھا۔ معلوم تھا تو اتنا کہ وہ کبھی اسے تنگ نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس کے دل میں بوجھ بڑھنے لگا اتنا زیادہ کہ آنکھوں میں معمولی سی نمی در آئی۔

''ارے نہیں، چلو پھر اچھے سے تیاری کرو۔''

وہ سرہلا رہی تھی۔ کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔ راحم کا دل اور بجھ گیا۔

''اچھا تو پھر میں چلتا ہوں، ایلاف اور انیشہ سے ملنے آیا تھا۔ دو دن ہوں یہاں۔'' یہ فرائیڈے نائٹ تھی۔ ویک اینڈ شروع ہو چکا تھا اور وہ ہر ویک اینڈ ضرور آتا تھا مگر اس بار وہ تین ویکس بعد آیا تھا اور آ کر اسے جتا گیا تھا کہ وہ مزید دو دن یہاں پر ہے۔ ہنہہ جیسے میں تو بھول گئی ہوں نا کہ تمہارے پیسے دینے ہیں۔ وہ اس کی مہنگی گھڑی پر نظر ڈال کر سوچ رہی تھی۔ راحم نے ایک ہلکی سی نگاہ اس کے صبیح چہرے پر ڈالی جو سوچوں کا غماز تھا۔ پھر گہرا سانس

خارج کر کے سر جھٹک گیا۔

"چلیں۔" وہ جاز سے مخاطب ہوا جو سر ہلاتی اس کے ساتھ مڑ گئی۔

"کوئی اتنی مشکل بھی نہیں تمہاری کہانی جسے تم ڈریگ کر رہے ہو۔" جاز نے تھوڑی دور جا کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ راحم کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔

"بولو مت زیادہ۔" شاکی پنے سے جھڑکا۔

"کس چیز کا برا لگ رہا ہے تمہیں؟"

"کس چیز کا؟ سیریسلی، دیکھا نہیں تم نے، کتنا ہلکا لیا اس بات کو اس نے کہ میری کوئی گرل فرینڈ ہو سکتی ہے۔ وہ اس بات پر کیسے یقین کر سکتی ہے بھلا؟"

جاز اور وہ دونوں ایک ہی عمر کے تھے مگر راحم قد کاٹھ کی وجہ سے اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا۔ اس کی بھوری شاکی آنکھیں جب سلوموشن میں جھپکتے ہوئے یہاں وہاں دیکھتی تھیں تو بہت اچھی لگتی تھیں۔ پھولا ہوا چہرہ اور خفا کن تاثرات۔

"کیا کبھی تم نے اس پر ظاہر کیا کہ تم اس میں دلچسپی رکھتے ہو یا وہ تمہیں اتنا جانتی ہے کہ اس بات کو جھٹلا دے۔"

راحم نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ "چار سال ایک ہی سکول میں پڑھے ہیں ہم، جب میں اسے جان سکتا ہوں تو وہ کیوں نہیں۔"

"کیونکہ اس کے دل میں وہ جذبات نہیں ہیں جو تمہارے دل میں ہیں۔ تم نے اس کی جستجو کی، اس کے بارے میں جاننے کی دلچسپی رکھی اس لیے تمہیں سب پتا ہے۔ اسے دیکھ کر صاف لگتا ہے وہ اس سب سے انجان ہے۔"

بات کڑوی تھی مگر سچ تھی۔ وہ اپنے بوٹوں پر نگاہ ڈالے چلے جا رہا تھا۔ ادا شاید بہت پیچھے

چھوٹ گئی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو حالانکہ عورت کی حس اور جذبات مرد کے مقابلے میں تیز ہوتے ہیں مگر وہ پھر بھی انجان ہے، شاید اس لیے کیونکہ وہ چھوٹی ہے۔"

اس کی آخری بات پر جاز منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تھی۔ راحم نے اچنبھے پن سے اس کی ہنسی کو سنا۔

"واٹ؟"

"گیارہ سال کے بچوں کے یہاں افیئرز ہوتے ہیں اور تم پورے سترہ سال کی لڑکی کو چھوٹا کہہ رہے ہو، کیا چیز ہو تم راحم۔"

اسے ایک بار پھر جاز کی بات پسند نہیں آئی تھی، سر جھٹک کر وہ پھر سے چلنا شروع ہو چکا تھا۔

"وہ چھوٹی ہی ہے تم کچھ بھی کہو میری نظر میں وہ چھوٹی ہے اور اتنا مجھے پتا ہے ایک سات آٹھ سال تک اس کی شادی نہیں کرے گا مگر تب تک میں انتظار ضرور کر سکتا ہوں۔"

"سات آٹھ ماہ بعد یہ بات پوچھوں گی میں تم سے۔" وہ ایک بار پھر سے اسے چھیڑ رہی تھی۔ راحم نے بری طرح دانت کچکچائے اور تیز قدموں کے ساتھ اسے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔

اسے ایلاف اور انیشہ سے ملنا تھا۔ وہ میوزک ڈیپارٹمنٹ میں آیا جہاں ہر ساز کا گیت بج رہا تھا۔ تیسرے نمبر کی کلاس کے باہر وہ آ کر رکا، اندر جھانکا تو انیشہ پیانو پر انگلیاں جمائے نظر آئی۔ وہ بڑی لے میں پیانو کی کیز کو چھیڑ رہی تھی اس کے ساتھ ایلاف نہیں تھی۔ جانتا تھا ایلاف کو ڈرمز میں زیادہ دلچسپی ہے وہ وہیں ہو گی اس لیے انیشہ اکیلی ہے۔

پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد جب انیشہ کلاس سے باہر آئی تو وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کا منتظر کھڑا تھا۔ یہ ایک سبجیکٹ تھا جو ان دونوں بہنوں کا دادا اور ایک کے ساتھ نہیں ملتا تھا۔ وہ دونوں اس کی جگہ سوئل (مٹی) کا سبجیکٹ پڑھ رہے تھے جبکہ ان دونوں بہنوں کو اس

خشک مضمون میں قطعی دلچسپی نہیں تھی۔
''کیسی تیاری ہوئی؟'' نازک اندام چھوئی موئی سی انیشہ کے بالوں کو بکھیرتے ہوئے وہ دریافت کررہا تھا۔ان کی یہ بہن دونوں بھائیوں کی کچھ زیادہ ہی لاڈلی تھی۔ جاذ کو شاید اس کا کوئی پرانا جان پہچان والا مل گیا تھا تبھی ابھی تک نہیں آئی ورنہ ضرور آتی اور تب تک اسے چھیڑتی رہتی جب تک وہ پورے گروپ کو پینلٹی کے طور پر ٹریٹ دینے پر آمادہ نہ ہو جاتا۔ یہ ان لوگوں کا سٹائل تھا دوستوں کو لوٹنے کا، دوستوں کے ساتھ زندگی جینے کا۔
''بہت اچھی۔امید ہے نمبر بھی اچھے ملیں گے،آپ کے ایگزامز کیسے ہوئے؟'' وہ راحم کے کوٹ کو پکڑ کر اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔راحم نے بھی اس کے شانے کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔
''پیپرز تو بہت اچھے ہوئے ہیں بس تھیسز رہ گئی ہیں۔''
''اور آپ پھر بھی یہاں ہیں۔'' وہ گردن اٹھائے اس سے سوال کررہی تھی۔ راحم مسکرا دیا۔آتے جاتے کئی سٹوڈنٹس نے راحم کو ہیلو کیا تھا۔وہ اس سکول کا سب سے قابل طالب علم اور ان کی فٹ بال ٹیم کا بہترین کپتان رہ چکا تھا۔یہ سکول اسے سالوں یاد رکھے گا اس بات کا سب کو پتا تھا۔
''انڈر ایسٹیمیٹ نہ کیا کرو مجھے تم، یہ بتاؤ ثمر کی کچھ خبر ہے؟ میں نے کال کی تھی۔اس کا فون بند جارہا ہے۔''
وہ دونوں چلتے ہوئے ایلاف کی کلاس کے آگے آکر رکے جہاں وہ مست مگن سی اپنے گروپ کے ساتھ ڈرمز بجارہی تھی۔صاف دکھتا تھا اس نے آدھے گھنٹے سے پہلے باہر نہیں آنا کیونکہ کلاس میں ٹیچر نہیں تھے بس وہ اور اس کا گروپ تھا جو تباہیاں مچارہا تھا۔
''ہاں میں نے کل انہیں دیکھا تھا۔انفیکٹ وہ رات میں میرے پاس آئے تھے چاکلیٹس

اور پیسے دے گئے تھے۔منع بھی کیا مگر سنا ہی نہیں۔"

راحم اس بات پر دل سے خوش ہوا۔ثمر کی لڑکیوں والی ایکٹوٹیز کے بارے میں اسے خبر ملتی رہتی تھی مگر وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر مان برقرار رکھنا چاہتا تھا۔جانتا تھا اگر پردہ ہٹ گیا تو شرم ولحاظ بھی مفقود ہو جائے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو۔

"تم دونوں کی بہت پرواہ کرتا ہے،تھوڑا لاابالی ہے مگر سمجھ سب ہے۔"

"آپ کی طرح مجھ سے زیادہ ایلاف سے محبت کرتا ہے۔میں تو نظر ہی نہیں آتی ہوں کسی کو۔"

راحم کی اس شکوے پر حیرت سے آنکھیں پھٹیں۔وہ دونوں اس وقت کلاس کے باہر بچھے بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔پشت کے پیچھے دیوار تھی جس پر ڈرمز کی بڑی بڑی اسٹک کراس کر کے پینٹ کی گئی تھیں۔اس کے نیچے ہی دو ڈرمز آپس میں ملے ہوئے پینٹ تھے۔

"کیا واقعی؟یعنی اتنا بڑا بہتان لگا سکتی ہو تم مجھ پر۔"انیشہ نے روٹھے انداز میں سر کو اٹھایا اس کے ہاتھ بندھے ہوئے گود میں پڑے تھے جبکہ راحم نے بدستور اسے شانے سے تھام کر خود سے لگایا ہوا تھا۔

"یہ الزام نہیں سچ ہے۔"

"تو یعنی طے ہوا کہ میں بہتان زدہ ہو گیا ہوں اور تم جیلس۔"

راحم کے الزام پر وہ بری طرح سٹپٹائی۔پرزور احتجاج کیا۔

"میں اپنی بہن سے جیلس نہیں ہو رہی،آپ مجھے گمراہ نہ کریں۔"

راحم کو ایک دم اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔وہ محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جب کلک اور تیز روشنی کی وجہ سے چونک گیا،نظر اٹھائی تو سامنے ایلاف کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ میں سیل فون تھا اور وہ ابھی ابھی کھینچی گئی تصویر کو سیو کر رہی تھی۔

"کیپشن ہوگا بھائی اور بہن کا پیار۔" سیل فون کا منہ ان دونوں کی طرف کر کے وہ لہرا رہی تھی۔ وہ ان کا فیملی گروپ تھا جس میں تصویر بھیجی گئی تھی۔ سب سے پہلے آنے والا میسج زرینہ کا تھا جس میں وہ اپنے دونوں بچوں کو دعائیں دیتے ہوئے دل والا لائک کر رہی تھیں۔ راحم نے آگے جھک کر اس کی کلائی تھامی اور ایک جھٹکے سے اسے اپنی دوسری جانب بٹھایا۔ اس کے گرد بھی شانے پھیلا کر وہ تصویر اتارنے کا کہہ رہا تھا جب تصویر کلک ہوگئی تو راحم نے اسے بھی فیملی گروپ میں پوسٹ کر دیا۔

"کیپشن ہونا چاہیے بھائی اور بہنوں کا پیار۔۔۔ ثمر مسنگ ہے۔" اس نے کیپشن لکھنے کے بعد ایلاف کی جانب دیکھ کر کہا تھا۔ "ورنہ کیپشن ہوتا بھائیوں اور بہنوں کا پیار۔"

"ثمر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ ڈیٹ پر گیا ہوا ہے۔ کہو تو لوکیشن سینڈ کر دوں۔" وہ چلبلے انداز میں سوال کر رہی تھی، جواب انیشہ کی جانب سے آیا تھا۔

"خبردار جو تم نے میرے بھائی پر بہتان لگایا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں ہے دیکھا میں سچ تھی وہ یہیں آ رہا ہے۔"

دونوں نے گردنوں کو سیدھا کیا تو کوٹ کو ہاتھ میں تھامے ثمر مسکراتے چہرے کے ساتھ ان تینوں کی جانب دوڑا چلا آ رہا تھا۔ اس نے بال کافی چھوٹے کروا لیے تھے جس کی وجہ سے اس کا چہرہ تھوڑا سا کمزور لگ رہا تھا۔ کمزور اس لیے کیونکہ وہ ایڈیکٹ بنتا جا رہا تھا۔

"کتنی غلط حرکت ہے میرے بنا تصویریں اتار کر گروپ میں ڈال رہے ہو۔" اس نے راحم کا ہاتھ ایلاف کے کندھے سے ہٹایا اور خود دونوں کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا۔ "مجھے یاد رکھا کرو، میں بھی فیملی میں ہوں۔"

ایلاف نے مسکراتے ہوئے سیل فون کو اونچا کیا۔ سب چیز بول رہے تھے۔ ثمر نے راحم اور

ایلاف کے شانوں پر بازو پھیلائے ہوئے تھے جبکہ انیشہ راحم کی بغل میں گھسی ہوئی تھی۔تصویر اتر گئی تھی، گروپ میں بھی ڈل گئی۔کیپشن بھائیوں اور بہنوں کا پیار لکھا گیا تھا۔غفور صاحب کا جھٹ سے میسج آیا کہ وہ اپنے ایگزامز کی طرف توجہ دیں، موج مستیاں بعد میں کریں جس کے بعد زرینہ اوران کے درمیان نہ ختم ہونے والی محبت بھری نوک جھونک شروع ہو چکی تھی۔وہ بچوں کی سائیڈ لے رہی تھیں جبکہ غفور صاحب ان کی مستیاں دیکھ کر تلملا رہے تھے۔

یہ چاروں یونہی کرتے تھے۔خاص ایگزامز ڈے میں کبھی امیوزمنٹ پارک تو کبھی فشنگ کرنے جاتے اور پھر خاص الخاص تصاویر اتار کر غفور صاحب کو جلانے کیلئے پوسٹ کر دیتے تھے۔وہ پڑھائی کے معاملے میں ایک سخت باپ تھے جبکہ زرینہ فل ٹائم بگاڑنے والی ماں۔انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا بچے پوزیشن حاصل کریں یا نہ کریں۔وہ بس یہ چاہتی تھیں ان کے بچے اپنی زندگی اپنے حساب سے مستیوں میں جئیں۔ٹینشنوں کیلئے پوری زندگی پڑی ہے۔ثمر نے ایک نظر ایلاف کو اور پھر جھک کر راحم میں چھپی انیشہ کو دیکھا اور با آواز بلند اعلان کیا۔

''میں نے سوچا ہے کل تم دونوں کے پیپر کے بعد ہم سب پکنک پر چلیں گے اور یہ پکنک میری طرف سے ہوگی۔''

''کیا واقعی یعنی میری جیب خالی نہیں ہوگی؟'' راحم نے خوش دلی سے دریافت کیا تھا۔اس طرح کی چھوٹی موٹی پکنکس وہ لوگ کرتے رہتے تھے۔

''کیوں،آپ کیوں کریں گے خالی جیب، یہ پکنک خالص میری جانب سے ہوگی۔تم دونوں جگہ ڈیسائیڈ کر کے مجھے بتا دینا۔'' بات ختم کرنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ ایلاف کے سامنے پھیلایا تھا۔ایلاف نے ایک نگاہ اس کی چوڑی ہتھیلی پر ڈالی اور دوسری اس کے چہرے پر، جو بھی تھا جیسا بھی وہ ان کا بھائی تھا، ان سے محبت کرتا تھا۔ان کی حفاظت کرتا تھا۔ان کی

عزت کرتا تھا اور کوشش کرتا تھا، ان کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کو راحم کی طرح پوری کرے اکثر و بیشتر وہ اپنے معاملات کو لے کر ان کے سامنے شرمندہ بھی ہو جاتا تھا۔ اب بھی تھا۔ وجہ ایلاف کے ساتھ ندی کنارے ہوئی کچھ دن قبل کی بحث تھی۔

وہ ہلکا سا مسکائی پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ثمر نے اپنائیت سے اس کے ہاتھ کو اپنی ہتھیلی میں قید کا اور بحث میں مگن راحم اور انیشہ کو دیکھنے لگا۔ ایلاف کے ہاتھ کا لمس اس کا یقین حاصل کر کے وہ سر جھکا کر مسکرایا تھا۔ دل خوش تھا کہ اس کی بہنیں خوش ہیں۔ روح ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ شانوں پر ایلاف کی ناراضی کا جو بوجھ تھا وہ بھی سرک گیا۔

☆......☆......☆

یہ شہر سے پرے لوکل جگہ پر واقع بلڈنگ کے دوسرے فلور کا منظر تھا جس کی سیڑھیاں تھکے مارے انداز میں ایک لڑکا چڑھ رہا تھا۔ بل کھاتی سیڑھیاں نیم اندھیرے میں ڈوبی تھیں اور اس کی ریلنگ زنگ آلود تھی۔ رات کے قریباً اڑھائی بجے کا وقت تھا تبھی پوری آبادی کے لوگ خوابِ خرگوش میں مگن تھے۔ سیڑھی کا آخری اسٹیپ چڑھنے کے بعد وہ دائیں جانب مڑا۔ وہ دو دروازے چھوڑ کر اپنے اپارٹمنٹ کے پرانے سفید دروازے کے آگے آ کر رک گیا۔ جیب سے چابی نکال کر لگائی، دوسرے ہی پھیرے میں کلک کی آواز آ گئی تھی یعنی دروازہ کھل چکا تھا۔ اس نے آہستہ سے اسے وا کیا تو تیز روشنی پانی کی طرح جگہ بناتی ہوئی اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے گئی۔ گہری سانس بھر کر اس نے پورا دروازہ کھولا، اندر قدم رکھا، ایک نظر سامنے منتظر بیٹھی ادا پر ڈالی اور پھر مڑ کر دروازے کو لاک لگا دیا۔

''تم پھر انتظار کر رہی تھی۔ کہتا تو ہوں سو جایا کرو، یوں تم بیمار ہو جاؤ گی۔'' وہ اپنا کوٹ اتار کر دیوار پر لگی کیل میں لٹکا رہا تھا۔ ایسا کرنے کے بعد وہ آدھا جھکا، جوتوں کو پاؤں سے آزاد

کروا رہا تھا۔ گرد آلود جوتے اس بات کی وضاحت کر رہے تھے کہ وہ آدھا راستہ پیدل چل کر آیا ہے۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے، کیا تم اس طرح بیمار نہیں ہو گے؟''

ایبک کچن میں گیا ہاتھ دھو کر باہر آیا اور اس کے قریب صوفے پر دھپ کر کے گر گیا۔ اس کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔

''راحم کے احسان کو چکانا تھا اور آج اتفاق سے ڈش واشر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔''

''پھر تم نے سوچا کیوں نا سارے برتن چمکا کر ایکسٹرا پیسے لے لیے جائیں۔''

ایبک نے صوفے کے کنارے گری گردن کو اس کی طرف موڑا، کھلے ہاف وائٹ دھاری دار ٹراؤزر اور سفید بٹنوں والی شرٹ میں بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھے وہ خفا کن سی کہہ رہی تھی۔

''بہت سمجھدار ہو گئی ہے میری بہن، ایسا ہی کیا میں نے، تم جانتی تو ہو اس طرح کے موقع نہیں گنواتا میں۔'' اس نے جیب سے سارے پیسے نکال کر اس کی جھولی میں رکھے تھے۔ وہ ایسا ہی کرتا تھا ساری تنخواہ کے پیسے، اوور ٹائم کے پیسے اور ساری ٹپس وہ سب کے سب لا کر ادا کو دے دیتا تھا، پھر اس کی مرضی ہوتی تھی وہ انہیں کیسے خرچ کرے گی اور اسے کتنی پاکٹ منی دے گی۔

''چاہے تم بیمار پڑ جاؤ۔''

اس کے نین کٹورے بھر گئے۔ موٹے موٹے آنسوں گالوں پر گرنے لگے تھے۔ اس کے گرتے آنسوؤں پر ایبک نے جھٹ سے کمر کو ٹیک سے آزاد کروایا حالانکہ تھکن بہت تھی مگر ادا کیلئے اپنی بہن کیلئے ہر تھکن قربان۔

''ادا'' وہ تڑپ کر اسے مخاطب کر بیٹھا۔ ادا نے روتے ہوئے اپنا ماتھا اس کے شانے پر رکھا۔ ایسا کرنے پر اس کے بال کھل گئے وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''ادا پلیز۔''

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے آنسو نہ ہوں بلکہ تیزاب ہو جو اس کے شانے کو جلا رہا تھا۔

ایبک نے ایک ہاتھ اس کی گردن کی پشت پر رکھا اور ٹھوڑی اس کے بالوں پر ٹکالی۔

''کب سب ٹھیک ہوگا ایبک، کب ہم بھی نارمل لائف جئیں گے۔'' وہ بے طرح سے رو رہی تھی۔ کیا بتاتی کہ آج شام اس اپارٹمنٹ کا مالک کرایہ وصول کرنے آیا تھا۔ اسے اگلے دو ماہ کا ایڈوانس کرایہ چاہیے تھا کیونکہ اس کی آنکھوں کا آپریشن ہونا تھا۔

''دیکھو بیٹا، اگر تم لوگ کرایہ نہیں بھر سکتے تو مجھے بتا دو۔ میں کوئی اور کرائے دار کا بندوبست کرلوں گا، میں بھی مجبور ہوں اگر نہ ہوتا تو کبھی مطالبہ نہ کرتا۔ سوچ لو، سوچ کر کل شام تک مجھے جواب دو۔''

وہ کیسے اسے یہ سب بتا دے۔ وہ کس طرح سے انتظام کرے۔ کل ان دونوں کا پیپر تھا اور ایبک بہت تھوڑا پڑھا تھا۔ اگر اسی طرح چلتا رہا تو وہ سکالرشپ حاصل نہیں کر پائے گا۔ اس کا فیوچر برباد ہو جائے گا۔ وہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔ بالکل بھی نہیں۔

''دیکھو تو ذرا جو مجھے اللہ پر توکل کے بڑے بڑے لیکچر دیتی ہے۔ آج خود رو رہی ہے۔ مایوس ہو رہی ہے بیوقوف۔'' اس کی آواز بھی رندھی ہوئی تھی مگر وہ بھرپور کوشش کر رہا تھا کہ اسے نارمل ہی رکھے۔ ادا کے آنسو اس کا ٹوٹنا، اسے نارمل رہنے دے سکتا تھا بھلا۔

''چلو شاباش اٹھو منہ دھو اور آنسو پونچھو اپنے۔'' وہ انگلی کی پوروں سے اس کے آنسو کو صاف کرتا روہانسے چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ادا نے ہچکی لے کر بالوں کو

کانوں کے پیچھے کیا۔نم ناک نظریں اس پر ڈالیں۔

''تم آج کافی تھک گئے، ہے نا؟''

''پہلے نہیں تھکا تھا،تم نے رو کر تھکا دیا۔'' ادا کی ٹھوڑی پھر سے کانپی۔

''کھانا کھایا تھا؟ صبح سے بھوکے تھے تم۔''

وہ مسکرایا۔

''ایک کسٹمر اچھا خاصا کھانا بچا گیا تھا، میں نے اور میرے ساتھ موجود لڑکوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔''

وہ جانتی تھی وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔اس میں خودداری بہت تھی۔وہ بھوکا رہ سکتا تھا لیکن کسی کا بچا ہوا نہیں کھا سکتا تھا۔ادا کی ٹھوڑی ایک بار پھر شدت سے کانپی، اپنی جگہ سے اٹھی شام کا پکا کھانا گرم کر کے اس کیلئے لائی۔ایک اشتہا انگیز خوشبو سونگھ کر آگے جھک گیا تھا۔

''پیپر کی تیاری بھی نہیں کی ہوگی ہے نا؟''

نوالے توڑتے ایبک نے منہ میں موجود نوالے کو نگلا اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''اب پڑھوں گا نا بہت وقت ابھی آرام سے تیاری کر لوں گا۔'' متانت سے اسے کہتے ہوئے وہ پھر سے کھانے میں مگن ہو گیا تھا۔اس کا انداز تھوڑا عجلت بھرا تھا۔مطلب اسے زوروں کی بھوک لگی تھی۔

''اور سو گے کب؟''

ایبک نے سر اٹھا کر کچھ دیر سوچا پھر نتیجہ نکالتے ہوئے بولا۔

''گھر آکر ریسٹورنٹ تو چار بجے جانا ہوتا ہے۔آدھا گھنٹہ سولوں گا بہت ہے۔اللہ تمہارے ہاتھ سلامت رکھے، بہت مزے کا کھانا تھا۔''

برتن اٹھا کر وہ کچن میں رکھ آیا تھا اور شاید دھو بھی آیا تھا کیونکہ اس کی آمد تھوڑی دیر سے ہوئی تھی۔ صوفے پر تا ہنوز بیٹھی ادا کو دیکھ کر وہ بھی وہیں آیا اور اس کے بالوں کو انگلیوں سے بکھیر کر بولا۔

''تم اب تک یہیں بیٹھی ہو۔ سونا نہیں ہے؟ جاؤ میں یہیں پڑھوں گا۔'' اس نے میز کے نیچے سے اپنے بیگ کو گھسیٹ کر نکالا اور اس میں سے مطلوبہ کتاب مل جانے کے بعد اسے سائیڈ پر رکھ دیا۔

''اچھے سے تیاری کرنا۔'' وہ گود میں سے پیپے سمیٹتی اٹھ گئی تھی۔

''تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

ایبک کے کہنے پر اس نے یاسیت سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ اندر وہ اپنے کمرے میں کمفرٹر میں دبکی آنکھیں موند گئی تھی اور باہر ایبک سلطان اپنے کٹس لگے ہاتھوں کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ قطرہ قطرہ بھیگتی رات دونوں ایک آنکھوں کو اور ایک کے دل کو بھگو رہی تھی۔

ایبک کا دل بھرپور نمی سے بھیگ گیا۔

☆......☆......☆

کمرۂ امتحان میں اس کا ہاتھ پیپر پر سپیڈ میں چل رہا تھا۔ سفید کاغذ کو نیلے رنگ سے رنگتے ہوئے وہ دنیا و مافیہا سے بیگانہ لگتا تھا۔ اس کی آنکھیں وقفے وقفے سے سوالات پر جاتیں اور دل کو تسلی دے دیتیں کہ ہاں اسے سارا پیپر آتا ہے۔ نیند کے خمار سے بوجھل آنکھیں اس کے رات بھر جاگنے کی غماز تھیں۔ آدھا وقت بیت گیا تھا جب اس نے متلاشی نگاہیں ہال میں ڈالیں۔ ادا نا جانے کہاں کھو گئی تھی، نظر ہی نہیں آ کر دے رہی تھی۔

''ایبک، شش۔'' اس کی کرسی کے پیچھے کسی نے پن سے دستک دی۔ وہ دستک گرینا کی

تھی۔ کانپتی آواز روہانسا انداز۔

"مجھے کچھ بھی نہیں آتا، میرا فیوچر تباہ ہوگیا ہے۔"

اس بات کا مطلب تھا ایبک اس کی مدد کرے مگر کیوں، وہ اس کی مدد کیوں کرے، ہر کسی کو اپنے حصے کی محنت خود کرنی چاہیے تاکہ اس محنت کی اجرت میں فقط اس کی اپنی کمائی کا ہاتھ ہو، کسی دوسرے کی نہیں۔ ہم لوگ یونہی کرتے ہیں گنا چنا یاد۔۔۔ نہیں یاد نہیں رٹہ لگاتے ہیں اور جتنا پیپر میں آتا ہے کرتے ہیں باقی کی بندوق دوسروں کے شانے پر دھر دیتے ہیں کہ اب تم مدد کرو ورنہ ہم نے فیل ہو جانا ہے تو ہوئیں کیونکہ اس میں پچھتر پرسنٹ آپ لوگوں کا ہاتھ ہے اس کا نہیں جو مدد سے انکار کرتا ہے۔

مسکین طلباء!

بیچارے اور قابل رحم!

"کیمراز لگے ہیں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، تمہیں کوئی اور راہ تلاش کرنی ہوگی۔"

مدھم آواز میں وہ اسے وارن کر رہا تھا۔ راؤنڈ لگاتا کرخت انویجی لیٹر پشت پر بازو باندھے آگے کو چل رہا تھا۔ ایبک نے اس کے بندھے ہاتھوں میں واکی ٹاکی پکڑی دیکھی اور سیدھا ہوگیا۔

"ایبک، پلیز تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" وہ منمنائی تھی۔ ایبک نے پن کو سٹیل کی کرسی پر بجایا۔ خاموشی میں جیسے خلل پڑا ہو۔ آدھے لوگوں کی نظریں اس کی جانب اٹھی تھیں، اٹھ کر جھک گئیں۔ واپس مڑتے انویجی لیٹر جس کا پاؤں مخالف سمت میں حرکت کو تھا ایک دم وہاں تھما، گردن موڑی، پشت پر بندھے ہاتھ تا ہنوز قائم تھے۔

"سر، ایک سیکنڈ پلیز۔" پن والا ہاتھ بلند کرتے ہوئے وہ اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔ سیاہ

سوٹ والے انوبجی لیٹر نے پاؤں کو مکمل طور پر موڑا اور چھوٹے چھوٹے ڈگ بھرتا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"کہو ذہین نوجوان۔" وہ شاید پورے ہال میں اس پر ہی توجہ دے رہا تھا۔ ایک تو لیفٹ ہینڈر، اوپر سے خوبصورت لکھائی اور سنجیدہ چہرہ، سفید بالوں والا پینتیس چھتیس برس کا وہ آدمی جوں جوں ایبک کے منہ سے برآمد ہوتے الفاظ سن رہا تھا توں توں گرینا کی ہوائیاں اڑتی جا رہی تھیں۔

"سر، ان میڈم کو پیپر نہیں آتا۔" وہ انگوٹھے کی مدد سے پیچھے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اور انہیں لگتا ہے اگر میں ان کی مدد نہیں کروں گا تو ان کا فیوچر برباد ہو جائے گا۔ میں انہیں انکار کر چکا ہوں کیونکہ میرے نزدیک یہ چیز اچھی نہیں ہے۔ اب اگر انہوں نے مجھ سے کوئی سوال کیا اور آپ نے مجھے انہیں جواب دیتے پکڑ لیا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔ آپ میری شکایت نہیں کریں گے۔" سنجیدہ چہرہ، بوجھل آنکھیں، بھاری آواز، بہترین امریکن ایکسنٹ اور سپرنگ بال۔

"فکر نہیں کرو لڑکے، اطمینان سے لکھو اور آپ۔" اس نے گردن ہونق بنی گرینا کی جانب کی، کرنے کے بعد اس کو مخاطب کیا جوان کے درشت لہجے پر چونک اٹھی تھی۔ "اگر باز نہ آئیں تو پیپر کینسل کر دیا جائے گا۔ ہمم۔" باخبر کر کے وہ قدم آگے بڑھا رہا تھا جب ایک بار پھر اسے رکنا پڑا، وجہ گرینا کی سرگوشی تھی جو اس کی سماعت تک پہنچ گئی تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا ایبک۔"

وہ مڑ کر اس لڑکی کو گھورنے لگا تھا۔ اس کا کرخت چہرہ مزید کرخت ہو گیا۔ گرینا نے بوکھلا کر خود کو پیپر پر جھکایا۔

''خوبصورت مردوں کو کبھی نہیں چھوڑتیں یہ لڑکیاں۔'' ایبک پر ایک نگاہ ڈال کر وہ سوچتے ہوئے مڑا۔

دوسری جانب میوزک ہال میں ایک سے بڑھ کر ایک بہترین ساز کو بجایا جا رہا تھا۔انیشہ نے اتنی خوبصورت دھن بجائی تھی کہ ایگزامنر خود کو کہنے سے روک نہ پایا۔

''تمہاری دھن بہت خالص اور پاک محسوس ہوتی ہے، بالکل شبنم کے قطروں کی طرح، خدا تمہارے ہاتھوں میں یونہی ساز گھولتا رہے۔'' یہ توصیف اس کے نمبروں کا پتا دے رہی تھی، یعنی پیانو کلاس کی ٹاپر انیشہ غفور تھی۔وہ مغموم سی داد وصول کر کے ہال سے باہر آئی۔اس کے قدم ایلاف کے ہال کی جانب تھے۔وہ ایک بلاک چھوڑ کر دوسرے میں داخل ہوئی، ابھی وہ وہاں سے گزر رہی تھی کہ اسے رک جانا پڑا، بڑھتے قدموں کو الٹا واپسی پر ڈالا اور گردن کو تھوڑا سا ٹیڑھا کر کے اندر جھانکنے لگی۔شیشے کی کھڑکی کے اس پار وہ منہمک سا اپنا پیپر حل کرنے میں مگن تھا۔رف سا حلیہ، بکھرے سے بال اور جھکی ہوئی پلکیں۔

''ایبک پر مجھے کرش ہے۔'' اسے اپنی ایک دوست کی بات یاد آئی جو پچھلے دنوں اس نے کہی تھی۔

''کیا واقعی، اس میں ایسا کیا ہے جو تمہیں اس پر کرش ہو گیا ہے۔'' فقط پڑھائی سے تعلق رکھنے والی انیشہ کیلئے یہ بات خاصی اچنبھے والی تھی کیونکہ جس لڑکی کے منہ سے وہ یہ سب سن رہی تھی، وہ خاصے اچھے بیک گراؤنڈ کی مالک تھی۔ڈیوڈ کو اس نے گھاس نہیں ڈالی تھی اور ایبک پر کرش عجیب۔

''اس میں وقار ہے، سنجیدگی ہے اور عزت بھی۔'' وہ شانے اچکاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''وہ الگ ہے۔''

”ڈیفائن کرواس ”الگ“ کو۔
”جیسا کہ تم نے بھی نوٹس کیا ہو گیا وہ کسی بھی لڑکی کے ساتھ نہیں پایا جاتا فقط اپنی بہن کے، وہ بھیڑیوں کی طرح کسی کے سنگل ہونے کی تاک میں بھی نہیں رہتا اور نہ ہی کسی کمیٹڈ لڑکی پر ٹرائے کرتا ہے۔ ہونٹنگ بھی نہیں کرتا اور ڈرنک بھی۔“ وہ انگلیوں پر گنوا رہی تھی اور انیشہ اس کے اتنے گہرے تجزیے پر محظوظ ہو رہی تھی۔
”اس نے ہمیشہ ہر کسی کو عزت سے پکارا ہے، کبھی کوئی الٹا نام نہیں لیا اور بولتا بھی بہت کم ہے۔“ آخری جملہ اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا پھر اس کے قریب کھسکی اور کان میں سرگوشی کی۔
”مردوں کی یہ بات بہت اچھی ہوتی ہے کہ وہ کم بولیں۔ یہ چیز انہیں اٹریکٹو بناتی ہے۔“
انیشہ نے حیرت سے ابرو چڑھائیں۔
”تم نے اسے کتنا آبزرو کیا، کوئی ایسا بھی کرتا ہے کیا۔“
اس کی دوست ہنسی۔
”مزید سنو، وہ اچھا خاصا ہینڈسم ہے، تھوڑا سا پالش ہو تو سب کو پیچھے چھوڑ دے۔ تم سے ایک فیور چاہیے۔ اس کی بہن سے آج کل تمہاری دوستی ہے۔ تم بات کرو نا اس سے میری۔“
انیشہ اس کی بات پر بدکی۔
”کم آن یہ کیا کہہ رہی ہو، میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی، سوچنا بھی مت۔“ اس نے فوراً سے انکار کیا۔ اپنی دوست کی کسی بھی بات پر کان نہیں دھرا۔
”پلیز انیشہ ایسا نہیں کرو، مجھے اس کے ساتھ فکس کروا دو، یقین کرو تمہاری بہت مشکور ہوں گی۔“
”ہرگز نہیں۔“ دوٹوک انکار کر کے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ بڑھتے بڑھتے فیصلہ کر گئی کہ آئندہ

اسے ادا کے ساتھ زیادہ بات نہیں کرنی تا کہ کوئی اور آ کر اس طرح کی ڈیمانڈ نہ کرلے۔ ایبک کیلئے یہ تیسری لڑکی تھی جس نے اس سے بات کی تھی یعنی حد ہوگئی تھی۔

وہ ایبک کو غور سے تک رہی تھی، اتنی غور سے کہ اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ اس کی کلاس فیلو وہاں آ کر کھڑی ہوگئی ہے، چونکی تو تب جب کندھے پر کسی کے ہاتھ کا بوجھ پڑا۔

''تم کہاں کھوگئی ہوئی ہوانیشہ، میں کب سے تمہیں آوازیں دے رہی ہوں۔''

وہ یکدم سٹپٹائی پھر اپنی بے خودی پر خود ہی ہنس دی۔

''کہیں نہیں دراصل ایلاف کو دیکھنے آئی تھی۔''

اس لڑکی کی اگلی بات پر اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں، جھٹ سے واپس گردن ایبک کی جانب موڑی۔

''مگر اس کا ڈیپارٹمنٹ تو یہ نہیں ہے، کیا ہے؟''

نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ مڑی تھی۔

''یعنی میں فقط ایبک کو نوٹ کرنے یہاں آئی تھی، پاگل ہوگئی ہوں میں بھی۔'' بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے جا رہی تھی۔ ''اس نے میرا دیکھنا بھی نوٹ نہیں کیا، مطلب وہ واقعی بہت بے نیاز ہے، عجیب۔'' وہ اس ڈیپارٹمنٹ کو کراس کرتے ہوئے ایلاف کو دیکھنے نکل پڑی جہاں وہ ایلاف کو ڈھونڈ رہی تھی، وہیں تھوڑی دور ادا پیپر وائنڈ اپ کر کے باہر آئی تھی اور اب آتے ہی انیشہ کو ڈھونڈنے لگ گئی تھی جو اسے مل کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ اسے انیشہ سے راحم کا نمبر لینا تھا مگر جب وہ اسے کہیں نہ ملی تو اس نے ذہن پر زور ڈالا، ایک بار راحم نے اسے اپنا نمبر بتایا تھا۔ کیا تھا وہ؟ کیا تھا؟ کیا تھا؟ یکدم ہی اس کے دماغ میں جھماکا ہوا اور نمبر سکرین کی طرح اس کے دماغ میں چل اٹھا۔

”ژالے! کیا تمہارا فون دو منٹ کیلئے مل سکتا ہے مجھے؟“ اس نے کمرۂ امتحان سے خوش خوش آتی ژالے کو مخاطب کیا۔ ہمیشہ کی طرح بلا جھجک ہی اس نے فون پرس سے نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اپنی کسی دوست سے زور و شور سے پیپر کو ڈسکس کرنے میں مگن ہو گئی۔
ادا نے دماغ میں موجود راحم کا نمبر ملایا۔ وہ دو قدم ژالے سے آگے ہوئی تھی، ابھی تین بیلز ہی گئی تھیں کہ اسے پیچھے سے کسی نے پکار ڈالا۔ وہ ایبک تھا جو لمبے ڈگ بھرتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ کال کٹ کر کے وہ فون ژالے کے ہاتھ میں تھماتی ایبک کی طرف لپکی۔

”کیسا ہوا پیپر؟“ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے سے پوچھا تھا اور دونوں نے بیک وقت ہی مسکراتے ہوئے سر ہلا کر جواب دیا۔

”بہت اچھا۔“

پھر چونک کر ایک دوجے کو دیکھا اور ہنس دیے۔ انیشہ کی دوست جسے ایبک پر کرش تھا ژالے ہی تھی۔ ایبک کی ہنسی کی آواز اس کی سماعت میں پڑی تو وہ رک کر محظوظ سی اسے تکنے گئی۔

”لیکن میں نے گرینا کی مدد نہیں کی۔“ پشیمانی سے کہتے ہوئے اس نے ادا کے گرد بازو پھیلایا۔ اس کے شانے کو تھام کر وہ مڑ گیا تھا۔ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہے تھے۔ ژالے نے ایک گہرا مسکراتا ہوا سانس خارج کیا۔

خوبصورت دین، خوبصورت احکامات، خوبصورت لوگ، خوبصورت احساسات۔

”ایسے مت دیکھو اسے، وہ صرف اپنی بہن کے ساتھ ہی اس طرح فری ہوتا ہے۔ باقی تو جیسے اس کیلئے حرام ہیں۔“

”حرام ہی ہیں۔“ ژالے نے رشک بھری نگاہوں سے دونوں کو تکتے ہوئے کہا۔

”تمہیں پتا ہے ایک سوال پر میں اٹک گیا تھا مگر صد شکر آخری وقت میں یاد آگیا۔“
ادا نے اپنے کراس بیگ کی سٹرپ پکڑی ہوئی تھی تو ایبک نے اس کے شانوں کو تھام رکھا تھا۔
”نہیں شکر اللہ کا میرے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بس لاسٹ سمسٹر اچھا ہو جائے سکالر شپ پھر سے ہماری منتظر ہے۔“
”ان شاء اللہ، اچھا یہ بتاؤ تم کال کیسے کر رہی تھی؟ میں نے سوچا ہے اس ماہ تمہیں فون لے دیتا ہوں، مجھے اچھا نہیں لگتا جب تم کسی اور سے کوئی چیز لے کر استعمال کرتی ہو۔“
وہ مسکرائی، سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ دونوں کیفے ٹیریا میں آئے تھے جہاں کھچا کھچ سٹوڈنٹس ہاتھوں میں اپنی اپنی کھانے کی ٹرے پکڑے میز پر بیٹھ رہے تھے۔ ایبک دو برگر لیے میز پر آ کر بیٹھا۔ جلد بازی میں ان دونوں نے ناشتہ نہیں کیا تھا اور اب بھوک تھی جو زوروں کی لگ رہی تھی۔
”اچھا تو ایسی بات ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ہمیں باقی نظام بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ تم جلدی میں لگ رہے ہو، ایسا کیوں؟“ وہ اس کے بار بار گھڑی کو دیکھنے اور فٹافٹ برگر کو نگلنے کی بابت پوچھ رہی تھی۔ برگر کے نوالے سے بھرے منہ کو وہ ہلا رہا تھا۔
”ہاں صبح ہی مارٹن نے بتایا کہ کسی شاہی خاندان کے رشتے داروں میں فوتگی ہوگئی ہے۔ وہاں ویٹر کی ضرورت ہے میں ابھی اُدھر ہی جاؤں گا۔ کچھ وقت وہاں لگاؤں گا اور اس کے بعد ہوٹل۔“ وہ بہت آرام سے بتا رہا تھا اس چیز کی پرواہ کیے بغیر کہ ادا کا دل نیچے گر چکا ہے۔
”اور تمہاری ان آنکھوں کا کیا جن میں نیند بھری ہے۔“
اس کے ہاتھ میں آدھا کھایا برگر تھا، نوالہ بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اترا۔ ادا نے آدھا کھایا برگر سفید چوکور ٹرے میں واپس رکھ دیا جس کے کوارٹرز میں ایک جگہ سبز چٹنی تھی دوسری جانب کیچپ اور سائیڈ پر ڈپ کی چھوٹی سی ڈبی رکھی تھی جس میں سے آدھی وہ ختم کر چکی تھی کہ

لہسن اور ہر بز سے بنی یہ ڈپ اسے بہت پسند تھی۔
"ان کی نیند میں رات کو آ کر پوری کرلوں گا، ابھی مجھے نکلنا ہوگا۔ سٹور چھوڑ دوں تمہیں؟"
جلدی جلدی ٹشو سے انگلیوں کو صاف کرتا ہوا وہ دریافت کر رہا تھا۔ ادا نے بے دلی سے پشت کو کرسی کی بیک پر گرایا۔ وہ جاتے ہوئے ایک کو ٹوکنا نہیں چاہتی تھی، اس لیے نفی میں سر ہلا دیا۔
"صحیح، پھر اپنا خیال رکھنا شام کو ملتے ہیں۔" اس کے گال کو تھپک کر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ ادا کی آنکھوں کے کنارے یکدم بھیگ اٹھے۔ دور بیٹھا ڈینس اسے فرصت سے گھور رہا ہے۔ اس بات کا اندازہ اسے نہیں ہوا کہ جو دکھ اسے تھا وہ ہر احساس پر حاوی تھا۔
"مجھے اس پر ٹرائے کرنا ہے۔" یہ ڈینس کا تبصرہ تھا۔
"کرلو مگر ایک بات یاد رکھنا، یہ لڑکی بیکار ہے۔" ثمر نے لاپرواہی سے کہا۔ ایک کیلئے اس کے دل میں بال آ گیا تھا۔ وجہ ظاہری بات ہے گرینا تھی جس کے ساتھ اتفاق سے اس نے ایک کو ریسٹورنٹ میں دیکھ لیا تھا۔ پس پردہ کہانی اسے پتا چل گئی تھی لیکن پھر بھی وہ اس چھٹانک بھر کے لڑکے سے خائف تھا جسے گرینا نے کال کر کے بلایا تھا۔ وہ اسے بھی تو یاد کرسکتی تھی نا۔
"تمہارے لیے ہوسکتی ہے۔ تمہارے ٹیسٹ سے ہم بخوبی واقف ہیں۔" اس نے شرارت سے آنکھ مار کر کہا۔ ثمر ہنس دیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی برگر تھا جسے چباتے ہوئے ثمر نے جواب دیا۔
"ٹیسٹ تو تمہارا ابھی یہ نہیں ہے، پھر ایسا کیا ہے جو تم اس پر ٹرائے کرنا چاہتے ہو۔"
ڈینس کی نگاہیں اب بھی فیروزی سکارف پہنے لڑکی پر جمی تھیں۔ گو کہ ان کے درمیان کافی ساری ٹیبلز تھیں مگر پھر بھی وہ اسے دکھائی پڑ رہی تھی۔
"پتا نہیں لیکن مجھے یہ پہاڑی سر کرنی ہے۔ مجھے لگتا ہے ایسا کرنا چاہئے۔"

ثمر نے کولڈرنک کا کین لبوں سے لگایا اور کہا۔

''تو پھر جاؤ کرلو کوشش۔''

اس کی تجویز پر ڈینس اپنی کرسی سے اٹھنے لگا تھا جب ایک جھٹکے سے اسے واپس بیٹھنا پڑا وجہ ثمر کا کھینچنا تھا۔ڈینس کا ہاتھ تھامے وہ اسے واپس کرسی پر بیٹھا رہا تھا۔

''کیا ہوا؟''اس نے تعجب سے پوچھا۔ثمر بھنوؤں سے اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔

''ژالے اس کے پاس جارہی ہے۔''

ڈینس نہیں سمجھا۔

''تو؟''

ثمر نے نچلا لب دانتوں میں لے کر گردن کا رخ موڑا۔دونوں ابروکو آپس میں ملائے۔

ڈینس کی سمجھ میں بات آئی تھی۔وہ تحیر میں مبتلا ہو گیا۔

''یعنی تم اپنی بہن کے ڈر سے مجھے وہاں نہیں جانے دے رہے،ژالے انیشہ کی دوست ہے رائٹ۔''

اور یہی بات سچ تھی۔ڈینس ثمر کا بہترین دوست ہے یہ سب جانتے تھے۔ڈینس ادا کو تنگ کر رہا ہے یہ سب جانیں گے تو اس کی دوستی پر برا اثر پڑے گا۔اسی لیے وہ اسے جانے سے روک گیا کہ وہ نہیں چاہتا تھا ژالے کے ذریعے بات انیشہ تک پہنچے۔

''مجھے لگتا ہے ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔''

ڈینس اس کی ڈرپوکی پر دانت پیستا رہ گیا۔کوئی اتنا بھی اپنی بہنوں سے ڈرتا ہے بھلا؟ حد ہے۔

☆......☆......☆

''پتانہیں اس نے وہ باکس کھولا بھی ہے یا نہیں۔''

شام کو پکنک سے لوٹ کر وہ جونہی بیڈ پر گری، ایک کا خیال اس کے ذہن کے پردوں پر جھلملا گیا۔ ریشم کی کرنوں سے سجی ڈھلتی شام بڑی سہانی تھی۔ فضا آزاد تھی اور پرندوں کے غول یہاں وہاں اڑتے ہوئے نظر میں پڑ رہے تھے۔ سفید بیڈ پر گری وہ سر کے ہوئے پردوں سے چھن کر اندر آتی ملائم دھوپ کو دیکھ رہی تھی۔

''آج کا دن اچھا تھا۔'' اس نے ہوا کے سپرد اپنے احساسات کیے۔ ''بہت اچھا۔''

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی، آنے والا ثمر تھا۔ ایلاف نے گردن موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا اور اٹھ بیٹھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور کاؤ نیک ٹی پنک جرسی بدن پر موجود تھی پھر بھی اس نے سائیڈ پر رکھا اپنا رومال اٹھا کر گلے میں ڈال لیا۔ اگر یہاں راحم ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتی مگر مسئلہ یہی تھا کہ ثمر راحم نہیں تھا۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟''

وہ جبراً مسکرائی۔

''تمہارے بھائی نے میری دوست کے ساتھ اچھا نہیں کیا ایلاف، اس کے ساتھ ریلیشن میں رہا اور اب بیچ راہ کے چھوڑ رہا ہے۔ کیا میری دوست اس ذلت کی مستحق ہے؟ کیا تمہارا بھائی عزت کے قابل ہے۔''

دو ہفتے قبل کہی گئی اس کی کلاس فیلو کی بات دماغ میں پتا نہیں کیوں اچانک گونج اٹھی۔

اچھے دن کا اختتام بری سوچ پر ہوا۔

''نہیں آ جاؤ۔''

وہ خراماں خراماں چلتا ہوا آیا اور پینٹ کو گھٹنوں سے اوپر کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی

پنڈلیاں کافی ننگی ہو چکی تھیں۔

”تم آج آسودہ رہی نا؟“

ایلاف نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”ایلاف۔“ نام لے کر وہ رک گیا جیسے تمہید باندھ رہا ہو پھر نچلے لب کو تھوڑی دیر دانت میں جکڑنے کے بعد وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ کہنے کیلئے منہ کھولا تو نچلا لب خود بہ خود دانتوں سے آزاد ہو گیا۔

”تمہاری ناراضی بجا ہے میرے لیے لیکن تم خود سوچو کیا، یہ ممکن ہے کہ ہم اتنی ہائی سوسائٹی کے ہونے کے باوجود، لبرل ہونے کے باوجود گرل فرینڈ نہ رکھیں یا کسی لڑکی کو دوست نہ بنائیں۔ دیکھو میں نے کبھی بھی کسی کے ساتھ غلط نہیں کیا ہے۔ میوچل انڈرسٹینڈنگ ہو جائے اور ہمارا ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ طویل ہو تو رشتے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے مگر جو لڑکیاں سٹیٹس دیکھ کر قریب آئیں ان کی حمایت کرنا اچھی بات تو نہیں ہے۔ ان کیلئے اپنے بھائی سے ناراض ہونا۔۔۔۔ میرے خیال سے برا ہے۔“

تمہید کھل گئی تھی، لفظ برآمد ہو چکے تھے۔ دفاع کیا گیا، کمزور، بودہ، بے ربط، بیکار اور فضول سا دفاع۔

”لڑکیوں کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟“ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ ڈالا، ثمر نے احتجاجی نگاہوں سے اسے تکا تھا۔

”یہ بحث لایعنی ہے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے بند کر دیتے ہیں اس چیپٹر کو مجھے کوئی صفائی نہیں چاہیے۔ میں نہیں چاہتی ایک اچھے دن کا برا اختتام ہو۔“

ثمر نے گہرا سانس خارج کیا تھا جس کی گونج ایلاف تک گئی۔

"مطلب کہ تم میری طرف سے دل صاف کر رہی ہو؟" امید بھرا سوال۔

"میں کر چکی ہوں۔ بہن بھائیوں کیلئے یوں بھی دل زیادہ عرصے تک میلے نہیں ہوتے۔"

تسکین بھرا جواب۔

"مگر میں دکھی ہوں۔"

ثمر جھنجلا گیا۔

"تمہیں مجھے ایسا دکھ نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"ہر دکھ کا ازالہ کروں گا۔" وہ لپک کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں بھینچے کہہ رہا تھا۔ "آئندہ میری جانب سے کوئی شکایت وصول نہیں ہوگی، وعدہ کرتا ہوں اور پلیز تم بھی وعدہ کرو مجھ سے خفا نہیں ہوا کرو گی، یقین کرو جب تم ناراض ہوتی ہو تو کچھ اچھا نہیں لگتا۔ سب کچھ بہت برا لگ رہا ہوتا ہے۔" اس کے لفظوں سے زیادہ آنکھیں تھیں جو سچائی بیان کر رہی تھیں۔ ایلاف نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے آئندہ خفا نہیں ہوں گی۔"

ثمر نے سرشاریت سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں، مطمئن کرنے کیلئے شکریہ۔"

وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح چلا بھی گیا۔ ایلاف نے سکارف اتار کر تکیے کے پاس رکھا اور شبنم سی دھوپ کو دیکھنے لگی۔ اس کے ماتھے پر دو بل تھے اور چہرہ خفا، موڈ اچھا کرنے کی غرض سے وہ جیکٹ اٹھا کر شوز پہن کر سڑک پر نکل آئی تھی۔ چہل قدمی کا دل تھا اس لیے وہ تیز قدموں کے ساتھ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چل رہی تھی۔ دور سے نظر آتے بس اسٹیشن

پر پہنچنے کے بعد وہ چند ایک لوگوں سے ذرا پرے جا کر کھڑی ہوگئی۔اس کی نظریں سڑک پر ہی تھیں جب کوئی اچانک سے اس کی بائیں جانب آ کر کھڑا ہوا اور اپنے ہاتھ آپس میں رگڑنے لگا۔ایلاف نے نظر گھما کر آنے والے کو دیکھا، اچھا کیا وہ ایبک تھا جو ہاتھوں کو باہم رگڑتے ہوئے سردی کی شدت کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ایلاف کو اسے وہاں دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔

''ایبک۔''

اس نے گردن موڑی، ٹی پنک کا ڈ نیک لانگ جرسی، نیلی جینز اور نیلی ہی جیکٹ میں وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا عجیب اتفاق ہے نا مگر تم یہاں کیسے؟''

اس کی ناک بہت زیادہ سرخ تھی، اس کے ہاتھ ٹھنڈ سے جم رہے تھے۔ایلاف نے غور کیا، گھسی ہوئی جیکٹ کے نیچے اس کی شرٹ کے بازو گیلے تھے۔بازو ہی کیوں جینز اور پیٹ پر سے شرٹ بھی گیلی تھی اور جیکٹ بھی۔

''یہاں کچھ فاصلے پر ایک جگہ پر میں ویٹرنگ کیلئے آیا تھا، اب ہوٹل جا رہا ہوں۔'' وہ بولا تھا تو دھواں اس کے منہ اور ناک دونوں سے نکلا تھا۔آج دھوپ نکلی تھی مگر سردی کی شدت نہ توڑ سکی تھی یا پھر یہ ایبک تھا جسے سردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔وجہ سامنے تھی وہ گیلا تھا۔

''دو دن بعد وائیوا ہے اس کے بعد کچھ دنوں کیلئے فری، تم کیا کرو گے ان دنوں میں؟''

وہ مسلسل ہاتھوں کو رگڑ رہا تھا۔ایک منٹ رک جائیں غور سے دیکھیں۔ہلکے آسمانی رنگ کی شرٹ کے بازوؤں میں چھپے اس کے ہاتھ کانپ بھی رہے ہیں بلکہ ہاتھ ہی کیوں وہ پورا کانپ رہا ہے۔

''ظاہر ہے کوئی ڈے کا کام ڈھونڈوں گا۔بس کو کتنی دیر ہے آنے میں۔اوہ ابھی مزید پانچ منٹ ہیں۔'' سوال کر کے اس نے خود ہی جواب دیا تھا۔اسٹیشن کے پول کے اوپر نصب ٹائمر بتا رہا تھا کہ بس کچھ ہی دیر میں پہنچنے والی ہے۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تمہارے کپڑے گیلے کیوں ہیں؟'' اس کی آواز میں تفکر تھا۔ویسا تفکر جیسا کہ ادا کی آواز میں ہوتا تھا اس کیلئے ،ایبک نے چونک کر آئی بالز کا رخ اس کی جانب کیا۔ ایلاف کے پیچھے چند ایک لوگ تھے مگر ایبک کو فقط وہی نظر آ رہی تھی۔

''ایک ویٹر کی ٹرے سے پانی کا جگ پھسل کر گر گیا تھا میرے اوپر۔'' پہلے وہ جلد بازی میں اسے جواب دے رہا تھا۔اس بار آرام سے وقت نکال کر دیا۔

''تو تم سکھا کر آتے۔موسم کا پتا ہے نا بیمار پڑ جاؤ گے بلکہ رکو تم ہو چکے ہو بیمار، تمہاری آنکھیں، تمہارے چہرے کی سرخی اور کپکپاہٹ واضح کر رہی ہے کہ تمہیں بخار ہو چکا ہے۔ہم ڈاکٹر پر چلتے ہیں۔''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے جلدی سے منع کیا پھر ٹھہر کر بولا۔''یعنی کپڑے سکھاؤں گا تو سردی نہیں لگے گی، بے فکر ہو جاؤ۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' ایلاف نے اپنی جیکٹ اتار کر اس کے شانوں پر پھیلائی۔ایک منٹ کو جیسے کم عمر دل کی دنیا رک گئی ہو، ایبک کی دنیا رک گئی۔بس کو پہنچنے میں تین منٹ تھے۔سرخ بس دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔

''ہم ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں اور تم مجھے منع نہیں کرو گے۔ٹیکسی۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے پہلی کار کو روکا، ایبک ساکت نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جو اس کی جیکٹ کا بازو تھامے کار میں بیٹھنے کو کہہ رہی تھی اور وہ بیٹھ گیا تھا، کیوں پتا نہیں، کس لیے نہیں معلوم بس وہ تو

گم صم سا اس کی جیکٹ کی گرمائش کو اپنے بدن پر محسوس کر رہا تھا۔ ٹیکسی میں ہیٹر ہے اس سے اسے فرق نہیں پڑ رہا تھا فرق پڑ رہا تھا تو اس بات سے کہ اس کے ساتھ جو لڑکی بیٹھی ہے اس نے خود کو عیاں کر کے اسے ڈھانپ دیا ہے۔ اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر اس کیلئے فکر مند ہے اور کیا وہ واحد لڑکی تھی جو ایسا کر رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی تو دو تین لڑکیاں اس پر ٹرائے کر چکی تھیں مگر اس نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ کبھی انہیں اس چیز کی اجازت نہیں دی تھی جو ایلاف اس کے ساتھ کر رہی تھی، کیوں؟ اس بات سے وہ خود بھی بے خبر تھا۔

دل کی رفتار قدرے تیز ہوئی، گردن کی ہڈی خوامخواہ اوپر نیچے ہونے لگی۔ اس کے پہلو میں وہ لڑکی بیٹھی تھی جس کی موجودگی میں پہلی بار وہ کچھ اس طرح کا محسوس کر رہا تھا۔ اسے خود پر شرمندگی ہوئی، اس شرمندگی کے سبب ہی اس نے آنکھیں موندیں۔ جب کھولیں تو وہ ہاسپٹل میں تھا۔ ڈاکٹر کے سامنے تھا۔

''بخار تیز ہے لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ آرام سکون دے گا اور شفا بھی۔'' ڈاکٹر نے مشفق مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ انجکشن کو فضا میں بلند کرتے ہوئے اس میں سے دو تین قطرے باہر نکالے اور پھر اس کے بازو میں چبھو دیا۔

''اور کام؟''

انجکشن کو اس کے بازو میں خالی کرنے کے بعد ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر ایلاف کے ہاتھ میں تھمایا۔ اس سارے عرصے میں وہ مدھم مسکان چہرے پر سجائے ہوئے تھے۔ ایک کی بات کا جواب دیا۔

''کام ظاہر ہے صحت کو بگاڑ دے گا، کچھ وقت کا ناغہ ہفتوں کے ناغے سے بہتر ہے۔ اگر تم نے آرام نہ کیا تو نمونیہ ہو جائے گا۔'' بات ختم کر کے وہ اگلے مریض کی جانب متوجہ ہو گئے

تھے۔ ایک تفکر آمیز بوجھل نظروں کو گرے ماربل پر ٹکائے ہوئے تھا۔ اس ماربل میں وہ تو نہیں دکھ رہا تھا مگر ہاں اس کا عکس واضح تھا۔ اس کے عکس کے ساتھ ایک اور عکس نے جگہ بنائی تھی۔ وہ یقیناً ایلاف تھی جو کہہ رہی تھی۔

"بے فکر ہو جاؤ، تمہاری سیلری ڈیڈکٹ نہیں ہو گی۔ ایک چھٹی تو ہر ایک پر لازم ہوتی ہے۔"

اور وہ اسے کیا بتاتا کہ اس ایک چھٹی سے ملنے والے بونس کا اسے کتنی شدت سے انتظار رہتا تھا۔ وہ کہیں بھی جاب کرتا تھا تو چھٹی نہیں کرتا تھا تا کہ وہ پیسے جو اسے چھٹی نہ کرنے پر سیلری میں بونس کے طور پر ملیں، ان سے ادا کیلئے وہ سکارف خرید سکے اس کے بالوں کی پنز اور کپڑے بھی۔

"تمہارا ادھار چکا دوں گا۔" مدھم آواز میں وہ افسردہ سا کہہ رہا تھا کہ جو بھی تھا اسے آج کی چھٹی پر شدید دکھ تھا۔ بدن میں ہمت مفقود تھی ورنہ وہ لازمی ہوٹل چلا جاتا۔ جتنا رزق اسے ملنا تھا اتنا اسے مل چکا تھا۔ ہوٹل کی بجائے وہ فوتگی والی جگہ پر گیا اور پیسے حاصل کر لیے۔ اگر وہ آج وہاں نہ جاتا تو یقیناً ہوٹل گیا ہوتا مگر وہ اپنے حصے کا مقرر کردہ رزق حاصل کر چکا تھا تو کیونکر لکھے سے زیادہ ملتا۔

"بہت افسوس کی بات ہے۔"

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک کے شانوں پر ابھی بھی ایلاف کی جیکٹ تھی۔ گھر کے دروازے پر پہنچنے تک وہ اس کا مشکور رہا تھا۔ اسے اندر آنے کی بھی آفر دی تھی مگر وہ مسترد کر گئی کہ بہر صورت اندھیرا چھا چکا تھا اور اسے جلد از جلد گھر کیلئے نکلنا تھا۔

"تمہاری جیکٹ ڈرائی کلین کروا کر پرسوں لے آؤں گا، ابھی تم ادا کی لے لو۔"

وہ ایک ہلکی سی ارغوانی رنگ کی جرسی کو اندر سے برآمد کر کے باہر آیا تھا۔ ایلاف نے

مسکراتے ہوئے اس سے وہ جرسی لے کر پہنی اور آگے سے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

''اپنا خیال رکھنا تم، ڈاکٹر نے جو کہا ہے اسے بھولنا نہیں۔''

ایبک نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بھی آنکھیں بند کر کے سر کو جنبش دے کر مڑ گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد وہ کپڑے تبدیل کر کے لاؤنج کے صوفے پر آن بیٹھا تھا۔ ماما کے کمرے میں جھانکا تو وہ بے سدھ سی سو رہی تھیں۔ صبح سے لے کر شام چار بجے تک ساتھ والے اپارٹمنٹ کی آنٹی وقفے وقفے سے اس کی امی کو چیک کرنے آتی رہتی تھیں اس لیے وہ دونوں بہن بھائی ان کی طرف سے بے فکر رہا کرتے تھے۔

اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر خود کو بٹھایا۔ ایلاف کی جیکٹ اس کے دائیں ہاتھ کی جانب پڑی تھی۔ اس نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر آنکھیں موند لیں۔ کچھ دن پہلے کے واقعات اس کی بند آنکھوں کی سکرین پر جھلملائے تھے۔ یہ تب کی بات تھی جب ایگزامز دیک شروع ہو چکا تھا اور وہ وہیں بیٹھا پڑھ رہا تھا جہاں ایلاف نے اس پر گیلی مٹی کی بالٹی الٹی تھی۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس گروپ کو بھی دیکھ رہا تھا جو اس سے فٹ بال میچ لگائے ہوئے تھے۔ اس گروپ کا بانی ثمر تھا اور وہاں وہ سب لوگ موجود تھے جو خوامخواہ اسے ناپسند کرتے تھے۔ بس ایلاف تھی جو شاید اپنا نظریہ اس کیلئے بدل چکی تھی۔ گول ہوا تھا اور بے ہنگم سا شور تھا جو مچ اٹھا تھا۔ ایبک نے ایک اچٹتی نگاہ ان بے فکرے امیروں پر ڈالی پھر اپنا بیگ پیک کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ سکول کا قدرے خاموش سپاٹ تھا جہاں وہ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ابھی ایک ٹاپک ہی یاد کیا تھا جب دو پاؤں اس کے قریب آ کر رکے۔

''تم وہاں سے کیوں اٹھ آئے۔''

اس نے سر اٹھایا، وہ ایلاف تھی جس کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا معلوم ہوتا تھا وہ درمیان میں کھیل کو چھوڑ کر آئی ہے۔

''شور میں کون نارمل انسان پڑھ سکتا ہے۔'' رکھائی سے جواب دیا، اسے ان امیر زادوں کی بے فکری بڑی کھلتی تھی۔

''صحیح کہا، تیاری کیسی ہے تمہاری؟''

اس نے ایک بار پھر سے سر اٹھایا تھا۔ ایلاف دی راک سٹار اس سے ہمکلام ہے، یہ بات اگر سکول میں پھیل گئی تو سوچو کتنا کہرام مچ جائے گا۔

''ابھی تو کر رہا ہوں واثق امید ہے اپنا ریکارڈ قائم رکھوں گا۔''

وہ مسکرائی تھی۔

''اب یہ مسکرا کیوں رہی ہے۔ پہلے مجھ پر گیلی مٹی پھینک کر نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ پھر یکدم شرمندہ ہو کر آس پاس منڈلانے لگتی ہے۔ یقیناً یہ میرے ساتھ کوئی گیم کھیل رہی ہے مگر میں اس بار اس کا شکار نہیں ہوں گا۔''

وہ اس کی اگلی بات پر دنگ رہ گیا۔

''مجھے تمہارا شکار کرنا بھی نہیں، ٹیلی پیتھی۔'' وہ اس کے ہونق ہونے پر خفیف سا ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اسے ٹیلی پیتھی کہتے ہیں محترم یا پھر چہرہ شناس ہونا خیر جو تم سوچ رہے ہو وہ سب غلط ہے۔ مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں اور نہ ہی میرا بلنگ کا کوئی ارادہ ہے۔ بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟'' ٹیم کی یونیفارم پہنے، بالوں کو دو چٹیوں میں گوندھے وہ اس سے سراپا سوال تھی۔

''میں تمہارے بارے میں نہیں سوچ رہا، اپنے دفاع کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تم لڑکی ہو تمہیں کچھ بھی کہنے سے پہلے سو بار سوچوں گا کیونکہ لڑکیوں کی عزت کرنا میری بہن نے مجھے

اچھے سے سکھایا ہے۔" وہ نہیں جانتا تھا اس نے ایسا کیا کہا ہے جس کی وجہ سے ایلاف کا چہرہ تاریک ہو گیا مگر اس کا تاریک چہرہ اسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا کیوں؟ بتانا ضروری ہے کیا؟

"میں اپنے پچھلے فعل کیلئے شرمندہ ہوں اور ہوتی رہوں گی۔ وہ میری تربیت نہیں تھی جو میں کر چکی ہوں تمہارے ساتھ، معافی چاہتی ہوں تمہیں تنگ کرنے کیلئے۔" پھر وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ تو چلی گئی تھی لیکن ایبک کو مضطرب کر گئی تھی۔ وہ اپنے تئیں اس کیلئے پریشان ہو گیا تھا۔ اس دن کے بعد پھر کبھی ایلاف نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ نظر آتا تھا تو نظر جھکا کر چلی جاتی تھی۔ ٹکراتا تھا تو اگنور کر دیتی تھی اور ایبک کو یہ چیز پریشان کر رہی تھی کیوں؟ نہیں جانتا تھا لیکن وہ بری طرح پریشان ہو رہا تھا۔

نیلی جیکٹ خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹے لڑکے کو تک رہی تھی۔ وقت بیت رہا تھا۔ وقت کے ساتھ یادیں بھی۔

☆......☆......☆

لیڈی آہن آج بھی مصروف سی اپنے آفس میں بیٹھی حساب کتاب نوٹ کر رہی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب ایبک کینٹین میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھا سٹور آئی تھی۔ آ کر شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔ وہ بھلا کس طرح راحم کو بلا کر اسے پیسے لوٹائے اور اس کا شکریہ ادا کرے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"مگر میں اسے بلاؤں کہاں اور کس طرح؟" اس نے ایک نگاہ لیڈی آہن پر ڈالی اور پھر ان کسٹمر کی طرف جو آج کھچا کھچ سٹور میں بھرے ہوئے تھے۔

"لگتا ہے آج موقع نہیں ملے گا اور ایسا ہو گیا تو بہت غلط ہو گا۔ کتنی شرمندگی ہو گی جبکہ راحم نے واضح کہا تھا کہ وہ دو دن تک یہاں ہے اور ظاہر ہے وہ شام کو چلا جائے گا۔ کیا سوچتا ہو گا

ہم کس طرح کے لوگ ہیں۔اف۔" بل بناتے ہوئے بھی وہ سوچ رہی تھی۔جب کچھ رش کم ہوا اور سٹور خالی ہو گیا تب لیڈی آہن کرسی کو پیچھے سرکا کر اٹھ کر باہر آئیں اور اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔

"کوئی پریشانی ہے کیونکہ میں نوٹ کر چکی ہوں تم کب سے وقفے وقفے سے مجھے دیکھ رہی ہو۔"

اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ شرمندہ ہوئی تھی۔ریشم دھوپ ان کے سٹور کی شیشے کی وال سے اندر آرہی تھی مگر وہ ادا سے بہت دور تھی۔ہاں لیڈی آہن کی پنڈلیوں کو اس نے تھاما ہوا تھا پنڈلیوں سے نیچے سیاہ چکنے پمپس کو بھی۔

"وہ دراصل۔" وہ ہچکچائی تھی لیڈی آہن کو اس کا ہچکچانا اچھا نہیں لگا۔

"تم مجھ سے کچھ بھی شیئر کر سکتی ہو۔"

امید بندھنے پر اس نے کہنا شروع کیا۔

"دراصل میں نے ماما کے علاج کیلئے کسی سے قرض لیا تھا۔" راحم کا نام اس نے جان بوجھ کر گول کیا۔"اور آج قرض لوٹانے کا دن ہے، نہیں لیڈی آہن ایسا نہیں کریں میرے پاس پیسے ہیں بس میں تو اسے قرض لوٹانے کے بارے میں سوچ رہی تھی یعنی کہ مجھے کچھ دیر کی چھٹی چاہیے تھی۔"

لیڈی آہن کا پیسوں والا ڈرار اوپن کرتا ہاتھ تھم گیا۔

"تو اس میں کیا مشکل ہے تم جا سکتی ہو؟"

وہ خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوئی۔

"اور سٹور؟"

”وہ میں دیکھ لوں گی۔کون سا تم روز روز جاتی ہو، میری بچی بہت ذمہ دار ہو تم۔ دیکھنا اللہ تمہارا نصیب بہت اچھا کرے گا۔“ وہ اس کے گال کو تھپتھپا کر بولی تھیں۔

ادا تشکر آمیز انداز میں وہاں سے اٹھ کر گئی تھی۔ کچھ دور جا کر اسے ایک ٹیلی فون بوتھ نظر آیا تھا اور اس کے سامنے کافی شاپ، شیشے کے ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہو کر اس نے نمبر ڈائل کیا۔

بیل جا رہی تھی۔ ہوا کے دوش پر لہراتے ہوئے سگنلز جس کے فون میں گئے تھے وہ بیڈ پر اپنا سفری بیگ کھولے کھڑا تھا اور وارڈ روب میں سے ایک ایک کر کے شرٹس کو تہہ لگا کر اس میں رکھ رہا تھا۔ ابھی اس نے تیسری شرٹ ہی رکھی تھی کہ چوکور گرے رنگ کے لیمپ کے نیچے رکھا اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے شرٹ کو آخری تہہ لگا کر بیگ میں رکھا پھر گھوم کر بجھے لیمپ کے نیچے فون کی طرف آیا جس کی سکرین پر غیر شناسا سا نمبر جگمگا رہا تھا۔ عموماً وہ اس طرح کی کالز ریسیو نہیں کرتا تھا مگر جب سے ادا سے اس کا پالا پڑا تھا وہ ہر کال اٹھا لیتا تھا اس امید سے کہ وہ ادا ہو گی مگر بد قسمتی سے وہ کبھی ادا نہیں ہوتی تھی۔ پزا والا، کوریئر کمپنی، سکام کالز، یا ٹرائے کالز ہی ہوا کرتی تھیں مگر ادا نہیں ہوتی تھی۔

”آہ آج تو تم ہو جاؤ ادا پلیز۔“ اس نے یس کا بٹن پریس کیا اور فون کو لاؤڈ سپیکر پر لگا دیا۔

”ہیلو سر، میں انشورنس کمپنی سے زیک بول رہا ہوں۔“

راحم نے چڑتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ وہ کیسے بھول گیا تھا پچھلے چار دنوں سے انشورنس کمپنی والا یہ بندہ اسے تنگ کر رہا ہے۔ اف۔

”اور میں ایف بی آر سے آفیسر راحم، اگر تم نے مجھے ایک اور کال کی تو واللہ تمہارا نمبر ٹریس کر کے تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوا دوں گا۔“

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا کال کاٹ دی گئی تھی۔ اس نے تسلی بخش سانس خارج کیا اور وارڈ

روب کی سمت بڑھا۔ابھی اس نے دوسرا قدم اٹھایا ہی تھا کہ اس کا سیل فون پھر سے گونج اٹھا۔

''آہ راحم آہ۔'' وہ غصے میں فون کی طرف لپکا کال رسیو کی، لاؤڈ سپیکر پر لگایا اور جھک کر منہ بالکل فون میں گھسا کر دھاڑا۔

''دیکھو اب تمہارا بچنا ناممکن ہے۔ میں ابھی کے ابھی تمہیں ٹریس کروا کر گرفتار کرواتا ہوں۔تم نے مجھے ہلکا لے لیا۔غلط کیا اب انجام کیلئے تیار رہو۔'' طیش میں آ کر وہ فون کاٹنے ہی والا تھا کہ اسے مدھم سا نسوانی ''وہ'' سنائی دیا۔سرخ بٹن پر جاتی انگلی ہوا میں ہی رک گئی۔ راحم ایک دم ٹھہر گیا۔دماغ نے دل کی بے خودی پر اس کو جھنجھوڑا تو وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں ہوش میں آیا۔اس نے جلدی سے فون کی سکرین پر انگلی کو چلایا دو منٹ قبل آنے والی کال کا نمبر اور اس کال کا نمبر یکسر مختلف تھا۔

''ادا۔۔۔ یہ تم ہو؟'' اس سوال پر جیسے فون کرنے والی کی امید بندھی تھی۔وہ گلا کھنکار کر بولی۔

''جی میں ہی ہوں۔''

راحم نے آنکھیں بند کر کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔پھر ان میں شرمندگی دھرے بیڈ پر ٹکا اور فون کی جانب پشیمان نظروں اور آواز سے گویا ہوا۔

''سوسوری، وہ الفاظ تمہارے لیے نہیں تھے۔انشورنس کمپنی والا مجھے تنگ کر رہا تھا تو مجھے لگا وہی ہے۔''

ادا کی آواز ابھی بھی مدھم تھی یا پھر یہ اس کا انداز تھا۔وہ بہت شائستہ اور دھیمے لہجے میں بولتی تھی۔''کوئی مسئلہ نہیں میں سمجھ سکتی ہوں۔'' وہ کچھ دیر رکی، راحم کو اس کا خاموش ہونا اچھا نہیں لگا۔دل پنکھ لگا کر اڑ رہا تھا۔خواہشات اس طرح بھی پوری ہوتی ہیں اسے یقین نہیں تھا۔دل

کی صدا نے رنگ دکھایا اور اسے پوری زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے نواز دیا۔ اپنے بیڈ کے کنارے ٹکا وہ سائیڈ میز پر بجھے لیمپ کے نیچے رکھے فون پر ہی نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ کال چل رہی تھی۔ وہ اسے نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا ہاں پر اس کی آواز کو تو سیر ہو کر سن سکتا تھا نا تبھی یہ کال ریکارڈنگ پر لگی تھی۔ کون جانتا تھا کتنے دنوں تک وہ اسے سنتا رہے گا۔

''مجھے آپ سے۔۔۔ ضروری بات کرنی تھی۔''

''میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ اپنی عجلت پر ایک بار پھر آنکھیں میچ گیا۔

''آپ سے ملنا چاہتی ہوں اگر ممکن ہو تو۔''

بھاڑ میں گئی ہچکچاہٹ، وہ اتنا سنہری موقع کیونکر گنوائے۔

''بالکل ہے یعنی میں دستیاب ہوں، ہاں فری ہوں میں۔'' الٹے پلٹے الفاظ نکالنے کے بعد بھی وہ پر سکون تھا۔ اچانک سے اس کے معدے میں ڈھیر ساری تتلیاں بھر گئیں۔ بس نہیں چل رہا تھا اڑ کر وہاں پہنچ جائے جہاں ادا اس سے ملنے کا کہنے والی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر کافی شاپ کیسی رہے گی؟''

اگر وہ کسی اور کو یہ آفر کرتی تو راحم کو برا لگتا کہ وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح مردوں کو دعوت طعام دے رہی ہے۔ مگر وہ اس کیلئے تھا۔ وہ اسے مدعو کر رہی تھی کیوں برا لگتا بھلا۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ خود اس موقع کی تلاش میں تھا۔ یہ مرد کی خصلت ہے عورت چاہے نا محرم ہی کیوں نہ ہو، اپنے لیے اس کے ہر اقدام کو جائز کر لیتا ہے اور اگر وہی من پسند ہستی کسی دوسرے میں دلچسپی دکھائے، اس کیلئے لچک رکھے تو وہ ہلکے کردار کی ہو جاتی ہے۔ یہ مرد کی سوچ ہے، وہ ایسا سوچتا ہے لیکن ایک با کردار عورت وہ ہوتی ہے جو کسی بھی نامحرم کی طرف کبھی پیش قدمی نہیں کرتی چاہے وہ کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو، اس کیلئے حرام ہی ہے، ہر طرح سے، ہر

انداز سے، بات کرنا حرام، اس کے ساتھ ہنسنا، حرام، اسے دیکھنا حرام، اسے سننا حرام، اس کے ساتھ لنچ، ڈنر، برنچ یا بریک فاسٹ کرنا حرام۔ اس سے تحفے تحائف لینا حرام، سب حرام ہے، سب کچھ تب تک جب تک آپ اس کے نکاح میں نہیں ہو جاتے یا وہ آپ کے نکاح میں نہیں آجاتا۔

''بہت زبردست انفیکٹ مجھے تو طلب بھی ہو رہی تھی کافی کی۔''

جھوٹا وہ کب کافی پیتا تھا۔ سال میں ایک دو بار ٹیسٹ کر لے الگ بات ہے ورنہ وہ چائے لور تھا۔ ہر طرح کی چائے، ہر ہر بز کی چائے اسے پلوا دو وہ کبھی انکار نہیں کرتا تھا۔ ایک واحد کافی تھی جس کی آفر وہ بے دھڑک اور سینکڑوں بار مسترد کرتا آیا تھا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ اسے پسند نہیں تھی اور دوسری یہ کہ کافی ایک کامن ڈیٹ مینو تھا جو اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

ایڈریس بتا کر اس نے جونہی فون بند کیا، راحم نے تیزی سے دراز کھول کر کار کی چابی اٹھائی اور دوڑتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ ناب پر ہاتھ رکھتے ہی وہ رکا تھا، مڑا اور عجلت میں آئینے کے سامنے آیا۔ اس نے رائل بلیو رنگ کی شرٹ اور جینز زیب تن کی ہوئی تھی۔ جینز تو ظاہری بات ہے سادی تھی ہاں شرٹ تھی جس کے گول گلے، بازوؤں کے کناروں اور گھیرے پر سفید آؤٹ لائن موجود تھی۔ راحم نے شرٹ کے کناروں کو پکڑ کر اسے سیٹ کیا، بالوں میں انگلیاں چلائیں اور پرفیوم کا سپرے کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے خود کو دیکھا۔

''اس نے مجھے ملنے کی دعوت دی۔'' وہ خود سے مخاطب ہوا۔ ''میرے خیال سے میری وائبز اس تک پہنچ چکی ہیں، ایسا ہی ہوا ہو گا ان شاء اللہ۔'' وہ خوش دلی سے مڑا تھا۔ مڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ کتنی ہی دیر تک آئینے میں اس کا عکس موجود رہا تھا۔ وہ اس جگہ پر آیا جہاں ادا نے

اسے بلایا تھا۔ اسے خاص تردد نہیں ہوا تھا ادا کو ڈھونڈنے میں، فیروزی سلک کا سادہ سکارف دور سے ہی نظر آ گیا تھا۔ وہ سرشاری چال چلتا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

''ادا۔''

وہ جو دونوں ہاتھوں کو باندھے ماتھے سے لگائے مرروال سے باہر دیکھ رہی تھی اپنے نام کی نرم سی ادائیگی پر چونک گئی۔ سر اٹھا کر اسے دیکھا جس نے نظریں جھکا لی تھیں پھر وہ کھڑی ہو گئی۔

''میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' ایک وار وہ اسے فون کر کے کر چکی تھی۔ دوسرا اسے ملنے کی دعوت دے کر، تیسرا اپنے سراپے سے اور چوتھا اس جملے سے، راحم کو لگا ان پے در پے واروں سے کہیں وہ مکمل طور ہی گھائل نہ ہو جائے۔ آہ بیچارہ وہ۔

''بیٹھیں۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ چکے تھے۔ راحم نے آرڈر دیا تھا۔ دینے کے بعد وہ مکمل طور پر ادا کی سمت متوجہ ہو گیا۔ اس کے دل میں ایک ہی سوال جلبلا رہا تھا کہ آخر اس نے اسے یہاں کیوں بلایا؟ کہیں فیلنگز کی تو بات نہیں۔۔۔۔ اگر ایسا ہو گیا تو وہ کس طرح سے ری ایکٹ کرے گا۔ عجیب بات تھی لیکن اسے شرم آ رہی تھی۔ بہت زیادہ شرم جسے کنٹرول وہ اپنے لب اور دانت بھینچ کر کر رہا تھا۔ آہ راحم آہ حد ہے تمہاری بھی۔

''میں پھر سے معذرت کرتا ہوں اپنے سخت لفظوں کیلئے، غلطی سے تمہیں سننا پڑ گیا۔''

ویٹر کافی رکھ گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا ادا کو وہ زیادہ پسند ہے اس لیے آتے ہی اس نے سپ لینا شروع کر دیے تھے۔ کوئی نہیں اب سے تو راحم کو بھی یہ پسند ہے کافی پینے والی بھی اور کافی بھی۔

''کچھ نہیں ہوتا دراصل مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔''

”ہاں وہ کیا تھی بھلا؟“ اس نے کپ کو اٹھایا سوچتے ہوئے لبوں سے لگا لیا۔”اتنی بھی بری نہیں ہے۔“ وہ دل میں سوچ رہا تھا اور پیے چلا جا رہا تھا۔ ادا نے اپنا چھوٹا سا چمڑے کا گول بیگ اٹھایا۔ وہ سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے درمیان میں بڑا سا سارا سیاہ گلاب بنا ہوا تھا۔ راحم نے اس کی مخروطی انگلیوں پر نظر رکھی ہوئی تھی جو زپ کو کھول رہی تھیں۔

”کیا کوئی کارڈ ہے جس میں لکھا ہو کہ اسے میری دلچسپی کا پتا چل گیا ہے اور اب وہ میری اس چیز میں پذیرائی کرتی ہے۔ یا اللہ ایسا ہو جائے پلیز۔“ معدے میں جو تتلیاں ناچ رہی تھیں وہ اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ پورے بدن میں جیسے سنسنی سی ہو اور دل اس کا تو پوچھو ہی نہیں۔

”آپ نے ہماری مدد کی اس کیلئے بہت شکریہ۔“

ادا کے الفاظ اسے سوچوں کے گرداب سے کھینچ لائے وہ چونکتے ہوئے اچنبھے سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ وہ کبھی بھی اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھتا تھا ایک بار دیکھا تھا۔ دل گنوا بیٹھا تھا۔ مزید کچھ کھونے کی اس میں تاب نہ تھی۔

”آپ نے اتنے دن صبر کیا، اس کیلئے بھی بہت شکریہ، یہ آپ کے پیسے۔“ مخروطی انگلیوں نے کارڈ نہیں بلکہ نوٹوں کے بنڈل کو نکالا تھا۔ نکال کر اس کی طرف سرکا دیا۔

”معذرت چاہتی ہوں اتنی دیر کیلئے، آپ کے ظرف کی قائل ہو گئی ہوں۔“

چھن۔۔ راحم کو لگا اس کے دل کے ساتھ ساتھ اس کی خوشیاں بھی چکنا چور ہوئی ہیں۔ معدے میں ناچتی تتلیاں مر گئیں، بدن میں اٹھتی آسودہ سی سنسنی سن ہو گئی اور اس کا چہرہ جو شگوفوں کی مانند پچھلے بیس منٹ سے کھل رہا تھا مرجھا گیا، زرد، مردہ سا۔

”تم نے مجھے اس لیے بلایا تھا یہاں پر؟“ بوجھل سے بے یقین الفاظ نکلے۔ ادا نے سر کو

اثبات میں ہلایا۔ راحم نے کپ نیچے رکھ دیا تھا۔ کافی ایک بار پھر سے کڑوی اور ناپسندیدہ ہو گئی تھی مگر وقتی طور پر۔

''میں نے بہت کوشش کی تھی جلدی لوٹانے کی لیکن ممکن نہ ہو سکا، ایبک نے اور میں نے اوور ٹائم لگایا ہے ان کیلئے۔ مجھے امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔''

اس کے پاس لفظوں کا کال پڑ گیا تھا۔ وہ دل مسوسے لب بستہ سا وہاں بیٹھا رہ گیا۔ یہ کیا ہو گیا تھا اس کے ساتھ؟ وہ تو امید کے ساتھ آیا تھا، خوشی کے ساتھ آیا تھا پھر اداسی اسے کیوں تھما دی گئی، بے عزتی کیوں کی گئی۔ دل کیوں توڑا گیا؟ راحم نے نچلے لب کو ہلکا سا تر کر کے چہرہ اٹھایا۔

''ادا! آپ کو نہیں لگتا آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔''

پیسے میز کی وسط میں رکھے ہوئے تھے اور راحم کو لگ رہا تھا وہ مسلسل اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کی خوشی کے قاتل جو مسلسل اس پر تضحیکی انداز میں ہنس رہے تھے۔

''ایسا نہیں ہے میں کل آپ کی گرل فرینڈ کے سامنے بات نہیں۔''

راحم نے جھٹکے سے اس کی بات قطع کی۔ اس کی آواز میں شاکی پن تھا۔

''وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے، ہم پریکٹ کر رہے تھے اور مجھے افسوس ہوا یہ جان کر کہ تم نے اس بات پر یقین کر لیا، بہت دکھ ہوا حقیقتاً۔''

ادا کو اچانک سے اس میں کچھ غیر معمولی سا لگا۔ وہ جو نہیں ہونا چاہیے تھا بالکل بھی نہیں۔ لیڈی آہن کی باتیں سچ نہیں ہو سکتیں۔ امم ہمم بالکل بھی نہیں۔ وہ ڈر گئی تبھی کھڑی ہو گئی۔ راحم کے انداز میں، اس کے لفظوں اور عجلت میں وہ دنیا تھی جس میں ادا نے قدم نہیں رکھا تھا اور نہ ہی وہ رکھنا چاہتی تھی کبھی بھی نہیں فی الحال تو بالکل بھی نہیں۔

”مجھے لگتا ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔“ وہ بیگ کو کاندھے پر ڈال رہی تھی جب راحم نے اسے روک دیا، روک لے گا تو بہتر تھا، نہیں روکے گا تو یونہی دکھ اٹھاتا جائے گا۔

”آپ نے مجھے یہاں بلایا تھا اور اب آپ اس طرح سے جا رہی ہیں۔ مت اٹھیں ادا، میری پوری بات سنیں۔“

وہ آدھی اٹھی اور آدھی بیٹھی تھی۔ اخلاقیات کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری بیٹھ گئی۔ راحم اس سے کہہ رہا تھا جو وہ سن رہی تھی۔ وہ سب یہ تھا۔

”میں نے آپ کو شروع دن سے کہا تھا، مجھے پیسے نہیں چاہئیں، اگر چاہیے ہوتے تو میں آپ سے طلب کرتا۔ کیا ایک بار بھی میں نے آپ سے اس چیز کی ڈیمانڈ کی یا ایسا تاثر دیا جس سے آپ کو احساس ہوا ہو، بتائیں مجھے۔“ وہ اس سے سوال کر رہا تھا۔ اگر ادا اس کی مخلصانہ باتوں کا الٹا مطلب نکالنے والی بات اسے بتا دیتی تو کیا ہوتا اس بیچارے کا سوچیں ذرا۔ اس نے کچھ نہیں کہا چپ ہی رہی۔

”وہ صرف آپ کی ماما نہیں ہیں میری بھی ہیں۔“

ادا نے یکلخت سر اٹھا کر اسے دیکھا، پس منظر میں بہت سے لوگ کافی سے لطف اٹھاتے نظر آ رہے تھے۔ کافی کی خوشبو پوری شاپ میں پھیلی ہوئی تھی۔

”دنیا کی ہر ماں ہر ایک کیلئے ماں کی حیثیت ہی رکھتی ہے پھر آپ نے کیسے سوچ لیا کہ ایک ماں پر خرچ ہوئے پیسے میں آپ سے لے لوں گا، ٹھیک ہے میں سٹوڈنٹ ہوں، کوئی جاب نہیں کرتا اور وہ بلاشبہ میری پاکٹ منی کے پیسے تھے مگر حقیقت تو یہی ہے کہ میں انہیں بھلا چکا تھا۔ شعور و لاشعور میں کہیں بھی نہیں تھے وہ میرے۔ مانیں یا نہ مانیں آپ نے میری بے عزتی کی ہے اور مجھے اس چیز کا دکھ ہے۔“

بات کو ایک واضح جامہ پہنائے وہ واقعی رنجیدہ لگ رہا تھا۔ ادا نے لبوں کو کاٹا۔

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے، احسان کیا ہے جانتی ہوں، پیسے واپس نہ کروں کس حیثیت سے؟"

راحم نے کرسی کو آگے کھینچ کر اپنا پیٹ میز سے لگایا اور سنجیدگی کا چولا اوڑھے دھیمی بھاری آواز میں بولا۔

"حیثیت کو ڈیفائن کروں گا تو آپ مجھے فلرٹی کہیں گی اور میں نہیں چاہتا آپ اس طرح کا نظریہ میرے بارے میں رکھیں، ابھی آپ چھوٹی ہو، وقت آپ کو سب سمجھا دے گا۔"

عام لڑکوں کی نسبت اس کے چہرے پر کہیں بھی کوئی بھی سختی نہیں تھی بلکہ وہاں حیا و لحاظ تھا جو یہ بتاتا تھا سامنے بیٹھا لڑکا اس برے سے معاشرے میں اب تک محفوظ ہے۔

"رہی پیسوں کی بات تو اب وہ ختم ہو چکی ہے۔" اپنی بات پر زور دے کر اس نے خود کو پیچھے کیا۔ میز سے لگتا پیٹ بھی ظاہر ہے پیچھے ہوا تھا۔

"گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں، یہ ایکسکیوز نہیں سنوں گا کہ آپ خود چلی جائیں گی۔"

وہ کاؤنٹر پر بل پے کر کے مین دروازے کو پار کر رہا تھا۔ ادا ان پیسوں کو دیکھتی رہی۔ پھر آنکھیں بند کر کے اس نے طویل سانس خارج کیا تھا۔ ایبک کی دور اندیشی صحیح تھی۔ وہ انہیں تاحیات کیلئے خود کا مقروض کر چکا تھا۔ اس نے چار و ناچار پیسے اٹھا کر پرس میں رکھے اور اس کے پیچھے چل دی۔ وہ کسی نہ کسی طرح کبھی نہ کبھی اسے یہ پیسے لوٹا دے گی اس نے سوچ لیا تھا۔

رہی وہ بات جو ابھی اسے بری طرح محسوس ہوئی تھی، اسے وہ اگنور کر رہی تھی کرتی رہے گی کیونکہ یہی مناسب تھا۔

☆......☆......☆

"ثمر۔" یہ اسی دن کی بات تھی جب راحم اور ادا کی ملاقات ہوئی تھی اور ایلاف اور ایبک

ایک دوسرے سے اتفاقیہ طور پر ٹکرائے تھے۔ رات کے سوا بارہ بجے کا وقت تھا جب ان کا گروپ نشے میں دھت ایک دوسرے کے اوپر پڑا ہوا تھا۔ فقط ایک انسان تھا جو جاگا ہوا تھا اور وہ تھا ڈینس جو ہانپتا کانپتا، دوڑتا ہوا کمرے کے قریب آیا۔ دروازہ ٹھاہ کر کے کھولا اور نظروں کو گھمایا۔ کوئی بھی دروازے کی آواز سے نہیں جاگا تھا۔ وہ تیزی سے وکرم کے پیٹ پر سر رکھے نیند میں گم ثمر کی طرف لپکا اور اس کا گال تھپتھپا کر اسے اٹھانے لگا۔

''ثمر، اٹھ یار قتل ہو گیا ہے۔'' وہ اسے تھپتھپا رہا تھا۔

ابھی پچھلے دنوں کی ہی تو بات تھی جب اس نے اسی طرح کی ہیوی ڈوز اپنی سابقہ گرل فرینڈ کو دی تھی۔ وہ بھی اسی طرح مری تھی جس طرح آج ایک اور لڑکی جان گنوا بیٹھی تھی۔

''کوئی تو سنے قتل ہو گیا ہے مجھ سے۔'' اب کے وہ دھاڑا تھا۔ بوکھلاتے ہوئے سب کی آنکھیں کھلیں اور گردنیں اس کی جانب مڑیں۔

''کیا بکواس ہے یہ؟'' سب سے پہلے ہوش میں آنے والا ثمر تھا جس کی آنکھوں اور لفظوں میں خمار تھا لیکن دماغ بیدار۔

''سچ ہے یار، اسے بھی ڈوز راس نہیں آئی۔'' ڈینس گھبراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ امیر باپ کا بگڑا ہوا بیٹا تھا جس کے آگے کے فیوچر پلانز بہت زیادہ تھے۔ اگر یہ دوسرا قتل بھی اس کے کھاتے میں کھل گیا تو وہ تو برباد ہو جائے گا۔

''چلو جی ہو گیا کام تمام، میری بات سنو شمشان گھاٹ بنا لو اس گھر کو تم۔'' وکرم نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ ڈینس کی یہ وہ آرام گاہ تھی جہاں وہ دوستوں کے ساتھ ہر طرح کا کام کر سکتا تھا اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا تھا۔ پچھلے ہفتے مرنے والی لڑکی کو انہوں نے اسی گھر کے بیک یارڈ میں دفنایا تھا جہاں امرود کے درخت اگے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے اب وہ لڑکی بھی اسی زمین کے

سپرد ہونے والی تھی۔

''ڈینس! یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ ہم پکڑے گئے تو بچیں گے نہیں۔''

ڈینس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ وہ جنونی تھا، تھوڑا سا سائکو بھی، پیسے ہونے کے باجود اسے پیسوں کی لت تھی اور اسی لت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ڈرگز کو اپنے دوستوں میں سپلائے کرتا تھا اور اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ چل ٹائم گزارنے کیلئے انہیں بھی دے دیتا تھا۔ آج بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا مگر وہ لڑکی اس ڈوز کی طاقت کو سہہ نہیں پائی، اس کا دل پھٹ گیا تھا تبھی وہ موقع پر جان گنوا بیٹھی۔

''ایسا نہیں ہوگا، تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے، ابھی تم اسے میرے ساتھ ٹھکانے لگواؤ۔''

اور کچھ دیر بعد وہ لوگ دوسرے امرود کے درخت کے نیچے ایک گڑھا کھود رہے تھے۔ شہر میں اتنی جلدی رات نہیں ہوتی تھی جتنی شہر سے باہر ہوا کرتی تھی۔ الوؤں کے بولنے کی آوازیں اور جھینگروں کا شور پورے ماحول میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ لڑکی جو مری تھی پلاسٹک بیگ میں کسی گٹھڑی کی طرح گھسائی ہوئی تھی۔

''جلدی کرو۔'' یہ ثمر تھا جو ان سے کہہ رہا تھا۔ نا جانے کیوں اس کا دل بیحد عجیب ہو رہا تھا۔ وہ نشہ کرتا تھا ٹھیک تھا لیکن قتل جیسے گناہ میں ملوث ہونا یہ بات اسے تنگ کر رہی تھی۔ ماتھے پر چمکتے پسینے کے قطروں کو پونچھتے ہوئے وہ اس سیاہ بیگ کو دیکھ رہا تھا جس میں کم و بیش اٹھارہ انیس برس کی لڑکی تھی۔ اس کی بہنوں سے تھوڑی بڑی مگر اتنی ہی۔

ڈینس اور وکرم نے اس پلاسٹک بیگ کو اٹھا کر گڑھے میں پھینکا تھا۔ وہ لوگ اس گڑھے کو بند کر رہے تھے جب ثمر وہاں سے واپس اندر آیا۔ کچن میں جا کر اس نے پانی سے بھرا جگ اٹھا

کر منہ سے لگا لیا۔

"میرے سارے بچے ماشاءاللہ سے بہت فرمانبردار ہیں، نیک اور اچھی فطرت کے۔"

آدھا جگ پی کر آدھا اس نے خود پر الٹ لیا تھا۔

"اکثر لوگ مجھ سے تمہاری شکایت کرتے ہیں کہ تم فلاں بار میں نازیبا حالت میں موجود تھے یا فلاں پب میں بیہوش پڑے تھے مگر مجھے ان کی باتوں پر یقین نہیں آتا کیونکہ میں اچھے سے جانتا ہوں، میرا بھائی ایسا نہیں ہے۔ پوری دنیا بھی تمہارے خلاف گواہی دے گی میں تب بھی یقین نہیں کروں گا۔" اس نے سر جھکا کر کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ جمائے۔

"ایک بات یاد رکھنا ثمر، تم آج جو کرو گے کل کو ہم دونوں کو وہ سہنا پڑے گا کیونکہ اب مکافاتِ عمل تیزی سے ہوتا ہے۔" ایلاف کے الفاظوں پر اس کی پلکیں لرز اٹھیں۔

"میرے دونوں بھائی بہت اچھے ہیں مگر جو زیادہ مجھے مستیاں کرواتا ہے وہ ثمر ہے۔ میرا پیارا شرارتی بھائی۔" اس نے سر تھام لیا تھا۔ یہ دوسری لڑکی تھی جسے وہ سب بے دردی سے زمین کی آغوش میں سلا چکے تھے اور مزے کی بات یہ تھی کہ اب تک بچے ہوئے تھے، کوئی ثبوت نہیں تھا جو ان لوگوں نے باقی بچایا ہو۔

"جب میری بیٹیوں کے آس پاس دو نیک فطرت محافظ ہوں تو مجھے کس بات کا ڈر ہے۔ میرے لاڈلے بیٹے۔" اس کے لب بری طرح کانپ رہے تھے۔ یہ ان کا ہائی سکول میں آخری سال تھا۔ اس کے بعد وہ لوگ بھی یونیورسٹی پرواز کر جائیں گے اور یقیناً اس کے یہ گناہ چھپ جائیں گے ہاں ایسا ہی ہوگا۔

"کام ہو گیا ہے یار، پریشان نہیں ہو کسی کو بھنک بھی نہیں پڑے گی۔" وکرم نے اس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ جھکا سر اٹھایا آنکھیں سرخ تھیں۔

"کیا جو ہم کر رہے ہیں ٹھیک ہے؟"

دوست اور صحبت بہت میٹر کرتی ہے زندگی میں، دوست اور صحبت اچھی ہوگی تو راستے اچھے ملیں گے ورنہ یونہی گناہوں کی بھٹیوں میں لکڑیاں اکٹھی ہوتی جائیں گی جو بعد میں آپ کو ہی جلا ڈالیں گی۔

"آف کورس ہم کر رہے ہیں۔ کیا نہیں کر رہے؟" ثمر کی آنکھوں میں ڈر اور پشیمانی کی پرچھائی تھی جس پر وکرم چونک اٹھا۔ ان کے گروپ کا ایک اور رئیس زادہ اگر وہ بگڑ گیا تو معاملہ بگڑ جانا ہے۔ اس عیش میں خلل پڑ جائے گا اور وہ یہ ہونے نہیں دے گا۔

"اس کی موت لکھی تھی، وہ یہاں اس طرح نہ مرتی تو کہیں اور کسی اور طرح مر جاتی لیکن مرتی بہر حال پھر بھی۔ تم اس کی موت کو سنجیدہ نہ لو، اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ اس کا بوجھ تمہارے شانوں پر ہے تو غلط سوچ رہے ہو۔ جھٹک دو اس فرسودہ سی سوچ کو کیونکہ ڈرگ اسے ڈینس نے دی تھی تم نے نہیں۔"

اور اگر دوست برے ہوں، بری صحبت کے ہوں تو ہر صحیح غلط کو آپ بھلا دیتے ہو، گناہ کرتے ہو، کیے چلے جاتے ہو اینڈ دی اینڈ تباہ ہو جاتے ہو، جیسے وکرم اور باقی لڑکے کر رہے تھے۔ وہ ثمر کو تباہ کر رہے تھے۔ بری عادتوں کا عادی کر رہے تھے۔ اس کے دل سے جائز نا جائز کا فرق مٹا رہے تھے۔ وہ یہ سب کر رہے تھے اور غلط کر رہے تھے۔ وہ یہ سب کر رہے تھے کیونکہ انہیں ثمر سے پیسے چاہئیں تھے بہت سارے پیسے جو وہ ان پر لٹا رہا تھا اور شاید لٹاتا رہے۔

"لیکن ہم نے اسے چھپا کر دفنایا ہے اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وکرم نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا۔

"بالکل ٹھیک ہے ہم اسے پولیس اور ڈاکٹرز کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو

بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ اریسٹ کیے جائیں گے، نیوز میں اچھلیں گے ہماری پڑھائی چھوٹ جائے گی یار۔ تم نے یا میں نے تھوڑی نا اس لڑکی سے کہا تھا ڈرگ لینے کو۔ دیکھا نہیں تھا وہ کتنے شوق سے اپنی مرضی سے لے رہی تھی۔ اس لیے پلیز پرسکون ہو جاؤ اور بھول جاؤ جو آج ہوا ہے کیونکہ تم اس سب میں بے قصور ہو۔"

وہ اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ واقعی اس سب میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ بالکل بھی نہیں ایسا اسے لگتا تھا۔ گناہ کرنے والا گناہ دیکھنے والا اور گناہ کو چھپانے والا تینوں قصوروار ہوتے ہیں۔ تینوں ہی خسارے میں ہوتے ہیں۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" وہ قائل ہو گیا تھا ہمیشہ کی طرح۔ اس کی آنکھوں میں اس کی بہنوں کا چہرہ تھا جو اس وقت اپنی اپنی سٹڈی ٹیبل پر بیٹھی کتابوں کو اکٹھا کر رہی تھیں۔ سمسٹر ختم ہو گیا تھا۔ کچھ ماہ کی انہیں چھٹیاں تھیں۔ آج سے ٹھیک دس دن بعد وہ پاکستان کیلئے فلائے کرنے والے تھے۔ آج سے ٹھیک دس دن بعد وہ ہونے والا تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"تمہاری بلیو جیکٹ مل سکتی ہے، کل مجھے آنا کی طرف ڈنر پر جانا ہے۔" انیشہ کتابوں کو سائیڈ پر لگاتی اپنی میز کو ویٹ (گیلے) ٹشو سے چمکاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ایلاف نے پن ہولڈر میں سارے پن ڈالے۔ ایگزامز کے دنوں میں اسی طرح ان کی سٹڈی بکھر جاتی تھی۔

"وہ ایبک کے پاس ہے کل لوٹا دے گا۔"

سفید ٹشو کے اوپر انیشہ کا مرمری ہاتھ لمحہ بھر کو رکا، آئی بالز بھی تھمی تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر قدرے دور کھڑی ایلاف کو دیکھا جو اب دراز میں جھک کر اپنے نوٹس رکھ رہی تھی۔

"ایبک، ایبک سلطان کی بات کر رہی ہو؟"

ایلاف نے دراز کو آواز کے ساتھ بند کیا اور دیوار پر چپکے رنگ برنگے سٹکی نوٹس اتارنے لگی۔

”ظاہر ہے ایک وہی ہے فی الحال اسی نام کا۔“
نوٹس کو ایک دوجے کے اوپر چپکانے لگی کہ اب یہ بیکار ہو گئے تھے۔
”مگر تمہاری اور اس کی تو لڑائی تھی نا۔“

ٹشو اور ہاتھ ایک ہی جگہ پر رکھے ہوئے تھے۔ انیشہ کا سارا کام ختم ہو گیا تھا لیکن ایلاف کا ابھی رہتا تھا۔ اس نے مسکرا کر اپنی بہن کی جانب دیکھا۔

”وہ پرانی بات ہے۔“ اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ ایک دوجے کے اوپر چپکے نوٹس کو اس نے الٹے پاؤں کے پنجوں کی مدد سے ڈسٹ بن کھول کر اس میں پھینکا۔ انیشہ کی حیرت ابھی تک برقرار تھی۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے یعنی تم دونوں متضاد شخصیت کے مالک انسان ہو۔“ وہ رک گئی تھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کہے کیا نا۔ ”ایبک تم سے جیکٹ کیسے لے سکتا ہے۔ وہ تو کسی کو دیکھتا بھی نہیں ہے۔“

ایلاف نے بھی گیلا ٹشو اٹھایا اور اسے گول گول میز پر پھیرنے لگی۔

”سب کا نہیں پتا ہاں مجھے دیکھ لیتا ہے مگر شک کی نگاہ سے۔“ اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسی تھی۔ انیشہ نے ہاتھ کو آہستہ آہستہ جنبش دے کر میز کو پھر سے چمکانے کا کام شروع کیا۔

”شک کی نگاہ سے؟“

”ہاں شک کی نگاہ سے۔ اسے لگتا ہے میں پھر اس کے ساتھ کچھ کرنے والی ہوں، کوئی پرینک یا پھر کوئی بڑی چیز، وہ شاکی انداز میں مجھے گھورتا ہے اور سچ بتاؤں بہت اچھا لگتا ہے اس وقت۔“ وہ ہنس رہی تھی۔ انیشہ بھی مسکرا دی۔

”ژالے اس پر بہت ٹرائے کر رہی ہے۔ اس کی فیلنگز کافی مضبوط ہیں ایبک کو لے کر۔“

اب ایلاف کا ہاتھ تھما تھا، مڑ کر اچنبھے سے بھی دیکھا۔

''ژالے؟ وہ اسے پسند کر رہی ہے۔'' اس نے تصدیق چاہی تھی۔ نا جانے کیوں آواز میں تلخی تھی۔

''بالکل، آج یا کل میں وہ ایبک کو کہہ بھی دے گی اور مجھے پورا یقین ہے ایبک اسے منع نہیں کرے گا۔ اس نے ادا کو بھی اپنا دوست بنا لیا ہے۔ اس کی کوشش اچھی ہیں۔''

ایلاف نے جھٹکے سے میز پر ٹشو کو گھسیٹا اور پھر اسے ڈسٹ بن میں پٹخ دیا۔

''اور اس یقین کی وجہ؟''

انیشہ نے بھی ٹشو ڈسٹ بن میں ڈالا اور ایک ستائشی نگاہ اپنی چمچماتی ٹیبل پر ڈالی۔

''کیونکہ ژالے ایبک کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ ویسی ہی ریز روڈ، سنگل اور شائے ہے۔ مجھے لگتا ہے ان دونوں کا سین آن ہو سکتا ہے۔'' (اس سین کو آن ہونے سے قبل آف نہ کر دیا تو میرا نام بھی ایلاف نہیں) اس کی سوچیں خطرناک تھیں۔

''مگر ایبک کا رجحان پھر بھی اس کی جانب نہیں ہوگا۔ اس کی نیچر بہت مختلف ہے۔ وہ کبھی بھی ژالے کی اور قدم نہیں بڑھائے گا۔'' اس کی تسلیاں اس کیلئے ہی تھیں اس کے الفاظ بھی تو خود کیلئے تھے۔

''جو بھی ہو ہمیں اس سے کیا، ہم نے یہاں کون سا رہنا ہے۔ وہ دونوں ہی یہاں کے باسی ہیں۔ پیچ اپ ہو یا بریک اپ۔۔ ہو کیئرز۔''

ایلاف نے اسے مڑ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے ژالے اور ایبک کے بارے میں سن کر برا لگ رہا ہے۔ کیوں؟ سمجھ تو گئے ہوں گے آپ۔ ہم۔

☆......☆......☆

اور وہ جو سوچ رہی تھی ایک کبھی بھی ژالے کی طرف قدم نہیں بڑھائے گا۔انہیں کیفے ٹیریا میں ایک ساتھ ہنستے ہوئے دیکھ کر جل بھن گئی۔ ہاتھ میں پکڑے پن کو اس نے اس بری طرح سے مروڑا کہ بیچارہ پناہ مانگ کر رہ گیا۔

''مرد۔'' ایک غصیلی نگاہ ان دونوں پر ڈال کر وہ وہاں سے باہر آئی۔اس کے قدم گراؤنڈ کی جانب تھے۔

''انیشہ ٹھیک تھی، بھاڑ میں جائیں دونوں، ساتھ رہیں یا نہ، مجھے اس سے کیا ہم لوگوں نے کون سا یہاں رہنا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی تیز سپیڈ میں چل رہی تھی۔آتے جاتے ہیلو ہائے کرتے لوگوں کا بھی جواب نہیں دے رہی تھی۔اس کے شانوں تک آتے بال آج نیم کرلی سے تھے۔سفید چھوٹے پھولوں والا پلازو، گھٹنوں سے کافی اونچی چنٹ دار فراک اور اس پر ویسٹرن طرز کا لانگ کریچی کوٹ اور کراس بیگ، وہ اسی کراس بیگ کو مضبوطی سے تھامے چلے جا رہی تھی جب پیچھے سے اس کے نام کی پکار ہونے لگی۔وہ نہیں رکی کیونکہ اسے رکنا ہی نہیں تھا۔

''ایلاف، ایلاف بات سنو۔'' ایک دوڑتا ہوا اس کے پاس آ رہا تھا۔کئی گردنیں تھیں جو اس گم صم مجسمے کو آج بولتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔گم صم مجسمہ سب اسے یہی کہا کرتے تھے، ادا کے علاوہ وہ کسی اور سے بات نہیں کرتا تھا۔اسی بابت اس کا یہ نام پڑ گیا تھا۔

''ایلاف، رکو تو، واللہ کتنا تیز چلتی ہو تم۔'' وہ اس کے سامنے آ کر ہلکے پھولے سانس سے کہہ رہا تھا۔اس کی بھوری آنکھوں میں مدھم سی لو جلتی تھی اور نوڈلز ہیئر ہمیشہ کی طرح بکھرے بکھرے سے تھے۔

''میں کب سے تمہیں آوازیں دے رہا ہوں، اتنا آکورڈ لگ رہا تھا۔'' وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔آس پاس سے بہت سے طلباء گزر کر جا رہے تھے۔وہ پتلی سی پرپل رنگ کی بٹنوں والی

شرٹ اور اس پر ڈارک براؤن لیدر کی جیکٹ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس کی جینز کا رنگ بھی جیکٹ کی طرح ہی تھا ہاں البتہ جوتے وہی تھے جو ہمیشہ اس کے پاؤں میں ہوا کرتے تھے۔ چاکلیٹ براؤن تھوڑے گھسے ہوئے مگر اچھے۔

''تو تمہیں کس نے کہا تھا مجھے پکارو، مت پکارتے، آکورڈ بھی نہ لگتا۔'' اس کی آواز، اس کی ٹون، چہرے پر پھیلی خفگی، ایبک کے لبوں سے مسکراہٹ قوس قزح کی طرح غائب ہوئی۔

''ایسی بات نہیں ہے وہ اچانک سے تم کیفے ٹیریا سے چلی گئی تو میں تمہارے پیچھے چلا آیا۔ نہیں آنا چاہیے تھا؟''

ایلاف کے ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے اس کے دائیں بائیں اور پیچھے سے بہت سے طلباء گزر رہے تھے۔ سر پر آسمان نیلا تھا اور اس پر دھوپ چمک رہی تھی، اسی وجہ سے آج بڑے بڑے گراے بلاکس والی زمین خشک تھی ورنہ تو بارش اور نمی کی وجہ سے گیلی ہی رہتی تھی۔

''امم ہمم، تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' نفی میں سر ہلا کر وہ یہ کہہ کر مڑ گئی تھی مگر اسے وہیں جامد چھوڑ گئی۔ سر کو جھکائے وہ پر سوچ نگاہوں سے زمین کو تک رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے جھکا سر اٹھایا تھا، گردن کو اس طرح گھمایا جہاں ایلاف مڑی تھی۔ وہ اسے نظر بھی آ گئی۔ دور میں وہ کسی سے کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ ایبک نے قدموں کو موڑ دیا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا اسے اس کے پیچھے نہیں جانا چاہیے تھا یہ وہ راہیں نہیں ہیں جن پر وہ چل سکتا ہے بالکل بھی نہیں ہیں۔

''کیا ہوا میرے بھائی کو؟'' ادا جانے کہاں سے بوتل میں موجود جن کی طرح نازل ہوئی۔ اس کی کہنی کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ چلتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔

''ایلاف کا شکریہ ادا کرنے گیا تھا۔ غلط کیا مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ۔۔۔'' اس نے بات دانستہ درمیان میں چھوڑ دی۔ راحم اور اپنے بیچ ہوئی تمام بات اس نے ایبک کو بتا دی تھی اور یہ

بھی کہ اپارٹمنٹ کی ڈبل اقساط بھرنی تھیں جو کہ وہ ان پیسوں سے بھر چکی ہے۔ ایبک کو راحم کے پیسے نہ لینا برا لگا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا اگلی بار جب وہ آئے گا تو وہ خود اسے لوٹا دے گا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ دونوں چلتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ کے باہر بچھے بنچوں میں سے ایک پر آ کر بیٹھے۔

"اس کا موڈ اچھا نہیں تھا، میری غلطی ہے۔" وہ سر جھٹکتا کہہ رہا تھا۔ ادا نے اپنے بیگ میں سے چاکلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائی جسے مسکراتے ہوئے اس نے تھام لیا۔ وہ شوگر فری تھی۔ ایبک اس کا ریپر اتار کر کھانا شروع ہو چکا تھا۔

"ایلاف کو چھوڑ دو، یہ بتاؤ تم نے مینڈلی سے گرینا کے بارے میں بات کی؟"

چاکلیٹ چباتا اس کا جبڑا پل بھر کو تھما پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بات کی تھی، پر وہ سننے کو تیار نہیں ہے۔ اس کے پاس گرینا کے ڈچ کرنے کے ایویڈینس موجود ہیں۔" بات ختم کر کے اس نے رخ ادا کی طرف کیا۔ "مجھے لگتا ہے ہمیں ان کے معاملے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہاں کون کیا ہے، کیسا ہے ہم گواہی نہیں دے سکتے اور نہ ہی ان کے مسائل کو فکس کر سکتے ہیں۔ وہ جو بھی کریں ان کے اپنے اعمال ہیں۔ ہم یہاں فقط پڑھتے ہیں ادا اور ہمیں یہ بات یاد رکھنی ہو گی۔"

وہ اس کے سمجھانے پر اثبات میں سر ہلا رہی تھی پھر یکدم کچھ یاد آ جانے پر مسکرائی اور آنکھیں سکیڑ کر بولی۔

"یاد تو رکھنا ہے بلکہ مجھ سے زیادہ تمہیں یاد رکھنا ہے۔ سنا ہے ژالے تمہیں پرپوز کرنے والی ہے۔"

ایبک کا چہرہ پل بھر میں لال ٹماٹر ہوا۔

”کیا فضول سی بات کہی ہے۔“ وہ کڑوا سا منہ بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ادا کھسک کر تھوڑی اور قریب آئی اور شرارتی لہجہ اختیار کر کے بولی۔

”اگر اس نے ایسا کیا تو تم کیا کرو گے؟ دیکھو مجھے سچ سننا ہے ہاں۔“

وہ اس کے انداز پر سٹپٹا گیا۔

”بہت افسوس کی بات ہے کب جھوٹ بولتا ہوں تم سے، ہر بات بتاتا ہوں یہاں تک کہ وہ بھی جو نہیں بتانے کی ہوتی۔“ جان بوجھ کر شاکی انداز اپنایا۔

”ہاں تو پھر بتاؤ نا، کہو نا کیا جواب دو گے اسے۔ ویسے میری طرف سے او کے ہے۔ اچھی لڑکی ہے۔“

اس کو تو مانو فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔ ایک نے اس کا ہاتھ کہنی سے جھٹکا اور پورا اس کی طرف مڑا، مڑ کر بولا۔

”سیریسلی ادا، یہ تم کہہ رہی ہو؟“ اسے یقین کرنا دشوار ہوا۔ ”ہم یہاں پڑھ رہے ہیں۔ سکول میں ہیں اس کے بعد یونیورسٹی جانا ہے۔ اچھی جاب کرنی ہے۔ اپنا بزنس شروع کرنا ہے۔ ماما کا علاج کرانا ہے اور ڈھیر سارا پیسہ کمانا ہے تاکہ ایک بے فکر زندگی آرام سے جی سکیں۔ یہی ہے نا ہم دونوں کا پلان؟“ وہ اس سے دریافت کر رہا تھا جس کا منہ لٹک چکا تھا۔

”اور جہاں تک مجھے یاد ہے اس پلان میں کہیں بھی کوئی بھی ہم دونوں کے علاوہ شامل نہیں ہے۔ اگر کوئی وقت سے پہلے ہوا بھی تو وہ تمہاری زندگی میں ہوگا اور حلال طریقے سے ہوگا۔ بس چپ اب فضول سی کوئی بات نہ سنوں میں، مجھے ایسے راستے پر نہیں چلنا جو بھٹکا دے مجھے۔“

ہاتھ میں کافی ٹرے پکڑے ڈالے جوان دونوں کے پیچھے ہی کھڑی تھی، نم آنکھوں سے بھاپ اڑاتی کافی کو تکنے لگی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔

”ٹھیک ہے ہمارے پلان میں کوئی بھی نہیں ہے لیکن ژالے کی گنجائش۔۔۔اچھا اچھا گھور کیوں رہے ہو، نہیں چھیڑ رہی یہ ٹاپک۔حد ہوگئی۔“ وہ منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ژالے وہاں سے مڑ گئی۔کافی اس نے گروپ کی لڑکیوں کو تھمائی اور دور بیٹھے ان دونوں بہن بھائیوں کو دیکھنے لگی۔

”بہت برے ہو تم ایبک۔“ وہ اسے دیکھ کر دل میں سوچ رہی تھی جبکہ ایبک کی خاموش نگاہیں لاشعوری طور پر اس پری پیکر کی متلاشی تھیں جو اسے جھڑک کر خود غائب ہوگئی تھی۔وہ پری پیکر، آپس میں مڈ بھیڑ کرتے اس گروپ کے پاس کھڑی تھی جو باتوں کے بعد اب ہاتھا پائی پر اتر آئے تھے۔دونوں ہی تگڑی پارٹیز تھیں۔دونوں ہی ایک دوسرے کو بری طرح مارنے میں مگن تھے۔یہ لڑائی بڑھتے بڑھتے پورے سکول میں پھیل چکی تھی۔بوتلیں ٹوٹ رہی تھیں، چیزیں اٹھا کر ماری جا رہی تھیں۔فائرنگ ہو رہی تھی۔پولیس آ گئی تھی۔آنسو شیل کھول دی گئی تھی۔

ایلاف وہاں سے بھاگتی ہوئی انیشہ کو کال ملا رہی تھی۔وہ اسی بینچ کے پیچھے آ کر چھپی تھی جس پر کچھ دیر قبل ایبک اور ادا بیٹھے تھے۔جونہی لڑائی کی بات دونوں نے سنی ایبک ادا کو اپنی اوٹ میں کیے وہاں سے لے گیا تھا۔ایسا کرتے ہوئے ایک دو بوتلیں اس کی کمر پر بھی لگی تھیں مگر اس نے ادا پر ایک آنچ نہیں آنے دی۔اسے اپنے سامنے کیے اپنی جیکٹ میں چھپائے جھکتے ہوئے وہاں سے لے گیا تھا۔

”فون اٹھاؤ انیشہ فون اٹھاؤ۔“ ایلاف نے گھبراتے ہوئے معاملے کی سنگینی کو نوٹ کیا اور کان پھاڑ دینے والی آوازوں کو اگنور کرتے ہوئے مسلسل انیشہ کو فون ملانے لگی۔چوتھی بار جب اس نے کال ملائی تو اٹھا لی گئی۔

"ہیلو انیشہ، کہاں ہو تم؟" آنسو گیس کی وجہ سے اس کی آنکھیں سوجنا شروع ہو چکی تھیں۔ پولیس کے سائرن اور لاؤڈ سپیکر کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ ابھی سچویشن انڈر کنٹرول نہیں ہوئی ہے۔

"ثمر کے ساتھ باہر جا رہی ہوں، تم کہاں ہو ٹھیک ہو؟"

ایلاف کی آنکھوں کے سامنے گیٹ تھا۔ اس گیٹ کے آس پاس کبھی کوئی بوتل آ کر ٹوٹ کر گر رہی تھی تو کبھی کوئی شیل، سٹوڈنٹس پتا نہیں کہاں سے باہر جا رہے تھے مگر جا رہے تھے تبھی ان کی تعداد کم لگ رہی تھی۔

"تم پرسکون ہو کر جاؤ، میں ٹھیک ہوں بلکہ آ رہی ہوں باہر، نہیں نہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ثمر کو کہو پریشان نہ ہو۔ ہاں ٹھیک ہے باہر ملتے ہیں۔" فون کو بند کر کے اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا۔ وہ جس بینچ کے پیچھے چھپی تھی اس کے بالکل سامنے دو لڑکیاں اور بھی چھپی تھیں۔ ایلاف نے اونچی آواز سے انہیں پکارا۔

"ہے، ہمیں باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

لڑکیوں نے اسے بینچ کی جالی میں سے دیکھا اور پھر شیشوں سے بھرے گیٹ کو جہاں وقتاً فوقتاً بوتلیں آ کر گر رہی تھیں۔

"مگر کس طرح کسی بوتل کا شکار نہیں بھی ہوئے تو گیٹ پر موجود شیشے ہمارے بوٹ پھاڑ دیں گے۔"

ایلاف نے پولیس اور سٹوڈنٹس پر ایک نگاہ ڈالی پھر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں جو پیچھے کی دیوار کے پاس سے گزرتی تھیں۔ اگر وہ اس سیڑھیوں پر سے دیوار پر چڑھ جائے تو یقیناً بیک گیٹ کی طرف اتر سکتی ہے۔

"ہم یہ راستہ استعمال کر سکتے ہیں۔"

''تم پاگل ہو اسی راستے سے تو دفاع کیلئے بوتلیں اڑ کر آ رہی ہیں۔ اگر کچھ لگ گیا تو۔''

ایلاف نے ان دونوں کو کچا چبا جانے والے انداز میں گھورا اور کھڑی ہو گئی۔

''بھاڑ میں جاؤ، پھنسی رہو یہیں پر۔'' وہ یہ کہتی اٹھ کر بھاگی تھی۔ لوہے کی خم دار سیڑھیوں پر ہاتھ رکھ کر وہ اوپر چڑھ رہی تھی۔ چڑھتے چڑھتے وہ ایک جگہ پر آ کر رکی وہاں جہاں سیڑھیاں دیوار سے پچ ہو رہی تھیں۔ وہ دونوں لڑکیاں اسے سیڑھیوں سے دیوار کی طرف منتقل ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس دیوار پر چڑھی جو کہ خاصی اونچی تھی۔

''اف اللہ ھو اکبر، یقیناً اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ یا اللہ میری مدد فرما۔'' اس کا دل برق رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ جانتی تھی اگر چھلانگ لگائے گی تو چوٹ متوقع ہے لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے یہ کافی بہتر ہے یوں اسے ملال تو نہیں ہوگا کہ اس نے کوشش نہیں کی۔ وہ مردوں کے سہارے چلنے والی لڑکی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے اس نے ثمر کو آنے سے روک دیا تھا لیکن اب اس دیوار پر چڑھتے ہوئے اسے شدت سے اپنے بھائی کی یاد آ رہی تھی۔ یاد آئی ساتھ میں فون بھی آ گیا۔

''ہیلو ایلاف کہاں ہو تم؟ میں بس انیشہ کو باہر تک چھوڑنے ہی والا ہوں۔ تم جہاں بھی ہو میرا انتظار کرو۔ یقین کرو اگر تمہیں ہلکی سی بھی چوٹ لگ گئی تو کبھی معاف نہیں کروں گا خود کو۔''

جب لڑائی شروع ہوئی تھی تو یہ ایلاف ہی تھی جس نے ثمر کو انیشہ کے پاس جانے کو کہا تھا کہ وہ جانتی تھی، انیشہ چھوٹے دل کی ہے۔ ضرور ہاتھ پاؤں پھلا بیٹھے گی لیکن ثمر اسے تنہا چھوڑنے پر قائل نہیں تھا تبھی اس کا ہاتھ تھام کر طلباء کو دھکے دیتا آگے بڑھ رہا تھا۔ جب اچانک چند لوگوں کی وجہ سے ایلاف کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور وہ عوام کے سمندر میں اس سے دور بہہ نکلی تھی۔ ثمر نے اس تک آنے کی بارہا کوشش کی تھی مگر بیسود، اسے

ایلاف کو چھوڑ کر انیشہ کے پاس جانا ہی پڑا تھا۔

"کوئی دقت نہیں ہے، تم بحفاظت اسے گھر پہنچا دو۔ میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں بس تھوڑی دیر میں ہی پہنچنے والی ہوں۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون کاٹ دیا کہ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کمزور پڑے۔ اگر کمزور پڑ گئی تو کبھی اس اونچی دیوار کو پھلانگ نہیں پائے گی۔

"ایبک، وہ ایلاف ہے نا؟" ٹیکسی میں بیٹھنے سے قبل ادا نے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی تھی۔ حالات کی نزاکت کی وجہ سے اس نے ٹیکسی کروائی تھی کہ ایسے وقت میں یہاں ٹیکسیوں کی لائن لگ جاتی تھی جو طلباء کو آدھے رینٹ پر ان کے مقام تک پہنچاتی تھیں۔ ادا کے متوجہ کروانے پر ایبک پورا مڑا، کیمپس کی وہ دیوار جس پر سے سیڑھیاں دوسری منزل تک جاتی تھیں باہر سے بھی نظر آتی تھی کیونکہ وہ بہت اونچی دیوار تھی۔ ایلاف کا وہاں ہونا بتا رہا تھا کہ وہ کیا کرنے والی ہے۔

"تم، تم جاؤ میں اسے لے کر آتا ہوں۔"

"مگر تم کیا کرو گے؟"

"جاؤ ادا میں آتا ہوں۔"

وہ اس کی سخت ہدایت پر ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ ایبک نے اس راستے کا رخ کیا جہاں سے وہ ادا کو لے کر آیا تھا۔ بچتے بچاتے وہ ایلاف کے پاس بالآخر پہنچ ہی گیا تھا۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سانس بحال کرتے ہوئے اس نے نظر اٹھائی اور دھک سے رہ گیا۔ وہاں ایلاف نہیں تھی۔

اس نے بے چین نگاہوں کو چاروں اور گھمایا۔ وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ کہاں جا سکتی تھی بھلا؟

"مجھے ڈھونڈ رہے ہو؟" اپنے بیحد نزدیک سے آتی آواز پر وہ اچھلا تھا۔ چہرے پر

گرد، کوٹ کا کونا پھٹا ہوا اور آنکھوں میں نمی۔

''کیسے نیچے آئی تم؟ میں نے دیکھا تھا اوپر تھی، چوٹ تو نہیں لگی تمہیں، ٹھیک ہو؟'' بیحد پریشانی سے استفسار کرتے ہوئے وہ نظروں سے اسے ٹٹول رہا تھا۔ ایلاف کا یکدم دل بھر گیا۔ کیوں، یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، اس پائپ سے نیچے آئی ہوں۔'' اس نے دیوار کے ساتھ نیچے آتے پائپ کی جانب اشارہ کیا۔ بھوری آنکھوں میں اس کیلئے پریشانی تھی، بھوری چمکتی بے ریا سی آنکھیں۔

''شکر خدا کا، مجھے لگا تم نے چھلانگ لگا دی، آؤ وہاں سے چلتے ہیں وہ راستہ کچھ محفوظ ہے، میرے آگے آؤ میں تمہیں پروٹیکٹ کرتا ہوا چلوں گا۔'' کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے کہتی کہ اسے کسی کی بھی پروٹیکشن کی ضرورت نہیں ہے مگر کوئی اور وقت ہوتا تب نا، ابھی تو وہ وقت تھا جس میں ایلاف کا دل جھک گیا تھا۔ سرنڈر کر چکا تھا اچانک سے خود ہی بیوجہ۔

وہ سر ہلاتی اس کے سامنے آئی تھی۔ ایبک نے اپنی جیکٹ اتار کر سر سے اونچی کر کے اس پر پھیلائی۔ وہ سائے میں دیکھ سکتی تھی کہ اس کے سر کو جیکٹ سے محفوظ کیا گیا ہے۔ دو ہاتھوں نے اسے اپنی اوٹ میں کیا ہوا ہے۔ سائے نے قدم بڑھائے اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''سنبھل کر۔''

ایک سائیڈ سے کچھ پتھر اڑ کر آئے تھے جنہیں ایبک نے اسے اور خود کو جھکا کر ڈاج کر لیا تھا۔ وہ دونوں اسی طرح بچتے بچاتے باہر آئے آتے ہی ایبک نے اس کے سر پر سے جیکٹ کو ہٹا دیا تھا۔ مانو شیلڈ ہٹ گئی ہو۔ وہ ٹیکسی کروا رہا تھا اس میں اسے بٹھا رہا تھا۔

''گھر پہنچ کر مجھے کال لازمی کرنا اور بہتر رہے گا اگر تم ایک بار ڈاکٹر کو چیک کروا لو۔ اچھا

سنو۔" بات کرتے کرتے وہ پل بھر کو تھما۔ ٹیکسی کے اوپن ڈور کو پکڑے مڑ کر اسے دیکھتی ایلاف اس کے یوں چپ ہو جانے پر بوجھل ہوئی۔

"چلو کچھ نہیں، تم جاؤ بعد میں بات کریں گے۔"

وہ جانے لگا تھا جب ایلاف کے لفظوں نے اسے درمیان میں روک دیا۔

"کہہ دو۔"

ایبک نے سر اٹھایا، اس کے پیچھے اندر سے ابھی بھی شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ "میں سن رہی ہوں۔"

"اپنا خیال رکھنا۔"

اس کا دل ایک بار پھر بھرا تھا۔ آنکھوں میں نمی ایک بار پھر عود کر آئی۔ وہ ایبک کیلئے کیا احساسات رکھنے لگی ہے یہ شاید اسے سمجھ آ گیا تھا۔ بیک ویو مرر سے اسے وہیں ایستادہ دیکھ کر ایلاف کی آنکھوں سے آنسو کا قطرہ ٹوٹ کر گرا۔ چھوٹی سی عمر کے بڑے روگ، بے ریا سا جذبہ، انمول سی چاہ، کیا جو وہ محسوس کر رہی تھی وہ سب وہ بھی محسوس کر رہا تھا جس کیلئے اس کی فیلنگز بدل چکی تھیں؟ کیا اسے احساس ہو گیا تھا؟ پتا نہیں لیکن جو بھی تھا شاید اچھا نہیں ہوا تھا کہ ہر کہانی کی شروعات پریوں جیسی نہیں ہوتی کہ ہر کہانی کا انجام پریوں کی کہانی جیسا نہیں ہوتا۔ کچھ کا بھیانک ہوتا ہے، بہت زیادہ بھیانک۔

☆......☆......☆

"تم نے مجھے ڈرا دیا، جانتی بھی ہو سانس حلق میں اٹک گیا تھا میرا۔"

اسے ایک دو کھرونچ آئی تھی جس پر اب معمولی سی بینڈ یج کی ہوئی تھی۔ ایبک کو اس نے منع کر دیا تھا مگر ثمر کو کیسے کرتی۔ وہ اسے زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ بعد ازاں اسے گھر

آرام کرنے کیلئے چھوڑ گیا تھا۔ وہاں انیشہ تھی، روئی سی گھبرائی سی، سہمی ہوئی۔ اس کی چھوٹی انگلی پر کٹ لگا تھا جس کی وجہ سے اس نے پوری انگلی کو ہی پٹیوں میں جکڑوا لیا تھا کہ درد اس سے بہر حال پھر بھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔

''مجھے تو یقین نہیں آ رہا یہ سب ہمارے سکول میں ہوا ہے۔ انتظامیہ کس طرح کا ایکشن لے گی بھلا؟''

انیشہ گھبرائی سی یہاں وہاں ٹہل رہی تھی۔ کھڑکی سے کھلا آسمان واضح نظر آ رہا تھا۔ وہ راکنگ چیئر پر بیٹھی آنکھوں کے سامنے کتاب کھولے ہوئے تھی۔

''یقین کیوں نہیں آ رہا، پچھلے سال بھی تو ایسا ہوا تھا۔ یہ ہسپانوی اسی طرح کتے بلیوں کی طرح لڑتے ہیں اور پھر اپنا سال ضائع کروا لیتے ہیں۔ سب کے سب ڈسمس ہوں گے ایک سال کیلئے دیکھنا تم۔'' انیشہ کا کوئی ساتواں چکر تھا جس پر وہ تھمی تھی پھر بیڈ کی پائنتی پر ٹک کر بولی۔

''میں تو یہاں کبھی بھی نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے تو اپنے ملک جانا ہے۔ وہاں کم از کم عورتوں کا تو احترام ہوتا ہے۔''

ایلاف نے کتاب پر سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا، وہ بوکھلائی۔ ''کیا نہیں ہوتا یعنی تھوڑی بہت تو عزت ہوتی ہے۔'' آنکھیں گھما کر کندھے اچکا کر وہ پیور فرنگی لہجے میں بول رہی تھی۔

''دیکھو میرا منہ نہیں کھلواؤ تم، سر میں درد ہو رہی ہے۔ ایک کپ چائے بنا دو۔ پکا کل میں تمہیں بریک فاسٹ بنا کر دوں گی۔''

اور انیشہ ناشتے کی لالچ میں کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کی چھوٹی انگلی میں درد تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ چائے نہ بنا سکے۔ اس لیے بنا حیل وحجت کے وہ کچن میں چلی گئی تھی۔ اسے گئے ابھی دو سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے کہ ایلاف کے فون کی بیل بج اٹھی۔ کتاب رکھی، تھوڑا

آگے کو جھکی، نمبر دیکھا اور پھر طویل سانس بھر کر فون اٹھالیا۔

”کیسی ہو تم اور انیشہ، تم نے مجھے ڈرا دیا۔ جانتی ہو سانس حلق میں اٹک گیا تھا میرا۔“

کون ہو سکتا تھا بھلا ان کا پیارا بھائی راحم جس کی آواز میں اندیشوں و ڈر کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ ایلاف کا دل ایک بار پھر بھر آیا۔ انسان اپنے آپ کو بہت قیمتی محسوس کرتا ہے جب پاس چاہنے والے، جان نثار کرنے والے رشتے موجود ہوں۔ بھائی جیسا سائبان موجود ہو۔ وہ ہستی جو باپ کے بعد سب سے زیادہ آپ کو چاہتا ہے، آپ کی پرواہ کرتا ہے، آپ کی تکلیف پر بالکل ویسے ہی تڑپتا ہے جیسا آپ کو پیدا کرنے والا تڑپتا ہے۔

”بھائی“ اس درخت کی طرح ہے جو اپنا پھل قربان کر کے پھر بھی خوش رہتا ہے، کیوں؟ کیونکہ وہ جانتا ہے اللہ اس کے بدلے اسے اور نوازے گا اور وہ نوازتا ہے۔ خوش قسمتی سے، عزت سے، ایمان کی دولت سے۔ وہ بھائی جو بہنوں کے چہروں پر مسکراہٹ کا ضامن بنتے ہیں بہت خوش بخت رہتے ہیں۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ خوشی سے مغلوب لہجے میں اس نے مدھم آواز کے ساتھ کہا تھا لیکن دوسری طرف کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔

”اگر ایسا ہے تو اللہ کا لاکھ شکر ہے۔ ورنہ تم جانتی ہو نا تم دونوں میں جان ہے میری۔ جب سے نیوز دیکھی ہے چین نہیں آ رہا۔ بس ٹوکنا مت مجھے میں شام کو آ رہا ہوں۔“ وہ فیصلہ سنا گیا تھا۔ سنا کر ایلاف کو پریشان کر گیا۔

”لیکن بھائی آپ کی کلاسز ہیں، حرج ہوگا۔“

اس کی اگلی بات نے ایلاف کو لاجواب کر دیا تھا سو سجدے بھی کرتی تو کم تھا۔

”حرج کی کوئی اوقات نہیں ہے تم لوگوں کے آگے۔ ملتے ہیں شام کو۔“ وہ فون بند کر گیا

تھا۔ ایلاف نے خود کو پھر سے راکنگ چیئر پر گرایا، سر کو اس کی سیٹ پر ڈال کر نگاہیں سیلنگ پر مرکوز کرلیں۔

"دو گھنٹے ہونے کو ہیں اس واقعے کو اور تم ڈاکٹر کو چیک کروانے کے بعد پلٹ کر نہیں آئے۔"

افسردہ آنکھوں میں ثمر کا چہرہ تھا جو ایک تنگ سی گلی میں لانگ کوٹ پہنے سگریٹ کے گہرے کش بھر رہا تھا۔ ہوا سرد تھی۔ جسم کو ٹھٹھراتی تھی۔

"جس تیزی سے تم ایڈیکٹ ہورہے ہو کہیں کوئی نقصان نہ ہوجائے۔" ڈبن نے دھوئیں کے گول دائرے نکال کر کہا تھا۔ وہ دونوں اس سمے کسی کی تاک میں تھے وہ جو بس ابھی یہاں سے گزرنے ہی والی تھی۔

"نقصان کو کیا نقصان ہوگا ہاں۔" ماتھے پر بے تحاشہ بل ڈالتے ہوئے وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ ڈبن ہنس دیا۔ وہ دونوں اس تنگ سی گلی میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ڈبن تو ٹھس کھڑا تھا ہاں ثمر کی گردن بار بار گلی سے نکل کر آس پاس چکر لگا کر آرہی تھی۔ ابھی بھی اس نے گردن باہر نکالی تھی۔ اچھا فیصلہ تھا وہ سامنے سے ہی چلتی آرہی تھی۔ لانگ مسٹرڈ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے، بالوں کو دائیں بائیں شانوں پر گرائے۔ ڈبل بٹن سٹائل کوٹ کے نیچے اس نے کیا پہنا تھا اندازہ لگانا مشکل تھا لیکن ہاں اس کی پنڈلیاں ضرور نظر آرہی تھیں جن کے نیچے کوٹ کے رنگ کے ہی شوز موجود تھے۔

"چلو تم یہاں کھڑے ہو کر میرا انتظار کر، میں چلا اپنا نفع کرنے۔" اس کے شانے کو تھپکتا وہ کالر کھڑے کوٹ کی ایک جیب میں ہاتھ اڑسائے باہر آیا۔ دوسری دو انگلیوں میں سگریٹ قید تھی۔ وہ بڑے ڈگ بھرتا اس کے سامنے جا کر رکا، اس کے منہ بنانے پر مسکرا دیا۔

"راستہ چھوڑو میرا۔" گرینا کی غراہٹ غصے بھری تھی۔

”ضرور ایسا ہی کروں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ دینا چاہوں گا۔“ اس نے ایک چھوٹی سی سکریپ بک نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ اس کتاب کا کور قدیم یونانی فلسفوں کی طرح کا تھا جس کے درمیان میں وقت کا پہیہ نصب کیا گیا تھا۔ کندن کی طرح کا کور، کندن کی مانند ہی پہیہ۔

”یہ کیا ہے؟“ گرینا نے تعجب سے وہ کتاب کوٹ سے ہاتھ نکال کر تھامی۔ وہ فٹ پاتھ پر تھی جس کے ختم ہوتے ہی پین پزا کا ٹھیلا موجود تھا۔ اس ٹھیلے پر اس وقت رش تھا شاید اس لیے کیونکہ بنانے والے کے ہاتھ میں ذائقہ کمال کا تھا۔ گلی سے ذرا پرے تک پلاسٹک کی کرسیاں چھتریوں کے نیچے بچھی ہوئی تھیں جن پر عوام بیٹھی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے ہاتھ میں اپنے اپنے سلائز تھامے باتوں میں مشغول۔ یہ جگہ زیادہ چہل پہل والی تھی۔

”خاص تمہارے لیے بنوائی ہے، اس کتاب کے دو رخ ہیں ایک میں خوشی اور ایک میں غم۔“

گرینا نے اپنی خم دار پلکیں اٹھائیں۔ ثمر مسکان کو لبوں پر سجا رہا تھا۔

”انتخاب ظاہر ہے تمہارا ہے اس لیے ایک ہفتے کا وقت دیتا ہوں۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد تمہاری رائے جانوں گا۔ امید ہے فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔“ بات ختم کر کے اس نے دو انگلیاں اس کے گال سے مس کی تھیں۔ گرینا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ قہقہہ لگاتا وہاں سے گیا تھا۔

”غلیظ انسان، اس کا کچھ کرنا پڑے گا مجھے۔“

کتاب کو چند قدموں پر واقع یوزمی میں ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ اس بات سے انجان کہ ایک لڑکے نے اس کے جاتے ہی اس بک کو اٹھا لیا ہے۔ وہ بھی ایک سٹوڈنٹ تھا اور اب اس کتاب کو کر اس بیگ میں ڈال کر مخالف سمت میں چل پڑا۔ وہ تیز تیز چل رہا تھا۔ اتنا تیز کہ

سامنے سے آتی لڑکی پر بھی دھیان نہیں دیا۔ وہ اس سے بری طرح ٹکرایا تھا۔ اتنی بری طرح کہ اس کے بیگ کا بٹن کھلا اور اس میں سے وہ کتاب چھلک کر باہر آن گری۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتے ہو۔" ادا نے اپنے بازو کو سہلایا تھا جس میں اس حد تک ٹیس اٹھ رہی تھی کہ مانو ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

"سوری لڑکی کہو تو کلینک لے چلوں۔"

وہ اس کے آنسو چھلکانے پر سٹپٹا گیا تھا۔ اطراف میں نگاہ دوڑائی، خاصا کمرشل ایریا تھا یہ۔ اگر وہ شور مچا دے تو اس کی شامت آجانی ہے۔ اس لیے وہ یکدم کھڑا ہوا۔

"ضرورت نہیں ہے، تمہیں تو پولیس پوچھے گی ان شاء اللہ۔" ادا کے کہنے کی دیر تھی وہ لڑکا الٹے پاؤں بھاگا تھا وہاں سے۔ اس نے فقط اپنی کتاب ہی نہیں گرائی تھی بلکہ ایک دو بل بھی تھے جو زمین بوس تھے۔

"اف تکلیف ہو رہی ہے۔" آنکھوں میں آنسو لیے وہ ابھی بھی پنجوں کے بل ہی بیٹھی تھی۔ لیفٹ ہینڈ پر چوٹ لگی تھی اس لیے وہ سیدھے ہاتھ سے اپنا بیگ اٹھا کر کاندھے پر ڈالنے لگی۔ ابھی وہ کھڑی ہی ہو رہی تھی کہ اس کی نظر اس عجیب وغریب کتاب پر پڑی تھی۔ وہ اسے اگنور کر جاتی، اگر جو اس کے پہیے کے ایک سرے پر باریک سا گرینا نہ کندہ ہوتا۔

"گرینا کی کتاب ہے مگر یہاں کیسے؟" ہاتھ بڑھا کر اس نے کتاب کو اٹھایا اور کھڑی ہوگئی۔ کھردرے پہیے پر واضح گرینا گی لکھا ہوا تھا۔ جس شہر میں وہ رہتے تھے وہاں پچاس گرینا گی تھیں لیکن ایک وہی تھی جو اپنے نام کا پہلا حرف سپینش میں لکھتی تھی اور اختتامی حرف فرنچ میں۔ وہ بھی ایکسٹرا گولائی کے ساتھ۔ ادا کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی کیونکہ گرینا اور اس نے کئی بار اپنے نوٹس ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کیے تھے۔

”کس طرح کی ہوسکتی ہے یہ کتاب، کور تو بڑا عجیب سا لگ رہا ہے۔“

کل یہ کتاب وہ اسے لوٹا دے گی، سوچ کر اس نے اسے اپنے کراس بیگ میں ڈال کر زپ بند کی اور چین پزا لینے کیلئے لائن میں کھڑی ہوگئی۔ اس کی باری پندرہ منٹ بعد آئی تھی۔

”کیسی ہو بیٹا، بڑے دنوں بعد نظر آئی۔ آنکھیں تمہارے انتظار میں سوکھ گئی تھیں۔“ فربہی مائل وجود کا حامل وہ چینی آدمی اپنے باریک لبوں کے اوپر موجود پنسل مونچھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مسکرانے کی سبب اس کی آنکھیں مزید چھوٹی ہوگئی تھیں۔

”ایگزامز تھے نا انکل اس لیے نہیں آسکی، شکریہ یاد کرنے کا۔“ وہ آدمی سر کو خم دے کر مسکرایا پھر توقف کے بعد بولا۔

”ایک کیسا ہے، اسے بھی کہو چکر لگا جائے۔“ اس کے پزے کے اوپر چیز کی کوٹنگ کی جا رہی تھی وہ اسے دیکھ کر ہی بولی۔

”آپ کا پیغام پہنچا دوں گی۔“

اس کا پزا اب بڑے سارے توے پر منتقل ہو رہا تھا۔ باکس بھی کھول دیا گیا اس کی سائیڈ پر مختلف ہربز کی ڈپس اور ساسجز رکھی جانے لگیں۔

”میں کب سے تمہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک بات پریشان کر گئی ہے مجھے۔“

وہ ان کی ہچکچاہٹ پر چونکی، پزے کے اوپر بڑا سارا شیشے کا اونچا ڈھکن رکھا گیا جس میں آہستہ آہستہ سٹیم اکٹھی ہونے لگی تھی۔

”کس طرح کی پریشانی؟“

سٹیم زیادہ بڑھی دھویں کا راج دور چل پڑا۔

”جو ابھی تم نے کتاب اٹھائی ہے وہ ایک لڑکی کو کسی لڑکے نے دی تھی۔ ان دونوں کے

درمیان شاید جھگڑا اچل رہا تھا تبھی وہ لڑکی اس کتاب کو یوزمی میں ڈال گئی۔ کیا تم اس لڑکی کو جانتی ہو؟"

ادا لحظہ بھر کو بلینک ہوئی تھی پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں اسے جانتی ہوں۔"

کھلے اونچے ڈھکن کو پرے پرے سے ہٹا دیا گیا، بے تحاشا دھواں فضا کی نذر ہوا تھا۔ اشتہا انگیز خوشبو چہار سو پھیل کر لوگوں کو یہاں تک کھینچ کر لانے کا کام کرنے لگی۔

"یہ تو اچھا ہو گیا، وہ لڑکا ٹھیک نہیں لگ رہا تھا مجھے، اونچے گھر کا مگر بگڑا ہوا تھا۔ بیٹی، تم ایسے لوگوں سے دور رہنا۔"

اثبات میں سر ہلا کر وہ پیسے دے کر پرے کو تھامے مرے قدموں سے مڑ گئی۔

"یقیناً ثمر ہو گا۔" اس کے دل سے آواز آئی تھی۔ "کتنا تضاد ہے نا دونوں بھائیوں میں، ایک نیک دل، نیک فطرت اور دوسرا۔" برالفظ وہ سوچتے سوچتے رکی تھی۔

"گرینا نے یہ کتاب لے کر پھینک دی، ایسا کیا ہے اس کتاب میں۔"

گھر آ کر اس نے بیگ دروازے کے ساتھ بنی چھوٹی سی شیلف پر رکھا کوٹ اتار کر کیل پر لٹکایا اور ایک طائرانہ نگاہ گھر پر ڈالی جو اچھا خاصا چمک رہا تھا۔

"شکر ہے بیٹی تم آ گئی، میں کب سے تمہاری منتظر تھی۔ تم ٹھیک تو ہو نا اور ایبک کہاں ہے؟ یقین مانو نیوز والے دل دہلا دیتے ہیں۔"

گھر کی صفائی کے پیچھے ان کا ہاتھ تھا۔ وہ مشکور نگاہوں سے جونا کو دیکھنے لگی جو کئی سالوں سے ان کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں مگر آپ نے اتنی زحمت کیوں کی، اچھا نہیں لگتا۔"

”تکلف کو چھوڑو، یہ بتاؤ اس کارٹن میں کیا ہے ایبک کے کمرے سے ملا مجھے۔“

ادا نے گردن کو ہلکا سا خم دے کر ایبک کے کمرے کے بیچ و بیچ رکھے اس کارٹن پر نظر دوڑائی پھر واپس ان کی جانب دیکھنے لگی۔

”معلوم نہیں، ہوسکتا ہے اس کی کوئی چیزیں ہوں۔“

دل میں تجسس تھا مگر ان کے سامنے عیاں نہیں کیا، گہری شام اتر آئی تھی۔ لوگوں کے گھروں میں کھانے کی خوشبوئیں پھیل چکی تھیں۔

”ہاں یہی ہوسکتا ہے اور کیا بھلا، اچھا اب مجھے اجازت دو آج تمہارے انکل کے کچھ مہمان آرہے ہیں ان کیلئے ڈنر تیار کرنا ہے۔ تم رات کا کھانا مت بنانا۔ میں دے جاؤں گی، خیال رکھنا اپنا۔“ وہ اس کا گال تھپتھپاتی وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی ادا نے سر پر سے سکارف کو اتارا، کیپ ابھی بھی موجود تھی۔ اس نے کیپ کو بھی اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور چھوٹے قدم اٹھاتی ایبک کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے بال صبح سے قید ہونے کی وجہ سے چپکے ہوئے تھے لیکن جوں جوں انہیں ہوا لگ رہی تھی توں توں ان کی لٹیں کھل کر اس کے چہرے پر آن گر رہی تھیں۔

”کیا ہوسکتا ہے بھلا؟“ وہ کارٹن کے قریب آکر اس کی ٹیپ پر انگلی پھیرنے لگی پھر ایبک کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی فروٹ پلیٹ میں موجود نائف اٹھائی اور واپس کارٹن کی طرف مڑ گئی۔

”دیکھیں تو ذرا کیا ہے اس میں۔“ اس نے ڈکٹ ٹیپ کو سیدھ میں چاک کیا، دو پٹ کھلے، اندر فوم موجود تھا اس نے اسے ہٹایا، ہٹا کر جونہی نگاہ واپس کارٹن کے اندر ڈالی، ایسے کھڑی ہوئی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ ببل شاپر میں ریپ لیپ ٹاپ اور آئی فون فورٹین اس کارٹن میں کیوں تھا بلکہ وہ ایبک کے کمرے میں کیوں اور کیسے تھا؟

”ایبک۔“ اس نے لب ہلائے تھے۔ باہر شیلف پر رکھے بیگ میں موجود کتاب اس کی منتظر تھی اور اندر وہ حیرت کا مجسمہ بنی ان دونوں مہنگی چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہی رات تھی جو قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ اس رات کی تاریکی میں کام میں مشغول ایبک بے ہنگم سوچوں سے گھبرایا ہوا تھا۔ بار بار ایلاف کا سراپا اس کے دماغ میں آ کر اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ جب سے اس کے کلاس فیلوز نے اس کی ویٹرنگ پر انسلٹ کی تھی تب سے وہ ڈش واشر بن گیا تھا۔ پلاسٹک کے گلوز ہاتھوں پر چڑھا کر وہ مینیجر کی پھٹکاروں کو سنتے ہوئے برتنوں کو چمکائے جا رہا تھا۔ مینیجر کی پھٹکار اس کیلئے نہیں ویٹرز کیلئے تھی کہ وہ کیوں آرڈر ٹیکنگ اور سرونگ میں دیر کر رہے ہیں۔ ایبک پر تو وہ آتے جاتے ایک اچٹتی نگاہ ڈال رہا تھا، ہاں کبھی کبھی اس کے دھوئے برتن میں سے ایک اٹھا کر اونچا کرتا، آنکھوں کے سامنے لاتا اور پھر ستائشی انداز میں سر کو اثبات میں ہلا کر چلا جاتا۔ بس یہی اس کا کام تھا فقط یہی۔

”بہت ڈیڈی کیٹڈ ہو تم۔“ اس کے شانے کو تھپک کر اس بار اس نے لبوں کو بھی زحمت دی تھی۔ ایبک نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ اس کا دماغ آج کام نہیں کر رہا تھا۔ کیوں، کیونکہ وہ گھاس چرنے جو نکل گیا تھا۔

”اف ایبک اف۔ حد ہے تمہاری، بس اتنا ہلکا کریکٹر ہے کہ منٹوں میں پگھل گئے اس کیلئے۔ کمال۔“ وہ خود کو سرزنش کر رہا تھا، جھڑک رہا تھا۔ اپنے پلانز باور کروا رہا تھا مگر اس باغی دل کے ہاتھوں مجبور ہوا جا رہا تھا جو بہت ہی فلرٹی ثابت ہوا تھا۔ اسے خود پر اور اپنے دل پر تاؤ آیا بہت زیادہ تاؤ۔

”ادا کو تو بڑے بڑے لیکچر دے رہے تھے۔ اگر وہ جان گئی سب تو کیسی درگت بنے گی

تمہاری، ترس کھاؤ خود پر۔" کپوں کو کھنگالتے ہوئے وہ زچ پنے سے سوچ رہا تھا۔

"یہاں کا مینیجر کون ہے، بتاؤ مجھے کون ہے اور کہاں ہے؟" تیز چیختی نسوانی آواز پر سب بری طرح چونکے، کئی گردنیں دروازے کے فریم میں کھڑی لڑکی اور اس کے ساتھ بوکھلائے سے کھڑے گارڈ پر پڑی تھیں۔ ایک سیدھے بالوں والی ابرو اچکائے مغرور سی لڑکی کو دیکھنے کے بعد سب کو تکنے لگا تھا جو ایسے الرٹ ہوئے تھے جیسے پرائم منسٹر وہاں آن موجود ہوا ہو، پرائم منسٹر تو نہیں تھا ہاں معلوم ہوتا تھا اس کی دور پرے کی رشتہ دار ضرور تھی۔

"کیا ہوا مادام! آپ تحمل سے کام لیں ہم سننے کیلئے تیار ہیں۔"

نک سک سی تیار وہ لڑکی جسے ایک نے دیکھتے ہی خائف پنے سے نظروں کو جھکا لیا تھا درشتی سے مینیجر کی بات کاٹ گئی۔

"سننے کیلئے مسٹر۔" لڑکی نے مینیجر کے سینے پر انگلی بجائی۔ "بھگتنے کیلئے بھی تیار رہیں۔ یہ ریسٹورنٹ اب بند ہو کر رہے گا۔ ان ہائی جینک چیزیں کھلاتے ہوئے تم لوگوں کو۔ شرم نہیں آتی، میری مسٹرڈ ساس میں سے بال نکلا ہے، مڑا ہوا بال۔" وہ چیخ رہی تھی۔ مڑے ہوئے بال پر سب کی نظریں سر جھکائے ایک کی طرف گھومیں کہ فقط ایک وہی تھا جس کے بال مڑے ہوئے تھے۔

"ہم معذرت خواہ ہیں پلیز آپ ٹھنڈی ہو جائیں۔"

"کون بناتا ہے یہ ساس؟" اسے قطعی فرق نہیں پڑا تھا۔ چیختے ہوئے پوچھا۔ ایک نے نچلے لب کو دانتوں میں جکڑ لیا تھا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ اتنی زور سے کہ اسے اپنی شرٹ بھی ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"مادام۔"

”میں نے کہا کون؟“ وہ لڑکی ہاتھ کھڑا کر کے دھاڑی تھی۔سب کو سانپ سونگھ گیا۔ایک ان کے ہوٹل کا سب سے اچھا، او بیڈینٹ، محنتی، ایماندار اور سب سے چھوٹا امپلائے تھا۔وہ لڑکی ضرور اسے جاب سے نکلوا دے گی وہ سب جانتے تھے۔

”میں ہوں وہ۔“

فرلانگ بھر کے فاصلے پر کھڑے لڑکے نے جھکی نگاہوں سے اعتراف کیا تھا۔اس لڑکی نے سینے پر بازو باندھے اور تحکم بھرے لہجے میں کہا۔

”چلو میرے ساتھ۔“

بڑے بڑے سٹیل کے سٹو اور ریکس کے سامنے کھڑے سر پر سیاہ جالی کی کیپ اور سفید ایپرن پہنے ورکر اس آرڈر پر ملتجی نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھنے لگے تھے۔

”اگر یہ میرے ساتھ نہیں گیا تو واللہ کل کے ہر نیوز چینل اور جریدے میں اس ہوٹل کی نااہلی کی خبر چھپے گی۔کل کی رات نصیب نہیں ہو گی اس ہوٹل کو، سیل کروا دوں گی میں اسے، ایوڈینس ہے میرے پاس۔“

بیش قیمتی زیورات، مہنگے کپڑوں اور امارت چھلکاتے غرور کے ساتھ وہ تنی گردن سے کہہ رہی تھی۔ایبک نے بنا کچھ کہے ہاتھوں کو گلوز کی قید سے آزادی دلوائی، کیپ اور ایپرن اتار کر سٹیل کے کاؤنٹر پر رکھا، ایک نظر مینیجر پر ڈال کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

”مادام! ہم بات کر کے مسئلے کو سلجھا لیتے ہیں۔یہ بچہ کوئی نقصان افورڈ نہیں کر سکتا۔“

لڑکی نے تیز نظروں سے مینیجر کو دیکھا۔

”یہ تو اسے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔“ غصے سے کہا پھر لڑکی نے ایک مغرور نگاہ ان سہمے ہوئے لوگوں پر ڈالی، ڈالنے کے بعد ٹک ٹک کرتی ایبک کو لیے وہاں سے چلی گئی۔ان کے نزدیک وہ

یقیناً اسے پولیس کے پاس لے کر جارہی تھی۔ ہوٹل کے احاطے سے باہر آ کر وہ دائیں جانب مڑ گئی۔ لانگ کرش سفید رنگ کی سکرٹ اوراس کے اوپر گلابی بوروالی جرسی نما شرٹ پہن کر وہ دائیں ہاتھ پر اپنا فرکوٹ ڈالے مغرورسی چلے جارہی تھی۔ جب وہ پارکنگ سے بھی آگے نکل گئے، ہوٹل سے بھی دور چلے گئے تب اس کے پیچھے چلتے ایبک نے لب کھولے تھے۔

''اور کب تک چلنا ہے ایلاف؟''

وہ رک گئی تھی۔ قدموں کو بریک لگی، سفید پنسل ہیل سیاہ تارکول کی سفید لائین پر آ کر رک گئی۔ اس نے گردن موڑی، کندھے پر تھوڑی ٹکا کر مسکائی اور نرم آواز سے بولی۔

''تمہارے بولنے تک ہی چلنا تھا تم بول لیے یعنی چلنا ختم۔'' وہ مڑ گئی تھی۔ اس کے بال آج بھی کرل کیے گئے تھے۔ گلے میں گلابی اور سفید کی جھلک دیتا بیش قیمتی چوکور ٹکڑیوں والا ہار تھا اور کانوں میں سیپ کی طرز کے سٹڈز، اس کے چہرے پر میک اپ موجود تھا اور وہ میک اپ اسے منفرد بنارہا تھا۔ تھوڑا عجیب بھی۔ عجیب اس لیے کیونکہ وہ سادہ اچھی لگتی تھی بہت اچھی۔

''وہ سب کیوں کیا؟''

ایلاف پھر سے مسکرائی، دو قدم آگے آئی، ٹک ٹک، ہیل کی آواز فضا میں منتشر ہوگئی۔ یہ تھوڑی پرسکون جگہ تھی ٹریفک قریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

''تم نے آج میری مدد کی، اس کے شکریہ کیلئے ہم بہن بھائی تمہارے گھر گئے تھے۔ معلوم ہوا تم ڈیوٹی پر ہو اس لئے میں نے راحم سے کہا وہ مجھے یہاں ڈراپ کردے، تم نے میری مدد کی میں نے تمہاری۔''

''مطلب تم نے احسان اتارنا تھا۔''

وہ دو قدم مزید قریب آئی، ہوا کے جھونکے کے ساتھ ایلاف کی خوشبو بھی اس کی سانسوں

میں گئی تھی۔ ایبک نے لمحے بھر کو آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ سترہ کی سرحد کو گڈ بائے کہتا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

''نہیں مجھے اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ تم کل رات بخار میں تپ رہے تھے۔ ڈاکٹر نے ہدایت کی تھی کہ ریسٹ کرو۔ کیسے بھول سکتی ہوں میں یہ سب، ایبک۔'' وہ اس کا نام لیتی رکی تھی۔ ایبک نے بھوری آنکھوں کو اس کی سیاہ آنکھوں سے ملایا۔ ملا کر غلط کیا۔ بہت زیادہ غلط کیونکہ اس ملاپ نے اس کے چھوٹے معصوم دل کو ورغلا دیا تھا، بہکا دیا تھا، تباہ کر دیا تھا۔

عورت اور مرد کی نظر، جنگ وجدل کا مقام، تباہی و بربادی کا پیغام، بدترین انجام۔

''کیا ہم دوست نہیں بن سکتے، اچھے دوست، یہ جو جھجک ہے ہم دونوں کے بیچ یہ نہ رہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ آرام سے ہر بات شیئر کر لیا کریں، وقت دیا کریں اور کمبائن سٹڈی بھی کر سکتے ہیں۔''

ہوا کے ساتھ مسلسل ایلاف کے وجود سے خوشبو کے جھونکے بھی اٹھ رہے تھے۔ اٹھ کر اس کے اچھے خاصے حواس مختل کر رہے تھے۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ ادا کو خوشبو کا استعمال کرنے سے روک دے گا۔ برا منائے مناتی رہے مگر وہ اسے روک دے گا۔ وہ حدیث جو اس نے ایک بار سرسری سے انداز میں پڑھی تھی کا مطلب اسے اب سمجھ آ رہا تھا۔ عورت کے بدن سے اٹھتی خوشبو کتنی خطرناک ہوتی ہے اس بات کا ادراک اسے اب ہو رہا تھا۔ وہ نہیں چاہ رہا تھا کہ ایلاف اس لفظ کے ساتھ اٹھائی جائے جو اس حدیث میں غیر مردوں کے سامنے خوشبو کا استعمال کرنے والی عورتوں کیلئے ہوا ہے۔ اس لیے وہ بات سے ہٹ کر یکسر الٹ بات کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا جو کہ یہ تھا۔

''تم نے بہت تیز پرفیوم لگایا ہے۔ یہ مجھے ڈسٹرب کر رہا ہے۔''

اس سے دو بازوؤں کے فاصلے پر کھڑی ایلاف بالکل مختلف بات سن کر چونکی، اس کی آنکھیں پھیلیں اور ابرو آپس میں مل گئیں۔

''کیا؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے میں تو پرفیوم نہیں لگاتی۔ راحم بھائی مجھے اور انیشہ کو نہیں لگانے دیتے۔ ہاں ہم باڈی مسٹ کا استعمال کر لیتے ہیں لیکن اس کی سمیل اتنی تیز تو نہیں کہ تم تک پہنچے۔'' اس نے اپنے کندھے کے قریب ناک کو کر کے گہرا سانس بھرا۔ ''ہاں صحیح کہا میں نے اس کی سمیل بہت لائٹ ہے۔''

''لیکن مجھ تک پہنچ رہی ہے اور میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں، تم نے بہت تیز خوشبو کا انتخاب کیا ہے نہیں کرنا چاہیے۔''

''ایبک، لیونڈر کی لائٹ سی سمیل ہے، پتا نہیں تم تک کیسے آ رہی ہے۔ تم نے تو مجھے محتاط کر دیا یعنی کہ حد ہے۔'' اس نے موٹا فرکوٹ جو بازو پر لٹک رہا تھا پہنا اور اس کے دونوں سرے پکڑ کر بازو سینے پر باندھ لیے، آنکھیں شاکی تھیں اور چہرہ ستا ہوا۔

''ایسے نہیں دیکھو، میں نے بھی وہ حدیث پڑھی ہوئی ہے۔ شرمندہ کر دیا تم نے مجھے، دور ہو جاؤ تھوڑا شاباش اور دور۔'' وہ اس کے کہتے ہی چند قدم پیچھے ہوا تھا۔ ایبک نے اپنی ابرو کھجائی، سر قدرے جھکا ہوا تھا لیکن آنکھیں اٹھی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر بے تحاشہ بل تھے۔

''میں تمہارا دوست بن سکتا ہوں۔'' اس نے بات وہیں سے جوڑی مگر ایلاف کو فرق نہیں پڑا تھا۔ سبکی سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ ''ہم ہر بات بھی شیئر کر لیا کریں گے، خاص کر وہ باتیں جو میں ادا کو بیان کرنے سے ہچکچاتا ہوں۔ وہ میری بہن ہے نا کبھی کبھی شرم آتی ہے مجھے اس سے۔''

ایلاف نے پھولا ہوا چہرہ سیدھا کیا اور دو قدم آگے آئی۔ وہ دو قدم آگے آئی تھی اور ایبک پیچھے۔

”یعنی کے تم ڈبل پرسنالٹی ہو۔اوہ مائی گاڈ تمہاری گرل فرینڈز ہیں؟“
ایبک اس الزام پر بلبلا اٹھا جھٹ سے نفی میں سر ہلایا۔
”استغفراللہ، اللہ نہ کرے کبھی ایسا ہو۔میرا مطلب وہ نہیں تھا۔“
اس کے انکار پر ایلاف نے آنکھیں میچی۔
”تو پھر کیا تھا؟“
”مطلب لڑکیوں کا چھیڑنا، کبھی کبھی بہت بیباک لڑکیوں سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ جو حرکت کرتی ہیں، ادا کو تو نہیں بتا سکتا نا، مینیجر کو شکایت لگاتا ہوں تو ہنستے ہیں آگے سے، سکول میں ڈین کو کہوں تو وہ قہقہہ لگا جاتے ہیں۔باقی تم جانتی ہو میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ایسے کیا دیکھ رہی ہو، سچ کہہ رہا ہوں۔“ وہ اس کے ہونقوں کی طرح منہ کھولے دیکھنے پر خائف پنے سے کہہ رہا تھا۔ایلاف کی آنکھیں اب بھی حیرت سے پھیلی تھیں۔
”تم کہہ رہے ہو لڑکیاں تمہیں چھیڑتی ہیں رائٹ؟“
وہ اس کی بات کا یقین نہ کرتی اگر اسے جانتی نہ، اس کے بارے میں پتا نہ ہوتا۔وہ لوگ صبح سات بجے اکٹھے ہوتے ہیں اور ساڑھے تین کے قریب سکول سے فری ہوتے ہیں اور یہ ایک دو سال کی بات نہیں ہے وہ سکستھ سٹینڈرسے ایک ساتھ، ایک ہی سکول میں، ایک ہی کلاس میں ہیں اور وہ بھی اتنے لمبے ٹائم تک، اگر ایبک کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بالکل یقین نہ کرتی جبکہ ان کی کافی کلاس فیلوز ایبک پر شرط لگا چکی ہیں مگر وہ تھا کہ پھنسنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔
”میں جھوٹ کیوں بولوں گا، وہ بھی تم سے؟“ پھولا چہرہ، پھولی آواز۔
وہ ہنس دی پھر سر جھٹک کر بولی۔”چلو اب میں ہوں نا تمہارے ساتھ، کسی کی اتنی جرأت کہ وہ اس جرأت کی ہمت بھی کر لے۔“ وہ اسے دیکھتا رہا کئی لمحے، کئی ساعتیں۔

”پوچھوگی نہیں تمہارے ساتھ اتنی جلدی دوستی پر کیوں آمادہ ہوا۔“
اس سوال پر ایلاف کی ہنسی تھمی۔
”کیوں؟“
وہ پھر اسے دیکھتا رہا، امارت سی سجی ہوئی وہ لڑکی جس کے چہرے پر نوعمری کی چمک تھی اور آنکھوں میں بے فکری، اشتیاق بھرے انداز میں اسے تک رہی تھی۔ ایبک نے شانے اچکا دیے۔
”پتا نہیں۔“
لفظوں کے نکلتے ہی اس کا سیل فون گونج اٹھا۔ چھوٹا بٹنوں والا، ٹوٹا پھوٹا سیل فون وہ جینز کی جیب سے نکال کر آنکھوں کے سامنے کر رہا تھا۔ ایلاف نے سیل پر نگاہ ڈال کر گہرا سانس بھرا۔ یعنی اس نے اب تک کارٹن کو چاک نہیں کیا۔
”ادا کی کال ہے۔ ہاں ادا، اچھا ضروری کام ہے، ہاں ٹھیک ہے آتا ہوں، نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، تھوڑی دیر تک پہنچتا ہوں۔“ فون کو واپس رکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔
”مجھے چلنا ہوگا کہو تو تمہیں چھوڑ دوں۔“
وہ اثبات میں سر ہلاتی اس کے آگے چلنے لگی۔
”بس اسٹیشن تک چھوڑ دو۔“
وہ اونچی ہیل میں آگے چل رہی تھی اور وہ خراماں اس کے پیچھے، پہلے آنے والی بس ایلاف کی تھی جس میں وہ سوار ہوگئی تھی۔ ایبک نے ہاتھ ہلا کر اسے بس گڈ بائے کیا تھا۔ اس کے تقریباً پندرہ منٹ بعد اس کی بس آئی تھی۔ ایبک ایک سیٹ سنبھال کر بیٹھ گیا، کھڑکی سے باہر دیکھتے اس کی آنکھوں میں آسودگی کے دیپ تھے۔ سکون سا تھا جو چھوٹے سے لڑکے کے چھوٹے سے دل میں آن سمایا تھا۔ اس نے گہری سانس لی، ہر چیز خوش نظر آئی یہاں تک کہ

ان کی وہ ٹوٹی پھوٹی بلڈنگ بھی، آج وہ تب گھر پہنچا تھا جب ہر جگہ چہل قدمی تھی ورنہ تو سناٹا ہی اسے ویلکم کیا کرتا تھا۔

''کہو بھئی، ایسی کیا خاص بات ہے جس کیلئے یوں آناً فاناً بلایا مجھے، ویسے ایک بات بتاؤں میری چھٹی ہوئی ہے اور سیلری بھی نہیں کٹے گی۔'' کوٹ کو لٹکاتے ہوئے اس نے شرٹ کے کالر کو درست کیا اور اس کی طرف مڑا جو لب بستہ سی اسے تکے جا رہی تھی۔ ایک نے شانے اچکا دیے۔

''کیا ہوا؟'' پھر اس نے ماما کے کمرے کی طرف نگاہ ڈالی، دروازہ پورا کھلا تھا اور ان کی ماما موم کی مجسمے کی طرح ساکت سی بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ایک نے واپس اپنی نظریں خاموش ادا پر مرکوز کیں۔

''ادا، سب ٹھیک ہے؟'' اب اس کے لہجے میں پریشانی تھی جس کے سبب ادا نے آپس میں پیوست لبوں کو آزاد کیا۔

''تمہیں معلوم ہے سکول میں آئی جائنز فوڈ کمپنی نے تمہیں انعام میں کیا دیا ہے؟'' وہ سوال کر رہی تھی اور ایک بلینک سا نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''نہیں، کونسا انعام؟'' اس نے دماغ پر زور ڈالا پھر اچانک جھماکہ ہونے پر بولا۔ ''اوہ ہاں، کچھ دن پہلے آیا تھا ایک کارٹن مگر ایگزامز کی ٹینشن کی وجہ سے میں نے توجہ نہیں دی، رکو میں ابھی لے کر آتا ہوں پھر دونوں مل کر دیکھتے ہیں ہوسکتا ہے کچھ کام کا ہو۔'' وہ وہیں سے اپنے کمرے کی اور قدم اٹھانے لگا تھا جب ادا کے لفظوں نے اسے تھما دیا۔ اس نے متحیر انداز میں مڑ کر اسے دیکھا۔

''اس میں ایک مہنگا فون اور لیپ ٹاپ ہے۔''

پھر اس نے صوفے پر رکھا اپنا سکارف کھینچا جس کے نیچے سے گرے رنگ کا فون اور لیپ

ٹاپ جھلکا تھا۔ دونوں چیزوں کے لوگو پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں، یقین نہیں آیا کہ یہ اس نے جیتا ہے۔ لاکھوں روپوں کا انعام وہ جیت گیا ہے۔ اسے دھچکا لگا۔

''میں بھی ایسی ہی شاکڈ ہوئی تھی اور چاہتی تھی تمہارا یہ ری ایکشن دیکھوں، ایبک، اللہ مہربان ہوا ہے ہم پر۔''

ادا کا سنجیدہ چہرہ مسکان میں ڈھلا ایبک کی تو نظریں ہی ان دونوں چیزوں سے نہیں ہل رہی تھیں۔ اس کے سوکھے لب اور گردن کے اوپر نیچے ہوتی ہڈی بتا رہی تھی کہ وہ کتنا زیادہ صدمے میں ہے، بے یقینی والے صدمے میں۔

''ادا، یہ میری ہی قسمت ہے؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے خوشی سے مغلوب چہرے کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا، پر نا جانے کیوں اس کی مسکراہٹ اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کچھ تھا جو اس چھوٹی لڑکی کو پریشان کر گیا تھا۔ کچھ بہت خاص۔

''یہ تمہاری ہی قسمت ہے۔'' اس نے یقین دلایا پھر سیل فون کا باکس ہاتھ میں تھام کر آگے کو کیا، ایبک وہیں کھڑا رہا، اسے پکڑا نہیں۔

''سیل فون بیچ کر میں تمہارے اکاؤنٹ میں پیسے ڈلوا دوں گا اور لیپ ٹاپ کے پیسوں سے میں تمہاری ہر وہ خواہش پوری کروں گا جو تم مجھ سے کیا کرتی تھیں۔ تم صحیح ہو، اللہ ہم پر مہربان ہوا ہے۔'' وہ ہوش میں آیا تھا، آتے ہی کھنکتی آواز میں بولا، یقین کرنا اب بھی دشوار تھا کہ ایک ایک ڈالر کو بچا کر رکھنے والوں کے پاس اب کئی ہزار ڈالرز آ چکے ہیں۔ وہ پرجوش سا اس کے پاس آ بیٹھا تھا اور اپنے آنے والے دنوں کی پلاننگ کر رہا تھا، اس بات کو بھلا کر کہ سب سے بڑا پلانر تو اللہ ہے جس نے جو لکھ دیا وہ ہونا ہے، اس کے علاوہ ذرا ایک کیڑا بھی تو رینگ کر دکھائے۔

''فون نہیں بیچو، اپنے استعمال میں لاؤ۔''

ایبک نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہرگز نہیں، میں وہی کروں گا جو میں کہہ چکا ہوں۔ ہم دونوں ماما کے ساتھ پکنک پر بھی جائیں گے فیملی پکنک پر، کتنا مزا آئے گا نا ادا۔'' وہ جوش میں بولے جارہا تھا۔ اس کی خوشی آسمان تک جا پہنچی تھی۔ ادا لب بستہ سی اپنے بھائی کو دیکھتی رہی جو بولنا شروع ہوا تھا تو بولتا ہی چلا گیا۔ اس کے پلانز، اس کی باتیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

قطرہ قطرہ رات بیت رہی تھی، اس کے ساتھ ہی ایبک کی خوشی اور ادا کے دل کی اداسی بڑھتی چلی جارہی تھی۔ سکریپ بک کا آخری صفحہ ادا کے بیڈ پر کھلا ہوا پڑا تھا جس میں واضح لکھا تھا۔

''زندگی یا موت۔''

☆......☆......☆

سکول بند ہوگیا تھا۔ ڈیڑھ ماہ کی انہیں چھٹیاں ملی تھیں جن میں وہ تینوں بہن بھائی پاکستان جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ تینوں اس لیے کیونکہ اب راحم یونیورسٹی میں ہوتا تھا۔ غیر معمولی ذہانت کا حامل ایک پاکستانی لڑکا وہاں اپنی دھاک بٹھا چکا تھا۔ وہ ایک سائنٹسٹ بننا چاہتا تھا۔ اس کی ذہانت اور اس شعبہ سے محبت اس بات کی اجازت اسے دیتی تھی کہ وہ یہ بن جائے۔ سکول کی جانب سے وہ لوگ مختلف پراجیکٹس میں مختلف سائنسدانوں سے ملاقات کرتے تھے مگر یونیورسٹی آکر وہ باقاعدہ طور پر ایز امپلائے بھی ان کے انڈر میں رہتے تھے۔ یہی بات تھی کہ راحم دن بہ دن پالش ہوتا جارہا تھا۔ اس کے پراجیکٹس قابل دید ہوتے تھے۔ ان کو کلاس کے سامنے بیان کرنے کا انداز دلچسپ۔

''میری نگاہیں تمہیں وقت کے مشہور سائنٹسٹس میں دیکھ رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے نیوکلیئر

کی دنیا میں تم تباہی مچا دو گے۔" ہونلڈ جس کے آج کل خاصے چرچے تھے اس کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ تین دن قبل رات میں اپنی بہنوں کی خیریت معلوم کرنے گیا تھا اور اس کے بعد رات میں ہی واپس ٹرین میں بیٹھ گیا تھا کہ صبح اسے ہر حال میں اپنی کلاس لینی تھی۔ وہ کوئی کلاس بھی مس نہیں کرتا تھا حالانکہ اس کا گھر جانے کا بہت دل تھا مگر اس نے فیصلہ کیا تھا وہ ایسا نہیں کرے گا۔ وہ اپنی کلاسز مس کر کے اپنے آپ کو پیچھے نہیں کرے گا۔ یونی ٹائم آف ہو گیا تھا۔ شرٹ کے اوپر سفید اوور آل پہنے وہ کلاس سے باہر آنے والا پہلا سٹوڈنٹ تھا۔ وہ کلاس سے پہلے اس لیے باہر آیا تھا کیونکہ اس کا فون جینز کی جیب میں گھوں گھوں کرنا شروع ہو چکا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے لگا اسے یہ کال لینی چاہیے، اس لیے وہ فوراً باہر آیا اور فون نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا۔ انجانا نمبر اف۔۔ گہرا سانس بھر کر اس نے فون کان سے لگایا تھا۔

"راحم! میں ادا ہوں۔" اس کے بولنے سے پہلے ہی وہ چھوٹتے ہی بولی کہ مبادا پچھلی بار والا واقعہ پھر سے نہ ہو جائے وہ اسے پھر سے کوئی اور نہ سمجھ لے۔

"ادا۔" خوشگواریت کی لہر اس کے پورے وجود میں اٹھی، کلاس سے کچھ کچھ سٹوڈنٹس باہر آ رہے تھے۔ وہ دیوار پر بنی آئن سٹائن کی بڑی ساری تصویر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیسی ہو، بہت خوشی ہوئی تم نے مجھے یاد کیا۔"

آتی جاتی لڑکیاں اسے بائے کہتی گزر رہی تھیں۔ ایک دو تو وہ تھیں جو اسے بوائے فرینڈ بننے کی آفر کر چکی تھیں مگر وہ مسکرا کر انہیں ٹال گیا تھا۔ کیوں، کیونکہ وہ جان گیا تھا ادا کیلئے جو اس کی فیلنگز ہیں وہ کوئی معمولی نہیں ہیں۔

وہ اس سے محبت کرتا ہے تو بس کرتا ہے۔

وہ اس کے بنا نہیں رہ سکتا بالکل بھی نہیں۔

وہ اس سے شادی کرے گا ہاں وہ ایسا ہی کرے گا۔

عمر سے کچھ فرق نہیں پڑتا وہ ابھی سے کمانے لگ گیا ہے۔ادا کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہے۔

اس کے ڈیڈ منع کریں گے ٹھیک ہے کر دیں وہ انتظار کر لے گا مگر انہیں منا کر ہی رہے گا۔

ایک انکار کرے گا کوئی نہیں، وہ اسے اس بات پر قائل کر دے گا کہ وہی اس کی بہن کیلئے اچھی چوائس ہے اور وہ ہے۔

ادا ردکرے گی کچھ نہیں ہوتا وہ جب تیس کا ہوگا اور وہ ستائیس کی، وہ تب تک اس کا انتظار کرے گا اور اسے یقین ہے اس وقت وہ انکار نہیں کرے گی۔وہ عمر شادی کیلئے یقیناً بہترین عمر ہوگی لیکن اس سے پہلے وہ ابھی بات کرے گا۔وہ آج کل میں ہی اسے پرپوز کرے گا، اس چیز کا اس نے دماغ بنا لیا تھا۔

''سنا ہے آپ سب پاکستان جا رہے ہیں۔'' وہ تمہید باندھ رہی تھی اس بات کا ادراک راحم کو نہیں ہوا کیونکہ اس پر خوش فہمی کا حملہ جو ہو چکا تھا۔

''میں نہیں جا رہا، باقی سب جا رہے ہیں۔کوئی قباحت ہے اگر میں چلا گیا تو؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔'' وہ اچانک بولی پھر خاموشی کی چادر اوڑھی۔

''یعنی؟'' وہ خوش ہو رہا تھا اس کے لبوں پر مسکان اور آنکھوں میں دیے جل رہے تھے۔ وہ اس کے بولنے کا منتظر ہوا۔انتظار نے طوالت پکڑی، بھرپور جوانی کو چھوتا اس کا دل یک لخت ہی بے صبرا ہوا، اگر ادا نہ بولی تو دل کہہ رہا تھا وہ چیخ اٹھے گا اور اسے سب بتا دے گا سب کچھ جو کئی سالوں سے اس کے اندر ہے۔اس کیلئے ہے۔

''مجھے۔'' اس کی آواز روہانسی ہوئی، راحم نے دیوار کا سہارا چھوڑا تھا۔''مجھے کچھ کہنا۔۔۔

ہے آپ سے۔"

"ادا! تم رو رہی ہو، کیا ہوا ہے؟" خوشی، آسودگی، طمانیت حتیٰ کہ خوبصورت احساس کے جتنے بھی نام تھے منٹوں میں ہوا کے سپرد ہوئے۔ ادا کے آنسو اس کے صبیح چہرے پر پہلی بار بل لے آئے، آنکھوں میں تفکر اور سانس میں تھوڑی تیزی۔

"ادا! پلیز بولو دل، دل گھبرا رہا ہے میرا۔"

اس کے رونے کی آواز سپیکر میں گونج رہی تھی۔ راحم نے فیصلہ کیا، اسے اس کے پاس ہونا چاہیے، غلط فیصلہ کیا اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا بالکل بھی نہیں۔

"راحم۔" وہ روتے ہوئے معصوم لہجے میں اس کا نام لے گئی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کے اونچے ستونوں کو کراس کرتے راحم کے قدم اپنے نام کی اس طرح کی پکار پر سست پڑ گئے۔ اتنے سست کہ مانو ان میں جان ہی نہ رہی ہو۔

"میں نے کچھ دیکھا ہے راحم، کچھ وہ جو نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ اس کا تعلق۔۔۔" وہ روتی، لرزتی، ٹوٹی آواز میں بول رہی تھی۔

کہا تھا نا، نظر کی بات تھی یہ کہانی نظر پر ہی مشتمل تھی۔

راحم نے جھٹ سے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم پریشان نہیں ہو، میں آرہا ہوں آکر بات کرتے ہیں۔" اس کی بات یکدم ہی کسی نے درمیان میں قطع کی تھی وہ کوئی اور نہیں ایبک تھا۔

"پریشان کرنے کیلئے معذرت مگر آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل کچھ دن قبل ادا نے سٹریٹ کرائم ہوتے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے وہ پریشان ہے اور ہر اس انسان کو کال کر کے بتا رہی ہے جس کے ساتھ اس کا کانٹیکٹ رہ چکا ہے۔ آپ جانتے تو ہیں بہت چھوٹے

دل کی ہے یہ۔“

راحم کی فکرتا ہنوز برقرار تھی۔اس کا دل ابھی بھی نہیں سنبھلا تھا۔

”یہ تو اور بھی تفکر کی بات ہے، اگر انہوں نے ادا کو شناخت کر لیا تو۔“

”ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ادا نے انہیں اپنے سٹور کے سی سی ٹی وی کیمرہ میں دیکھا ہے۔“

اب راحم کی جان میں جان آئی تھی۔اس کی اگلی کلاس دس منٹ بعد شروع ہونے والی تھی۔وہ تقریباً ڈیپارٹمنٹ سے باہر نکل چکا تھا۔

”اچھا، یعنی یہ بات ہے۔“ اس نے توقف لیا۔”تم نے اسے سائیکاٹرسٹ کو چیک کروایا۔“

”میں کروا رہا ہوں، آپ جانتے ہیں ادا کیلئے میں کتنا کانشس ہوں پھر سے کہہ رہا ہوں پریشان نہیں ہوں، ویک اینڈ پر آجایئے گا ادا مل لے گی آپ سے۔“ کہتے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کیا اور رخ اپنی بہن کی طرف کر دیا جو سرخ ناک کے ساتھ مسلسل روئے چلی جا رہی تھی۔اس نے آگے بڑھ کر اسے شانے سے لگایا۔

”ہم یہاں سے چلے جائیں گے، بہت دور، اتنی دور کہ وہ لوگ تم تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔میں جب تک زندہ ہوں تم پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔یہ بات تم جانتی ہو۔“ اسے خود میں چھپائے وہ سرخ آنکھوں سے کہہ رہا تھا۔ہفتہ بھر پہلے کی وہ صبح اس کی آنکھوں میں آن بسی تھی جس میں وہ دونوں بہت خوش تھے۔زبردست ناشتہ اور مسکراہٹ بھرے چہروں کے ساتھ اپنے اپنے کام پر روانہ ہوئے تھے۔یہ پیر کی صبح تھی جب ادا کو ایک اس کے سٹور چھوڑ کر خود ڈے شفٹ کیلئے نکل کھڑا ہوا تھا۔وہ بس سٹیشن پر موجود تھا۔ایک کار اس کے پاس آکر رکی۔

”آپ کی رائیڈ حاضر ہے سر۔“ نیلے شیشے فولڈ ہوئے اور ایک سر باہر نکلا، کہنے والی کی

آنکھوں پر نیلے ہی گول گاگلز لگے ہوئے تھے۔ ایک کو خوشگوار حیرت نے آن گھیرا، خیر آج تو کچھ بھی ہوتا اس کا، اسی طرح کاری ایکشن ہونا تھا کیونکہ وہ خوش جو بہت تھا۔

”ارے، تم یہاں کیسے؟“

وہ نزدیک آیا اور جھک کر دریافت کرنے لگا۔

”کیا سر، آپ نے ہی تو رائیڈ منگوائی تھی بھول گئے۔“

وہ ہنس دیا۔ ایلاف اس کے ہنسنے پر مبہوت ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار تھا کہ وہ ہنس رہا تھا یا شاید اس کے سامنے ہنس رہا تھا۔ عام سی گرے جینز اور گرم ہی گرے شرٹ کو خود پر چڑھائے اس کی کار میں آ کر بیٹھا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اور اب سیٹ بیلٹ باندھ رہا تھا۔

”صبح صبح موڈ اچھا ہے تمہارا، سکول میں کیوں سڑے ہوئے گھومتے تھے۔“

وہ اس کی بات پر ایک بار پھر سے قہقہہ لگا گیا تھا۔ نیویارک کی سڑکیں آج گیلی نہیں تھیں کیونکہ آج وہاں دھوپ کا راج تھا۔ سنہری چمکتی ہوئی کرنیں کسی حسین دوشیزہ کے بالوں کی لٹوں کی مانند پورے عالم میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک لٹ تو ایک کی گردن پر بھی پڑ رہی تھی۔ چمکتی ہوئی شعاع بہت حسین تھی۔

”سکول میں سڑا ہوا اس لیے گھومتا تھا تاکہ لڑکیاں مجھ سے دور رہیں۔“ تاکہ کے بعد والی لائن اس نے قدرے جھک کر سرگوشی میں کہی تھی۔ ایلاف نے ابرو اچکائی۔

”اوہ یعنی خود کو ٹام کروز سمجھتے ہو تم۔“ وہ دونوں بھنوؤں کو اچکائے متحیر سی پوچھ رہی تھی۔

”ہرگز نہیں، میں خود کو ایک ہی سمجھتا ہوں جو ابھی فقط ساڑھے سترہ سال سے اوپر کا ہے۔ ویسے تمہیں پتا ہے کچھ ماہ بعد میری سالگرہ آنے والی ہے اور اس بار مجھے پورا یقین ہے۔ ماما اور دادا کے علاوہ تم بھی میری کیک کٹنگ سرمنی میں شامل ہو گی، یاد رکھنا ہمارا ایک ایک کپ

کیک پر مشتمل ہوتا ہے۔"

وہ مسکرائی، بالکل ایسے جیسے آج پورا نیو یارک مسکرا رہا تھا۔

"دو فروری یاد ہے مجھے۔" وہ جتا رہی تھی کہ اسے اس کی سالگرہ کی تاریخ یاد ہے مگر ایبک نے اس بات کو خود پر سوار نہیں کیا۔ اگر وہ کر لے گا تو باغی دل مزید بغاوت پر اتر آئے گا۔ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ ایلاف کا لائف اسٹائل اس کی کار، ڈیبٹ اور کریڈٹ کارڈز اسے بہت پہلے ہی باور کروا چکے تھے کہ وہ دونوں مختلف دنیاؤں کے باسی ہیں۔ کبھی ایک دوسرے کی دنیا میں ایڈجسٹ نہیں کر سکیں گے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" وہ اس کے یوں اچانک گم ہونے پر استفسار کر اٹھی تھی۔ ایبک نے ونڈ سکرین پر ہی نظر رکھی۔ سگنل آ گیا تھا، کار رک گئی تھی۔

"ہوں کچھ نہیں، یہ راستہ مختلف ہے مجھے تو رائٹ سائیڈ پر جانا تھا۔" وہ جھک کر جگہ ٹٹول رہا تھا۔ "ہاں بالکل ٹھیک یہ راستہ سٹور کی طرف نہیں جاتا، ایلاف، کار موڑ لو میرا آج پہلا دن ہے اور مجھے وقت پر پہنچنا ہے۔"

سگنل کھل گیا تھا اس نے کار نہیں موڑی۔

"سوری ایبک لیکن ہم ابھی وہاں نہیں جا رہے ہے کیونکہ پہلے ہم اچھا سا بریک فاسٹ کریں گے، اس کے بعد سوچیں گے۔"

بریک فاسٹ نام پر ایبک کو یک لخت اپنا تین چار ڈالرز سے بھرا والٹ یاد آیا جو اس کی جیکٹ کی اندرونی جیب میں تھا۔ وہ ایک دم پھیکا سا ہوا۔ اسے پہلے لیپ ٹاپ اور فون کو بیچنا چاہیے تھا، اگر وہ ایسا کر لیتا تو یہ سبکی نہیں اٹھانی پڑتی۔

"لیکن میں ادا کے ساتھ کر چکا ہوں بالکل بھی گنجائش نہیں ہے اور آج پہلا دن ہے، مجھے

وقت پر پہنچنا چاہیے۔" اس کے تردد کی اصل وجہ ایلاف کو معلوم تھی اور وہ اسے اگنور کر رہی تھی۔

"یوں بھی ایک لیپ ٹاپ اور فون کو بھی سیل کرنا ہے مجھے، اگر میں ٹائم سے نہ پہنچا تو چھٹی وقت پر نہیں ملے گی پھر میں یہ کام نہیں کر پاؤں گا۔"

فون اور لیپ ٹاپ پر ایلاف نے کار کی سپیڈ کم کی، نظریں گھما کر اسے دیکھا۔

"سیل فون اور لیپ ٹاپ؟"

"ہاں میں نے جیتا تھا۔"

اور یہ بات تو ایلاف ہی جانتی تھی اس نے کیسے اسے جیتا تھا۔ نمبروں میں تھوڑی ردوبدل کر کے اس نے وہ انعام ایبک کے کھاتے میں ڈال دیا تھا مگر پھر ضمیر نے ملامت کی تھی کہ وہ چیٹنگ کر رہی ہے، کسی اور کا حق ایبک کو دلا رہی ہے اس لیے اس نے نمبروں کو واپس برابر کیا۔ آن لائن فون اور لیپ ٹاپ خرید کر اس پر کمپنی کا لوگو لگوایا اور ایبک کے ہاں پارسل کروا دیا۔ وہ دونوں چیزیں اس نے اس کیلئے دل سے لی تھیں اور اب وہ ان دونوں کو ہی بیچنے کی بات کر رہا تھا، کیوں؟

"تم انہیں استعمال بھی کر سکتے ہو۔" سرسری سا کہا، لہجے کا بوجھل پن چھپانے کی ناکام سعی۔

"بالکل کروں گا لیکن تب جب میں انہیں خود خریدوں گا اور ایم ڈیم شیور کہ وہ دن دور نہیں ہیں۔"

کار ایک اٹالین ریسٹورنٹ کے آگے آ کر رکی۔ ایبک نے گہری سانس لی تھی یعنی وہ نہیں سنے گی۔ وہ دونوں آگے پیچھے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے۔ ایبک نے اس کیلئے کرسی کھینچی، مرر وال سے ایلاف اس پر بیٹھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ جامنی کرش سکرٹ، کھلی شاکنگ پنک کرش شرٹ جس کے گلے پر چوڑے ربن کی بو بنی ہوئی تھی اور پتلے مگر گرم جامنی شرٹ

کے ساتھ وہ بہت کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔ گرے جینز اور گول گلے والی گرم گرے شرٹ کے ساتھ اس نے کوئی جیکٹ یا کوٹ نہیں پہنا تھا۔ وہ اپنی کرسی کو کھینچ کر اس پر بیٹھ رہا تھا۔ نظریں مینو کارڈ پر گئیں تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ یہ مینو افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے والٹ میں موجود پیسے فقط ایک چیز لینے کی اجازت دیتے تھے، وہ بھی تب جب چارجز الاوڈ نہ ہوں اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ کسی فائیو سٹار ہوٹل میں چارجز نہ لگیں۔ ہم۔

"سٹوڈنٹ ڈیل کیلئے ہم آپ دونوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کو آج فری بریک فاسٹ مہیا کیا جائے گا۔ براہ کرم آپ دونوں اپنا سٹوڈنٹ کارڈ دکھا دیں۔" سیاہ یونیفارم پہنے وہ ویٹر تھا جس کے منہ پر خوبصورت مسکراہٹ کھلی تھی۔ اس کی یونیفارم موٹے سیاہ کپڑے کی تھی جس کی پینٹ کھلی تھی اور شرٹ بین گلے والی اور قدرے لمبی تھی۔ موٹے موٹے سفید بٹن جس پر سیدھ میں لگے ہوئے تھے۔ ایبک نے اچنبھے سے اس ویٹر کو دیکھا پھر لبوں کو ہلایا۔

"سٹوڈنٹ ڈیل؟"

"جی سر، سٹوڈنٹ ڈیل، ہمارا یہ ریسٹورنٹ ہر ویک سٹوڈنٹ ڈیل آفر کرتا ہے جس میں آپ کو اپنا سٹوڈنٹ کارڈ دکھا کر فری کھانا آرڈر کرنا ہوتا ہے۔ آپ اپنا سٹوڈنٹ کارڈ سکین کروائیں گے اس کے بعد ہماری ویب سائٹ پر جا کر ہمارے ریسٹورنٹ کو ریٹنگ دیں گے۔ آپ کی ریٹنگ ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

وہ اس کا کارڈ لے کر سکین کر رہا تھا اور جو بھی پروسیجر کہا تھا وہ کر کے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا بریک فاسٹ آ گیا۔ وہ سٹیم موموز، ریڈ چلی ساسجز، ابلے ہوئے انڈوں، بیکڈ آلوؤں اور بلو بیری بریڈ، ساتھ شہد پر مشتمل تھا۔ ایبک کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب فری ہے حتیٰ کہ چارجز بھی نہیں ہیں زبردست۔

"ایبک۔" وہ فورک کی مدد سے نوالے کو منہ میں ڈالتے ہوئے اسے پکار رہی تھی جو موموز کی بائٹ لے رہا تھا۔اپنے نام کی پکار پر نظریں اٹھائیں۔

"ہم۔"

"تمہیں پتا ہے دس دنوں بعد ہم لوگ پاکستان چلے جائیں گے پھر چھٹیوں تک وہیں رہیں گے۔"

وہ نوالے کو چباتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔اسے یہ بات ادا سے معلوم ہوئی تھی اور اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، کیا پڑنا چاہیے تھا؟

"جانتا ہوں، تم لوگ خوب مزے کرو گے وہاں۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا مگر ایلاف کی اگلی بات پر تھم گیا۔

"تمہیں یاد کروں گی وہاں، تم اچھے ہو۔"

نوالہ بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اترا تھا۔

"کیا تم کرو گے؟"

وہ ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔دل کی دھڑکن واضح سنائی دے رہی تھی۔

"میں۔" اس نے لفظ ادا کیا پھر رک گیا۔

"ہاں تم۔۔۔۔ایبک۔" ایلاف نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔وہ اس کا ہاتھ تھامنا چاہتی تھی مگر پھر رک گئی، بس کلائی سے اس کی شرٹ کو پکڑ کر اس کے کھردرے پن کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔"نہیں جانتی کب سے مگر تم۔" اس نے خود کو روکا، آنکھیں اوپر اٹھائیں۔وہ آخری نوالہ تھا جو اس نے پانچ منٹ بعد لیا تھا۔اس کے بعد تو ہمت ہی نہیں ہوئی تھی یا پھر یہ موضوع گفتگو تھا جو اسے روکے ہوئے تھا۔

”تم بہت اچھے لگنے لگے ہو مجھے، اتنے زیادہ کہ شاید مجھے تم سے میرا مطلب ہے کہ میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوگئی ہوں۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر۔“ وہ اس کی شرٹ کو تھامے مسلسل اس پر انگوٹھا پھیر رہی تھی۔ ایک لحظہ کو اس کی شہادت کی انگلی کا ناخن ایبک کی کلائی سے مس ہوا تھا۔ وہ گھبرا گیا۔ اسے روکنا چاہتا تھا بولنے سے، اس کے شرٹ کو تھامنے سے، اسے اس طرح سے خود کو دیکھنے سے مگر پتا نہیں ایسا کیا تھا کہ وہ خود کو بولنے پر آمادہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے بولنے سے روک نہیں پا رہا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ بولتی جائے اور وہ اسے سنتا جائے، بس۔

”خود بخود ہی تم دل میں آگئے، پلیز مجھے غلط مت سمجھنا۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے بٹ آئی لو یو۔۔ ڈو یو؟“

اور یہ بھی خود ہی ہوا تھا کہ وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔ نا چاہتے ہوئے بھی، نا جانتے ہوئے بھی مگر وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

”ڈو یو لو می؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ وہ لڑکی جو بہت عرصے پہلے ہی چپکے سے اس کے دل میں آن بسی تھی۔ وہ چاہے جتنا تردد کرتا جتنا انکار کرتا۔ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے پسند کرنے لگا ہے، اتنا زیادہ کہ بس اب اسی کی چاہ ہے اور رہے گی تا حیات تک۔

”بولو۔“

”ہاں۔“ اس نے یکدم کہا پھر جیسے فیصلہ کر لیا۔

”کہنا نہیں چاہتا تھا، آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا اپنی فیلنگز کو مگر لیس آئی لو یو محبت کرنے لگا ہوں تم سے، شادی کرنا چاہتا ہوں اور کروں۔“ ایلاف نے یکدم اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

”شادی؟“ اس کی آواز بدلی تھی، انداز بدلا تھا۔ سماں بدلا تھا اور شاید وہ بھی۔۔ ایبک کی

حیرت عود کر آئی، دل نے صدا لگائی۔ ”یہ کیا؟“

”شادی کرنا چاہتے ہو تم مجھ سے؟“

اس کی اونچی آواز پر ایبک نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی آواز کی چیخ اونچی کیوں ہو گئی ہے یہ خوشی سے یا پھر حیرت سے؟

”کہو نا پلیز سننا ہے مجھے۔“ وہ بے چین ہوئی۔

”ظاہر ہے محبت کی ہے تو شادی بھی تو پھر۔“ وہ تھم گیا، اس کا دل تھم گیا، سانس حلق میں اٹک گیا۔ یہ ایلاف کو کیا ہوا تھا، وہ یوں پاگلوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ مار کر کیوں ہنسنے لگی تھی بلکہ وہ کیوں آس پاس کے لوگ بھی کیوں ہنسنے لگے تھے۔ اس نے اطراف میں نظر دوڑائی اور دھک سے رہ گیا۔ وہ کوئی انجان لوگ نہیں تھے بلکہ آدھے سے زیادہ سکول وہاں اکٹھا تھا۔ اس کی ویڈیوز بن رہی تھیں، اس پر ہنسا جا رہا تھا۔ مذاق اڑایا جا رہا تھا اور اسے لائیو دکھایا جا رہا تھا۔

”فنکی ویک، پرینک ویک۔“

اس نے نمی کی پرت سے بجی آنکھیں واپس ایلاف کے چہرے پر ڈالیں جو زیادہ ہنسنے کے سبب سرخ ہو چکا تھا۔ مطلب اتنے عرصے سے جو اس کے ساتھ کیا جا رہا تھا وہ فقط اس لیے کیا جا رہا تھا کہ چھٹیوں کے پہلے ہفتے نشر کیے جانے والا ہٹ پلے بن سکے۔ سال کا سب سے بڑا پرینک ہو سکے۔ ایبک کی محتاطی کہیں دور جا کر دبک گئی تھی۔ وہ سب نصیحتیں، عنایتیں، دوستی کی آفر، چھپ چھپ کر دیکھنا، دل سے کھیلنا فقط اس لیے تا کہ فنکی ویک کے بیسٹ پلے کا ایوارڈ وہ جیت سکے فقط اس لیے؟

”شادی اور وہ بھی تم، وہ بھی مجھ سے، دیکھا ہے خود کو کبھی فرصت سے ہاں؟“

ہتک، تکلیف، بے بسی، کیا کچھ نہیں درج تھا ایبک کے چہرے پر، سٹوڈنٹس کی ہوٹنگ ان

کے جملے کان پھاڑ رہے تھے، کان کیوں وہ تو دل بھی پھاڑ رہے تھے۔

''اس ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے اور مجھ سے شادی کرو گے کتنا مضحکہ خیز جملہ ہے یہ آج کی صدی کا کہ ایک سلطان ایلاف غفور سے شادی کرے گا۔'' وہ آخر میں ہنس پڑی تھی۔ کاش وہ نہ ہنستی بلکہ اے کاش وہ یہ جملہ ہی استعمال نہ کرتی جو وہ اس کیلئے کر چکی تھی۔

''کیا ایک، میں نے تم پر کتنا ٹرائے کیا میرے ساتھ فکس ہو جاتے کم از کم ہتک تو نہ اٹھانی پڑتی۔'' اس کی ایک کلاس فیلو قہقہے لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ایبک کا دل ٹوٹ گیا بلکہ دیکھو وہ تو کرچی کرچی ہو گیا۔ اس کے ٹکڑے ہر جانب ہی تو بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا، بھینچے ہوئے لب اور نم آنکھیں اس پر ڈالیں جو اس سال کے پرینک ویک کی ونر تھی۔ دی ایلاف غفور، پر وہ اسے کہاں دیکھ رہی تھی۔ وہ تو ہنستے ہوئے مسرور سی اپنی دوستوں کے جملے سن رہی تھی۔ اپنے چینل کی بڑھتی ہوئی ریٹنگ پر آسودہ تھی۔ ایبک نے کچھ نہیں کہا، کچھ کہنے کو بچا ہی نہیں تھا۔ اس نے خاموشی سے کرسی کو پیچھے سرکایا اور جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا مگر اپنے پیچھے بہت سا مذاق، دل خراش قہقہہ اور دل کاٹ جملے چھوڑتا ہوا۔

وہ ہمیشہ کیلئے چلا گیا تھا۔ کون جانتا تھا کہ آج کے بعد وہ لوگ کبھی ایبک سلطان کو نہیں دیکھیں گے، کبھی بھی نہیں۔ جان جاتے تو شاید یہ نہ کرتے۔ کبھی بھی نہ۔

☆......☆......☆

''میں ادا پر ٹرائے کرنا چاہتا ہوں۔''

اسی صبح کی شام میں وہ چاروں اپنی مخصوص جگہ پر تھے۔ ہر ایک کے ساتھ اس کی گرل فرینڈ موجود تھی پھر بھی ڈینس یہ خواہش ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بے خوف جو تھا۔

''چھوڑو اسے تم کسی اور لڑکی پر نظر ڈالو، وہ فرینک کی گرل فرینڈ آج کل بہت گھور گھور کر تمہیں دیکھتی ہے۔'' یہ وکرم تھا جس کی خود ادا پر نظر تھی مگر وہ تھی کہ ہاتھ آ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

''اس میں وہ چارم کہاں جو ادا کی آنکھوں میں ہے۔'' ڈینس نے ایک پیگ بنایا تھا۔ وہ سب پول سائیڈ پر تھے جہاں پانی ان پر اپنا عکس ڈال رہا تھا۔ ان چاروں کی گرل فرینڈز اس وقت پول کے پانی سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

''اس کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں ہے فقط خوف کے۔'' وکرم نے بظاہر چڑ کر کہا لیکن ہاں وہ ڈینس کی دلچسپی سے اپنا پہلو ضرور بدل رہا تھا۔ وہ بے آرام ہوا۔

''یہ خوف ہی ہے جو طلب کو بڑھاتا ہے۔'' ڈینس نے اپنی شاطر آنکھوں سے اسے گھور کر دیکھا۔ ''ویسے خیر ہے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔''

وکرم اس کی عقاب سی نظروں سے واقف تھا اس لیے ہنسا پھر سر جھٹک کر بولا۔

''میں تو ٹھیک ہوں انفیکٹ تم ادا پر پاگل ہو چکے ہو، لگتا تو ایسا ہی ہے مجھے۔''

ڈبن نے ان دونوں کی بات قطع کی اور وہ بتایا جس کو سن کر ثمر کے ماتھے پر بل پڑ چکے تھے۔

''گائز دیکھا تم نے، ثمر کی بہن نے ایبک کو کس طرح الو بنایا ہے دیکھو۔'' وہ اپنا سیل فون آگے کر کے ویڈیو دکھا رہا تھا۔ ثمر کا جبڑا بھینچا۔

''میں نے ہزار بار کہا ہے میری بہنوں کے نام تم لوگوں کے لبوں پر نہیں آنے چاہئیں، بالکل اسی طرح جس طرح میں تم لوگوں کی بہنوں کے نام نہیں لیتا۔''

اس کی غراہٹ پر ڈینس نے ابرو اچکائے۔

''برو میں تو اجازت دے چکا ہوں تم چاہو تو میری بہن کو اپنا بوائے فرینڈ بنا سکتے ہو یوں بھی وہ بارہا مجھے اس بارے میں تم سے بات کرنے کا کہہ چکی ہے۔''

ڈینس اپنی بات مکمل کر کے وکرم کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسا تھا مگر ثمر نے ایسا نہیں کیا، وہ خاموش پر خطر نظروں سے اسے گھورے گیا۔ یہ اس کی گھوری کا ہی اثر تھا کہ ڈینس کی ہنسی کو بریک لگی۔ ان کے گروپ کے یہ دو ہی تو تھے جو سب پر اپنی چلاتے تھے جن سے قدرے ڈر بھی لگتا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے برو، چل کر و مذاق کر رہا ہوں میں، تمہاری بہنیں ہماری بہنیں ہیں۔''

''ایسا ہی ہونا چاہیے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔'' خاموش نظریں زہر میں بجھے الفاظ۔

''ہاں ہاں سمجھ گئے، موڈ کو سپائل نہیں کرو یہ بتاؤ گرینا کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ تم نے آج کا وقت دیا تھا اور اس نے جواب نہیں دیا۔''

وکرم نے موقع پر بات کو سنبھال لیا تھا ورنہ واثق امید تھی کہ ڈینس اور اس کے درمیان تلخ کلامی مڈبھیڑ میں بدل جاتی۔

''فون کروں گا اسے، دھتکارے گی تو اٹھا لیں گے۔''

ڈینس پر جوش ہوا، اغوا کرنا مانو اس کا ہر دل عزیز کام بن گیا تھا۔ وہ تھوڑا سا سائیکو سا تھا۔ ٹارچر کرنے میں اسے مزا آتا تھا۔ اس طرح کی چیزیں یوں بھی آج کل اس کی ہر دل عزیز تھیں۔

''یہ ہوئی نا بات ڈوڈ۔'' ڈینس اس کا شانہ تھپک کر داد دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ کتاب تھی جو اب بھی ادا کے پاس تھی۔ سٹور کے کاؤنٹر پر کھلی ہوئی جس پر واضح لکھا تھا۔

''انتخاب تمہارا ہے زندگی یا موت۔'' یہ کتاب وہ کل سے دو بار دیکھ چکی تھی۔ اس میں موجود خفیہ پیغام بھی جن میں ایک طرف دھمکیاں تھیں تو دوسری جانب خوشحال وقت کے بیٹھے سے پیغام۔ اس وقت جو چیز ادا کو پریشان کر رہی تھی وہ، وہ کتاب نہیں تھی بلکہ اس کی کلاس فیلو کے سیل میں چلتی پرینک ویک کی ویڈیو تھی۔ جس کے لائکس بتا چکے تھے کہ ایلاف اس ویک

کی ونر ٹھہری ہے۔ وہ ویڈیو ایک دن پر مشتمل نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے مختلف دنوں کے کلپس تھے جس میں ایبک اور ایلاف ساتھ ساتھ موجود تھے۔

اس کے بھائی کو ٹریپ کیا گیا۔ اسے پھنسایا گیا۔ اس کا نشانہ بنا کر اسے مذاق کی مثال بنا دیا۔ ادا کے آنسو چھلک پڑے تھے۔ اس کا دل دکھ اٹھا تھا۔ وہ لوگ کبھی بھی اس طرح کا کام نہیں کرتے تھے۔ ہنسانے والے ٹاپکس ہوا کرتے تھے اور معلوماتی بھی، یہ تو دو تین سالوں سے اس طرح کے ٹاپکس پر ویڈیوز بنائی جانے لگی تھیں جن میں کسی کے دل سے کھیل کر اسے توڑا جاتا تھا تو کسی کی غربت کو نشانہ بنایا جاتا تھا۔ کیا یہ آسان تھا کہ آپ کسی انسان کے دل سے کھیلو اور پھر اس پر سارے جگ کی ہنسائی کروا دو، کیا یہ آسان تھا؟

"یہ کیا ہو گیا ڑا لے؟" وہ روہانسی آواز میں استفسار کر رہی تھی۔

"برا ہوا ایبک، یہ سب ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔ اوہ وہ یہاں آ گیا۔ چلو میں چلتی ہوں سنبھال لینا تم سب۔" وہ اپنا سیل فون لے کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ ایبک شکست خوردہ سی چال چلتا اس کے کاؤنٹر کے پاس آیا۔ اس کے قدم مرے مرے سے تھے۔ وہ فوراً سے باہر آئی تھی۔

ایبک اسے دیکھ کر مسکرا دیا، جھوٹی، پھیکی، ٹوٹی، درد بھری مسکان۔

"ایبک۔"

اس نے ادا کے گال پر ہاتھ رکھا پھر سر جھکا دیا۔

"میری غلطی ہے۔" اس کی آواز روہانسی تھی۔ "پہلی بار تم سے اپنی فیلنگز چھپائیں، غلط کیا بتا دیتا تو شاید یہ درد نہ جھیلنا پڑتا۔" ہاتھ اس کے گال سے ہٹا لیا تھا۔ لیڈی آہن آج چھٹی پر تھیں ورنہ وہ ضرور اسے گھر لے جاتی۔

"ایبک، میرے بھائی مت کرو ایسا خود کے ساتھ۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ابل

پڑے۔ ایبک کی یہ حالت وہ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

”اس نے مجھ پر دنیا کو نہیں ہنسایا، اس نے مجھ پر مجھے ہی ہنسا دیا ہے۔ بتا دیا ہے کہ میں کہاں ہوں اور۔“ وہ رو پڑا تھا۔ اس کا صبر والا با ہمت بھائی، وہ جس کی آنکھوں میں شاذ و نادر ہی نمی آتی تھی مگر وہ باہر کبھی نہیں آئی تھی آج باڑ توڑ گئی۔ وہ جو اس کا سر اپنے شانے پر رکھ کر کہتا تھا کہ سارا غبار نکال لو آج اس کے ہاتھ تھامے ان پر سر ٹکائے رو دیا تھا۔

”کوشش کی کہ سٹور پر چلا جاؤں مگر نہیں جا پایا، مجھے تمہاری ضرورت ہے ادا، میرا دل دکھ رہا ہے۔“

آنکھیں اٹھائے وہ موٹے موٹے آنسو نکالتا اس کے شانے سے آ لگا تھا۔ اس کے سکارف میں اپنا منہ چھپائے وہ دل جمعی سے رو دیا۔ ادا اسے یوں ٹوٹتا بکھرتا دیکھ کر دل چھوڑ بیٹھی۔ اس کے آنسو تو کب کے نکل آئے تھے اور اب ہچکیاں بھی لگ گئی تھیں۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ روتے ہوئے اسے تسلی دے رہی تھی۔ اس کے بالوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں سہلاتے ہوئے وہ ایلاف کے بارے میں سوچ رہی تھی جس سے اسے شدید نفرت محسوس ہوئی، جس نے اس کے بھائی کو رلا دیا تھا۔ وہ اپنے بھائی کیلئے اس سے ضرور لڑے گی اس نے سوچ لیا تھا۔

دن ڈھل رہا تھا، دن کے ڈھلنے کے ساتھ ساتھ ایبک کا حوصلہ بھی ڈھلتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

”تم نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک نہیں کیا۔“

ڈھلتے دن کے بعد ظاہر ہے شام ہوتی ہے اور شام کی آخری سانس رات میں زندگی پھونکتی ہے۔ یہ اسی دن کی رات کی بات ہے جب ایلاف نے ایبک کا مذاق بنایا تھا۔ ضد، شرط، غصہ

یہ تین چیزیں تھیں جو اسے ایک سے ہو چلی تھیں۔ ”وہ کسی لڑکی کو نہیں دیکھتا۔“

”اس کی مجال کہ ایلاف کو اگنور کرے، ہنہہ کر ہی نہ دے۔“

”وہ دوستیاں کرنے سے گھبراتا ہے۔“

”دوستی؟ اسے مجھ سے محبت ہو گی اس سال کا پرینک ویک اور فنکی میگزین کا ٹائٹل میرے نام ہو گا۔“

”اس نے تمہیں جھڑک دیا، جھڑک کر آگے چل دیا، کتنا آسان تھا نا اس کیلئے تمہیں اگنور کرنا۔“

”یہ اگنور کرنا اسے بہت کھلے گا، دیکھنا تم۔“

اور پھر یہی باتیں تھیں جس نے ایلاف کو بھٹکا دیا تھا۔ اس نے بہت آسانی سے کسی بھی گلٹ کے بنا ایک چھوٹا سا مذاق کھیلا اور اس کھیل میں کسی کے دل کو توڑ دیا۔ اسے اس بات کا اندازہ نہیں ہوا تھا لیکن بہت جلد ہو گا تب جب وہ سب بھول جائے گی سب حتیٰ کہ خود کو بھی۔

رات گئے دوستوں کے ساتھ پارٹی کر کے وہ جب واپس لوٹی تو انیشہ کے ساتھ ساتھ وہاں ثمر اور راحم بھی موجود تھے۔ وہ تینوں صوفے پر براجمان تھے اور اس کے دروازہ کھول کر اندر آنے پر اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان کی بہن نہ ہو بلکہ کوئی بہت بڑا مجرم ہو، جس نے زبردست جرم سرزد کر دیا ہے اور اس نے کیا تھا۔ وہ مجرم تھی اور جرم اس سے سرزد ہوا تھا۔

”بیٹھو۔“ یہ راحم تھا جس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ اسی طرح کے تاثرات ثمر اور انیشہ کے چہروں پر بھی تھے۔ ایلاف نے اپنا بیگ میز کے پاس زمین پر رکھا اور کوٹ اتارے بنا ہی چھوٹے قدم چلتی بیڈ کی پائنتی پر آ کر ٹک گئی۔

”کیا تم ایلاف ہو، ایلاف غفور۔ جواب بالکل صحیح چاہیے مجھے۔“ راحم کی آواز آج

کھردری تھی۔ باپ کے بعد وہی تھا جس سے محبت کے ساتھ ساتھ وہ تینوں دل سے عزت کرتے تھے اور لحاظ بھی حالانکہ وہ ان سے کافی بڑا نہیں تھا لیکن جو پدرانہ محبت اس نے اپنے بہن بھائیوں پر لٹائی تھی اس نے انہیں اس کا گرویدہ بنا دیا تھا تبھی وہ اس کی ڈانٹ سن لیا کرتے تھے۔ راحم کی ڈانٹ کس نوعیت کی ہے یہ آپ کو اسی کانورسیشن میں پتا چل جائے گا۔

''بھائی۔''

راحم نے قدرے سخت لہجے میں اس کی بات قطع کی۔

''میں نے پوچھا ہے کیا تم ایلاف ہو وہ جس پر ہم سب کو ناز ہے۔''

ایلاف نے تھوڑا سا سر جھکا لیا۔ آنکھوں میں پشیمانی اس سارے عرصے میں پہلی بار آئی۔

''سوری؟'' وہ منمنائی۔

''سوری؟'' سخت اور تیز آواز پر ثمر نے راحم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جسے اس نے جھٹک دیا۔

''سوری برو، تم نہیں روکو مجھے آج، تمہاری شہہ اور لاڈ کی وجہ سے یہ اس حد تک آئی ہے۔ تم نے اسے ڈھیل دی ہے۔ اگر تم اس پر چیک آئی رکھتے تو آج یہ سب نہ ہوتا۔'' ثمر کی طرف منہ کر کے وہ طیش میں بول رہا تھا۔ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا اسے اس طرح دیکھ کر، وہ کبھی غصہ نہیں ہوتا تھا اتنا تو کبھی نہیں۔

''بھائی! وہ صرف ایک مذاق تھا۔''

راحم نے میز پر پڑے لیپ ٹاپ کا رخ جھٹکے سے اس کی طرف کیا جس میں ایبک کا جھکا چہرہ بڑا واضح دکھایا جا رہا تھا۔ غریب ہینڈسم کیپشن تھا اور ایلاف کے بول نیچے خبر کی طرح چل رہے تھے۔ معاملہ بڑھ گیا تھا اس بات کا اسے اب احساس ہوا۔

''وہ صرف مذاق نہیں تھا ایلاف، وہ غرور تھا جو تمہارے لبوں سے نکلا تھا۔ ہم لوگوں کی

پرورش ایسی تو نہیں ہوئی کہ ہم دوسروں کو ڈی گریڈ کریں۔ مجھے بتاؤ ہم خود کیا ہیں۔ جن لوگوں کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان کے سامنے کیا ہیں۔ کبھی غور کیا ہے تم نے؟"

ثمر اور انیشہ ایلاف کو ہی دیکھ رہے تھے جو سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

"وہ غریب ہے تو ہم تیسرے درجے کے شہری مانے جاتے ہیں یہاں۔۔ سنا؟ محسوس کیا اس بات کو؟ حیثیت جانی اس حساب سے اپنی، ہم۔"

"پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا دل بھی ہوتا ہے جو تم توڑ چکی ہو۔"

اس نے فوراً سے سر اٹھا کر راحم کو دیکھا، نظروں کا احتجاج۔

"میں اور ثمر تم دونوں کا لحاظ کر کے کبھی کسی لڑکی کے آس پاس نہیں پھٹکے کہ ہماری بہنوں پر برا اثر پڑے گا۔ وہ ہمیں فالو کریں گی۔ ہمیں محتاط رہنا چاہیے تو پھر تم میں اتنی جرأت کیسے آگئی کہ تم جھوٹی محبت کا کھیل، کھیل کر اسے دنیا کے سامنے بھی لے آئیں، کیسے؟"

ثمر نے اپنی کنپٹی کھجائی تھی، کہیں ایلاف کی اس حرکت کی وجہ سے اس کے بدفطرت دوست اس کی طرف نظر نہ کریں۔ اف ایلاف اف۔

"تم نے آج ہم تینوں کو بہت دکھ دیا ہے ایلاف، یہ ہمیشہ یاد رہے گا۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا بہت زیادہ یہ اس کے لہجے اور اس کی باڈی لینگوج سے پتا چل رہا تھا۔ راحم کے جاتے ہی انیشہ بھی کھڑی ہوئی۔ اسے راحم کے پیچھے جانا تھا اس لیے وہ دروازے کی طرف لپکی مگر جاتے جاتے اسے مزید شرمندہ کروا گئی۔

"تم نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک نہیں کیا، ایم ریلی شاکڈ۔" پھر وہ بھی دروازہ کھول کر وہاں سے چلی گئی۔ کمرے میں اب وہ دونوں بچے تھے۔ راحم سے وہ چھوٹا تھا مگر اس سے بڑا دکھنے لگا تھا شاید اپنی حرکتوں کی وجہ سے۔ انسان کے اعمال اچھے ہوں یا برے چہرے پر اپنی

چھاپ چھوڑ ہی جاتے ہیں۔ چہرہ بتا دیتا ہے کون سا شخص کس طرح سے رہ رہا ہے۔ راحم کا چہرہ بتاتا تھا کہ وہ ہر گناہ سے پاک ہے مگر ثمر اس کے چہرے پر پھیلتی خباثت بتا رہی تھی کہ وہ اپنی حدود سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ وہ حدود جو اللہ نے انسان کیلئے بنا دی ہیں۔ وہ حدود جس میں نجات ہے اور تحفظ بھی۔

''پریشان نہیں ہو میں تمہیں نہیں ڈانٹوں گا۔'' وہ وہاں سے اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھا۔ وہ جو بھی تھا جیسا بھی تھا اپنی بہنوں سے محبت کرتا تھا مگر کہتے ہیں نا عورت کی حس اللہ نے بہت تیز رکھی ہے چاہے وہ بچی ہو یا بڑی، مرد کے وجود سے اٹھتی نیگیٹو وائبز کو فوراً سونگھ لیتی ہے۔ ایلاف نے بھی سونگھ لی تھی۔ وہ جس طرح راحم کے ساتھ بیٹھ سکتی تھی اس طرح ثمر کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ راحم کے وجود سے اسے عزت، انسیت، چاہت احترام، لگاؤ محسوس ہوتا تھا۔ ثمر کے ساتھ بھی وہ یہی سب محسوس کرتی تھی مگر کچھ عرصے تک، اب پتا نہیں کیوں وہ اس کے ساتھ اکیلے ہونے پر گھبراتی تھی۔ اس کی موجودگی اسے ان کمفرٹیبل کر دیتی تھی۔

''مگر ہاں میں بھی تم سے خفا ہوں، راحم حق پر ہے تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

دونوں گھٹنوں پر ہاتھ باندھے بیٹھی ایلاف نے سر اٹھا کر گردن کو تھوڑا سا موڑا وہ اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ مسکرایا، اس کی آنکھ کے کونے پر موجود آنسو کو انگلی پر چنا اور پھر اسے مٹھی بند کر کے خود میں جذب کر لیا۔

''تم کیوں خفا ہو، تم تو خود لڑکیوں کے ساتھ یہی کرتے ہو بس فرق اتنا ہے میں اپنی لمٹس میں رہی اور تم نے ہر لمٹ کراس کر دی۔''

ثمر کے ماتھے پر بل پڑے، بھنویں آپس میں مل گئیں۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔'' اسے حقیقتاً غصہ آیا۔ ایلاف سے وہ اس چیز کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

”سچ کہہ رہی ہوں میں، بہت سارے ایویڈینس ہیں میرے پاس تمہارے خلاف، کس کس کو جھٹلاؤ گے۔“

وہ فق چہرے کے ساتھ حیرت میں غلطاں اسے دیکھ رہا تھا جس سے شاید اسے پوری دنیا سے زیادہ محبت تھی۔ وہ اس کی بہن تھی اور وہ اسی کے خلاف بول رہی تھی۔

”حد میں رہو ایلاف، تمہاری ہر ناجائز بات کو پچھلے چند ماہ سے چپ چاپ سہہ رہا ہوں لیکن اب چپ نہیں رہوں گا۔ راحم صحیح کہتا ہے میرے ہی لاڈ نے تمہیں بگاڑا ہے۔“

ایلاف کا منہ پھولا، اس کے ساتھ ہی نتھنے بھی، گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی اور آنکھوں میں آنسوں آن تیرے۔

”کاش تم مجھ سے لاڈ نہ کرتے تو شاید تمہاری حرکتوں پر اتنا دکھ نہ ہوتا۔ آج میں نے ایک چھوٹا سا پرینک کیا تکلیف ہوئی نا؟ غیرت میں جوش بھی آیا ہوگا تو سوچو، مجھے کیسا لگتا ہوگا جب لوگ مجھے تمہارے بارے میں بتاتے ہوں گے، جب میں تمہیں خود دیکھتی ہوں گی، ایسے مت دیکھو مجھے، تمہارا اسیل فون میرے لیپ ٹاپ کے کنٹرول میں ہے۔“

اس انکشاف پر ثمر کرنٹ کھا کر کھڑا ہوا، ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے اور بھنوئیں آپس میں آن ملیں۔

”یہ۔۔۔کیا کہہ رہی ہو تم؟“ اس سے بولنا دشوار ہوا۔

”سچ کہہ رہی ہوں اور چپ ہوں کیونکہ مجھے تم سے پیار ہے۔“ پیار لفظ پر اس کی آنکھوں میں اتنا سارا پانی آیا کہ ثمر اسے سمندر میں کھڑا محسوس ہوا۔ ”اتنا زیادہ کہ شاید انیشہ سے بھی نہ ہو اسی محبت کی وجہ سے میں چپ ہوں، اسی وجہ سے میں تم سے دور ہو رہی ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا جس طرح تم لوگ میرے اس فعل پر مجھے معاف نہیں کرو گے اسی طرح میں بھی

تمہارے ہر فعل پر تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ تم مجھ سے بھلے خفا ہو مگر جس طرح میں تم سے خفا ہوں تم اس کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکو گے۔"

وہ اس کے بولنے سے قبل ہی واش روم میں بند ہو گئی۔ باہر ثمر ہونقوں کی طرح ماتھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں اور دماغ میں راحم تھا، اگر اسے اس سب کا پتا چل گیا تو؟ نہیں وہ راحم کو پتا نہیں لگنے دے گا، وہ ہر صورت اسے ان سب چیزوں سے دور رکھے گا۔ وہ دونوں ہاتھ سر پر باندھے صوفے پر گرا تھا۔ آنکھیں میچیں تو ان میں راحم کا چہرہ آن سمایا۔

"لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں تمہارے بارے میں مگر میں یقین نہیں کرتا کیونکہ مجھے تم پر اعتبار ہے۔" راحم جس کی آواز اس کی سماعت میں گونج رہی تھی سڑک پر تیز قدموں کے ساتھ چل رہا تھا، اس کے پیچھے انیشہ بھاگی ہوئی جا رہی تھی۔

"بھائی! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس کے کار میں بیٹھتے ہی وہ بھی دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گئی۔ سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے وہ اس سے استفسار کر رہی تھی جس کا چہرہ کسی حد تک سوچا ہوا تھا۔

"ظاہر ہے ایک سے معذرت کرنے جا رہا ہوں۔" اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے اس نے لاپرواہی سے کہا تھا جبکہ دل ابھی بھی ایلاف کی حرکت سے نالاں تھا۔

"بھائی، مجھے لگتا ہے معاملہ بگڑ جائے گا۔"

راحم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"نہیں جائیں کیونکہ ابھی وہ غصہ ہو گا۔ ہم کچھ دنوں بعد بات کر لیں گے۔"

وہ جواب نہیں دے رہا تھا بس چپ چاپ گاڑی چلائے جا رہا تھا۔

"تب تک ایلاف بھی مان جائے گی۔ وہ اس سے معذرت کر لے گی۔ ہم چینل سے

ویڈیوز ہٹوا کر ازالہ کر لیں گے۔"
راحم کے لب آپس میں بھینچے ہوئے تھے۔ جواب نہ دینے کی گویا اس نے قسم کھا رکھی تھی۔ انیشہ نے تھک کر نظریں سڑک پر ڈال دیں۔
کچھ دیر بعد ان لوگوں کا گھر آ گیا تھا۔ وہ کار سے اترا، اس کے ساتھ ہی انیشہ بھی باہر آئی تھی۔ جالی دار لفٹ کا استعمال ترک کرتے ہوئے وہ دونوں اس ٹوٹی پھوٹی بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسرے فلور پر آئے۔ دائیں جانب مڑے اور بالکل سامنے ایک سفید دروازے کے آگے آ کر رک گئے۔ انیشہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ پہلے یہاں پر کب آیا تھا مگر نہیں پوچھا۔ بیل بجانے کے ٹھیک دو منٹ بعد دروازہ ادا نے کھولا تھا۔ سفید سلک کے سکارف میں سوجی آنکھوں والی ادا نے باری باری نظر ان دونوں پر ڈالیں۔ نظروں کا مفہوم تھا آپ دونوں یہاں کیا کر رہے ہو۔
"اندر آ سکتے ہیں ہم؟" اس کی ناک کی سرخی، آنکھوں کا سوجا پن اور چہرے کے حزن نے راحم کے دل پر بہت بڑا گھونسا مارا تھا۔ اسے اپنی فیلنگز کی پختگی کا احساس ہوا، اسے ایلاف کی زیادتی کا احساس ہوا۔
"کون ہے ادا؟" اندر سے کہیں ایک برآمد ہوا تھا۔ ادا کے سامنے کھڑے ان دو نفوس کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکن پڑ گئے۔ اس نے نظر ادا کے سر پر ڈالی جو سائیڈ پر ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دے رہی تھی۔ وہ مہمان تھے، مہمان دشمن بھی ہو تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے یہ دونوں تو پھر بے قصور تھے۔
"ایلاف کی حرکت کی وجہ سے ہم دونوں بہت شرمندہ ہیں، معذرت کرنے آئے ہیں۔"
صوفے پر بیٹھے ادا کے ہاتھ سے جنجر ٹی کے کپ تھامتے ہوئے راحم کہہ رہا تھا، ایسے کہ اس کا سر

جھکا تھا اور لہجہ میں واضح پشیمانی تھی۔

"بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہم نے ایلاف کو بہت ڈانٹا ہے۔ اس نے ٹھیک نہیں کیا وہ آئندہ آپ لوگوں کو بالکل نظر نہیں آئے گی۔" ایبک بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا مگر ادا کے زور دینے پر وہاں چپکا بیٹھا تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا جس میں ان کی ماما سر نہوڑے لیٹی ہوئی تھیں۔

"جو ہو گیا سو ہو گیا، ہم لوگ موو آن کر چکے ہیں۔ آج سے ہم لوگ آپ بہن بھائیوں کو نہیں جانتے اور آپ ہم دونوں کو، اس لیے امید کرتی ہوں یہ ہماری آج کی آخری ملاقات ہوگی۔"

راحم کے شانے یکدم ڈھلکے تھے۔ اس کی آنکھوں میں دکھ اور حیرانگی اتر آئی۔

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔" امیشہ نے بات چھیڑی تھی۔ ایبک تا ہنوز بے گانہ سا وہاں براجمان تھا۔ "ہم دونوں اچھے کلاس فیلوز رہ چکے ہیں مانا ایلاف نے غلطی۔" ادا نے اس کی بات درشتی سے کاٹ کر آنکھیں بند کیں اور خود پر کنٹرول کیا۔

"اس نے غلطی نہیں، گناہ کیا ہے۔" آنکھیں بند کر کے اس نے کھولیں۔ چھوٹی سی میز پر ان چھوئے کپ رکھے ہوئے تھے۔ "وہ میرے بھائی سے دوستی کرتی ٹھیک تھا مگر اس نے ڈائریکٹ دل پر وار کیا حالانکہ دل ہم دونوں کے پلانز میں کبھی بھی نہیں رہا تھا لیکن آپ کی بہن نے مداخلت کی جس کی وجہ سے میرا بھائی ٹوٹا ہے اور یہی وجہ ہے میں آپ لوگوں کو معاف تو کردوں گی مگر کبھی دیکھنا پسند نہیں کروں گی۔"

وہ لڑکی جو بہت سوفٹ سپوکن تھی۔ بہت نرم دل کی اور حساس، کیسے آج اپنے بھائی کی خاطر سخت بن گئی تھی۔ کس طرح اس کیلئے لڑ رہی تھی۔ ایبک کے دل میں سکون اترنے لگا۔ ایک غیر لڑکی نے دل توڑا تھا تو ایک روح سے بھی قریب اسے سمیٹ رہی تھی۔ اس کی پیاری بہن۔

''ہمارا کیا قصور ہے اس میں، ہمیں کیوں سزا مل رہی ہے؟'' وہ ''میرا'' استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن ماحول کی نسبت سے اس نے ہمارا استعمال کرلیا۔ سچ پوچھو تو اس کی ایسی حالت ہو رہی تھی جیسے وہ ابھی رو پڑے گا۔ سوفٹ سپوکن، نرم دل اور نرم فطرت کا راحم آس بھری نظروں سے باری باری دونوں بہن بھائیوں کو دیکھ رہا تھا کہ کہیں سے تو روشنی کی کرن ملے، کہیں سے تو بلکتے دل کو قرار آئے۔

''میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، آئندہ آپ لوگ ہم سے ملنے کی کوشش نہیں کریے گا، ہمیں کسی کی معافی نہیں چاہیے اور پلیز کوشش کرنا سکول میں بھی ہم سے مخاطب نہیں ہونا۔ اب سے ہم یکسر انجان لوگ ہیں ایک دوسرے کیلئے۔'' اپنی بات پر زور دے کر اس نے ایک تیز نگاہ راحم کے ٹوٹے وجود پر ڈالی تھی۔ کرچی کرچی وجود کہہ رہا تھا۔

''پر ادا۔''

وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

''میری نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ایک تمہیں بھی جماعت مس نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ کھڑی ہو گئی تھی، یہ ایک اشارہ تھا کہ وہ لوگ یہاں سے جا سکتے ہیں۔

''ادا پلیز، ایسا نہیں کرو، ادا ہماری بات سنو، ایک تم ہی سن لو یار۔'' وہ مڑ کر ادا کو پکار رہا تھا جب اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تو اس نے ایبک کو پکار ڈالا جس نے کوٹ پہننے کے بعد ایک خالی نظر ان دونوں پر ڈالی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ان دونوں کے منظر عام سے ہٹتے ہی راحم نے دونوں ہاتھوں میں سر کو گرا لیا تھا۔ یہ کیا ہو گیا، یہ کیا ہونے جا رہا تھا۔ اس کا دل بے ربطگی سے دھڑکنے لگا۔ اپنا آپ بہت خالی خالی لگا۔

''چلتے ہیں۔'' انیشہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''اس نے کہا ہے وہ آج سے ہم لوگوں کو نہیں جانتی، اتنی آسانی سے کون قطع تعلق کرتا ہے۔'' روہانسا چہرہ، بھری ہوئی آواز، گردن کی اوپر نیچے ہوتی ہڈی۔ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ادا لبوں پر ہاتھ رکھ کر آنسو بہا گئی تھی۔ اسے لیڈی آہن کی باتیں اب سمجھ آئی تھیں۔ راحم اس سے محبت کرتا ہے اس بات کا اندازہ اسے آج ہوا تھا، فقط اسے ہی نہیں انیشہ اور ایک کو بھی۔

''چلتے ہیں بھائی۔'' انیشہ نے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر اثبات میں سر ہلایا اور کھڑی ہوگئی۔

''وہ کیسے یہ سب کہہ سکتی ہے، کیا اتنا آسان ہوتا ہے چھوڑنا؟'' انیشہ کا چھوٹا سا دل بھر گیا۔

''چلیں اٹھیں۔'' اس کے ہاتھ کو تھام کر وہ کھڑی ہو رہی تھی۔ راحم ٹرانس میں اس کے ساتھ کھڑا ہوا۔

''مانا میری بہن سے غلطی ہوئی ہے مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ وہ یوں انجان بن جائے۔'' وہ کیا بول رہا تھا اسے خود بھی پتا نہیں چل رہا تھا۔ انیشہ اسے تھامے باہر لے جا رہی تھی۔ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ادا کے آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔

''اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے، معاملہ سلجھانا چاہیے۔ ہے نا؟''

دروازہ پار کرتے ہوئے انیشہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ راحم اس کے ساتھ وہاں اپنی چھاپ چھوڑے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

دو دن بیت گئے تھے۔ دو دن اپنے ساتھ سوز، بکی، رنج اور خاموشی بھی لے گئے تھے۔ یہ منگل کا دن تھا۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی، آج کیا اس پورے ہفتے دھوپ نہیں نکلی تھی۔ محکمہ

موسمیات کے مطابق برف کا زبردست طوفان تھا جو نیویارک کی سرزمین پر اترنے والا تھا تبھی یہ چھٹی ویک چل رہا تھا۔ آدھا نیویارک سردی کی زیادتی کی وجہ سے گھروں میں دبکا بیٹھا تھا تو آدھا کام میں مصروف تھا۔ کام میں مصروف لوگوں میں ایبک سلطان کا شمار بھی ہوتا تھا جو اس ٹھنڈ میں مسلسل پانی کا کام کر کے تھک چکا تھا۔ اس نے آخری پلیٹ دھوئی تھی جب اس کے مینیجر نے آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، ایبک مڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔

''خدا بزرگ و برتر کا لاکھ شکر ہے کہ اس امیر زادی نے تم پر کوئی کیس نہیں چلایا تھا لیکن ایک بات کہوں میرے بچے، وہ امیر زادی تمہاری گرل فرینڈ تھی اور دھوکے سے تمہیں یہاں سے لے کر گئی تھی اس بات کا مجھے علم نہیں تھا۔'' مینیجر کے لبوں پر بڑی دلفریب سی مسکان تھی۔

ایبک کا سر شرم سے جھک گیا۔

''وہ میری گرل فرینڈ نہیں تھی سر، پرینک ویک اور فنی نیوز کیلئے اس نے مجھے اپنا مہرہ بنایا تھا۔''

اور مینیجر اس بات پر سر کو پیچھے گرا کر ہنس پڑا۔

''یہی سننا تھا تم سے، حیرت ہوئی کہ تم اس کا مہرہ بن گئے۔۔۔ بچے۔'' وہ اس کے شانے کو انگلیوں سے دبا کر بولے۔ ''اس شاطر دنیا میں رہنا ہے تو اس کی طرح ہی شاطر بننا ہوگا۔ اس نے تمہیں دنیا میں اچھالا ہے۔ کل میرا بیٹا بڑے مزے لے کر تمہیں انٹرنیٹ پر دیکھ رہا تھا۔ مجھے برا لگا میں نے گوگل کے خلاف کمپلین کر دی ہے۔ امید ہے تم میری کمپلین کو ضائع نہیں جانے دو گے۔ یہاں انٹرنیٹ فری ملتا ہے۔ سمجھ گئے نا میں کیا کہہ رہا ہوں، اپنی جنگ خود لڑو۔'' انہوں نے ہوٹل کا ٹیب اس کے گلوز میں چھپے ہاتھ میں تھمایا۔

''تمہاری ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے، اس ہوٹل کا ہر کونہ یہاں کے ہر امپلائے کیلئے ہے۔'' وہ اس کا گال تھپک کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ایبک ہونقوں کی طرح اس ٹیب کو دیکھے گیا۔ اسے ادا

کا صبح کچن میں خوامخواہ برتن پٹخنا یاد آیا۔ ناشتہ بنانے کے بعد سٹور کیلئے نکلنے سے پہلے وہ غصے میں برتنوں کو سنک میں پٹخ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اور ناک دونوں ہی پھولے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ جینز کی جیبوں میں تھے۔ ادا نے کچھ نہیں کہا۔ وہ طیش میں نل کھول رہی تھی۔ پانی کی تیز دھار پلیٹوں سے ٹکرا کر اس کے پلاسٹک کے ایپرن پر گرنے لگیں جو خاص الخاص برتن دھونے کیلئے تھا۔

''چھوڑو میں دھو دیتا ہوں۔ باہر برف پڑ رہی ہے تم بیمار پڑ جاؤ گی۔ یوں بھی میں اس کام میں ایکسپرٹ ہوں۔'' وہ جیبوں میں سے ہاتھ نکال کر گلوز لینے لگا تھا جب ادا نے اس کے ہاتھ پر تھپڑ مار کر پرے ہٹایا، نل بند کیا اور پوری اس کی جانب مڑی۔

''کیا ضرورت تھی اس سے محبت کرنے کی، اسے پرپوز کرنے کی، ژالے سے کر لیتے، اس سے تو لاکھ گنا اچھی تھی وہ۔''

ایبک نے نظریں جھکا کر اٹھائیں، ایک لمحے کو تو وہ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''مذاق بنا دیا اس نے تمہارا، جسے دیکھو مجھے روک کر تمہاری ویڈیو دکھاتا ہے۔ منہ توڑ دوں گی میں سب کا۔''

ایبک جھکے سر سے لبوں کو بھینچے مسکرایا پھر گہری سانس بھر کر اسے دیکھا جس کا چہرہ غصے کی سرخی سے تمتما رہا تھا۔

''شرمندگی کا باعث بن گیا ہوں نا تمہارے لیے۔ سوری۔''

ادا نے ہاتھ کی مٹھی بنا کر اوپر اٹھائی، دانت پیستے ہوئے بولی۔

''اگر مزید اس طرح کی بکواس کی تو واللہ میں بھول جاؤں گی تم مجھ سے کچھ منٹ بڑے ہو۔ سب سے پہلے تمہارا منہ توڑوں گی۔ ہنس کیوں رہے ہو؟ مذاق لگ رہا ہے تمہیں سب،

میں سچ کہہ رہی ہوں میں تمہارے دانت توڑ سکتی ہوں۔“

دو دنوں بعد یہ پہلی بار تھا جب وہ دل سے مسکرایا تھا، مسکرانا تھوڑا کم تھا ہنسنا کہنا یہاں ٹھیک رہے گا۔

”یہ تو بہت اچھا ہو جائے گا۔ ویسے بھی کل سے سیکنڈ لاسٹ دانت میں درد ہے میرے، ڈاکٹر کا خرچہ نکل جائے گا۔“

ادا نے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے مٹھی جھٹکے سے نیچے کی، ایبک کو اپنی بہن پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ دو دن پہلے اس کا دل کرچی کرچی ہوا تھا یہ وہ بھول گیا۔

”بات سنو میری، تم نے ہنسنا نہیں ہے۔ کچھ کرنا ہے فنکی میگزین اور یوٹیوب چینل پر تمہاری ویڈیوز پوسٹ ہوئی ہیں نا تم ان دونوں کو ہی ختم کر دو، سب کچھ وہاں سے ریز کر دو، مٹا دو ہیک کر لو مگر کسی بھی طرح ایسا کرو ضرور۔“

ایبک اس کی بات پر سر کو پیچھے گرا کر ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔ قہقہہ برجستہ تھا جو ادا کے دل پر شعلوں کی طرح گر رہا تھا۔

”میری بہن یہ ہالی ووڈ کی کوئی موی نہیں ہے بلکہ ہماری سادہ سی زندگی ہے جس میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہیکنگ سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، تم جانتی ہو، تم مجھے قسمیں دو گی، وعدے لو گی میں تب بھی یہ نہیں کر سکتا، لوگوں کو کہنے دو جو کہہ رہے ہیں۔ کتنے وقت تک میرا یہ ٹاپک ہاٹ ٹاپک رہے گا۔ ایک دن، ایک ماہ، ایک سال پھر کیا کوئی اور ہو گا جو لو بنے گا اور تب تک سب مجھے بھول جائیں گے۔“

ادا دانت کچکچانا چاہتی تھی مگر نہیں کچکچائے، غصے سے اس کی جا (JAW) لائن ابھری۔

”تمہیں بھولیں گے لیکن اس کا کیا جو نیا اس فیز سے گزرے گا، جس سے ہم گزر رہے

ہیں۔ تم جتنا مرضی ہنس لو، کہو یا نہ کہو میں تمہارے دل کی حالت جانتی ہوں اس میں دکھ ہے۔ یہ دکھ دائمی نہ رہے اس کی دعا کرتی ہوں روز مگر یہ دکھ کسی اور کے دل میں نہ بیٹھے اس کیلئے تو کچھ کر سکتے ہیں نا ہم۔"

ایبک نے پھیکے چہرے کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم انتظامیہ سے بات کریں گے وہ ایکشن ضرور لیں گے، نہیں تو ہم اس کے خلاف ریلی نکال لیں گے۔"

"بالکل ہم ایسا کریں گے، جیسا ہر سال فنکی ویک کا شکار کرتا ہے اور پھر بیچارہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہتا ہے۔ تم برتن ہی دھو وہی ٹھیک رہے گا۔" وہ اس کے ہاتھ میں گلوز کھینچ کر ایپرن اتارنے لگی تھی۔ ایبک نے گہرا سانس چھوڑا۔

"ادا! یہ صرف ایک سکول کا معاملہ نہیں ہے پوری دنیا کا ہے۔"

ایپرن اس کے کندھے پر ڈال کر وہ چہرہ اس کے منہ کے قریب لائی۔

"تو پھر پوری دنیا کے سسٹم کو ٹھیک کرو، نہیں کر سکتے تو برتن دھو۔" وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔

بالکل اسی طرح جس طرح ابھی ہوٹل کا مینیجر گیا تھا۔ ایبک نے اب تک اپنی کوئی ویڈیو نہیں دیکھی تھی۔ اس نے سکول کے آن لائن میگزین کا پیج اوپن کیا، وہاں ہر سو اسی کی تصاویر تھیں۔ کہیں اس کے چہرے پر گدھے کی تصویر لگائی ہوئی تھی تو کہیں ہنستا ہوا مینڈک اس کے سر پر بٹھایا ہوا تھا۔ ایبک دکھ بھرے انداز میں مسکرا دیا۔ کیپشنز واقعی خون کھولا دینے والے تھے۔ اس نے ویڈیوز نکالیں، نکال کر ایک ایک کرکے دیکھتا رہا یہاں ان دونوں کی ہر ملاقات کی ویڈیو تھی یہاں تک کہ جیکٹ ایکسچینج کرنے والی بھی۔

"یہ ہے فنکی فنکی آل ٹائم فنکی نیوز کا رومیو اور جیولٹ کا سین جس میں بیچارا حالات کا مارا

رومیو جیولٹ کی شرٹ ادھار لے رہا ہے اوہ پوور رومیو۔“ اس ویڈیو کے نیچے ایک لڑکی کا چہرہ تھا جس میں فقط ہاتھ میں مائک اور منہ نظر آرہا تھا۔ وہ مڑ مڑ کر ایسے بتا رہی تھی جیسے واقعی وہ وہاں موجود ہو۔ ایبک نے ویڈیو بند کر دی۔ دل میں ٹیس اٹھ رہی تھی لیکن لبوں پر مسکان سجائے رکھی۔ اگر وہ اب غصہ ہو گیا تو ایلاف کیلئے اچھا نہیں ہو گا۔ وہ اسے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اب بھی اسے چاہتا ہے اور شاید تا عمر چاہتا رہے۔

”چلیں نیویارک اور اس کے مضافات میں ہیکنگ کا وقت ہوا چاہتا ہے لیکن یہ ہیکنگ ہوتی کیسے ہے، پہلے تو اس کے بارے میں پتا کرنا پڑے گا۔“ اس نے اپنے آس پاس میں موجود ہیکرز کو گوگل کیا تھا۔ جو چھپے ہوئے تھے، ظاہر ہے گوگل انہیں نہیں جانتا تھا لیکن جو موجود تھے ان کی لسٹ خاصی لمبی تھی۔ پیڈ ہیکر، پیسے دے کر سکھانے والے۔ آفیشل اور قانونی۔۔ وہ ہاتھ میں پن اور نوٹ پیڈ لیے اس میں سے دس کو سلیکٹ کر گیا جو اس کے نزدیک ہی رہتے تھے۔ ایک تو بہت نزدیک تھا جس سے ملنے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی ایسا ابھی مینیجر کہہ کر گیا تھا تبھی وہ کوٹ میں دبکا ہوٹل سے باہر آیا۔ اف برف کچھ زیادہ ہی پڑ گئی تھی تبھی وہاں ہر سوں سفیدی تھی۔

وہ ہر اس جگہ گیا تھا جہاں اس نے نوٹ پیڈ میں مینشن کیا تھا۔ اس کی امید کے بالکل مطابق کچھ کام سکھانے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور جو رکھتے تھے ان کا معاوضہ کافی ہائی تھا تبھی وہ آخری گھر سے بھی خالی ہاتھ ہی لوٹا تھا۔

”مینیجر صحیح کہتے ہیں یہ میری جنگ ہے اور اسے مجھے تنہا ہی لڑنا ہے۔“ وہ بوسٹن سٹرٹ سے دائیں جانب مڑا اور سڑک پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے روڈ کراس کرنا تھا۔ وہ اطراف میں نظر دوڑا رہا تھا جب سڑک کے دوسرے کنارے اسے وہ کھڑی نظر آئی۔ ہاتھ میں ویلوٹ کا لیونڈر

رنگ کا ہیئر بینڈ پہنے اور اسی ہاتھ میں ہاٹ چاکلیٹ کا ڈسپوزایبل کپ پکڑے۔

''تو اسے واقعی فرق نہیں پڑا، اتنا آسان تھا اس کیلئے سب کرنا۔'' چہرے پر دکھ اور کراہیت کے رنگ چڑھائے اس نے نظر کے ساتھ راستہ بھی بدل لیا تھا۔ وہ دل نہیں بدل سکتا تھا، ان دو چیزوں کو تو بدل ہی سکتا تھا تبھی وہ مڑ گیا، ابھی کچھ قدم ہی پاٹے ہوں گے جب اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی تھی۔ وہ نسوانی ضرور تھی مگر ایلاف کی نہیں تھی انیشہ کی تھی۔

''ایبک، میری بات سنو پلیز۔''

اس نے قدم اٹھا لیے، اپنی بہن کی بات کی لاج اسے رکھنی تھی۔ اسے ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا تھا۔

''ایبک، ایسے منہ موڑ کر مت جاؤ۔ یہ بات بہت ضروری ہے، ادا اور راحم بھائی کی ہے۔'' اپنی بہن کے نام کے ساتھ کسی غیر مرد کا نام سن کر اس کے کان سے دھوئیں اٹھے تھے۔ وہ پورا مڑا اور آنکھوں میں سرخی دھرے مدھم آواز میں غرایا۔

''میری بہن کے نام کے ساتھ آئندہ کسی کا نام نہیں جوڑنا۔'' وہ انگشت شہادت اٹھائے اسے وارن کر رہا تھا۔ دونوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ تھا، رکی ہوئی برف باری پھر سے شروع ہو چکی تھی۔ ابھی شام نہیں چڑھی تھی لیکن برف باری کے ساتھ ہی سب آس پاس موجود شاپس اور پولز کی لائٹس آن کر دی گئی تھیں۔

''معذرت چاہتی ہوں، ہم لوگ یہاں ہاٹ چاکلیٹ پینے آئے تھے فقط میں نے ہی تمہیں دیکھا اس لیے بات کرنے چلی آئی، پلیز میری بات سن لو۔'' وہ آنکھوں میں التجا کے دبیز رنگ چڑھائے بولی۔ آسمان سے گرتی برف پر کہیں کہیں زرد اور دودھیا روشنی پڑ رہی تھی۔ جہاں زرد روشنی سے وہ گزرتی وہاں سونے کے موتے پھاہے نظر آتے مگر جہاں دودھیا روشنی

پڑتی وہاں وہ اور نرم اور براق سفید نظر پڑتے۔

"کہو۔" جیسے اس نے کوئی احسان کیا ہو۔

"سمجھ گئی، بیٹھ کر بات کرنے کی پوزیشن نہیں رہی ہے اب۔" انیشہ کی جامنی وول کیپ برف سے بھرنا شروع ہوئی تھی۔ ایبک نے رخ واپس موڑا اور چلنا شروع کیا۔ وہ اس کے قدموں پر ہولی اس سے پیچھے اور فاصلے پر۔

"سمجھ نہیں آرہا کیسے کہوں لیکن اس دن تمہارے گھر آنے کے بعد میرا شک سچ میں بدل گیا، بھائی کا سکول آنا، ادا کو دیکھنا یہ سب شاید کسی نے نوٹ نہ کیا ہو میں بھی نہ کرتی اگر آخری پیپر میں بھائی کو اسے ڈھونڈتے نہ دیکھتی تو۔"

وہ بس اسٹیشن آ کر رکا، شیلٹر میں آنے سے جیسے سکون مل گیا تھا۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ کم تھی پھر بھی دونوں کافی فاصلے سے کھڑے تھے۔ ایبک چپ چاپ اسے سن رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔

"بھائی ادا میں انٹرسٹڈ ہیں یہاں تک کہ وہ کل بابا سے کہہ رہے تھے کہ انہیں ادا کے ساتھ نکاح کرنا ہے۔ ادا کا سخت رویہ اور قطع تعلق کرنے سے بھائی گھبرا گئے ہیں۔ وہ واقعی تمہاری بہن سے محبت کر۔"

ایبک کی سخت گھوری نے نازک دل انیشہ کو یکدم تھما دیا۔ وہ اس کے یوں دیکھنے پر ڈر گئی۔ یہ ڈر ہی تھا جس کو نوٹ کرتے ہوئے ایبک نے نظروں کا زاویہ موڑ لیا۔ آواز میں آنے والی سختی کو کنٹرول کیا۔

"تم جیسے گیمر لوگوں میں ہم دونوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لیے آئندہ اس طرح کی بات کی تو اچھا نہیں ہوگا۔" وہ دھمکی نہیں دینا چاہتا تھا، اسے تو بالکل بھی نہیں جو پورے سکول میں نازک اندام مشہور تھی مگر دے دی کیونکہ یہاں بات اب اس کی بہن کے دل کی تھی۔ اس کا خود

کا جو حشر ہوا سو ہوا، اپنی بہن کے ساتھ وہ اس طرح کا کچھ نہیں ہونے دیگا بالکل بھی نہیں۔

"بھائی۔۔شادی کرنا چاہتے ہیں۔" رندھی آواز کے ساتھ ڈرے دل اور آنکھوں میں نمی لیے اس سے کہہ رہی تھی۔ ایبک نے واپس نظریں اس کے چہرے پر ڈالیں، وہ سہم گئی، وہ آنکھیں بند کیے خود پر بند باندھ رہا تھا۔

"تم چاہتی ہو میں تم سے سختی سے پیش آؤں؟"

انیشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"پورے سکول میں تمہاری نرمی کے قصے مشہور ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"پورے نیویارک میں اب میری بیوقوفی کے قصے ہاٹ لسٹ میں ہیں۔"

بس آرہی تھی اس کی آواز دور سے ہی سنائی دے گئی۔

"ایلاف کی سزا بھائی کو تو نہ دو، وہ بہت اچھے ہیں۔" آہ یہ بہن بھائیوں کا پیار، ڈر کے باوجود اس کی دھمکی اور گھوری کے باجود وہ راحم کا مقدمہ لڑ رہی تھی، کیوں؟ کیونکہ وہ اس کی بہن تھی اور اپنے بھائی کیلئے کچھ بھی کرسکتی تھی۔

"وہ بہت اچھے ہیں لیکن ہم نہیں ہیں۔"

بس قریب آگئی تھی دروازے چاک ہوگئے۔ اس کی چھت پر برف کی پتلی سی تہہ جمی تھی۔

"ایک موقع پلیز۔"

ایبک نے اندر قدم رکھے پھر مڑا، چڑھنے والا وہ آخری مسافر تھا۔

"آج کے بعد تم لوگ ہمیں مخاطب نہیں کرو گے اور یہ بات میری بہن تک نہیں پہنچنی چاہیے ورنہ میں وہ کر گزروں گا جو سوچ بھی نہیں سکتا۔"

شیشے کے دروازوں کو وصل نصیب ہوا، ایبک ان کے پیچھے کھڑا تھا۔ بس اسے اپنے ساتھ

لیے آگے بڑھ گئی، شیلٹر کے نیچے کھڑی برف کے پھاہوں سے محفوظ وہ اسے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''دراڑ دلوں میں نہیں دراڑ نیتوں میں آتی ہے، نیت کی کھوٹ دل میں کھوٹ ملا دیتی ہے۔'' برف ویسے ہی گر رہی تھی جیسا کہ محکمہ موسمیات کی طرف سے پیشین گوئی کی گئی تھی۔ دبیز، سفاک، سرد اور سفید۔

رات کی سیاہی نے پنکھ پھیلا دیے تھے۔ شہر میں تو خاموشی اور ہلچل تھی ہاں شہر سے پرے مضافات میں بنے اس فارم ہاؤس میں جہاں سفید موت کا سا کفن زمین پر چڑھا تھا سکوت طاری تھا، مگر باہر تک اندر خوب چیخ و پکار ہو رہی تھی۔ ہلڑ بازی مچی ہوئی تھی۔ شراب و شباب دونوں موجود تھے۔ ایک صوفے پر نیم دراز ثمر ہنستے ہوئے اس کال گرل کو دیکھ رہا تھا جو اپنے ڈانس کے جوہروں سے ان سب کو متاثر کر رہی تھی۔ یہ بالکل نئی اور فری کی گرل فرینڈ تھی جو ڈینس کی بنی تھی۔ نیویارک کی سب سے مشہور لڑکی، نیویارک کی راتوں کی جان، جینی فرولنگ۔

''سب لطف لے رہے ہیں اور تم یہاں لب سیئے بیٹھے ہو، ایسا کیا ہوا ہے ہمارے جسٹن بربر کے ساتھ؟'' وکرم دھڑام سے تھک کر صوفے پر آ کر گرا وہاں جہاں ثمر نیم دراز تھا۔ آنکھوں میں سوچ کی لکیریں تھیں اور ماتھے پر شکن۔

''گرینا کو سوچ رہا ہوں۔'' حالانکہ اس وقت وہ ایلاف کے دعوے کے بارے میں سوچ رہا تھا جو وہ اس سے کر چکی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن کیا اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس کا فون بگ کر سکے؟

''مجھے ان چیزوں میں بچپن سے دلچسپی ہے تم جانتے ہو، انیشہ کو تنگ کرتے لڑکے سے بدلا اور تمہاری جاسوسی کی خاطر میں زیادہ اس میں انوالو ہوئی ہوں۔'' ایلاف کے الفاظ اس کی

سماعت میں آن ٹھہرے تھے۔کیتھ اربن کے گونجتے گانے میں اس نے چونک کر وکرم کی جانب خود کو متوجہ کیا جواب باقاعدہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر ہلا رہا تھا۔

"لگتا ہے کرینا کچھ زیادہ ہی حواسوں پر سوار ہوگئی ہے۔"

اس کے متوجہ ہونے پر وکرم دانت نکال کر ہنسا تھا۔کرینا کے نام پر ثمر کو اپنی ڈیڈ لائن یاد آئی جو وہ اسے دے چکا تھا۔ایلاف کے معاملے میں وہ اسے تو بھول ہی گیا تھا۔

"کچھ پتا ہے کیا کر رہی ہے آج کل؟" اس نے سرسری سا وکرم سے دریافت کیا جواب چچ چچ کرنے لگا تھا۔گانوں کی گونج سے زیادہ اس کے گینگ کے لڑکے تھے جو شاؤٹ کر رہے تھے۔باہر برف مسلسل گر رہی تھی۔

"چچ چچ چچ، بہت افسوس کی بات ہے، اپنی گرل فرینڈ کے بارے میں مجھ سے دریافت کر رہے ہو، چلو خوش کیے دیتا ہوں وہ آج کل اپنے نئے بوائے فرینڈ کے ساتھ روز رات کو سوشی کے مزے لوٹ رہی ہے۔"

ثمر کے ماتھے پر موجود بلوں میں دوکا مزید اضافہ ہوا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

بھلا ایسا ہو سکتا تھا کہ وہ کسی میں دلچسپی ظاہر کرے اور کوئی اسے بری طرح رد کر دے۔ ناممکن۔

"سچ ہے چاہو تو خود جا کر دیکھ لو، ویرن سٹریٹ، گران موریسی۔" اس نے ریسٹورنٹ کا نام اور جگہ بتائی تھی۔وکرم کے بات ختم کرتے ہی وہ کھڑا ہو گیا، جیکٹ پہنی دو قدم آگے گیا پھر رک کر گردن کو شانے سے لگائے بولا۔

"اگر یہ بات غلط ثابت ہوئی تو تمہارے سامنے کے دو دانت جبڑوں کو خدا حافظ کہہ دیں

گے۔'' بات ختم کر کے وہ رکا نہیں تھا۔ برف باری ہونے کی وجہ سے اس کی کار کو چلنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ حالانکہ سڑک پر نمک کی تہہ بچھا دی گئی تھی جس سے وہ برف چپک نہیں رہی تھی پھر روڈ قدرے سلپری ہو چکے تھے۔ اس نے وکرم کے بتائے گئے پتے پر کار کو بریک لگائی۔ شیشے کی دیواروں سے بنا وہ ریسٹورنٹ اس وقت خاصی گہما گہمی کا شکار تھا۔ گرے دیواریں، سبز چھت اور سبز ہی بیلیں۔۔ ثمر نے کار میں بیٹھے ہی گرینا کا نمبر ڈائل کیا۔ کال جا رہی تھی۔ وہ جو اندر سٹیو کے ساتھ بیٹھی سوشی کھا رہی تھی، مسلسل کال کے چلنے سے اکتا گئی، نمبر ثمر کا تھا اس نے کال پک کرنی تھی اور نہ ہی کی۔

''اٹھا لو کال، ہو سکتا ہے کوئی ضروری ہو۔'' سٹیو نے سٹک کی مدد سے بائٹ کو دانتوں میں پکڑا اور پھر دوبارہ فون پر نظر ڈال لی جو ایک بار پھر سے رنگ کرنے لگا تھا۔

''کوئی ضروری نہیں ہے، ایک سٹپنی ہے فضول میں پیچھے پڑا ہے۔'' اس نے اسی اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ سٹیو مسکرا دیا۔

''تم خوبصورت ہی اتنی ہو کہ کوئی بھی مرد تم پر فلیٹ ہو سکتا ہے۔'' سٹیو کی تعریف پر وہ معمولی سا بلش ہوئی تھی، زیادہ ہوتی اگر ثمر کی بیوقت کال نہ آتی تو۔

''ارے وہ تو ادا ہے میں بالکل ٹھیک ہوں یہ وہی ہے ادا سنو، ہے، یہاں۔'' گرینا نے جوش سے ہاتھ ہلا کر اسے اپنی جانب متوجہ کروایا۔ ایک نے بھلے اس کی مدد نہیں کی لیکن ادا اچھی تھی۔ وہ کبھی کبھی اسائنمنٹ میں اس کی مدد کر دیا کرتی تھی۔ نہ بھی کرتی پھر بھی گرینا کو وہ پسند تھی۔

''کیسی ہو آؤ بیٹھو۔'' وہ اسے دیکھ چکی تھی۔ اس کے بلانے پر مسکراتے چہرے کے ساتھ وہاں آئی جہاں سٹیو سوشی سے انصاف کرنے میں مگن تھا۔ سٹیو انہی کے سکول کا تھا۔ وہ ان کا

سینئر تھا۔ ادا کو دیکھ کر مسکرایا۔
"ہائے ادا۔"
"ہیلو۔" سٹیو کو جواب دینے کے بعد وہ گرینا کی جانب متوجہ ہوئی۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟"
سرمئی رنگ کے سکارف میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ آج غیر معمولی سی چمک تھی وہاں۔
"فٹ، یہاں کیسے؟"
وہ کھڑی تھی بیٹھی نہیں۔ ادا نے ہاتھ میں تھاما بیگ آگے کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔
"ایبک کی برتھ ڈے ہے نا آج دو فروری اس لیے اس کیلئے سوشی لینے آئی تھی، مشروم اور سوشی بہت پسند ہے اسے۔"
"اچھا یہ بات ہے۔" گرینا مسکرائی۔ "میری طرف سے اسے برتھ ڈے وش کر دینا اور معذرت بھی کہ میں اس کیلئے کچھ نہیں کر پائی، بہت افسوس ہوا، اس کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایلاف سے اس چیز کی امید نہیں تھی۔" وہ بات کر رہی تھی، کرنے کے دوران پھر سے اس کا فون رنگ کرنا شروع کر چکا تھا۔ نمبر ثمر کا تھا۔ ادا پہچان گئی سکریپ بک کے آخری صفحہ پر اس کا نمبر درج تھا جو ادا کو حفظ ہو چکا تھا۔ اس نے گرینا کے فون پر نظر ڈالی پھر پھیکا سا مسکرائی۔
"میں اسے تمہارا پیغام پہنچا دوں گی۔ اب چلتی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے۔ اوپر سے برف بھی گرنا شروع ہو گئی ہے۔ میٹرو نکل گئی تو مشکل ہو جائے گی۔"
"اوہ، میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ میں ڈراپ کر دوں گی کیونکہ میں سٹیو کے ساتھ آئی ہوں تم چاہو تو ہمارے فری ہونے تک انتظار کر سکتی ہو۔" وہ ادا کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔ اس

کی نیت بالکل صاف تھی۔

''بہت شکریہ میں خود چلی جاؤں گی۔'' سفید اور نیلے پٹے والی ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر وہ مڑ گئی تھی۔ ریسٹورنٹ سے باہر آئی، زرد لائٹس میں چلتا ہجوم اس کا منتظر تھا۔ وہ اسی کا حصہ بنی سیدھے دیکھنے کے بعد دائیں جانب مڑی کہ یہیں سے اسٹیشن آتا تھا۔ اسے جلد از جلد ٹرین کے نکلنے سے پہلے پہنچنا تھا ورنہ دوسری ٹرین کیلئے اسے پندرہ منٹ کا انتظار کرنا پڑے گا اور وہ اپنی قیمتی پندرہ منٹ انتظار میں نہیں گزار سکتی تھی۔ اس لیے تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ سوا چھ کا وقت تھا۔ وہ پونے سات بجے تک ضرور گھر پہنچ جاتی اگر اس کے قدموں کو زمین جکڑ نہ لیتی تو۔ وہ یک لخت مڑی، تحیر سے اس جانب دیکھا جہاں اس نے سرسری نظر ڈالی تھی۔ سڑک کی سیدھ میں کراس کر کے پارکنگ ایریا میں ایک سرخ کار کھڑی تھی جس کی بیک پر مارخور کے سینگ بنے تھے۔ وہ سرخ کار اور کسی کی نہیں ثمر کی تھی۔ نیویارک میں مارخور کو پسند ثمر ہی کر رہا تھا۔

''یہ یہاں کیوں ہے؟'' سکریپ بک میں لکھی دھمکیاں اور بگڑے ہوئے چہرے والی عورتوں کی تصاویر دماغ میں آئیں۔ ابھی وہ اسی بارے میں سوچ رہی تھی کہ سٹیو برق رفتاری سے ریسٹورنٹ سے باہر آیا۔ وہ فون پر مسلسل کسی سے جھگڑ رہا تھا۔ اس کا انداز عجلت آمیز تھا۔ وہ تنہا تھا اپنی سیاہ کار نکال کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اگر وہ تنہا تھا تو گرینا، گرینا کہاں تھی۔ اس نے جھٹ سے اپنا سیل فون نکالا جو چند دن قبل ہی ایبک نے اسے لے کر دیا تھا۔ وہ گرینا کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ کال اٹھالی گئی۔

''ہیلو گرینا، ادا بول رہی ہوں، تم کہاں ہو میرا مطلب ہے ابھی بھی سٹیو کے ساتھ ہو؟''

ادا نے کافی دور جا کر خود کو تھمایا تھا اتنی دور کہ اب وہاں تک جانے میں کچھ منٹ تو لگ ہی جانے تھے۔

”نہیں میں سٹیو کے ساتھ نہیں ہوں، اس کی مام کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اس لیے وہ جلدی میں چلا گیا۔“ گرینا نے وضاحت کی تھی، کرنے کے دوران ہی وہ ریسٹورنٹ سے باہر آتی دکھی، آتے ساتھ ہی وہ پارکنگ میں کھڑی ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی۔ ادا نے بھی جلدی سے ہاتھ کے اشارے سے دوسری ٹیکسی کو روکا اور اس میں بیٹھ گئی کہ ثمر کی کار گرینا کی ٹیکسی کے پیچھے روانہ ہو چکی تھی۔

”اوہو، یہ تو برا ہوا، اچھا میں نے کال اس لیے کی تھی تا کہ تم میری مدد کر سکو۔ دراصل اسٹیشن سے اترنے کے بعد میں جس راستے سے جاتی ہوں وہ بہت خاموش ہے اور مجھے اس سے خوف آتا ہے، ہمارا گھر مخالف سمت ہے ورنہ تم سے کہتی کہ دونوں ساتھ چلتے ہیں مگر ایسا ممکن نہیں ہے۔ تم بس کال بند نہیں کرنا، بھلے بات نہ کرو مگر کال نہیں کاٹنا مجھے کم از کم کسی کے ساتھ ہونے کا تو حوصلہ ہو گا۔ ایک کو کال ملائی تھی مگر شاید وہ مصروف ہے۔“

اسے گرینا کی ہنسنے کی آواز آئی تینوں کاریں ایک ساتھ فاصلے سے لائن میں چل رہی تھیں۔

”کوئی بڑی بات نہیں، میں تمہارے ساتھ ہی ہوں۔“

ادا نے اس کے ہامی بھرنے پر کہا۔

”شکریہ، یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گی۔“ اس نے کال ریکارڈنگ پر لگا دی۔ شکر تھا کہ ایبک نے اسے یہ سیل فون دے دیا ورنہ بہت مشکل ہو جاتی۔ نیویارک کی مصروف ترین سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے وہ جونہی قدرے سنسان ایریا میں آئے اس نے دیکھا ثمر کی کار نے ٹیکسی کا راستہ کاٹا ہے۔ ادا نے اپنی ٹیکسی کو رکوا دیا۔

”ایک منٹ سائیڈ پر روکیے گا۔“

وہ شیشے کو فولاڈ کیے بنا ہی دیکھ رہی تھی کہ ثمر کار سے باہر آیا ہے، اس کے ساتھ ہی گرینا بھی ٹیکسی سے نکلی تھی۔ ادا نے فون کو کان سے لگایا۔ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے نہیں معلوم تھا شاید اس لیے کہ وہ سکریپ بک کی ڈراؤنی دھمکیوں اور تصاویر سے گھبرا گئی تھی یا شاید اسے خوف تھا کہ گرینا کے ساتھ کچھ ہو نہ جائے جو بھی تھا وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور تھی۔

''یہ کیا حرکت ہے اور تم میرا پیچھا کر رہے ہو، تمہاری تو کمپلین میں پولیس میں کرواتی ہوں۔'' گرینا کی چیختی ہوئی آواز تھی اور۔۔

''میرے ساتھ چلو۔'' ثمر کی تحمل سے لبریز۔۔۔ جیسے سب کچھ اس کے کنٹرول میں ہو۔

''دفعان ہو جاؤ یہاں سے، میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' وہ اس کے نزدیک آنے پر دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔ گرینا جس ٹیکسی میں بیٹھی تھی وہ اس دوران وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ ٹیکسی وہاں سے کیوں گئی؟ ادا پر تھوڑا سا ڈر غالب آیا۔

''چلنا تو پڑے گا میرے ساتھ یو بلڈی۔'' وہ اسے بالوں سے کھینچتا ہوا کار میں پٹخ رہا تھا۔ ڈرائیور نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ مسلسل اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کسی بات میں الجھا ہوا تھا۔ ادا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا اور ڈرائیور کی سیٹ کو تیزی سے بجایا۔

''اس، اس سرخ کار کا پیچھا کرو جلدی کرو۔'' وہ چیخی تھی۔ سیل فون کے مائیک پر ہاتھ رکھ کر وہ نم آنکھوں سے اس کار کو تک رہی تھی جو انجانے راستوں کی مسافر تھی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ہتھیلیوں میں پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ ٹیکسی اور کار میں کچھ زیادہ ہی فاصلہ تھا تبھی ثمر نوٹ نہیں کر پایا تھا۔ اندھیرے میں ڈوبی اس گنجان آباد جگہ پر ادا نے درختوں کے جھنڈ کے قریب ٹیکسی کو رکوایا۔ سفید فارم ہاؤس میں وہ کہنی سے کھینچتے ہوئے گرینا کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا۔

”سنو، آدھے گھنٹے تک انتظار کرو تب تک میں نہ آئی تو پولیس کو اس جگہ کا بتا دینا تم سن رہے ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں؟“ وہ فرنٹ سائیڈ پر آ کر جھک کر کہہ رہی تھی۔ بائیس تیئس سال کا وہ لڑکا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے جانے کا منتظر تھا۔ یہ نیویارک کا آئے دن کا معمول تھا، گرل فرینڈ ہو یا بیوی اپنے شوہر کا اسی طرح پیچھا کرتی تھی جس طرح ابھی اس لڑکی نے کیا تھا۔ ضرور وہ لڑکا اسے ڈچ کر رہا ہے یا پھر یہ اس لڑکے کو خیر جو بھی ہو میری بلا سے۔ شانے اچکاتے ہوئے وہ پھر سے اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ بے حس معاشرہ، بے حس لوگ، بے حس رشتے، بے حس خون۔

ادا تیز مگر بلی کی چال چلتی ہوئی اس فارم ہاؤس میں گھسی جہاں کسی قسم کی کوئی سکیورٹی موجود نہیں تھی۔ وہ غلط کر رہی ہے اسے وہاں نہیں جانا چاہیے۔ گرینا کی کال ڈسکنیکٹ کر کے اسے پولیس کو فون کرنا چاہیے بار ہا اس کا دل اس سے کہہ رہا تھا مگر وہ تھی کہ اس کی سن کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ پتا نہیں ایسا کیا دل اور عقل پر طاری ہوا تھا کہ وہ سب کچھ بھلائے گرینا کی بڑبڑاہٹ سنتی ہوئی اندر جاتی رہی۔ درختوں کی اوٹ میں چھپ کر، پودوں میں گم ہوتی ہوئی وہ پول سائیڈ سے نظروں میں آئے بنا ہی نکل گئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا فقط خاموش پانی، ساکن پودوں اور روتی بلکتی سفیدی کے، ادا دائیں ہاتھ پر بنی لان سے ذرا پرے مرر وال کے پاس آ کر رکی کیکٹس کے بہت بڑے بڑے پودے ایک ساتھ رکھے تھے جن کی آڑ میں وہ چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے دیکھا ثمر گرینا کو کہنی سے تھامے کھڑا ہے اور وہ اس پر چیخ رہی ہے۔

”اب سے یہی تمہارا گھر ہے تب تک کیلئے جب تک تم سے میرا دل نہیں بھر جاتا۔“ ثمر نے بیدردی سے اسے صوفے پر پٹخا تھا۔ شاید وہ نشے میں تھا تبھی اس کی آواز قدرے بہکی ہوئی

تھی۔اس کے آس پاس موجود دوست قہقہے لگا رہے تھے۔
”میں تمہاری جان لے لوں گی، خون پی جاؤں گی تمہارا۔“ ادا نے کیمرہ آن کر کے ویڈیو بنانی شروع کی، اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سکارف کے اندر موجود ائیر پوڈز کو وہ فون سے کنیکٹ کر چکی تھی تبھی گرینا کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔
”چلو کروا ایسا، کرو نا ہمت ہے ہاں، آج تک کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا جو ثمر کی جان لے سکے جان تو میں تمہاری لوں گا پیاری حسینہ۔“ وہ اس کے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
گرینا نے اس کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔ وہ بلبلایا تھا، بلبلا کر آپے سے باہر ہو گیا تبھی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ ادا کے آنسو نکل آئے۔ راحم کی عزت سے نظریں جھکانا اور ثمر کے تھپڑ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ حیا اور بے حیائی کا، احترام اور بے باکی کا، نرمی اور سختی کا۔
”آرام سے پیش آ رہا تھا لیکن تمہاری اوقات نہیں ہے نرمی کی، اب تمہیں ان سب کے سامنے رسوا کروں گا اور تمہاری لاش وہیں دفناؤں گا جہاں ڈینس اپنی گرل فرینڈز کی لاشوں کو دفناتا ہے۔“
وہ وحشی بن گیا تھا، وحشی پنے سے ہی اس کے جانب لپکا مگر اس سے پہلے وہ کچھ غلط کرتا گرینا نے صوفے کے پاس رکھی میز پر سے شیشے کا گلدان اٹھا کر اس کے سر پر مار دیا۔ خون کی آبشار تھی جو ثمر کے سر سے بہنی شروع ہو چکی تھی۔ گرینا نے بھاگنے کی سعی کی تھی مگر بیسود، ثمر کے دوست اس پر پل پڑے تھے۔ انہوں نے اسے پکڑ کر زمین بوس کر دیا۔ ثمر حواس ٹھیک کرتا جنون خود پر چڑھائے خون سے بھرے چہرے کے ساتھ غصے میں اس کی جانب لپکا۔
”مجھے ریجیکٹ کرو گی، مجھ سے پنگا لو گی ہاں۔“
اسے بالوں سے تھام کر وہ سر کو زمین پر مارے جا رہا تھا۔ ادا رونا شروع ہو چکی تھی۔ گرینا

اس کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہی تھی اور وہ فقط دیکھ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے ویڈیو سیو کر کے کال کاٹی، کانپتے وجود کے ساتھ وہ وہاں سے نکلی، ٹیکسی میں بیٹھنے تک وہ پولیس کو فون کر چکی تھی۔ اسے امید تھی اگر پولیس وہاں پہنچ جائے گی تو گرینا بچ جائے گی، اسے اس چیز کی بہت زیادہ امید تھی۔

☆......☆......☆

یہ رات کے دس بجے کا وقت تھا جب گرینا کی لاش کو دفنانے کے بعد وہ اس جگہ کو اچھے سے صاف کر چکے تھے جہاں ابھی کچھ دیر قبل نشے میں ڈوبے ثمر نے قتل کیا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اور وہ ٹھس سا وہاں بیٹھا وکرم کو جراثم کش پانی سے ہینڈ موپ لگاتا دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل یہاں پر پولیس آئی تھی، ان کا کہنا تھا کہ کسی نمبر سے انہیں قتل ہونے کی شکایت ملی ہے مگر صاف گھر اور کسی بھی ثبوت کے نہ ملنے، اوپر سے بہت بڑے وکیل کی کال پر وہ واپس چلے گئے تھے۔ ڈینس کا باپ نیویارک کا جانا مانا وکیل تھا۔ انصاف کے علمبردار بھلا کہاں قانون توڑ سکتے ہیں یہی سوچ کر پولیس وہاں سے چلی گئی تھی۔ پولیس تو چلی گئی تھی مگر ان سب کو سوچ میں ڈال گئی تھی۔

''یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی تھا، وہ جو بھی تھا سب دیکھ چکا ہے۔''

ڈینس کے ہاتھ میں گرینا کا فون تھا جو اسے دفناتے سمے بج اٹھا تھا۔ وہ فون کو آف کر کے قبر میں ہی ڈال رہا تھا مگر رک گیا۔ رک اس لیے گیا کیونکہ فون خاصا گرم تھا اور اس کا گرم ہونا کوئی عام بات نہیں تھی۔ وہ بھی تب جب وہ اسے استعمال نہیں کر رہی تھی۔ اگر وہ اسے استعمال نہیں کر رہی تھی تو کون کر رہا تھا؟

''اور سن بھی چکا ہے۔''

وکرم کے بعد اس نے انکشاف کیا۔
''اس موبائل سے، اس نمبر سے آنے والی کال سے۔''
اس نے فون کی سکرین سب کے سامنے کی۔ وہ پولیس کے آنے تک گرینا کو نہیں دفنا سکے تھے۔ ان کے اس گھر میں پولیس پروف الارم لگا تھا۔ بیس کلومیٹر کی بھی دوری پر اگر پولیس ہو گی تو پورے گھر میں ایک منٹ کے وقفے وقفے سے تین بار الارم بجے گا۔ اس الارم کی وجہ سے ہی وہ باخبر ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے ہی انہوں نے گرینا کو ہڈن روم میں دھکیلا اور ساری جگہ صاف کر دی۔ وکرم نے اپنے منہ پر ایک دو خراشیں ڈال دی تھیں، پولیس کو یہی بتایا تھا کہ ان دونوں کے بیچ لڑائی ہوئی ہے جسے کوئی غلطی سے واردات سمجھ بیٹھا ہے۔ دوستوں کے بیچ اس طرح کی لڑائی نیویارک میں معمولی سمجھی جاتی تھی اس لیے پولیس سرسری سا بیان لے کر وہاں سے چلی گئی۔
''گرینا یہاں پر پورے سات بجے پہنچی تھی جبکہ کال سات بج کر بیس منٹ تک چلتی رہی یعنی وہ کوئی جو بھی تھا بیس منٹ تک ہمیں سنتا اور دیکھتا رہا تھا۔ اس کے پاس ایویڈنس ہے۔ مطلب ہمارا فیوچر اس دیکھنے والے کے ہاتھ میں ہے۔'' بات ختم کی، کرنے کے بعد وہ سیل فون ڈبن کی جھولی میں اچھال رہا تھا۔
''پتا کرو یہ نمبر کس کے نام پر ہے۔''
ڈبن کمپیوٹر ایکسپرٹ تھا۔ فون کو کیچ کر کے اس نے نمبر لیپ ٹاپ میں ڈالا اور اس کی تمام انفارمیشنز سکرین پر لے آیا جو نام اسے معلوم ہوا تھا اس پر اس کی آئی بالز سلوموشن میں حرکت میں آئی تھیں۔
''ادا۔'' ثمر نے اس سارے عرصے میں جھٹ سے پلکیں اٹھائیں، آنکھیں سکیڑ دیں اور

دل تھمایا۔
''راحم، ایلاف اور انیشہ کی کلاس فیلو ادا میں دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اس سے شادی کا خواں ہے اور مجھے فورس کر رہا ہے کہ میں اسے اتنی کم عمری میں نکاح کی اجازت دے دوں، تم ایک کام کرو، پتا کر کے بتاؤ وہ کس قسم کی لڑکی ہے اور یہ بھی کہ راحم کی فیلنگز اس کو لے کر کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ اگر وقتی جذبہ ہوا تو میں اسے ٹال دوں گا لیکن اگر وہ واقعی ایک دوسرے کیلئے ضروری ہیں تو میں سوچتا ہوں کیا کرنا ہے۔''
''کیا ہوا آپ پریشان لگ رہے ہیں۔''
''ادا نے میرا نمبر بلیک لسٹ میں ڈال دیا ہے۔''
''ادا نے؟ اس کے پاس تو سیل فون نہیں ہے۔''
''پہلے نہیں تھا مگر اب ہے۔''
ثمر نے سختی سے آنکھیں میچیں، پلکوں پر نمی سی محسوس ہو رہی تھی۔
''ڈیڈ نے بتایا آپ شادی کرنا چاہتے ہیں ادا کے ساتھ۔''
''ایلاف کے میس کے بعد یہ ممکن ہو سکتا ہے۔''
''کیوں نہیں ہو سکتا، ایلاف ان سے معافی مانگ لے گی۔''
''میں اپنی بہن کو نہیں جھکا سکتا۔''
''صحیح بات پر معافی مانگنے میں کوئی عار نہیں ہوتی یہ مام ڈیڈ کے بعد آپ نے ہی ہمیں بتایا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنی فیلنگز کو لے کر شیور ہیں۔ آپ فکر نہ کریں آپ دونوں کا معاملہ میں ہی فکس کرواؤں گا۔''
ثمر کو لگ رہا تھا اس کا سر پھٹ جائے گا۔ ہزار ٹکڑے تو کم از کم ہوں گے ہی۔

”اگر یہ سب ادا نے کیا ہے تو ہمیں اس کے بارے میں کچھ سوچنا ہوگا۔ یہ ہمارے فیوچر کا سوال ہے، بھلے قتل ثمر سے ہوا ہے پھنسیں گے ہم سب ہی۔“

ڈینس کا حتمی اعلان اور ثمر کی چپی بتا رہی تھی کہ اب سے ادا کی زندگی خطرے میں ہوئی چاہتی ہے۔

”مگر ہم کیا کریں گے؟“ وکرم نے بے قراری سے دریافت کیا تھا۔ اسے ادا پسند آئی تھی۔ وہ کیسے اس کی دسترس میں آنے سے پہلے ہی چلی جاتی۔

”وہی جو گرینا کے ساتھ کیا ہے۔“

گھور سناٹا چھا گیا، اتنا زیادہ کہ سانسوں کے انتشار کی آوازیں بھی باآسانی کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ جیسی برف ان کے فارم ہاؤس پر پڑ رہی تھی بالکل ویسی ٹوٹی ہوئی بلڈنگ کی دوسری منزل پر واقع اس اپارٹمنٹ کی بالکونی میں بھی گر رہی تھی۔ اسی وجہ سے دیواروں پر سیم موجود تھا۔ دیواروں سے زیادہ وہاں موجود دو دلوں پر سیم چڑھ چکا تھا۔ ایک دل ادا کا تھا تو دوسرا ایبک کا، جسے وہ الف سے یے تک سب بتا اور دکھا چکی تھی۔ اب آنکھوں پر ہاتھ رکھے گھٹی گھٹی سسکیوں سے رو رہی تھی۔ ایبک نے اس کے بتانے پر کہ اس نے اسی سیل فون سے پولیس کو کال کی تھی سم توڑ کر فلش کر دی تھی مگر پھر بھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ یہ سم کارڈ ادا کے نام پر ہی تھا۔ جلد یا بدیر وہ اس بارے میں پتا لگوا لیں گے۔

”رونا بند کرو پلیز۔“

کئی ساعتوں بعد اس کی بھاری بوجھل آواز ابھری، وہ تکان بھری بھی تھی۔ اس میں بے یقینی تھی کہ اس کی معصوم سی بہن اتنا بہادری اور رسکی کام کیسے کر گئی؟ کیسے اسے انجان رکھ گئی، کیسے؟

''اس نے میری آنکھوں کے سامنے اسے مار دیا، میں کچھ نہیں کر سکی کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہر دس منٹ بعد جب رو کر تھک جاتی تو یہی جملہ دوہراتی، ایبک آزردہ سانس خارج کر کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا، چند قدم چلا پھر پنجوں کے بل بیٹھا۔ ادا بک ریک کے پاس گھٹنوں پر بازو رکھے روئے چلی جا رہی تھی۔ پس منظر میں بیڈ پر لب بستہ سی ان کی ماں دونوں کی کارروائی کو دیکھ رہی تھیں۔

''جو ہونا تھا ہو گیا، پیچھے چھٹ گیا آگے بڑھتے ہیں اب۔'' وہ اس کے کھلے بکھرے بالوں پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔ تسلی دے رہا تھا۔

''مگر کیسے، ہم انہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتے، آج اس نے گرینا کو مارا ہے کل کو کسی اور کو مار دیگا، مجھے راحم کو یہ سب بتانا ہوگا۔''

ایبک نے بچے کی طرح ڈر کر دبکے بیٹھے دل کو تسلی دی۔ اس کی بہن کو کچھ نہیں ہوگا، اللہ اسے کچھ نہیں ہونے دے گا اسے اس بات کا یقین تھا۔

''ہم کسی کو نہیں بتائیں گے ہم یہاں سے جا رہے ہیں بلکہ ہم اس شہر سے ہی جا رہے ہیں۔ کسی کو بھی بتائے بنا کسی کو بھی علم میں لائے بنا۔'' وہ فیصلہ سنا رہا تھا۔ ادا والبوں کے ساتھ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں تحیر کی سرخی چڑھائے اسے دیکھے گئی۔ اس کی ابرو آپس میں آہستہ آہستہ ملیں، ماتھے پر شکنیں در آئیں۔

''ہم بزدل نہیں ہیں۔''

ایبک نے یک لخت غصے میں اس کی بات قطع کی، آواز بہت اونچی ہو گئی۔

''ہم ہیں۔''

پھر اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں دانت پر دانت جمائے، اشتعال کے ابال پر کنٹرول

کیا۔ ”ہم بزدل ہیں ادا، تم نہ ہو پر میں ہوں ایک بھائی اپنی بہن کیلئے بزدل ہو جاتا ہے۔ خاص کر اس طرح کی سچویشن میں، ہمارے سر پر کوئی سرپرست نہیں ہے۔ ہم ان بھیڑیوں کی دنیا میں تنہا ہیں۔ کوئی نہیں ہے ہماری شیلڈ، ہم خود ہی ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ ہمارے بازوؤں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں کا مقابلہ کریں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے اور میرے دل میں بھی نہیں ہے کہ وہ تمہارا غم سہہ سکے۔ اس لیے وہی ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں۔ دس منٹ بعد اٹھو اور پیکنگ شروع کرو، ہم کل ہی اس گھر کو چھوڑ رہے ہیں۔“

فیصلہ سنایا، سنا کر پلٹ گیا۔ ادا کے لب ہلے اس کے قدم جکڑ گئے۔

”ہم پولیس کی مدد لے سکتے ہیں ایبک، وہ بھی تو کسی کی بہن ہو گی نا۔“

ایبک نے ڈھلکے کندھوں کے ساتھ تھکی نگاہیں اس پر ڈالیں۔ وہ اسے کیسے بتائے کہ وہ اس کیلئے کیا ہے۔ وہ نہیں بیان کر سکتا تھا اس ڈر کو جو اس کے دل کے اندر بیٹھ گیا تھا۔ امراء کی اولادیں، عیاشیوں میں گھری ہوئی بے حسی میں پلی ہوئیں۔ کیا اس نے نہیں دیکھا تھا کتنی بیدردی سے ثمر نے اس لڑکی کو مار دیا اور اس کے ہاتھ تک نہیں کانپے، کیا اس نے نہیں سنا تھا کہ کس طرح وہ قتلوں کا انکشاف کر رہے تھے اور ان کی آواز متوازن تھی، لرزی نہیں۔ کیا وہ نہیں جان رہی تھی کہ وہ لوگ کرینا کے فون کے ذریعے اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسے زک پہنچا سکتے ہیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھ رہی تھی یہ سب، کیوں؟

”پیکنگ کر لینا۔“

وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔ دروازہ بند نہیں کیا تھا تبھی ادا کو وہ بیگ میں کپڑے ڈالتا نظر آ رہا تھا۔ رات بیت رہی تھی، بیتنے کے ساتھ کئی دلوں پر بوجھ ڈال گئی تھی۔

☆......☆......☆

کسی نے پردے جھٹکے سے ہٹائے تھے تبھی روشنی کے منہ پر پڑنے کی وجہ سے وہ کسمسا کر رہ گئی۔ کروٹ سیدھی کی، آنکھوں پر سے آئی ماسک اوپر کیا اور نیند سے بوجھل آواز کے ساتھ بولی۔

''یہ کیا طریقہ ہے میں نے کہا تھا نا مجھے دیر سے اٹھانا۔''

انیشہ پردوں کو باندھنے کے بعد اس کی جانب مڑی، دھوپ نہیں نکلی تھی سست روی سے برف گرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''راحم بھائی آئے ہیں ان کا حکم ہے کہ تمہیں اٹھاؤں۔''

راحم کے نام پر وہ کمفرٹر خود پر سے اتار کر بیٹھی۔ اس کا گرم سیاہ ٹراؤزر اور شرٹ پر سرخ لائنیں بنی ہوئی تھیں۔ بیٹھنے پر شرٹ کا کونا سامنے سے تھوڑا فولڈ ہوا تو پچھلی سائیڈ نظر آئی۔ وہ پھیکی سفید رنگ کی تھی مگر موٹی تھی جیسے اس میں روئی بھری ہو۔

''راحم بھائی اتنی صبح، خیریت۔'' ماتھے پر موجود سیاہ آئی ماسک کو اس نے اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

''اتنی صبح نہیں ہے مادام دن کے بارہ بج رہے ہیں۔'' وہ گرم اون کی ٹخنوں تک جاتی سبز فراک میں کھڑی تھی۔ سرخ رنگ کی منی جیکٹ پہنی ہوئی تھی اور بالوں کی درمیان کی مانگ نکال کر پیچھے کس کر پونی کی ہوئی تھی۔ ہاتھ سینے پر بندھے تھے اور گلے میں دراز چین تھی۔

''تم کہیں جا رہی ہو؟'' ایلاف نے اس کی تیاری نوٹ کی اور بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھا، نیند سے بوجھل آنکھیں و چہرہ مگر اجلا اجلا سا۔

''ایبک کی طرف جا رہے ہیں اور تم بھی چل رہی ہو ہمارے ساتھ۔''

کیچر میں بالوں کو جکڑتے ہاتھ یکدم تھمے۔ آئینے میں مرر وال کے قریب کھڑی انیشہ پر نظر ڈالی

''میں کیوں جاؤں گی وہاں۔'' اس نے سخت اور خود غرض لہجے میں کہا تھا۔ ایبک کے ساتھ

وہ غلط کر چکی ہے اس بات کا ادراک اسے ہو گیا تھا مگر وہ اس سے معافی کسی صورت نہیں مانگے گی، بالکل بھی نہیں، ہو ہی نہیں سکتا کہ ایلاف کسی سے معافی مانگ لے۔ ہنہہ ایسی کی تیسی۔

”بھائی ادا سے شادی کرنا چاہتے ہیں، آج ہم دونوں اسی سلسلے میں وہاں جائیں گے۔“

ایلاف جھٹکا کھا کر مڑی، آنکھیں تو گویا پورے نیویارک کی طرح پھیل گئیں۔

”لگتا ہے تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔ عمر دیکھی ہے بھائی کی وہ اتنی کم عمری میں بنا کسی اچیومنٹ کے شادی کریں اور ڈیڈ اس بات کی اجازت دے دیں گے، ناممکن۔“

”کیوں ناممکن ہے یہ؟“ پیچھے سے راحم کی آواز آئی تھی۔ ادا کا رونا اور اس بات کا انکشاف کرنا کہ اس نے کچھ دیکھا ہے بہت بڑی گڑبڑی کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ نہیں رہ سکتا تھا اس سے ملے بنا، وہ نہیں رہے گا اس سے ملے بنا۔

”آ، آپ سنجیدہ ہیں؟“ ایلاف کو یقین کرنے میں دشواری پیش آئی۔ رواں داڑھی، دراز قد، روشن آنکھیں، چوڑی پیشانی، چہرے پر کم عمری کی چھاپ، بھوری پینٹ اور سفید ٹی شرٹ میں موجود ساڑھے بیس سال کا وہ لڑکا فیصلہ کیے کھڑا تھا۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ساٹھ کی دہائی پر بھی پہنچ جائے تب بھی اپنے کہے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔

”بالکل، گناہ سے بہتر نکاح ہے۔ میں نے کبھی کسی سے فلرٹ نہیں کیا، کسی کو اپنی پرسنل پراپرٹی نہیں بنایا، کسی غلط ریلیشن میں نہیں رہا کیونکہ میرے نزدیک یہ سب گناہ ہے۔ ادا کو لے کر جب میری فیلنگز نے مجھے الارم کیا تبھی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ڈائریکٹ شادی کروں گا، کیا غلط فیصلہ کیا؟“

وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ساڑھے اٹھارہ سالہ ثمر اور ساڑھے بیس سالہ راحم میں کتنا فرق تھا۔ ایک نے شیطان کا راستہ چنا تھا تو دوسرے نے دین کا، ایک غلط راہ پر گامزن تھا تو دوسرا

سید ھے، ایک بھٹک رہا تھا تو دوسرا خود کو بھٹکنے سے روک رہا تھا اور یہی ٹھیک تھا اور یہی ٹھیک ہے۔ وہ جو سیدھی راہ پر تھا آج حتمی طور پر بات کرنے جا رہا تھا اور وہ جو بھٹکا ہوا تھا وہ بھی حتمی طور پر ہی بات کرنے جا رہا تھا۔ برف سست روی سے گر رہی تھی، کہاں محکمہ موسمیات کی پیشین گوئی ہے کہ پورے ہفتے برف نے گرنا ہے، گر کر سب ٹھٹھرا دینا ہے۔ برف کے گرنے سے ٹھٹھراہٹ شاید کم ہو گی جتنی سرخ کار کو سٹور کے باہر رک کر دیکھنے پر ادا کو ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر لیڈی آہن کے کمرے کے باہر لگے بٹنز کو ایک ساتھ پش کیا اور پھر ان کی ٹیبل کے نیچے جا کر چھپ گئی۔ تھوڑا سا سر اٹھا کر دیکھا، ثمر کے کار سے نکلنے سے پہلے ہی شیشے کے دروازے لاک ہو گئے اور ان پر سٹیل کی تہہ چڑھ گئی جس پر بہت بڑا ''کلوزڈ'' سفید پینٹ سے لکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا فون نکال کر نمبر ڈائل کیا، دوسری بیل پر ہی فون اٹھا لیا گیا۔

''ایبک، وہ یہاں آ گئے ہیں، وہ سٹور آ گئے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ آنسو بھی در آئے تھے۔

''تم، تم سٹور کیا کر رہی ہو؟'' وہ ڈر گیا تھا، ڈر اس کی آواز سے ظاہر تھا۔

''میں اس ماہ کی سیلری لینے آئی تھی۔ ایبک، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ وہ لوگ بہت سارے ہیں۔''

سٹور میں بالکل سناٹا چھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ اندھیرا بھی، سٹیل کی تہہ دروازے پر چڑھتے ہی آٹو میٹک لائٹس خود ہی آف ہو جایا کرتی تھیں جیسا کہ اب ہوئی تھیں۔

''تم فکر نہیں کرو میں پہنچ رہا ہوں، کال نہیں کاٹنا ہاں، اللہ ہے ہمارے ساتھ۔''

وہ کال نہیں کاٹنا چاہتی تھی مگر سگنل آؤٹ ہو گیا تھا۔ ادا کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔

"یہ کیا ہوگیا؟" وہ خود سے ہمکلام تھی مگر دل میں۔۔ڈر لگ رہا تھا۔پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں نمی لیے وہ روم روم کو کان بنائے وہاں دبکی بیٹھی تھی۔بار بار فون کو ہلاتی کہ سگنل آ جائیں مگر وہ تھے کہ آ کر ہی نہیں دے رہے تھے۔

"یا اللہ، میں بے قصور ہوں پلیز مجھے بچالے۔"

وہ ثمر جو سکول میں ہر روز نظر آتا تھا آج وہ اسی سے ڈر رہی تھی۔ڈینس، ڈبن، وکرم سب سے اسے خطرہ تھا۔اسے رونا آ رہا تھا بہت زیادہ تبھی اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔اسے ایبک کی بھی فکر تھی۔وہ کس قدر اس کیلئے پریشان ہو رہا ہوگا نا۔اس نے ایک بے بس نظر بیجان فون پر ڈالی پھر اسے دوبارہ زور زور سے ہلایا، دس منٹ کی مشقت کے بعد سنگل آن ہوا تھا، ہوتے ہی ایبک کے بیشمار ٹیکسٹ اور ساتھ ہی کالز آنے لگیں۔اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ ایبک کی کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو ادا، ادا، تم ٹھیک ہو، ادا میری بہن۔" اس کی آواز میں موجود اندیشے، پدرانہ محبت اور عجلت پر وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے سرگوشی کی۔

"ہاں اللہ کا شکر، میں تمہارے سٹور کے باہر ہی ہوں لیکن یہ لاکڈ ہے۔" اس کی ابھی بھی تشفی نہیں ہوئی تھی۔ادا میز کی آڑ سے باہر نکلی، اس نے جونہی سر باہر نکالا دبی دبی چیخ اس کے لبوں سے برآمد ہوئی تھی۔سانس کی رفتار تیز تر ہوئی اور پورا بدن کانپ گیا۔لیڈی آہن کے آفس میں وہ چاروں موجود تھے۔ہاتھوں میں بیس بال بیٹ، چاقو اور زنجیریں پکڑے۔سب سے زیادہ ادا جس سے ڈری تھی وہ ثمر تھا جو سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اب اس کے فون کی طرف نظر ڈال رہا تھا جس میں سے ایبک کی بے قرار سی آواز ابھر رہی تھی۔

”ادا کیا ہوا ہے، ادا کون ہے اندر۔“ اس نے میز پر لڑھکتے فون کو ہاتھ میں اٹھایا، منہ کے سامنے کیا ایک نگاہ ادا پر ڈالی اور پھر کال کاٹ دی۔

”تم چھپ کیوں رہی ہو ہم سے؟“ کال کاٹنے کے بعد وہ بولا تھا۔ احترام صرف راحم کی وجہ سے کر رہا تھا۔

”کیا تم نے وہ سب دیکھ لیا، سن لیا جس کا تعلق کل رات سے تھا گرینا سے تھا؟“ وہ استفسار کر رہا تھا۔ وکرم اور ڈینس کو یک لخت احساس ہوا کہ اس لڑکی کو مارنا آسان کام نہیں ہے۔ اس سے پھوٹتی پاکیزگی، معصومیت کی لہریں اتنی تیز ہیں کہ دل پر جبر کر کے وہ کام کرنا پڑے گا، کتنا اچھا ہوا نہیں وہ سب نہ کرنا پڑے۔

”شاید دیکھ لیا، دیکھ کر ایک کو بھی بتا دیا یعنی ایک جیتا جاگتا ثبوت تیار کر لیا۔ ایک کو بتایا مطلب کسی اور کو بھی بتا سکتی ہو۔ ہے نا۔“ باہر دروازے پر لاتوں کی برسات ہو رہی تھی۔ پہلے لگ رہا تھا ایک انسان تھا جو یہ کر رہا تھا پھر کافی لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔

”تم بچو گے نہیں۔“ وہ غصے میں چیخی، ثمر کی آنکھوں میں ترحم ابھرا۔

”یہ نہیں کہنا چاہیے تھا، کیا کہنا چاہیے تھا؟“ اس نے ڈینس کی طرف سر گھمایا۔

”مجھے لگتا ہے میرے لیے مشکل ہوگا مجھے اس پر کرش رہ چکا ہے۔ یوں بھی اس میں سے معصومیت کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔“ سفاک ڈینس پہلی بار انکاری تھا۔ اس نے وکرم کو دیکھا۔

”مجھے لگتا ہے میرا ابھی یہی خیال ہے۔“ ڈبن نے بھی ہاتھ کھڑے کیے۔ ثمر نے واپس گردن اس کی طرف موڑی پھر ہاتھ میں پکڑے چاقو کو دیکھا۔

”یعنی اپنا فیوچر بچانے کیلئے یہ کام مجھے کرنا ہوگا۔“ اس نے چاقو پر انگوٹھا پھیرا، خون کی بوندیں میز کی سطح پر گریں۔ ادا خون دیکھ کر ڈر گئی، دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر رونے لگی۔ اس کا

گلابی سکارف سائیڈز سے گیلا ہو گیا تھا کیونکہ اسے پسینہ بہت زیادہ آ رہا تھا۔ سردی میں خوف کا پسینہ۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اگر تم نے ایسا کیا تو تم بچو گے نہیں۔'' ایک اور دھمکی، ایک اور ترحم بھری نگاہ۔

''مجھے کون پکڑے گا؟'' وہ پوچھ رہا تھا لہجے کا غرور، حیثیت کا نشہ، طاقت کا یقین۔

''ایک پولیس کو سب بتا دے گا پھر تم سب جیل میں ہو گے۔'' وہ چیخی۔ باہر سے دروازہ توڑنے کی آوازیں تا ہنوز آ رہی تھیں۔

''ہمارے جیل میں جانے سے پہلے کیوں نا تم آسمانوں پر چلی جاؤ۔ یہ بہترین آپشن ہے۔'' چاقو پر لگا خون جم چکا تھا۔ ادا ہلنا چاہتی تھی مگر پاؤں بھی جم گئے تھے۔

''تم ٹھیک نہیں کر رہے، میں سب کو تمہارے بارے میں بتا دوں گی۔ انٹرنیٹ پر سب ڈال دوں گی۔''

ثمر دو قدم آگے آیا۔ اس کی آنکھوں میں موجود سفاکیت بڑھ چکی تھی۔

''تب تک تم بچو گی تب نا چلو پھر بالکل خاموش ہو جاؤ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔'' اس نے اٹھ کر فل طاقت سے چاقو اس کے گلے پر پھیرا۔ وار کی شدت کی وجہ سے خون کی تیز پھوار اٹھی، ساتھ میں چیخ بھی اور ساتھ میں فون کی گھنٹی بھی بجی تھی۔ گھنٹی کے بجنے کی وجہ سے ہی وہ ہوش میں آئی تھی۔ بری طرح جھٹکا کھایا، پسینے سے شرابور وجود کے ساتھ وہ ابھی تک میز کے نیچے ہی چھپی ہوئی تھی۔ قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں، لائیٹس آن ہو چکی تھیں۔ کوئی دوڑتا ہوا اندر آیا تھا، اندر آ کر جھکا اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکالا، نکالنے کے بعد خود میں بھینچ لیا۔ وہ اور کوئی نہیں ایک تھا جو کانپتے وجود کے ساتھ اکھڑی سانسوں میں اسے خود میں سموئے ہوئے تھا۔

اس کا پیارا بھائی، اس کا محافظ، اس کا ایبک۔

''تم ٹھیک ہو ہاں؟ صحیح ہو نا، میں ہوں تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا جب تک میں ہوں۔ میری بہن کو کچھ نہیں ہوگا، کچھ بھی نہیں۔'' وہ اس سے لگی ابھی بھی مختل حواسوں سے تھی۔ کچھ دیر قبل کی بھیانک سوچوں نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو سلب کرلیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اتنا ڈری تھی۔ زندگی میں پہلی بار زندگی کی اہمیت کا احساس ہوا تھا پہلی بار۔

''میں نے بات کرلی ہے ثمر سے، وہ تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔ ہم گھر چل رہے ہیں ٹھیک ہے۔'' وہ اسے خود سے الگ کر رہا تھا مگر ادا نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ وہ اور زیادہ اس میں چھپ گئی۔ باہر لیڈی آہن پریشان حال سی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہیں ایبک کی بوکھلائی سی کال آئی تھی جس کی وجہ سے وہ فوراً وہاں آ گئیں۔ سٹور بند اندر سے ہوتا تھا لیکن اس کا ایک اور طریقہ بھی تھا جس سے وہ بند اور کھلتا تھا اور وہ تھا ریموٹ جو کہ لیڈی آہن کے پاس موجود تھا۔ ایبک کی کال پر وہ کچھ ہی منٹس میں وہاں پہنچ گئی تھیں۔ معاملہ تو نہیں پتا تھا مگر جو بھی تھا پریشان کن ہی تھا۔

''میں نے دیکھا اس نے مجھے مار دیا۔'' وہ حواس میں آئی، آنے کے بعد روتے ہوئے بتانے لگی۔ ''اس نے بہت بیدردی سے مجھے مارا، ایبک، میں ڈر گئی ہوں۔'' اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔ وہ جب وہاں پہنچا تھا تو ثمر کی کار وہیں موجود تھی۔ ایبک کو دیکھ کر وہ اور اس کے دوست کار سے باہر آئے، سڑک کراس کی اور اسے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔

''تمہاری بہن نے مجھے دیکھ کر سٹور لاک کر دیا پھر تمہیں یہاں بلا لیا، خیریت؟''

ایبک نے ایک نگاہ تینوں پر ڈالی پھر واپس ثمر کو دیکھ کر بولا۔

''خیریت کے بارے میں تو تم آگاہ کرو گے، مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو اور یہاں کیا کر

رہے ہو؟"

وہ ہلکا سا ہنسا، جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اور اس کے بیحد نزدیک آ کر بولا۔

"ڈیل کرنے آیا ہوں تمہاری بہن کے ساتھ۔"

"کیسی ڈیل؟" ماتھے پر شکن مگر دل میں ڈر آن بیٹھا تھا۔

"ایک ہاتھ دو اور ایک ہاتھ لو والی ڈیل، تم لوگوں کے پاس جو ہمارے ثبوت ہیں ہمیں دے دو ہم تمہاری بہن کی زندگی بخش دیں گے، ہاں ہم ایسا ہی کریں گے۔" یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ راحم کا ہی بھائی ہے، دو بھائیوں میں اتنا تضاد کیسے ہو سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے میں کل تمہیں وہ ثبوت لا دوں گا۔ میری بہن خاموش رہے گی کسی کو ایک لفظ نہیں بتائے گی مگر اس کے بدلے میں تم لوگ اس کا پیچھا چھوڑ دو گے، اسے تھریٹ کرنا بند کر دو گے۔"

ثمر نے جیب سے ہاتھ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"ڈیل ڈن مگر ثبوت مجھے آج شام ہی چاہیں، بنا کسی کاپی کے ایک دم اوریجنل۔"

ایبک نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جی پی ایس چیک کر لینا۔"

وہ اس سے ہاتھ ملا کر پلٹ گیا تھا۔ ایبک نے بند آنکھیں کھولیں۔

"کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ میری بہن کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔" وہ اسے اپنی اوٹ میں لیے وہاں سے چلا گیا تھا۔ ثمر کے ڈر نے اس کی بہن کی جو حالت کی تھی اس پر وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ثمر کو سزا ملے گی ضرور ملے گی۔

☆......☆......☆

وہ لوگ سوا بارہ کے قریب گھر سے نکلے تھے۔ ایلاف کے ہاتھ میں ایک سیب تھا جسے ناشتہ کی ریپلیس منٹ میں وہ کھا رہی تھی۔ منہ سوجا ہوا تھا مگر دل تھوڑا خوش تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہاں جا کر کیا کہے گی، کس طرح ری ایکٹ کرے گی مگر وہ وہاں جا رہی تھی اس بات کو جانتے ہوئے بھی کہ وہ دونوں صاف کہہ چکے تھے انہیں ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔ وہ پھر بھی جا رہی تھی اپنے بھائی کی رضا کی خاطر۔

ان کی کار بلڈنگ کے باہر آ کر رکی۔ راحم نے دوسری منزل کی طرف سر اٹھا کر دیکھا، پردے گرے ہوئے تھے شاید برف کی وجہ سے۔ وہ تینوں تیزی سے اندر کی جانب بڑھے، لفٹ کا استعمال ترک کیا۔

''ثمر کو بھی یہاں ہونا چاہیے تھا۔'' ایلاف نے اونچی آواز میں کہا تھا۔

''ہم نے کال کی تھی مگر اس کا فون بند جا رہا ہے۔''

انیشہ کی اطلاع پر وہ منہ بسورتی رہ گئی۔ جو بھی تھا جیسا بھی تھا ثمر ایسی سچویشن میں اسے کور کر دیا کرتا تھا۔

''تو پھر جب وہ آتا تب ہم جاتے۔''

راحم سب سے اوپر تھا۔ وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی۔ انیشہ نے زچ زدہ سے انداز میں اسے دیکھا اور پھر رک گئی کیونکہ راحم رک گیا تھا۔ ان کے دروازے پر تالا موجود تھا۔ یہ تالا یہاں کیوں تھا؟ راحم نے آس پاس نگاہ دوڑائی پھر گاربیج کوڑا دان میں ڈالتی ایک ادھیڑ عمر عورت سے مخاطب ہوا۔

''ایکسکیوز مس، آپ کو معلوم ہے یہاں لاک کیوں موجود ہے۔'' راحم کے پکارنے پر بڑی ساری نیلی جرسی میں موجود وہ فربہی مائل وجود کی حامل عورت مڑی، جھک کرتا لے کو دیکھا

اور پھر سیدھی ہو کر گہرا سانس بھر گئی۔

"معلوم ہے میرے بچے، لاک اس لیے ہے کیونکہ جو یہاں کے مکین تھے وہ اسے چھوڑ گئے ہیں۔"

راحم کو لگا اسے سننے میں دشواری ہوئی ہے۔

"کیا کہا، کہاں گئے اور کب؟" لہجے کی عجلت اور بے قراری پر ایلاف کا بائٹ لیتا جبڑا پل بھر کو رکا، آئی بالز نے راحم کے چہرے کی طرف حرکت کی جو یک لخت ہی اجڑ چکا تھا۔

"کہاں گئے نہیں پتا کب گئے ہیں یہ معلوم ہے صبح قریباً ساڑھے نو کے قریب وہ اپنا سامان سمیٹ کر چلے گئے تھے۔ کیب میں گئے تھے۔ جاتے ہوئے ایبک کہہ گیا تھا کہ وہ اب کبھی واپس نہیں لوٹیں گے۔ میں نے کہا بچے تمہارے سکول کا کیا تو کہنے لگا کچھ بھی نہیں۔" وہ عورت کہہ کر چلی گئی تھی۔ وہ تو چلی گئی تھی مگر راحم کو سراپا سوال وہاں چھوڑ گئی۔ اس نے جلدی سے فون نکال کر ایبک کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ بند جا رہا تھا۔ ایسا ہی اس نے ادا کے نمبر کے ساتھ بھی کیا تھا۔ دونوں کے نمبرز بند تھے۔ ایلاف اور انیشہ کے فون سے بھی نمبر بند ہی مل رہے تھے یہاں تک کہ چوکیدار کے فون سے بھی ان کے نمبرز بند تھے۔

راحم کو لگا اس کی دنیا ختم ہو گئی، اجڑ گئی۔ اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا کچھ بھی نہیں۔ دماغ ماؤف ہوا، دل پریشان، سانسیں بے حال ہوئیں اور وجود پشیمان۔

وہ کہاں جا سکتے تھے؟

وہ کیوں یوں روپوش ہو رہے تھے؟

راحم کی سمجھ میں نہیں آیا مگر ایلاف کی آ گیا تھا۔ وہ اس سب میں اپنا قصور ڈھونڈ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا ایبک اس کی وجہ سے چوہوں کی طرح بل میں چھپ گیا ہے۔ حد ہوتی ہے بزدلی کی

بھی، فقط ایک پرینک کو اتنا سر پر سوار کر لیا کہ کریئر داؤ پر لگا دیا۔ کون بیوقوف کرتا ہے یہ، اف۔

راحم اور انیشہ جانے کہاں چلے گئے تھے مگر وہ گھر آ گئی تھی۔ آتے ہی صوفے پر دھپ سے بیٹھی اور گود میں لیپ ٹاپ کو پٹخ دیا۔

''اب یہ نوبت آ گئی ہے کہ ایلاف غفور اپنے بھائی کی لو سٹوری کو فکس کرنے کیلئے اپنی سیلف ریسپیکٹ کو اگنور کرے گی، آہ ایلاف آہ۔'' اس نے لیپ ٹاپ میں ایک کا آئی ڈی نمبر ڈالا، تھوڑی سی تردد کے بعد وہ نیا نمبر ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئی تھی جو صبح ہی آن کیا گیا تھا۔ اس نے کمپنی کی جانب سے ایک خالی میسج بھیجا اور انتظار کرنے لگی۔

''کم آن چوہے آن کرو میسج کو، کم آن، کم آن۔'' دانتوں میں ناخن دیئے وہ منتظر تھی۔ کبھی صوفے پر نیم دراز ہو جاتی تو کبھی پردوں کے پاس جا کر کھڑی اور کبھی بیڈ کی پائنتی پر پاؤں لٹا کر انہیں جھلانے لگتی، دوپہر ڈھل رہی تھی شام چڑھنے کو تھی جب اس نے زچ پنے سے پیج کو بند کیا۔ ادا کا آئی ڈی ڈال کر اس کے نام پر رجسٹر نئے نمبر کو کھوجنے لگی مگر وہ نہیں ملا، ہاں پرانا نمبر ضرور مل گیا تھا مگر وہ ڈیڈ تھا۔ وہ اس نمبر کی ہسٹری دیکھنے لگی، سب سے زیادہ کالز ایک کے بعد راحم کی تھی مگر ایک دومنٹ کی۔ وہ دھیرے سے مسکرائی، ایک نمبر پر آ کر ٹھٹک گئی جس پر سب سے طویل کال کی گئی تھی۔ اس نے چونک کر اس نمبر کو دیکھا۔

''کس کا ہو سکتا ہے یہ؟'' تجسس سے پُر دل کے ساتھ وہ اس نمبر کی ڈیٹیل نکال رہی تھی۔ چہرے پر لیپ ٹاپ کی زرد روشنی پڑ رہی تھی اور ماتھے پر بل تھے۔ لوڈنگ ہو رہی تھی۔ کال کرنے والی کا نام اور چہرہ اس کے لیپ ٹاپ کی سکرین پر ابھر گیا۔

''گرینا، اس کے ساتھ اتنی لمبی گفتگو۔'' وہ کال سننے کیلئے سافٹ ویئر بائے کر ہی رہی تھی کہ ثمر نے آ کر اسے چونکا دیا۔ وہ جھٹ سے اشتیاق کی دہلیز چھوڑ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"سنا ہے ایک اور ادا فلیٹ چھوڑ گئے ہیں؟"

اس کے سوال میں تفکر کی پرچھائی تھی۔ وہ ایلاف کے ساتھ صوفے پر جڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا جہاں سے برف کے پھاہے موسلا دھار بارش کی طرح گرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"ایسا ہی کچھ ہوا ہے۔" نامحسوس انداز میں اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین بند کی، آنکھوں میں شکوک کی لکیریں تھیں۔ شک اس لیے عود کر آیا تھا کیونکہ جب سے اس نے ثمر کو فون ٹریپنگ کے بارے میں بتایا تھا تب سے اس کا پرانا نمبر آف تھا۔ اس نے یہ کہہ کر نمبر بدل لیا تھا کہ اسے ڈمب کالز تنگ کر رہی ہیں جبکہ ایلاف جانتی تھی وہاں پر کوئی بھی ایسی کال نہیں کی گئی ہے۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ جھوٹ کیوں بول رہا تھا یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ ظاہر ہے بہن سے گرل فرینڈز کی لسٹ چھپانا گویا بھائیوں کا سب سے بڑا فریضہ ہوتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ آج کل کی بہنیں ان پر اچھی خاصی چیک آئی رکھتی ہیں۔ وہ کب، کہاں اور کس کے ساتھ جارہے ہیں، انہیں سب معلوم ہوجاتا ہے۔ بچو، سوہر بھائی بی کیئر فل!

"تم کیوں پریشان ہورہے ہو؟" وہ اس کے ماتھے پر پھوٹتے پسینے کی بابت پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بس ایسے ہی۔" پھر اس نے شانے اچکائے اور سرسری سے لہجے میں بولا۔ "بھائی کی وجہ سے بھی شاید، کوئی۔۔۔" وقفہ لیا۔ "پیغام چھوڑ کر گئے ہیں وہ لوگ۔" ایلاف نے وہ کہا جو اسے نہیں کہنا تھا اگر وہ، وہ سب نہ کہتی جو کہہ چکی ہے تو شاید زمین زاد کی کہانی بالکل مختلف ہوتی بہت مختلف۔

"ہاں۔" کھوجتی ہوئی ایکسرے کرتی نگاہیں۔

"کیا؟" بے صبری کی انتہا کو چھوتا وجود۔

”یہی کہ بہت جلد سب کو سب پتا چل جائے گا، سب منظر عام پر آجائے گا۔“

اور یہی پوائنٹ تھا جہاں سے ایبک سلطان کی زندگی کی بربادی شروع ہوئی تھی۔ اسی لڑکی کے ہاتھوں جس نے کچھ دن قبل اس کی زندگی کو برباد کیا تھا۔ قسمت کی یاوری تو دیکھو وہ بچ گئے تھے روپوش ہو گئے تھے مگر ایلاف کی اس بات نے انہیں کھینچ کر باہر نکال دیا تھا۔ وہ ثمر کے دماغ میں، اس کے دل میں بری طرح بیٹھ چکے تھے۔

”کوئی کتنا چھپا لے، نہیں چھپے گا۔ سزا تو ملے گی اور وہ سزا بہت بڑی ہوگی۔“

ثمر کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ ایلاف نے واضح اس کی قلم سے پسینے کے قطرے آگے پیچھے بہتے دیکھے۔ ہڈیاں جما دینے والی سردی میں یہ پسینہ ایلاف کی حس شامہ کو بڑھا گیا تھا۔ وہ، وہ سب سونگھ رہی تھی جو نہیں سونگھنا چاہیے تھا۔

”کہیں ایبک اور ادا کی روپوشی کی وجہ ثمر تو نہیں۔“ اس کے دل نے صدا لگائی تھی، صدا کے ساتھ ہی اسے مکمل طور پر اس پر نظر رکھنے پر مجبور کر دیا۔

”ایسا۔۔۔ کہا اس نے مگر کس طرح؟“ جھوٹ ہلاکت ہے۔ جھوٹ تباہی ہے۔ جھوٹ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

”ایک لیٹر لگا ہوا تھا ان کے دروازے پر، میں نے چپکے سے اٹھا لیا مگر تم فکر نہیں کرو۔ اس کے کئی ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیے تھے۔ تم بتاؤ سب ٹھیک ہے؟“

ایلاف کے لبوں سے نکلا یہ جھوٹ ایبک کی زندگی میں زہریلے دھوئیں کی طرح پھیلا تھا جو جلد یا بدیر اس کی تمام خوشیوں کو نگلنے والا تھا۔

”آں، ہاں آل سیٹ ہے فقط راحم کیلئے پوچھ رہا تھا سب۔“ بودی سی وضاحت کی، کرنے کے بعد خود کو سوچوں میں ڈال دیا۔

''ڈیل توڑ کر تم نے اچھا نہیں کیا، سوری بھائی اب میں مجبور ہوں۔'' وہ سوچ رہا تھا، ساتھ ساتھ درد کی لکیریں چہرے پر پھیلا رہا تھا۔ وہ کوئی پروفیشنل کلر نہیں تھا نہ ہی کوئی سائکو جسے قتل کر کے مزا آئے۔ وہ تو ایک عام سا ڈرگ ایڈیکٹ تھا۔ گرینا بھی نشے کی زیادتی کی وجہ سے ہی مری تھی ورنہ اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا اسے مارنے کا۔ اسے یاد تھا وہ وقت جب گرینا کے مرنے کے بعد وہ ٹراما میں گیا تھا۔ اسے یقین کرنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ ایک انسان کا، ایک جیتے جاگتے انسان کا اس نے خون کر دیا ہے۔ وہ بہت چلایا تھا، رویا بھی تھا۔ دوستوں کی تسلی ان کے دلاسوں نے اسے سنبھلنے میں مدد کی تھی ورنہ شاید وہ اتنی جلدی سنبھل نہ پاتا۔

''پریشان نہیں ہو، وہ دونوں جلد مل جائیں گے۔'' ایلاف نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ غائب دماغی سے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح وہاں سے گیا تھا۔ ایلاف کی سکین کرتی نظروں نے اینڈ تک اس کا پیچھا کیا۔

''ہو نہ ہو اس کے ساتھ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی، سوچنے کے بعد کی بورڈ سے سکرین کو جدا کر رہی تھی۔ پیج اوپن کیا اور ہلکی سی چیخ اٹھی۔

''اللہ اللہ اتنی قیمت، ایک سوفٹ ویئر خرید رہی ہوں میں یا پورا نیو یارک۔'' اس نے غصے سے سکرین کو واپس تاریک کیا اور سینے پر بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

''چھوڑو اس کال کو میں نے کیا کرنا سن کر، یوں بھی گرینا میڈم مینڈلی کے ہی قصے رو رہی ہوں گی۔ ادا بھی نا بہت بیوقوف ہے ہر کسی کی کہانی سننے بیٹھ جاتی ہے۔ کتنا فارغ وقت ہے اس لڑکی پر۔'' بند لیپ ٹاپ پر اس نے نظر ڈالی۔

''ایک میسج نہیں دیکھا گیا محترم سے، ہاتھ گھس جائیں گے جیسے، دونوں بہن بھائی بیکار ہیں۔۔۔ ہیل۔''

وہ خود سے لڑنا شروع ہو چکی تھی اس بات کی پرواہ کیے بنا کہ اس کی وجہ سے کس قدر خطرناک لڑائی شروع ہونے والی ہے۔ وہ لڑائی جو زندگیاں تباہ کردے گی، زندگی کے ساتھ خوشیاں بھی، دائمی خوشیاں۔

☆......☆......☆

تین ماہ بعد:۔

نیویارک ایک سرد شہر تھا۔ برف میں ڈوبا ہوا، ہروقت جاویدہ جبکہ اسلام آباد پاکستان کا وہ شہر تھا جس میں ٹھنڈ تو تھی لیکن اتنی جتنی نیویارک میں وہ ''سورج کا دن'' مناتے ہیں۔ بیس ڈگری درجہ حرارت، فضا میں یہاں سے وہاں تیرتی ہوئی، اوس اور پھولوں پر ٹھہرے شبنم کے قطرے۔

مارگلہ کی پہاڑیوں کے عین سامنے بنا وہ چھوٹا سا پینٹ ہاؤس سکون کا گہوارہ لگتا تھا۔ وہ گھر باہر سے سیاہ رنگ کا تھا جس کی چمنی سے اٹھتا دھواں فوگ میں مکس ہو رہا تھا۔ گھر کے سامنے چھوٹی سی باڑ تھی جس کے اندر سبزہ موجود تھا۔ باڑ کے ساتھ ساتھ کئی طرح کے پھول اُگے تھے اور ہاں وہاں کیکٹس کے پودے بھی موجود تھے۔ دائیں طرف نگاہ گھماؤ تو سرخ سکارف اور رائل بلو رنگ کی سلک کی ٹخنوں کو چھوتی فراک میں وہ پنجوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بیلچہ تھا اور دوسری سائیڈ پر بالٹی رکھی ہوئی تھی جبکہ اس کی گود میں بینگن، مشروم اور کریلے کے بیج تھے جن میں سے ایک ایک کر کے نکالتی وہ مٹی سے لتھڑے ہوئے سپرنگ بالوں والے لڑکے کو پکڑا رہی تھی۔ اس لڑکے نے سیاہ پینٹ پر سفید ہاتھ سے بنی ہوئی اون کی جرسی زیب تن کی ہوئی تھی جو اب سفید کم گدلی زیادہ تھی۔

''تم نے اس بیج کو صحیح نہیں لگایا۔ دوبارہ لگاؤ، یاد رہے ہم یہ سب اس لیے کر رہے ہیں

تا کہ گرمیوں تک ہمیں تازہ اور اچھی سبزیاں مل سکیں، سن لو ایبک کیا کہہ رہی ہوں میں۔" وہ جوان سنی کرتا اگلا گڑھا کھودنے لگا تھا کراہ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"یعنی تم چاہ رہی ہو میرے وہ ہاتھ جو سیاہ برتنوں کو مانجھ مانجھ کر دکھ گئے ہیں، اب مزید تھک جائیں کچھ تو رحم کرو مجھ پر، ابھی مجھے شام کی ڈیوٹی پر بھی جانا ہے۔" ادا نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا، انداز بالکل غیرت دلانے جیسا تھا۔

"چچ چچ چچ کیسی لڑکی ہو تم، بہت مشکل کام ہے نا جو تم سے نہیں ہوگا، ہٹ جائیں مس ایبک، جا کر آرام کریں میں کرلوں گی یہ سب۔" وہ اس سے بیلچہ جھپٹنے لگی تھی جب ایبک نے ہاتھ پیچھے کرلیا، جس طرح پورے چہرے پر مٹی لگی تھی اسی طرح اس کی انا پر بھی کاری ضرب لگی تھی۔ ننھے پودے گواہ تھے اس بات کے۔

"شدید خفا ہوگیا ہوں تم سے، یہاں آ کر بہت تیز ہوگئی ہو تم۔" وہ غصے میں زمین میں سوراخ کرنے لگا تھا۔ ادا نے گیلی، سیاہ دھتی مٹی کے گڑھے میں بینگن کا بیج ڈالا اور ادا سے مسکرائی۔

"بالکل ٹھیک کہا، ایسا ہی ہوا ہے میرے ساتھ۔ پاکستان کا پانی راس آگیا ہے مجھے شاید۔" ایبک نے طنز بھری نظر اپنے سے دس منٹ لیکن رعب میں دس سال بڑی بہن پر ڈالی۔

"شاید نہیں یقیناً کہو۔" پھر اس کی گردن خود بخود مین گیٹ کی جانب گھومی، ڈور بیل بج رہی تھی اور تواتر سے بج رہی تھی۔

"لو آگئی تمہاری سہیلی، دیکھو ادا میں بتا رہا ہوں، میں نے ہرگز اس کیلئے مشروم سیلڈ نہیں بنانی، زبردستی کی مہمان بن گئی ہے یہ۔" وہ ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہوا تھا، کھڑی تو ادا بھی ہوئی تھی۔

"بہت بری بات ہے، تم کس طرح سے اس کے بارے میں ایسا کہہ سکتے ہو۔ اتنی اچھی اور سوفٹ نیچر کی تو ہے اور سلاد کا وہ نہیں کہتی میں کہتی ہوں۔"

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے سیاہ دروازے کے سامنے آئے۔ پاکستان ان کیلئے محفوظ اور بہت سہولت والا ثابت ہوا تھا۔ یہاں ہر وقت کرائم کا دھڑکا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں ٹیرر کا خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان کو تو یونہی مشہور کیا ہوا سب نے۔ کوئی باہر جا کر دیکھے تو پتا چلے پاکستان میں کتنا امن ہے اور دوسرے ممالک کس طرح اپنے حصے کی محرومیاں پاکستان کے نام سپرد کر رہے ہیں۔ ہنہہ، دور کے ڈھول سہانے والا کام ہے باہر تو۔

''شرم کرو، کیا میں نہیں جانتا وہ کس طرح ضد کرتی ہے تم سے اور یوں بھی تم اپنی عمر دیکھو اور اس کی دیکھو، سات سال کی ہے وہ اور اسے اپنی بیسٹ فرینڈ بنا بیٹھی ہو۔''

وہ دونوں دروازے کے پاس آ کر رکے، ایبک نے لاک پر ہاتھ رکھا تھا۔ سیاہ رنگ اور گولڈن بالوں والی بلی ان کی دیوار پھلانگ کر پودوں کی جانب بڑھ رہی تھی۔

''اے ہش، ہمت نہیں کرنا میرے پودوں کی طرف بڑھنے کی، ٹھہر جاؤ تمہیں تو میں ابھی بتاتی ہوں۔'' کلک کے ساتھ اس نے لاک کھولا تھا۔ دروازے کی جھری کھلی، وہ محظوظ سا ادا کو بلی کے پیچھے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ بلی تھی جو آئے روز اس کے پودوں کو خراب کر دیتی تھی۔ ادا کو گارڈننگ کا شوق تھا، زندگی میں پہلی بار اس کا یہ شوق پورا ہو رہا تھا وہ کیسے برداشت کر لیتی پھر۔۔ ایبک نے مسکراتے ہوئے اس سے نظریں ہٹائیں کھلے گیٹ پر ڈالیں اور جم گیا۔ اس کی آنکھوں کے عین سامنے راحم کھڑا تھا۔ اجڑی ہوئی حالت، سرخ آنکھیں اور چہرے پر سنجیدگی لیے، ایبک نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں گیٹ بند کیا اور لاک چڑھا دیا۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنا شروع ہوا تھا۔ مڑ کر دیکھا، ادا کے ہاتھ میں بلی آ گئی تھی۔ وہ اسے جھڑکتے ہوئے دیوار کے ساتھ رکھے سٹول پر چڑھی اور اس بلی کو ہمسائیوں (جن کی بلی تھی) کے گارڈن میں چھوڑنے کے بعد اس کی طرف گھومی، آنکھوں میں استعجاب تھا۔ دروازہ مسلسل پیٹا

جارہا تھا۔ادا سٹول سے نیچے اتر کر اس کی طرف قدم بڑھانے لگی۔

''کب تک میرے کمرے میں سو گے، اب ہم پاکستان میں ہیں، نیویارک سے بہت دور۔اب ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے۔'' وہ گردن موڑے بیڈ کے ساتھ نیچے میٹرس بچھائے ایبک سے مخاطب ہوئی تھی۔سیاہ گیٹ سے پشت لگائے کھڑا ایبک اس کے چھوٹے قدموں پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے، اگر کسی دن وہ میرے سامنے آ گئے تو میں کیا کروں گی۔'' چلتے چلتے اس کے شوز کا سٹرپ کھلا تھا۔وہ نیچے جھک کر اسے ہک میں اڑانے لگی، بھورا کوٹ شوز، بھورے موتیوں سے سجے اسٹرپس۔

''ہم دونوں نے ساتھ چلنا سیکھا، ساتھ بولنا سیکھا، ساتھ بڑے ہونا سیکھا لیکن ہم دونوں نے ایک دوسرے کے بغیر جینا نہیں سیکھا۔یہ کام ہم کبھی نہیں کر سکتے، ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر کبھی نہیں جی سکتے۔''

وہ سیدھی ہوئی۔دروازہ تا ہنوز پیٹا جا رہا تھا۔ایبک کو اچانک زمین تنگ لگی، بہت تنگ، قبر جیسی۔

''تمہیں پتا ہے میری بہت خواہش ہے کہ میں وہ تنکوں والا بیگ خرید سکوں، مجھے امید ہے کسی دن میں وہ لے لوں گی بس دعا یہ کرتی ہوں اس دن تک سب ٹھیک رہے۔'' وہ اس کے بیحد نزدیک آ گئی تھی اتنی کہ ایبک نے نظریں جھکا دیں۔وہ اس کی آنکھوں میں درج سوال کے جواب دینے سے قاصر تھا۔وہ اسے کیا بتاتا جس مصیبت سے نکلنے میں تین ماہ لگے تھے اس کا دور ایک بار پھر سے شروع ہونے والا ہے۔کیا وہ بتا سکتا تھا اسے یہ سب؟

''کون ہے؟'' وہ ایبک سے دریافت کر رہی تھی لیکن شاید سننے والے نے سن لیا تھا۔

"دروازہ کھولو ادا، یہ میں ہوں راحم۔"

اس کی نظریں ایبک پر ہی ٹکی رہیں جو مجرمانہ انداز میں اس کے سامنے ایستادہ تھا۔

"تم لوگ کیوں ہم سے بھاگ رہے ہو۔ پلیز دروازہ کھول دو۔"

شاید ایبک نے وہ میسج کھول لیا تھا۔ شاید اس نے ایسا کر کے سب تباہ کر دیا تھا شاید۔۔۔

شاید۔

"اس نے "ہم" کہا۔"

ایبک نے نظریں اٹھائیں۔ ادا کے چہرے پر ڈر اور تفکر غالب آ گیا تھا۔ خوبصورت تین ماہ پانی میں یک لخت تحلیل ہو گئے۔

"ایبک، پلیز ایسا نہیں کرو، میرے حال پر رحم کرو تم لوگ۔"

محبت مار دیتی ہے۔ محبت جان لیتی ہے۔ محبت برباد کرتی ہے۔ محبت تباہ کرتی ہے۔ محبت کہیں کا نہیں چھوڑتی، محبت کبھی نہیں چھپتی۔ راحم کی محبت بھی وہی کر رہی تھی۔ وہ برباد کرنے پر مصر تھی اسے، ادا کو اور ساتھ ساتھ ایبک کو بھی۔۔ اس نے آخری جملہ جس کرب سے، تڑپ سے ادا کیا تھا اس سے اس کے جذبات کا اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں تھا۔ ادا نے فوراً سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ایبک کی نگاہوں میں شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس سب میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ بالکل بھی نہیں تھا۔

"کیوں آزمائش میں مبتلا کر رہے ہو، میں تھک گیا ہوں پھر پھر کر، اکتا گیا ہوں خود سے۔ پلیز مجھ پر زندگی تنگ نہیں کرو، مت کرو میرے ساتھ ظلم۔"

ایبک کو اندازہ تو تھا شروع سے تھا۔ ہر بھائی کو ہو جاتا ہے۔ وہ جان جاتا ہے کہ سامنے والا مرد اس کی بہن پر کس طرح کی نظر رکھے ہوئے ہے۔ جہاں عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے حس کاملہ

عطا کی ہے وہیں مردوں کو بھی وہ نظر دی ہے جس سے وہ اپنی عورتوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ کوئی برا ہے، نگاہ بری رکھ رہا ہے اس سے پروٹیکٹ کرتے ہیں۔ کوئی اچھا ہے، اچھی سوچ رکھتا ہے اس سے محتاط رکھتے ہیں۔

"دروازہ کھول دو ایبک۔ پلیز۔"

اور اس لمحے اس نے فیصلہ کیا۔ وہ فیصلہ جو وہ ابھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا، ادا کو دیکھا جس کی نظریں مسلسل خود کا دفاع کر رہی تھیں، پھر وہ مڑ گیا، مڑ کر لاک کھول گیا۔ دروازہ آہستہ آہستہ پورا کھلا تھا، کھلنے کے ساتھ ہی اس کا چہرہ سامنے آ گیا جس کی آنکھیں سرخ تھیں اور داڑھی بڑھی ہوئی۔ وہ جس کی نظروں نے سب سے پہلے ادا کو ہی دیکھا تھا، دیکھنے کے بعد جھک گئیں، گہرا سانس خارج ہوا، آزردگی اور تھکن جیسے اس سانس کے ساتھ ہی اس میں سے نکل گئی تھی۔ وہ چہرہ نیچے کر کے مسکرایا پھر تھکن سے چُور آنکھوں کے ساتھ ایبک کو تکنے لگا جس کی کہنی پکڑ کر اس کے اوٹ میں وہ دشمن جاں چھپ چکی تھی۔

راحم کا انتظار تمام ہوا۔

آنکھیں سیراب ہوئیں اور دل شاداب۔

دھڑکنوں کو سکون ملا اور شانوں پر موجود تمام بوجھ ہوا کے سپرد ہو چلا۔ روح کو قرار ملا اور آنکھوں کی تلاش تمام ہوئی۔

راحم کی کھوج ختم ہوئی۔

☆......☆......☆

گھڑی کی سوئیاں دن کے سوا دس کا وقت بتا رہی تھیں۔ دس بج کر پندرہ منٹ پر وہ لوگ

چھوٹے قدموں سے اندر آنے لگے۔سب سے پہلے موتیوں والے سٹریپس والے پاؤں تھے جو زینے چڑھ رہے تھے۔اس کے پیچھے مٹی سے لتھڑے شوز اٹھے تھے۔جو چوتھا زینہ چڑھ رہے تھے پھر سفید فلیٹ تھے جو بالکل ڈسٹ لیس تھے،دوسرا زینہ سرخ لیڈیز فلیٹ نے طے کیا اور پہلے پر سیاہ چمکتے شوز کا قدم پڑا تھا۔اس سیاہ شوز میں سے ایک سنجیدہ مگر پرسوچ چہرہ دکھائی پڑ رہا تھا۔شوز پر سے نظر ہٹا کر ایک دم چہرے پر ڈالو تو وہ اور کوئی نہیں بلکہ ثمر تھا جو گارڈن میں باڑ کے قریب تازہ گیلے پیچس پر نظریں ڈالے اندر بڑھ رہا تھا جن میں ابھی بیج اگائے گئے تھے۔ان پیچس کو دیکھ کر اس کے دماغ میں وہ گڑھے یاد آئے جن میں چند لڑکیاں دفنائی گئی تھیں۔امرود کے درخت کے نیچے موجود وہ گڑھے اسی طرح کے دکھتے تھے،بس فرق اتنا تھا کہ ان کا سائز چھوٹا تھا اور وہ بڑے ہوا کرتے تھے۔وہ سب آگے پیچھے اندر آئے۔آ کر لاؤنج میں بیٹھ گئے ماسوائے ادا کے،وہ ایک کی آنکھ کے اشارے کو سمجھتی ہوئی کچن میں چلی گئی تھی۔مقصد منظر سے ہٹنا تھا۔

”تم لوگوں کو ہمارا کیسے پتا چلا؟“بیٹھتے ہی اس نے سوال داغا۔وہ ایلاف کو نہیں دیکھ رہا تھا۔اسے دیکھنا ہی نہیں تھا تو کیوں دیکھتا پھر۔

”یہ سوال غیر ضروری ہے۔ضروری یہ ہے کہ تم وہاں سے کیوں گئے۔“

ایک نے جھٹ سے راحم کی بات درمیان میں قطع کی۔

”آپ کو اس سے کیا،ہم جہاں جائیں،جہاں رہیں آپ کو اس سب سے کیوں فرق پڑ رہا ہے۔“

کچن وہاں سے دور تھا مگر وہاں کیمرہ ضرور لگا تھا۔ادا نے سسٹم آن کیا اور ان سب کو دیکھنے سننے لگی۔اس کی نظریں راحم پر نہیں تھیں اس کی نظریں تو ثمر پر تھیں جو مشکوک انداز میں

وقفے وقفے سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ گرینا کے قتل کی سزا سے وہ کیسے بچ گیا؟ کیا وہاں بھی ان لوگوں کا اثر ورسوخ کام آیا تھا یا گرینا کی سوتیلی ماں نے اسے ڈھونڈنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ہاں شاید ایسا ہی ہوا ہوگا۔ دولت کی لالچ نے انہیں اندھا کر دیا ہوگا تبھی انہوں نے گرینا کو نہیں ڈھونڈا ہوگا تبھی ثمر یوں دھڑلے سے پھر رہا ہے۔

آہ یہ دولت کیسے کیسے جرائم کراتی ہے۔ کیسی کیسی بے حسیاں جنم دلواتی ہے۔

''ایبک! انجان نہیں بنو، کیا تم دونوں نہیں جانتے کہ اس کیلئے میرے دل میں کیا مقام ہے۔ شادی کرنا چاہتا ہوں ادا سے۔''

دنیا کی نظر میں وہ چھوٹا تھا، پڑھ رہا تھا مگر خود کیلئے وہ اس قابل ضرور تھا کہ شادی کر سکے اور اہل بھی کہ ادا کو سنبھال سکے۔ ادا نے اچانک آنکھیں میچیں تھیں، ایبک نے دانت پر دانت جمائے۔

''یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔''

راحم نے تڑپ کر سوال کیا۔

''مگر کیوں؟''

''اس کا جواب آپ اپنے بھائی سے پوچھیں۔'' وہ ایک دم دھاڑا تھا۔ ''ثمر غفور سے پوچھیں کہ یہ سب کیوں ممکن نہیں ہے۔''

ثمر نے مٹھیاں بھینچیں۔ راحم اور ایلاف کی نظر خود بخود اس کی جانب اٹھ گئی۔

''اور اگر یہ جواب نہیں دے سکتا تو میں دوں گا لیکن بس اب بہت ہو گیا، بہت چھپ لیا، بہت بھاگ لیا اب مزید نہیں۔''

ادا ابھی بھی ثمر کو ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے تاثرات سے جان گئی تھی کہ وہ یہاں کس مقصد کیلئے آیا ہے۔ وہ کچھ گڑبڑ کرے گا، وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔ ادا کچن سے دوڑتی ہوئی

باہر آئی اس کی نظر ہونق بنے راحم اور ایلاف پر تھی۔

"تمہاری فیملی کو بھی تو پتا ہونا چاہیے نا کہ تم کون ہو، کیا ہو؟ انہیں بھی تو تمہارے کرتوتوں کے بارے میں آگاہی رکھنی چاہیے، رکھنی چاہیے کہ نہیں۔"

وہ شدت سے دھاڑا تھا۔ ان کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ وہ مزید اپنی اور اپنی بہن کی زندگی کو دشوار نہیں بنانا چاہتا تھا اس لیے آپے سے باہر ہو کر ثمر پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس سے نہیں ڈرتا۔ غلط کیا بہت غلط۔

ادا نے اس کی کہنی تھام لی۔ اس سارے عرصے میں وہ پہلی بار بولی۔ "چھوڑ دو ایبک، ہم انہیں نہیں جانتے۔"

"ایسے کیسے نہیں جانتے۔" راحم کھڑا ہوا تھا ہو کر اس کے نزدیک آیا۔ "بچپن سے ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ہم بہن بھائی تم لوگوں سے آگاہ ہیں اور تم ہم سے، بچپن سے محبت کرتا ہوں تم سے، کس طرح ہماری شناخت سے منکر ہو سکتی ہو۔"

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی راحم نے اپنے بھائی پر لگے الزاموں سے نظر چرائی تھی۔ کان بند کیئے تھے۔ دنیا چاہے جو بھی کہے اسے اپنے بھائی پر یقین تھا۔ اندھا یقین جو ٹھوکر لگا کر زخمی کرتا ہے۔ اتنا زخمی کہ انسان موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ جیسے ابھی کچھ دیر بعد راحم جانے والا تھا۔

"غلط بات نہیں کریں آپ، میں نے کبھی آپ کو ایسا تاثر نہیں دیا۔ اگر آپ زیادہ ہی اس بات پر فورس کریں گے تو پھر میری ایک شرط ہے۔ آپ ایلاف کا نکاح ابھی اور اسی وقت میرے بھائی سے کروائیں گے، آپ ایسا کریں گے تب ہی میں آپ کے بارے میں سوچوں گی لیکن میں جانتی ہوں ایسا نہیں ہوگا۔"

دوٹوک انداز میں وہ ایبک میں آدھی چھپی اس کی کہنی دبوچے کھڑی تھی۔ وہ بالکل بھی

اپنے بھائی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

''یہ کیا فضول بول رہی ہو تم، ہوش میں تو ہو۔'' ایلاف وہیں سے چیخی۔ ادا نے ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

''میں تم سے بات نہیں کر رہی، تمہارے بھائی سے کر رہی ہوں۔''

راحم کے شانے ڈھلک گئے تھے۔ وہ چھوٹی سی لڑکی واقعی اس کے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

''میں بھی اس کا بھائی ہوں، مجھ سے کرو بات۔'' ثمر درمیان میں آیا، غلط کیا۔ ایبک نے ادا کو اور اپنی اوٹ میں لیا تھا۔ وہ خود سے اونچے اور چوڑے لڑکے کو اپنے سامنے یوں تن کر کھڑے ہونے پر گھبرا گئی تھی مگر ایبک نہیں گھبرایا تھا۔ وہ چٹان کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تم درمیان میں نہیں پڑو ثمر، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

اور یہی تو ثمر چاہ رہا تھا۔ وہ صلح کی غرض سے آیا تھا۔ تین ماہ تک اس کی کوئی بھی آڈیو یا ویڈیو لیک نہیں ہوئی تھی۔ مطلب وہ لوگ اس بات کو دبانا چاہتے تھے۔ اس نے ڈینس کو سمجھا دیا تھا کہ وہ شانت رہے۔ ان کا فیوچر سکیور ہے مگر جونہی اسے ایلاف کے ذریعے ان لوگوں کا پتا چلا وہ یہاں چلا آیا، یہ دیکھنے کہ اب بھی وہ لوگ خاموش رہتے ہیں یا پھر اسے اور اس کی ذات کو شک میں ڈالتے ہیں۔ انہوں نے ایسا کیا، اس کی ذات کو نہ صرف راحم بلکہ ایلاف کے سامنے بھی شک میں مبتلا کر دیا۔ وہ جان گیا تھا اب ایلاف ہر طرح کی کھوج لگا کر اصل بات تک پہنچ جائے گی۔ وہ ایسا کرے گی یہ وہ ہونے نہیں دے گا۔

''کیوں کیا کرو گے تم ہاں، بولو اب چپ کیوں کھڑے ہو۔ جواب دو نا۔''

ماتھے پر تیوری ڈالے اس نے جینز کی پاکٹ میں موجود پسٹل پر گرفت مضبوط کی، صبح کی

اجلی روشنی میں اندر نفرتوں کے بادل چھا گئے تھے۔ ثمر سینہ نکالے تن کر کھڑا اسے للکار رہا تھا۔ ایک اس کی باتوں میں آ جاتا، بات ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی اگر راحم درمیان میں نہ آتا تو۔

''کچھ نہیں کرے گا یہ، میرے سامنے میرے بھائی کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، پرسکون ہو جاؤ اور معاملے کو رفع دفع کرو۔''

وہ ایک ہاتھ ثمر کے سینے اور دوسرے ایک کے سینے پر رکھ کر کہہ رہا تھا۔ وہ ان دونوں کے بیچ کھڑا تھا۔ معاملہ خاصا گرم تھا۔ بالکل ویسے جیسے پاکستان میں جون جولائی کے مہینوں میں سورج ہوا کرتا ہے۔ راحم ٹھنڈا تھا بالکل ایسے جیسے دسمبر کی راتوں میں چاند ہوتا ہے۔

''اسے یہاں سے لے جائیں اور کبھی لوٹ کر نہیں آنا، ہم لوگ تم لوگوں کو نہیں جانتے، یاد رکھنا جس دن ہم جان گئے اس دن سب تہس نہس ہو جائے گا۔'' وہ اپنی بہن کو بالکل اپنے پیچھے چھپائے انگلی اٹھا کر اسے وارن کر رہا تھا۔ ثمر کی کنپٹی کی رگ پھڑ پھڑائی، جوان خون جوش مار رہا تھا۔ دھمکیاں خون کو لاوا بنا رہی تھیں۔

''ہم نہیں آئیں گے آج کے بعد۔۔۔'' نظریں اوٹ میں چھپی لڑکی پر پڑیں، دل میں ٹیس اٹھی تھی۔ ''کبھی نہیں۔''

وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ ثمر کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے وہ اسے وہاں سے لے گیا تھا۔ ایلاف نے جاتے سمے ایک اجنبی نگاہ ان دونوں پر ڈالی پھر اپنے بھائیوں کے پیچھے ہو لی۔ ثمر کی پاکٹ میں موجود پسٹل خاموش رہی۔ ابھی راحم کی موت میں کچھ وقت تھا بس تھوڑا سا وقت۔

☆......☆......☆

رات چپکے سے سیاہ چادر اپنے اوپر اوڑھ رہی تھی۔ چادر میں جڑے ہیرے موتی ٹمٹما رہے تھے۔ چاندنی کی ٹھنڈی لہریں بے باک و شرارتی بچوں کی طرح ہر ایک کی کھڑکی میں تاکا

جھانکی کر رہی تھیں۔ اسلام آباد کے سیکٹر نمبر چار کے بنگلے میں بنے گھر کے ایک کمرے کی کھڑکی پر اس چاندنی کی چند لہریں پڑی ہوئی تھیں۔ دودھ سی سفید، ریشم سی نرم چاندنی دیکھ رہی تھی کہ ایک لڑکی اپنے کمرے میں یہاں سے وہاں شش و پنج میں مبتلا ٹہل رہی ہے۔ اس نے سیاہ سفید لائنز والا جینٹس سویٹر زیب تن کیا ہوا ہے، بہت کھلا پلازو اور بالوں کی دو پونیاں بندھی ہیں۔ پونیاں سفید اور سیاہ سورج مکھی جیسی ہیں۔ وہ لڑکی پاؤں میں سوفٹ شوز پہنے ہاتھوں کو رگڑتی ہوئی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ دفعتاً وہ بیڈ کے نزدیک آ کر رکی، اس کی سلک کی گلابی پرنٹڈ چادر پر نگاہ ڈالی پھر کنارے پر ٹک گئی۔

"تمہاری فیملی کو بھی تو پتا ہونا چاہیے کہ تم کون ہو، کیا ہو؟"

اس نے ماتھے پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو رکھ لیا تھا۔ کمرے کی کھڑکی میں موجود چاندنی دیکھ رہی تھی اس کا سر جھکا ہے۔

"انہیں بھی تو تمہارے کرتوتوں کے بارے میں آگاہی رکھنی چاہیے۔"

اس نے جھکا سر اٹھا لیا، گہرا سرد سانس خارج کیا جس کی وجہ سے اطراف میں ٹھنڈ پھیل گئی۔ نظر گھما کر وہ پیلی روشنی والے اپنے لیپ ٹاپ کو تک رہی تھی۔

"اف ثمر، اگر مجھے کچھ غلط پتا چل گیا تو نہیں معلوم میں کیا کروں گی، اف تم ایسے کیوں ہو۔" ماتھے پر ڈھیروں جال بچھائے منہ پھلاتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین کو زور سے بند کیا۔ جو بھی تھا ثمر اس کا بھائی تھا۔ وہ لڑکیوں والے معاملے کو ہی سوچ رہی تھی اس سے زیادہ سوچنے کی اس میں سکت تھی اور نہ ہی ہمت۔

"کہیں تم نے ادا کے ساتھ تو۔۔۔" اس کے آگے وہ سوچنے کی پوزیشن میں نہیں رہی۔ جھنجھلاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی اور چھوٹے قدم چلتی کھڑکی کے قریب آ گئی۔ چاندنی نے

بہت پیار سے اس کے چہرے پر جگہ بنائی تھی۔ رات بہت تاریک اور خاموش تھی۔ گیلی اوس گالوں پر گر کر انہیں تراوٹ بخش رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سکون سے بہت گہرا سانس اندر کو کھینچا اور پھر اسی طرح فرصت سے باہر بھی نکال دیا۔ بہت شادابی محسوس ہوئی تھی ایسا کر کے مگر یہ شادابی یک لخت ہی اڑن چھو ہو گئی جب اس نے نگاہ گھما کر لان کی سمت دیکھا تھا۔ وہاں کوئی سنگی بینچ پر آگے کو جھکا بیٹھا تھا۔ اس طرح کہ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے بینچ کے کناروں پر جمے ہوئے تھے اور پاؤں نے پنجوں کے بل سہارا لیا ہوا تھا۔ بھورے بوٹوں کی سفید لائنز دور سے ہی دیکھی جا سکتی تھیں۔

''راحم بھائی۔'' اس کے لب ہلے۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے مڑی تھی۔ کبڈ میں سے گرم چادر نکال کر وہ تیزی سے نیچے آئی۔ گارڈن میں کھلتی مرر وال کے شیشے دھکیل کر گیلی گھاس پر فوم کے نرم شوز کو رکھتے ہوئے سپیڈ میں آگے کو بڑھی، اس چیز کی پرواہ کیے بنا کہ گھاس میں موجود ٹھہری اوس سے اس کے جوتے مکمل طور پر نیچے سے بھیگ چکے ہیں۔

''راحم بھائی، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ آپ تو اس وقت ڈیڈی کے ساتھ ہوتے ہیں نا اسٹڈی میں۔'' اس نے دور سے ہی چادر کو جھاڑ کر کھولا پھر اس کے قریب پہنچ کر بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس کے شانوں پر پھیلا دیا۔ وہ وہاں فقط ایک ہائی نیک میں موجود تھا جو انگلی کے مس ہونے پر بتا رہی تھی کہ وہ مکمل طور پر اوس کے سبب بھیگ چکی ہے یعنی وہ یہاں کافی دیر سے تھا۔ گرم احساس کے سبب راحم نے آئی بالز کو جنبش دی پھر ہلکا سا ایک شانہ اچکا دیا۔

''آج موڈ نہیں تھا۔'' بھاری، بوجھل، دکھ سے لبریز آواز ایلاف کو یکدم رنج نے آن گھیرا۔

''آپ، آپ روئے ہیں بالکل ایسا ہی ہے۔ آپ کی آنکھیں سرخ ہیں اور۔۔۔ اور پلکیں گیلیں۔''

راحم کے گلے کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔اس نے نچلے لب پر زبان پھیر کر اسے دانتوں تلے لیا تھا۔

"بتائیں خاموش کیوں ہیں۔۔۔بھائی۔"

ایلاف کی آنکھوں میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں نمی آئی تھی۔اسے لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ کر مسل ڈالا ہو۔اس کا ہنستا مسکراتا بھائی آج کن حالوں میں تھا۔وہ کیونکر بھول گئی تھی اس کی سٹرگل، اس کی تلاش، اس کی بے چینی، اس کی راتوں کو جاگنے کی بڑھتی عادت، تفکر میں ڈوبی نگاہیں اور اس کے لب جو بیساختہ ہی اس انسان کے نام لے دیتے تھے جو اسے بنا سوچے سمجھے چھوڑ گئی تھی۔جس کے دل میں اس کے بھائی کیلئے کچھ نہیں تھا کچھ بھی نہیں۔وہ کیسے بھول سکتی تھی یہ سب، کیسے؟

"جھوٹ بول دوں؟ پلیز کہہ دو کہ جھوٹ بول دو، سچ کی ہمت نہیں ہے میرے اندر۔"

خزاں میں جس طرح زرد پتے قدموں تلے پس جاتے ہیں نا اسی طرح اس کی آواز بھی شکست وریخت کی مانند ہو رہی تھی۔ایلاف نے فیصلہ کیا، لمحے میں فیصلہ کیا۔

"میں ایک سے نکاح کر لیتی ہوں بالکل جیسے ڈیڈ اور مام آپ کی شادی کیلئے رضامند ہوئے ہیں۔میرے نکاح کیلئے بھی ہو جائیں گے کوئی ٹینشن نہیں ہوگی۔میں، میں سب کچھ اپنے سر لے لوں گی۔آپ، آپ صبح جائیں ادا کے پاس اور کہہ دیں کہ ہم اس کی شرط ماننے کیلئے تیار ہیں۔"

راحم اسے دیکھتا رہا، کئی لمحے، کئی ساعتیں پھر اس کی دائیں آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔ ایلاف ٹوٹی شاخ کی مانند شانے ڈھلکا گئی۔ڈھلکا تو اس کا دل بھی تھا جو اندر ہی اندر خون کے آنسو بہانے لگ گیا تھا اور آنکھوں پر حیرت بھری نمی۔

”بھا۔۔۔ئی۔“

راحم نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کے گال پر رکھا، اس ہاتھ کی لرزش سے زیادہ لفظوں میں لرزاہٹ تھی۔

”تکلیف۔۔۔“ وہ رکا کہ بولنے میں دشواری ہو چلی تھی، تھما کہ دل میں ٹیسیں اٹھنا شروع ہوئی تھیں مگر پھر ہمت پکڑی۔ اپنی زندگی کی آخری ہمت۔ ”ایک عورت کی جدائی نہیں دیتی یا اس کا ٹھکرانا یا پھر یک طرفہ محبت۔“ ہاتھ نیچے ڈھلکا آنکھوں میں لفظ آن سمائے ان کہے سے لفظ۔

”تکلیف۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا، جھکی پلکیں اٹھائیں آنکھوں میں دبیز نمی کی تہہ تھی۔ آنکھوں کے ذریعے وہ اسے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر نہیں کہا۔ درد سے چور چہرے پر اس نے مسکراہٹ سجائی، پھر ہاتھ اٹھا کر اس کے بال بکھیرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”سو جاؤ، بہت گہری رات ہو گئی ہے۔ صبح بات کریں گے۔“ وہ یہ کہتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ بیس منٹ پہلے کے مناظر جنم لے رہے تھے۔ وہ منظر جنہوں نے اس کا مان، اس کا بھروسہ، اس کی زندگی چھین لی تھی۔ وہ مرروال کی طرف گامزن تھا، پیچھے ایلاف بیٹھی تھی مگر وہ، وہ سب نہیں دیکھ سکتی تھی جو راحم دیکھ اور سن چکا تھا۔ اس مرر میں نظر آنے لگا کہ راحم ایک کمرے کے آگے آ کر رکا ہے اس طرح کہ کسی نے اس کے قدم زنجیر میں جکڑ لیے یا پھر ایسے جیسے زمین کے ہاتھ نکل آئے ہوں اور وہ ان ہاتھوں سے راحم کے پاؤں کو دبوچے کھڑی ہے کہ نہیں اب تم نے تا حیات یہاں سے ہلنا نہیں ہے۔ حرکت کرنا اب سے تم پر حرام ہے۔ ٹھہر جاؤ، رک جاؤ، جم جاؤ اور وہ سب سنو جسے سننا لازم و ملزوم ہے۔ سنو سب سن لو، سن کر اعتبار گنوا لو، سانس تھما لو، دل دھڑکا لو سن لو۔۔۔ سب سن لو۔ اس کے ہاتھ میں

فائل تھی جو ڈیڈ نے اس سے منگوائی تھی۔ وہ سٹڈی سے فائل اٹھا کر موم ڈیڈ کے روم کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ثمر کی دھاڑتی آواز پر تھم گیا۔ اس کا دروازہ آدھ انچ سے بھی کم کھلا تھا۔ اس سے آواز باہر آ رہی تھی۔ شاید ثمر کو اس چیز کا اندازہ نہیں تھا ورنہ کبھی اتنا اونچا نہ بولتا۔

''میرے ساتھ گیم نہیں کھیلو ڈینس، اگر میں پکڑا گیا تو بچو گے تم بھی نہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے چار لڑکیوں کی جان لے کر بھی تم بچ جاؤ گے۔ میرے پاس تمہارے خلاف بھی ثبوت موجود ہیں۔ میں چشم دید گواہ ہوں اور ہر اس جگہ کو جانتا ہوں جہاں تم نے لڑکیاں دفنائی ہیں۔''

راحم کی آنکھیں صدمے اور حیرت سے پھیلیں۔ اس کا تنفس تیز ہوا، وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پایا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور لب بری طرح آپس میں پیوست۔

ڈینس برا ہے وہ جانتا تھا۔ ڈینس اتنا برا ہے وہ یہ نہیں جانتا تھا۔

''نیویارک کی پولیس کو تم نے چکمہ دے دیا کیونکہ تمہارا باپ خود ایک کرپٹ وکیل ہے مگر جب میں ثبوت کے طور پر پیش ہوں گا تو تم بچ نہیں پاؤ گے۔ میرے سر تو ایک قتل ہے مگر تم چار کے قاتل ہو، اگر تم نے ذرا سی بھی ہوشیاری دکھائی تو واللہ سب ختم کر دوں گا۔''

اور یہاں پر زمین نے اس کے پاؤں کو چھوڑا تھا۔ حرکت کرنا اس پر حلال ہوا تبھی وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کے بند لب کھل گئے۔ وہ منہ کھولے گہرے گہرے سانس بھرنے لگا تھا۔ صدمہ زیادہ تھا تبھی اس کے اعصاب ماؤف ہو رہے تھے۔ اگر وہ دیوار کا سہارا نہ لیتا تو ضرور گر جاتا۔ انکشاف خاصا جان لیوا تھا۔

''گرینا کو مارنا میرے لیے بالکل دشوار نہیں تھا اسی طرح ادا کو مارنا بھی مشکل نہیں ہوگا۔ ان دونوں بہن بھائیوں کے پاس بھلے میرے ثبوت ہوں مگر اب میں نہیں ڈروں گا، اس خوف سے نجات ضروری ہے اور اس کیلئے ادا اور ایبک کو راستے سے ہٹانا بیحد ضروری۔ تمہاری توبہ کی

ایسی کی تیسی، مجھے تمہاری مدد چاہیے۔نہیں کر سکتے تو پھر انجام کیلئے تیار رہنا۔"

گہری رات میں لان کو عبور کرتا راحم دیکھ رہا تھا کہ وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑا راحم جو ماضی بن چکا تھا اپنا سینہ بری طرح مسل رہا ہے، اگر وہ اس طرح سینہ نہ مسلتا تو متوقع تھا اس کا دل پھٹ جاتا۔

"دو دن ہیں تمہارے پاس، اگر بدھ کی صبح تم یہاں نہ پہنچے تو میں نے اسی رات کو خود دونوں بہن بھائیوں کو راستے سے ہٹا دینا ہے، ساتھ میں تمہیں بھی ہٹاؤں گا کچھ بھیج رہا ہوں دیکھ لینا۔"

مرروال کی کو کراس کرتا راحم ایک لمحے کو مڑ کر شیشے میں آخری بار خود کی غیر حالت دیکھ رہا تھا۔

"تکلیف ایک عورت کی جدائی نہیں دیتی، تکلیف اپنوں کی ٹھیس بھی دیتی ہے، ان کی بے راہ روی، ان کی خود غرضی اور ان کی سفاکیت بھی۔"

"تکلیف یک طرفہ محبت نہیں دیتی، تکلیف اپنوں کی بے اعتنائی دیتی ہے۔"

تکلیف ثمر کی جرأت دے رہی تھی جو وہ کر چکا تھا، جو وہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ادا میں اس کے بھائی کا دل ہے۔ وہ اسے مارنے کی ٹھان چکا تھا یعنی وہ راحم کو مارنے کی ٹھان چکا تھا۔ ادا مری، راحم مرا، ایک ہی تو بات ہے۔ کیا نہیں ہے؟

☆......☆......☆

پیر کی صبح خاصی ابر آلود تھی، اتنی کہ بادل برس اٹھے تھے۔ تواتر سے ہوتی بارش نے یہاں بھی ٹھنڈ کی زبردست لہر پھیلا دی تھی۔ ہر کوئی کمفرٹر میں دبکا ہوا تھا۔ ورکنگ پرسنز اپنی اپنی جابز پر موٹی جیکٹس یا پھر سویٹرز میں موجود تھے۔ گرے آسمان نے اسلام آباد کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اس موسم کے شیدائی اس سے لطف اٹھا رہے تھے جبکہ باقی بڑے بڑے موڈ کے

ساتھ آسمان کو تک رہے تھے، تک کر بادلوں کو گھور رہے تھے کہ بھئی بس بھی کرو، اب تو ہماری جان چھوڑ دو، آسمان کو صاف کرو تا کہ ہم اس کی وسعت کو دیکھ سکیں، اس کے سکون کو محسوس کر سکیں، اب پلیز چھوڑ بھی دو آسمان کی جان۔

اُن میں سے ایک بھی تھا۔اسے بارش بالکل پسند نہیں تھی۔بارش سے زیادہ اسے یہ ہوٹل نہیں بھا رہا تھا جس میں وہ ایز آ ڈش واشر کی حیثیت سے اپائنٹ ہوا تھا۔دو دن پہلے جب سے راحم لوگ ان کے گھر سے ہو کر گئے تھے۔وہ صبح اور شام کی دونوں ڈیوٹیوں میں ادا کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔خود برتن دھو رہا ہوتا تھا اور وہ سٹول پر بیٹھی مزے سے کافی کے سپس کے ساتھ میگزین کی ورق گردانی کر رہی ہوتی تھی۔اب بھی وہ یہی کر رہی تھی جب ایک نے پھرتی سے اس آخری ٹرے کو دھویا، ابھی وہ نل بند کرنے ہی لگا تھا کہ ویٹر پچیس سے تیس ٹرے اور ان گنت پلیٹیں، گلاسز اور الا بلا اٹھا کر سنک میں رکھ گیا تھا۔ایک نے کھا جانے والی نظروں سے اس ویٹر کو گھورا۔

''کچھ کم نہیں ہیں یہ۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''بالکل کم ہیں، ٹیبل نمبر سات کے دس منٹ تک فری ہو جائیں گے۔یاد رہے پورے تیس لوگوں کی بکنگ تھی خوب دبا کر کھا کر گئے ہیں۔'' وہ ویٹر اسے چھیڑتا ہوا بولا تھا مگر کہا اس نے سچ تھا۔

''پوری دنیا میں اتنے برتن نہیں ہوں گے جتنے میں دھو چکا ہوں۔ایک ڈش صاف نہیں ہوتی بیس لا کر رکھ دیتے ہیں۔مجھے تو لگتا ہے پلیٹیں دھو دھو کر ایک دن میں نے بھی پلیٹ بن جانا ہے۔'' وہ سڑے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔سفید ایپرن پانی کی پڑتی پھواروں سے تقریباً بھیگ چکا تھا۔

"ایک دا پلیٹ، کیوں باجی میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" ویٹر باچھیں نکالتے ہوئے وہاں سے گیا تھا، اس کے ساتھ ادا بھی ہنسی۔ ایبک نے سپنج اور پلیٹ غصے سے پٹخی شکر تھا، وہ ٹوٹی اور نہ ہی اس میں کریک آیا۔

"بہت ہنسنے کی بات ہے نا، خود تو مزے سے کافی پی رہی ہو اور میں یہاں ٹھنڈ سے ٹھٹھرا رہا ہوں۔"

اتنا بڑا ہوٹل تھا مگر یہاں ورکرز کیلئے خاص سہولیات نہیں تھیں۔ ہیٹر نہیں تھا، اوپر سے ایپرن بھی پلاسٹک شیٹ کا نہیں تھا، فقط موٹے کپڑے کا بنا تھا جو پیٹ پر سے بالکل بھیگ چکا تھا، بھیگ کر چپک گیا تھا۔

"اوہ تو یہ بات ہے، تم مجھے کہہ دیتے میں کافی بنا دیتی۔"

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے اسے دیکھ رہی تھی جس نے سیاہ پینٹ پر سفید پورے بازوؤں والی گرم شرٹ زیب تن کی ہوئی تھی مگر چونکہ وہ برتن دھو رہا تھا اس لیے اس نے بازوؤں کو کہنیوں تک چنٹ کی طرح اکٹھا کر لیا تھا۔ تنگ بازو کہنی کے جوائنٹ پر آ کر اٹک گئے تھے۔

"سمجھنے والے کو کہنا ضروری نہیں ہوتا۔"

نل پھر سے کھولا، برتنوں کو صاف کرنے کا کام پھر سے شروع ہوا۔ دو دن پہلے والا واقعہ وہ دونوں ہی بھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بالکل ویسے بی ہیو کر رہے تھے جیسے ان لوگوں کے آنے سے پہلے کرتے تھے۔

"اللہ اللہ نخرے تو دیکھو اس لڑکے کے، میں یہاں ایک کرسی پر بیٹھ بیٹھ کر اکڑ جاتی ہوں اور ان محترم کے شکوے ہی ختم نہیں ہوتے۔" وہ ابرو اچکا کر کہہ رہی تھی۔ ایبک کے لبوں نے مسکان کو چھوا۔

”ہزار بار کہہ چکی ہوں، آدھا کام میں کروا دیتی ہوں، وہ بات بھی ناک پر نہیں ٹھہرتی اور پھر شکوے بھی مجھ سے۔ بہت خوب۔“

وہ مسکراتے ہوئے ہی اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ساڑھے سترہ سال کی بہن نا جانے کیوں آج اسے بڑی بڑی لگ رہی تھی۔ شاید اس کی ایک وجہ راحم کی دلچسپی اور یہاں کے مینیجر کی باتیں تھیں جو اس نے ادا کو لے کر کہی تھیں۔ وہ یہ تھیں۔

”بیٹا! جیسا کہ آپ نے بتایا کہ آپ کے بابا نہیں ہیں اور ماما اس کنڈیشن میں نہیں ہیں کہ ہم ان سے بات کر سکیں اس لیے میں آپ سے گزارش کرنے آیا ہوں۔ میرا بیٹا ستائیس سالوں کا ہے اور وہ ایک مذہبی سکالر ہے۔ اس کے نظریات دنیا کو دیکھنے کے انداز ہم سے یکسر مختلف ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں ایک ماڈرن لڑکی افورڈ نہیں کر سکتا۔ اس نے کوشش کی تھی میرے اور میری بیوی کے کہنے پر منگنی بھی کی مگر وہ نبھاہ نہیں سکا۔ جیسا کہ آج کل کے دور میں آفٹر انگیجمنٹ سب جائز ہوتا ہے، وہ اس ناجائز بات کو ہضم نہیں کر سکا تھا۔ ملاقات کرنا تو دور وہ تو فون پر بات کرنے پر بھی راضی نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے لڑکی کے گھر والوں نے منگنی توڑ دی۔ اسی وجہ سے ہم ایک ایسی لڑکی کی تلاش میں ہیں جو ہمارے بیٹے کے ساتھ چل سکے۔ آپ کی بہن میں وہ خوبیاں ہیں۔ آپ کی بہن کے نظریات میرے بیٹے کے نظریات سے ملتے ہیں۔ اس کا گریز، خود کو ڈھانپنا ایک مثبت پوائنٹ ہے۔ اس کی حیا کا کوئی جواب نہیں۔ وہ چھوٹی ہے کوئی بات نہیں ہم تین سال انتظار کر لیں گے تب تک آپ انویسٹی گیشن کروا لیجیے گا، اپنی تسلی کر لینا۔ کوئی زور زبردستی نہیں ہے، تسلی کے بعد ہی جواب دینا۔“

وہ سوچ میں گم تھا جب ادا کی آواز نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

”اب جواب کیوں نہیں دے رہے، غلط جو ہو جواب کہاں سے آئے گا۔“

لڑکیاں جلدی بڑی ہو جاتی ہیں اس نے سنا تھا مگر آج جب اس کی بہن ایک دم سے اسے بڑی لگنے لگی تھی تب اس بات کا احساس ہوا کہ بڑوں کا کہا ہوا غلط نہیں ہوتا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو میں غلط ہوں۔''

وہ اس کے گیلے ایپرن کو دیکھ کر اٹھی، خالی کپ ہاتھ میں ہی پکڑا، میگزین سٹیل کے کاؤنٹر پر رکھا، رکھ کر اس کی طرف آئی۔

''اب لڑو نہیں مجھ سے، میں توجہ سے کام نہیں کر پا رہا۔ یاد ہے نا آج ماما کو بھی چیک اپ کیلئے لے کر جانا ہے۔تم نے دیکھا سیل فون میں وہ کیا کر رہی ہیں۔''

ایبک نے پورے گھر میں کیمراز لگوا دیے تھے جوان دونوں کے فونوں سے اور کچن میں موجود ایل ای ڈی کے ساتھ جڑے تھے۔ وہ کسی بھی وقت کہیں بھی گھر میں ہوتی حرکات و سکنات کو دیکھ سکتے تھے، ابھی بھی ادا نے فون پر نظر دوڑائی جس میں اس کی ماما سوتی ہوئی نظر آ رہی تھیں پھر وہ ایبک کے قریب پہنچ کر اس کے بازو کو پکڑ کر بولی۔

''ہٹ جاؤ میں کر دیتی ہوں تھک گئے ہو گے تم، کپڑے بھی گیلے ہو چکے ہیں۔ بیمار پڑ جاؤ گے۔''

اور اسی لمحے ایبک کو کوئی نظر آیا تھا۔ ایک فکر مند چہرہ جو اسے ڈاکٹر پر لے جانے پر مصر تھا۔ نیلی جیکٹ جو اسے گرمائش کا احساس دلا رہی تھی۔ نیو یارک کی سڑک اور اس کی سردی۔ اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ دل میں اچانک سے کچھ ہوا تھا۔ وہ فوراً نظریں چرا کر ادا کے ہاتھ سے کپ لے کر اسے دھونے لگا۔

''میں۔۔۔ کر لوں گا۔'' اس نے سرگوشی کی تھی۔ وہ کبھی بھی ادا سے کام نہیں کرواتا تھا۔ کوشش کرتا تھا سب خود ہی کر لے۔ خاص کر گھر کا کام، یہاں تو خیر کرتا ہی خود تھا۔

''ایک! تم بھولے نہیں نا اسے۔'' ادا اس کی آنکھوں میں ایلاف کا عکس دیکھ چکی تھی۔ وہ لاکھ کوشش کرتا اس سے کچھ نہیں چھپا سکتا تھا۔

''برے واقعات کبھی نہیں بھولا کرتے۔'' ادا تاسف سے مسکرائی۔

''اچھی کوننگ کرتے ہو اپنے جذبوں پر مگر بھول جاتے ہو کہ سامنے کون ہے۔''

ویٹر نے یکدم وہاں اینٹری ماری تھی۔

''ہٹ جائیں ہٹ جائیں، برتنوں کا سٹاپ آ گیا ہے، یہ ہوا جہاز یہاں پر لینڈ۔'' لینڈ لفظ اس نے کھینچ کر ادا کیا تھا۔ ادا خاموشی سے سائیڈ پر ہوئی۔ ایک بھی سنجیدہ تھا ورنہ ایک گھوری تو اس ویٹر کو لگا ہی ڈالتا۔

''چلیں جی کپتان صاحب، اس جہاز کو اچھے سے دھو کر رینک تک منتقل کر دیں اور یہ کیا ان برتنوں کو سکھا کر نہیں رکھا۔ یار ایک، کیا کرتے ہو تم۔ اگر کوئی آرڈر آ گیا تو واٹ لگ جانی ہے۔''

دونوں کے دلوں سے یکسر انجان وہ انہی کی عمر کا لڑکا تھا جو نان سٹاپ بولے چلے جا رہا تھا۔

''میں، ابھی کرتی ہوں۔'' ادا نے سفید فوم سے کپڑے کو اٹھانے کیلئے ہاتھ ہی بڑھایا تھا کہ اس لڑکے نے کپڑے کو جھپٹ لیا۔

''آپ رہنے دیں باجی، ابھی میرا کام نہیں ہے اس لیے میں فری ہوں۔ میں کر دوں گا۔ آپ بیٹھ کر ماں جی کو دیکھیے یا پھر وہ وہاں نیا میگزین پڑا ہے وہ پڑھ لیں۔''

وہ مسکرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ جانتی تھی جس طرح پچھلے اڑھائی ماہ سے اس کا بھائی اور وہ لڑکا اسے برتن دھونے یا سکھانے نہیں دے رہا تھا اب بھی وہ دونوں ایسا ہی کریں گے۔ وہ واپس سٹول پر جا کر بیٹھی۔ ایک کا مرجھایا ہوا چہرہ اس سے برداشت نہیں ہوا، اس لیے ماحول کی کثافت دور کرنے کی غرض سے بولی۔

''سنو ایک بات پوچھوں؟'' اس کی آواز پر دونوں نے گردن اٹھائی تھی۔ برتن دھونے والے نے بھی اور سکھانے والے نے بھی۔

''کیا مجھ سے؟'' وہ چھوٹا سا لڑکا پوچھ رہا تھا۔ ادا نے نفی میں سر ہلایا جبکہ ایبک کے لبوں سے ''ہمم۔'' نکلا تھا۔ اداس سا ہمم۔

''زندگی کیا ہے؟''

وہ لڑکا جو برتن سکھا رہا تھا۔ اپنی پکار پر دوڑتا ہوا وہاں سے بھاگا جاتے جاتے بولا۔ ''میں اس کا جواب آپ کو ضرور دینا چاہوں گا، میرا بھی جواب سننا پلیز۔''

ادا نے مسکرا کر اسے وہاں سے جاتے دیکھا، پھر رخ واپس ایبک کی جانب کیا جو اپنے کام میں مشغول تھا۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔

''زندگی کیا ہے ایبک؟''

اس نے گردن موڑی۔ اس سوال پر وہ اسے دیکھتا رہا تھا۔ کیسے بتاتا اس کیلئے تو زندگی وہی ہے۔ باقی سب کیلئے کچھ بھی ہو فلسفوں سے بھری ہوئی، رعنائیوں میں ڈوبی ہوئی یا ایک تحفہ مگر اس کیلئے زندگی وہ تھی بس وہ۔

''اللہ کا دیا ہوا بہترین انعام ہے۔''

دکھ کی پرچھائی جو کسی کی یاد کی وجہ سے آئی تھی ختم ہوگئی تھی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا جیسے پچھلے تین ماہ سے سنبھالتا آرہا تھا۔ سوچ کے برعکس وہ خود کو کہتے ہوئے سن رہا تھا۔

''وہ انعام جو اللہ بہت پیار سے اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے۔'' ادا اس کے جواب پر خوش ہوئی۔

''یقیناً ایسا ہی ہے مگر تم وہ کہہ سکتے تھے جو تمہارے دل میں ہے۔''

بس چند کپ اور، بس چند پلیٹیں اور بس کچھ چمچیاں اور بس کچھ کانٹے اور بس تھوڑی سی ٹرے اور۔

''مثلاً؟'' اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ ادا پہچان گئی۔

''مم، چلو چھوڑو تمہیں شرمندہ نہیں کرتی، تم نا اپنی آنکھیں چینج کروا لو، بہت بولتی ہیں یہ۔''

ایبک مسکرایا۔ نل سے گرتا پانی ایک الگ ہی ساز بجا رہا تھا۔

''تم سے تو کم ہی بولتی ہیں، پتا نہیں میں نے کون سے گناہ کیے تھے جو اللہ نے تمہیں میری بہن کے طور پر نازل فرما دیا۔''

ادا کی ناک کی لونگ چمکی۔ یہ وہ لونگ تھی جو اس نے یہاں آ کر پہنی تھی۔ مشرقی لڑکی تھی۔ مشرق میں آ کر ویسی ہی بن رہی تھی۔

''گناہ نہیں نیکیاں کہو جن کے عوض میں تمہیں ملی ہوں، ٹارچ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی مجھ جیسی عظیم ہستی۔''

ایبک بھنویں اچکاتا ہنسا تھا۔

''ہنہہ، یہ منہ اور مسور کی دال۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا جبکہ دل میں اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم کر رہا تھا۔ وہ اس جملے سے جل بھن ہی تو گئی تھی، اتنی کہ گویا آگ لگ گئی ہو۔ گلابی اردو میں بولے گئے اس کے یہ الفاظ خاصے مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔

''تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو، ہاں؟''

ایبک نے سیز فائر کے سے انداز میں ہاتھ کھڑے کیے۔

''میں بہت امن پسند ہوں بھئی، میں کیوں لڑوں گا۔ وہ تم ہو جو یہ کر رہی ہے۔''

ادا کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

"تمہارے اعمال کا پلڑا بہت بھاری ہو چکا ہے محترم۔"
سٹول پر بیٹھی لڑکی کی گھوری خطرناک ہوئی تھی۔ وہ سر کو پیچھے گرا کر ہنسا، ہنسی سن کر تو اور زیادہ خطرناک ہوئی۔ ادا کی حالت سے وہ حظ اٹھا رہا تھا۔

"اعمال کے حساب کی بات نہ کرو، صرف اعمال نہیں ہیں جنہیں تولا جائے گا۔ نظروں کا حساب بھی ہوگا، ان کا وزن بھی کیا جائے گا۔ دیکھا جائے گا کس کو کب کب، کس کس انداز میں تڑپایا گیا ہے۔ کن کن نظروں سے چھلنی کیا گیا ہے ہر چیز کا حساب ہوگا محترمہ، اس لیے دین کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہ ہی کرو تو بہتر ہوگا۔"

اس کی ایک گھوری پر وہ اتنا لمبا لیکچر دے رہا تھا۔ ادا جان گئی کہ وہ یہ سب اس کی گھوری کی بابت ہی کہہ رہا ہے تبھی اس نے جھٹ سے چھوٹی کی آنکھوں کو درست کیا اور گلا کھنکار کر بولی۔

"حد ہو گئی یعنی، ایک گھوری کے بدلے اتنی خوفناک باتیں۔ کام کرو اپنا، تم برتن دھوتے اچھے لگتے ہو بولتے ہوئے نہیں۔"

میگزین کو منہ کے سامنے کیے وہ کہہ رہی تھی۔ ایبک دل سے مسکرا دیا، مسکرا تو وہ بھی رہی تھی۔ صد شکر کہ اس کے بھائی کا دھیان بٹ گیا تھا۔ پچھلے تین ماہ میں تین بار ہی اس نے ایلاف کو یاد کیا تھا اور تینوں بار ہی ادا نے اسے یوں بہلا دیا تھا جیسے اب بہلایا تھا۔ لیکن یہ اسے لگتا تھا کوئی ایبک کے دل سے پوچھتا یہ اب بھی کس قدر درد میں مبتلا ہے۔

☆......☆......☆

دوپہر چڑھ کر ڈھل گئی تھی مگر بارش نہیں تھمی تھی۔ اسلام آباد کے ایک پوش علاقے میں بنے اس گھر میں ہمیشہ کی طرح آج بھی خاموشی تھی۔ اس خاموشی کو وہ سکون کا نام دیتے تھے۔ سکون ہوتا اگر راحم کے دل میں ہلچل نہ مچ رہی ہوتی، وہ بخار میں نہ پھنک رہا ہوتا۔ اب بھی وہ

بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سر تکیے میں کہیں گم تھا، جب کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔ آنے والا ایک نہیں تھا بلکہ تین تھے۔ ایک ماما، دوسری ایلاف اور تیسری انیشہ۔

ایلاف کے ہاتھ میں تھرمامیٹر تھا جبکہ انیشہ سوپ کا باؤل تھامے ہوئے اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ وہ تینوں کی آمد سے باخبر تھا پھر بھی سیدھا نہیں ہوا۔

''راحم، جان کیا ہو گیا ہے آپ کو، صبح سے ایسے ہی پڑے ہیں آپ، اٹھیں فریش ہوں، باہر نکلیں دیکھیں موسم کتنا پیارا ہو رہا ہے۔''

اپنے بالوں میں اسے نرم انگلیوں کا لمس محسوس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا کسمسایا مگر سیدھا پھر بھی نہیں ہوا۔

''ایسے رہیں گے تو بخار اور زیادہ چڑھے گا، طبیعت بھی مزید اکتائے گی، پہلے تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔''

وہ ماں کے شکوے پر سیدھا ہوا، بخار سے تپتا وجود اور سرخ چہرہ ان تینوں کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ چھوٹی موٹی سی انیشہ اس کے جلتے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر قدرے روہانسی ہو گئی۔

''ثمر کہاں ہے؟'' صبح سے چپ کا روزہ رکھے ان کے فرمانبردار بیٹے نے شروعات یہیں سے کی تھی۔ انیشہ کا ہاتھ ماتھے سے ہٹا کر وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑ کر سینے پر رکھ گیا تھا۔ وہ بالکل اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ہاتھوں کی گرمائش ایسے تھی جیسے آگ ہو۔

''تمہارے ڈیڈ کے ساتھ کورٹ گیا ہوا ہے۔ تم بیمار تھے تو وہ اسے ساتھ لے گئے۔''

ماں کے جواب پر اس نے انیشہ کو دیکھا جو رونی صورت بنائے اس کے قریب بیٹھی تھی۔

''سوپ تم نے بنایا ہے؟''

انیشہ نے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ مسکرا دیا۔ مسکرا کر اس کا

دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں قید کرلیا۔ وہ ایسا اس لیے کر رہا تھا کیونکہ سوپ بنانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سرد ہو چکے تھے۔ وہ اس کے ہاتھوں میں گرماہٹ پہنچا رہا تھا تاکہ اس کی نازک بہن بیمار نہ ہو جائے۔

''پھر تو پینا پڑے گا۔'' کہنے کے بعد اس نے گردن گھما کر سنجیدہ کھڑی ایلاف کو دیکھا جو تھرما میٹر سائیڈ میز پر رکھ کر ٹرے اٹھا رہی تھی۔ راحم نے کمر کو بیڈ سے آزاد کیا، انیشہ کے ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھوں کی قید میں تھے۔

''شکر ہے کسی چیز کیلئے تو ہامی بھری، میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ میرے پیارے بیٹے نے صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا، اب سوپ پورا ختم کرنا ہے اور میڈیسنز بھی لینی ہے۔ اوہ، تمہارے ڈیڈ کی کال آرہی ہے، میں سن کر آتی ہوں۔'' وہ اپنے بجتے سیل کو لیے وہاں سے گئی تھیں۔

ایلاف نے بیڈ کے بیچ بکھرے بالوں والے اس لڑکے کو دیکھا پھر ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے بال سیٹ کر دیے۔ راحم پھر سے مسکرایا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے، موسمی بخار ہے۔ یہ بات تم جانتی ہو۔''

ایلاف نے چکن سوپ کا چمچ بھر کر اس کے منہ میں ڈالا، وہ چکن کے ٹکڑوں کو چباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بالکل ٹھیک کہا، میں جانتی ہوں پر آدھی بات۔'' انیشہ کے درمیان میں لقمہ دینے پر وہ دونوں چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ ان کے چونکنے کے دوران ہی باہر بجلی زور سے کڑکی تھی۔

''مگر میں تو پوری بات بھی نہیں جانتی، یہ ٹھیک نہیں ہے آپ تینوں مجھے ہر معاملے سے انجان رکھتے ہیں۔'' اس کا احتجاج بے معنی نہیں تھا۔ وہ واقعی اس معاملے میں اس کے ساتھ

زیادتی کر جاتے تھے۔

”ایسا اس لیے کرتے ہیں تا کہ تمہارا معصوم سا دل دکھی نہ ہو، اب دیکھو کیا تمہیں یہ سن کر اچھا لگے گا کہ ادا مجھے ریجیکٹ کر چکی ہے۔ ہمم۔“ راحم نے بہت آسانی سے بات گول کی تھی۔

انیشہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

”کیا مطلب، وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے، میں ماما سے کہتی ہوں وہ جائیں گی اس سے بات کرنے۔“ انیشہ بیڈ سے اترنے لگی تھی، مگر ایسا نہیں کر سکی کیونکہ راحم کے ہاتھ میں اس کے دونوں ہاتھ جو قید تھے۔

”بالکل یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے ہم تمہیں انجان رکھتے ہیں، دیکھو کیسی بیوقوفی کرنے جا رہی تھی۔“

”پر بھائی۔“ اس نے ایک بار پھر سے احتجاج کیا تھا۔ راحم کے ہاتھ کھڑا کرنے پر دبک گئی۔

”موو آن کرنا سیکھا ہے نا ہم نے، سیکھا ہے کہ نہیں؟“ یہ اس کا تیسرا نوالہ تھا جو وہ ایلاف کے ہاتھ سے لے رہا تھا۔ انیشہ نے اس کے چکن کے ٹکڑے چبانے کے دورانیے میں سر کو ہلا دیا۔

”شاباش وہی کریں گے ہم، میں نہیں جانتا ادا کون تھی، تم دونوں نہیں جانتیں کہ کبھی تمہارا اس سے کوئی تعلق رہا تھا، ٹھیک ہے؟“ اس کی مخاطب ایک بار پھر سے انیشہ تھی جو پھر چہرہ پھلائے اثبات میں سر کو جنبش دے گئی۔

”چلو پھر شاباش جاؤ اور میڈ سے کہو میرے لیے سٹرانگ سی کافی بنائیں۔“ اس نے اپنے ہاتھ کھولے، انیشہ کے ہاتھ آزاد ہوئے تھے۔ وہ آگ جو راحم کے ہاتھوں میں تھی اس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک سے بھی نہیں بجھی تھی۔ بھلا دل میں لگی آگ کبھی بجھا کرتی ہے۔ اس کا دل ہی تو جل رہا تھا جس کے سبب پورا وجود آتش بن گیا تھا۔

''کیا چھپا رہے ہیں آپ؟'' انیشہ نے جونہی دروازہ بند کیا ایلاف کی مدھم آواز کمرے میں گونجی۔ راحم کے چہرے پر سختی آن ٹھہری، آنکھوں میں پسماندگی اور ناک پر اداسی، یہ اداسی ہی تھی جو اس کی ناک جھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

''جھوٹ بول دوں، سچ کی ہمت نہیں ہے۔'' ایلاف نے سرخ لائنز والا سفید پتھر کا باؤل واپس ٹرے میں رکھا، وہ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ سپون بھی اس میں رکھ کر وہ راحم کی جانب مڑی تھی۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بلاسٹ کیا تھا۔

''ثمر کے بارے میں مجھے سب پتا ہے۔''

راحم کا سانس اٹک گیا، لب ہلکے سے وا ہوئے، حیرانی کی حد۔

''یعنی؟'' پھنسی پھنسی سی آواز تھی۔ اس کا بھائی رسوا ہو رہا ہے، اسے نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''یعنی اس کے کئی لڑکیوں کے ساتھ تعلق رہ چکے ہیں، یعنی وہ ڈرگز بھی لیتا ہے یہی بات ہے نا جو کل سے آپ کو پریشان کر رہی ہے۔''

بس کیا وہ یہیں تک جانتی تھی۔ اوہ شکر خدایا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ دل پر سے بوجھ سرک گیا تھا۔ ثمر کا امیج بہنوں کے سامنے کبھی خراب نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا۔ پوری کوشش کرے گا کہ کبھی انہیں معلوم نہ ہو، ان کا بھائی قاتل رہ چکا ہے۔

''ہاں۔'' وہ جھٹ سے بولا، مبادا اسے شک نہ ہو جائے۔ ''یہی بات ہے اور کیا ہو سکتی ہے بھلا، شرمندہ ہوں کہ میرا چھوٹا بھائی اس طرح کی حرکتیں کرتا رہا اور میں انجان رہا۔''

ایلاف نے اس کی بات درمیان میں قطع کی، اس طرح کے اس کی نظروں کا شک تا ہنوز قائم تھا۔ کچھ تو تھا جو وہ مزید چھپا رہا تھا۔

''آپ انجان نہیں تھے، بہت سے لوگوں نے آپ کو بتایا تھا مگر آپ نے ان سنی کر دی

کیونکہ آپ میں ہمت نہیں تھی، ثمر کا اصل چہرہ دیکھنے کی، آپ کتراتے تھے، اس کے برے فعل کے بارے میں آگاہی رکھنے سے، آپ ایسا نہ کرتے تو آج یوں بیمار نہ پڑے ہوتے۔"

راحم کا سر جھک گیا تھا۔ ایلاف تڑپ ہی تو گئی۔

"تم نے ٹھیک کہا میری غلطی ہے۔ ڈیڈ نے مجھے تم لوگوں کا بڑا بنا کر بھیجا تھا لیکن میں کچھ نہیں کر سکا، اپنے بھائی کو بھٹکنے سے نہیں روک سکا۔" اس کے نتھنے پھر سے پھول پچکنے لگے تھے۔ آواز کی بھراہٹ اور آنکھوں کی نمی اس کے کرب کا پتا دے رہی تھی۔

"لیکن میں اب روکوں گا، کروں گا بات اس سے۔ پورا یقین ہے میری بات کی لاج رکھے گا وہ۔"

ایلاف نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے مانو جلتے توے کو چھو لیا ہو۔

"بالکل ایسا ہی ہوگا آپ پریشان نہیں ہوں۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے۔"

باہر بارش تاہنوز برس رہی تھی لیکن کون جانتا تھا یہ راحم غفور کی زندگی کی آخری بارش ہے۔

"تمہیں یقین ہے؟"

ایلاف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سو فیصد!"

☆......☆......☆

پیر کی شام بہت یاسیت بھری تھی۔ اتنی کہ مانو سب چرند پرند آج سوگ میں ہوں، ہر سو دبیز خاموشی کی چادر تنی ہوئی تھی۔ سکوت تھا کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ دل تھا کہ بند ہونے کو بے قرار تھا۔ سانس تھی کہ رکنے کو بے چین تھی اور روح، وہ بھی تو قضا کی منتظر تھی۔ آج نہیں تو کل، یہاں نہیں تو وہاں اس نے قضا کر ہی جانا ہے۔ یہی زندگی کا اصول ہے۔ یہی

ہماری حقیقت ہے۔

اسی اداسی بھری شام میں جب وہ کچن میں مشرومز کا سالن بنارہی تھی ان کی ڈور بیل بجی۔ کفگیر چلاتے ادا کے ہاتھ پل بھر کو رکے، ایبک نے صوفے پر سے گردن موڑ کر داخلی دروازے کی جانب دیکھا۔بیل ایک بار پھر سے ہوئی تھی۔اس کے بعد وقفے وقفے سے تواتر سے ہونے لگی۔ایبک محتاط سا اپنی جگہ سے اٹھا، کچن میں اس کے پاس آیا جواب اس کے دروازے تک پہنچ چکی تھی۔

''میں دیکھتا ہوں باہر، نہیں نکلنا تم۔''

ایبک کے مڑنے سے پہلے ہی ادا نے اس کی کہنی تھام لی۔

''میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی، ساتھ چلوں گی۔''

اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنی کہنی سے ہٹایا بارش آج تسلسل سے ہورہی تھی۔

''ضد نہیں کرو، آرہا ہوں ابھی۔'' کچن میں فقط ایک کھڑکی تھی جو کراس شیشوں کی بنی ہوئی تھی۔ایبک نے باہر سے اس پر کراس کے انداز میں موٹی لکڑی کے پھٹے جوڑ دیے اور اندر سے اسے لاک کردیا تھا۔اب بھی وہ اس کھڑکی پر نگاہ ڈالے دروازے کو بند کرتا پلٹا تھا۔پیچھے سے شرٹ کو درست کرتے ہوئے وہ داخلی دروازے سے باہر آیا، سیاہ رنگ کا چھاتا سر پر تانے وہ مین ڈور کی طرف بڑھ رہا تھا جس کے باہر لگی بیل بجے جارہی تھی۔ایبک نے کی ہول سے جھانکا وہاں تنہا راحم کھڑا تھا، اسی کی طرح کی چھتری پکڑے سر پر گرے ہڈ ڈالے۔ایبک کی غصے سے رگ پھڑک اٹھی۔

''کیوں آئے ہیں یہاں پر؟'' دروازہ کھولے بنا ہی وہ اونچی آواز میں سوال داغ گیا۔

راحم نے گیلے سیاہ گیٹ پر ہتھیلی رکھی۔

"ضروری بات کرنی ہے ثمر کے بارے میں، یقین کرو کسی اور نیت سے نہیں آیا ہوں۔"
وہ کچھ دیر شش و پنج میں کھڑا رہا پھر سوچ کر دروازہ وا کر دیا۔ راحم اندر آیا، ایبک نے دروازے کو لاک کیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے داخلی دروازے کو عبور کرتے دکھ رہے تھے۔ چھتری وہ اسٹینڈ میں ڈال چکے تھے۔ راحم نے سر پر سے ہڈ کو اتارا، اپنے شانوں پر سے پانی کے نادیدہ چھینٹے جھٹکتے ہوئے وہ اسی صوفے پر بیٹھ رہا تھا جس پر کچھ دن قبل بیٹھا تھا۔
"مجھے ثمر کے بارے میں سب پتا چل گیا ہے۔" اس نے بیٹھتے ہی بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ صوفے کے کنارے پر ایسے ٹکا تھا جیسے بس ابھی بھاگ کر جانے والا ہو۔
"اس نے گرینا کا قتل کیا ہے جان گیا ہوں۔ بہت شرمندہ ہوں کہ میرے بھائی کی وجہ سے تم دونوں کو زحمت ہوئی، پڑھائی چھوٹی، ملک چھوٹا مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔" اس نے ایک نظر یہاں سے دکھائی پڑتے کچن کے بند دروازے پر ڈالی پھر واپس ایبک کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر چنداں حیرت نہیں تھی۔
"میں آج اسے سمجھاؤں گا، سمجھ گیا تو ٹھیک نہیں تو تم لوگ یہ گھر چھوڑ دو۔ میں نے اسے کہتے سنا ہے کہ۔۔۔" اس نے بات درمیان میں چھوڑ دی، چہرے سے وہ شدید بیمار لگ رہا تھا۔ ایبک کو اس پر ترس آیا۔
"ہم اب نہیں بھاگیں گے، وہ ثمر ہوگا جو یہ کرے گا۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بخدا میں وہ تمام ثبوت پولیس کو دے دوں گا جو اب تک ہمارے پاس ہیں۔"
ایبک کے فیصلے پر اس کی جھکی گردن اٹھی تھی۔ ہاں وہ بیمار تھا بیحد بیمار۔
"بہر حال تم ادا کی حفاظت کرنا، اس کی جان خطرے میں ہے۔ اول تو ثمر ایسا نہیں کرے گا۔ اگر اس نے کرنے کی کوشش کی تو یقین دلاتا ہوں تم دونوں کو کچھ نہیں ہوگا۔ اب چلتا

ہوں۔دروازہ اچھے سے بند کر لینا۔“

وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح چلا بھی گیا۔اس کے جاتے ہی ایبک نے دروازہ بند کر کے کچن کو ان لاک کیا۔ادا کے ساتھ مشرومز کی خوشبو بھی باہر آئی تھی۔

”سب ٹھیک تھا؟“

ایبک نے شانے اچکا دیے۔

”ہاں وہ بس ثمر کے ارادوں کے بارے میں آگاہ کرنے آیا تھا۔تم فکر نہیں کرو ہم محفوظ ہیں۔“

اس سے زیادہ وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔اس کے قدم ماما کے کمرے کی طرف تھے جہاں سے ہلچل کی آواز آرہی تھی۔ ہمیشہ ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا مگر ڈور بیل کی آواز پر ایبک نے اسے لاک کر دیا تھا۔اب وہ جونہی اندر گیا، کسی چیز نے اس پر حملہ کیا تھا۔اس نے ہڑبڑا کر لائٹ آن کی، وہ ساتھ والوں کی بلی تھی۔ سیاہ رنگ کی پیلی آنکھوں والی، موٹی تازی مگر چڑچڑی۔

”اوئے تم یہاں کہاں سے آئی، اوہ اچھا وہ ہے تمہارا راستہ۔“ بلی کو ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامے اس نے کھڑکی کو پورا کھولا، وہاں سے اسے نیچے چھوڑا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔بارش ہو رہی تھی اس کے ساتھ بجلی بھی چمک رہی تھی۔بجلی کی چمک میں اس نے لان کی دیوار کے پاس ایک ہلکی سی شبیہہ دیکھی تھی۔ وہ کس کی تھی جان نہیں پایا۔ہاں مگر اس نے کھڑکی کو لاک کر کے اس پر پردے گرا دیے تھے۔اس کی ماما مدہوش سی سو رہی تھیں۔وہ ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔جہاں وہ کمرے سے باہر گیا تھا وہیں کوئی دور بنے گھر کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔وہ اور کوئی نہیں راحم تھا جس کے شانے ڈھلکے ہوئے تھے۔ چہرے پر بیماری کی پرچھائی اور آنکھوں میں برہمی، ثمر نے ریوالونگ چیئر پر جھولتے ہوئے کتاب آنکھوں

سے ہٹا کر اسے دیکھا جو دروازے کے فریم میں کھڑا تھا پھر وہ چند قدم آگے بڑھا، مڑا، دروازہ لاک کیا اور سیدھا ہو گیا۔

”میں آپ کے پاس آیا تھا صبح مگر آپ سو رہے تھے۔ اب بھی گیا تھا ملنے تو آپ کمرے میں نہیں تھے۔ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی۔“

وہ دو قدم مزید آگے آیا لب ابھی بھی آپس میں پیوست تھے۔

”کیا ہوا، کہیں گئے تھے آپ کیا؟“ کتاب کو میز پر رکھ کر وہ کھڑا ہوا۔ اس کے کھڑے ہونے پر کرسی زور سی ہلی تھی اور پھر تواتر سے ہلنے لگی۔

”ہاں ایک کو وارن کرنے گیا تھا کہ تم ان دونوں کو مارنے والے ہو۔“

آگ کا گولا تھا جو ثمر کے سر پر آن گرا تھا۔ ماتھے پر بل ڈالے ٹھوڑی کو رگڑتے ہوئے اس کے دل نے رفتار پکڑی تھی۔

”یہ۔۔۔کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔“ سکن کلر کی جینز اور اسی رنگ کی ٹی شرٹ زیب تن کیے لمبے چوڑے ثمر نے گھبراتے ہوئے دریافت کیا۔ ایک پل کو تو وہ گنگ رہ گیا تھا، بولنے میں خاصی انرجی استعمال ہوئی۔

”وہی جو سچ ہے، تمہارے بارے میں سب معلوم ہو گیا ہے مجھے۔“

وہ یکدم کھانسا، پیاس کی طلب بھی اچانک ہی ہوئی تھی۔ ”کہ تم نے کسی کو قتل کیا اور تمہارے اس دوست نے بیشمار لڑکیوں کو۔“

راحم کو ایستھما نہیں تھا لیکن معلوم نہیں کیوں ایسا لگ رہا تھا اگر وہ پانی نہیں پیئے گا تو مزید بول نہیں پائے گا۔

”بہتان ہے یہ مجھ پر، آپ کیسے ایک کی بات کا یقین کر سکتے ہیں۔ میں آپ کا بھائی

ہوں۔آپ نے کہا تھا پوری دنیا بھی میرے بارے میں غلط کہے گی تو بھی آپ یقین نہیں کرو گے کیونکہ آپ کو مجھ پر ٹرسٹ ہے۔میں کیوں گرینا کو قتل کروں گا۔"

اس کے بولنے کے دوران ہی راحم سائیڈ میز پر رکھے پانی کے جگ کے قریب آیا تھا۔ اس نے گلاس کو آدھا فل کیا لیکن پینے سے پہلے ہی مڑ کر اسے دیکھا۔اس کا سانس پھول رہا تھا۔بخار کا زور کافی زیادہ تھا۔

"میں نے گرینا کا نام تو نہیں لیا اور کیا میں نے ایبک کا بھی نام لیا، تم نے پہلے کی طرح اب بھی سب خود ہی بتا دیا ہے ثمر، تم ایسے تو نہ تھے۔"

وہ پھنس گیا، احتجاج ختم ہوا حقیقت کا سانپ منہ کھولے اس کو نگلنے کو کھڑا تھا۔

"آ۔آپ اب کیا چاہتے ہیں۔" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔خوف پورے بدن میں سرایت کر گیا۔اس خوف کے سبب ہی وہ فیصلہ کر چکا تھا، وہ فیصلہ جو نہیں کرنا چاہیے تھا۔گناہ کی پہلی سیڑھی پر رکھا قدم آخری تک لے جاتا ہے، بس شروعات کی دیر ہے آگے کے راستے شیطان خود بہ خود تجویز کرتا جاتا ہے اور بشر اس کے بہکاوے میں آکر سب غلط کر دیتا ہے، انجام کی پرواہ کیے بغیر، رشتوں کا احساس کیے بغیر کہ شیطان کا کوئی رشتہ دار نہیں پھر وہ کیوں چاہے گا کسی کا کوئی رہے۔ہمم۔

"یہی کہ تم جرم کو قبول کرو، میں صبح موم ڈیڈ کو سب بتا دوں گا۔ان کا ری ایکشن تھوڑا سخت ہوگا مگر میں فکس کر لوں گا بس تمہیں اعتراف کرنا ہے۔مضبوط رہنا ہے۔کورٹ میں تمہارے حق میں ہی فیصلہ ہوگا۔زیادہ سزا نہیں ملے گی تمہیں۔میں چاہتا ہوں تم سیدھے راستے پر آجاؤ، توبہ کر لو۔" ہاتھ میں پکڑا گلاس کانپ رہا تھا۔اس کے ہاتھوں کی لرزش بتا رہی تھی کہ بخار کا حملہ اس پر زیادہ ہوا ہے۔

”اور اگر میں ایسا نہ کرنا چاہوں تو۔۔۔“ ثمر کے دل پر راحم کے ارادوں نے مزید سل رکھی تھی۔ راحم کا لبوں تک جاتا پانی کے گلاس والا ہاتھ راستے میں رکا، کھانسی وقفے وقفے سے ہو رہی تھی شاید اسے ایک بار پھر سے سردی لگ چکی تھی۔ اس کا تنفس قدرے تیز تھا۔

”تم ایسا کرو گے کیونکہ تم مجبور ہو۔“ بڑے بھائیوں والا رعب اس نے جمایا، جما کر غلط کیا۔ ثمر نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی، رات کے سوا دو بجے کا وقت تھا پھر اس نے دوبارہ راحم کو دیکھا۔

”اور اگر میں مجبور نہ ہوں تو؟“ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شیطان حاوی ہو گیا، گناہ بس ہوا ہی چاہتا تھا۔

”تو میں تمہیں کر دوں گا۔ میں تمہیں گناہوں میں نہیں چھوڑ سکتا ثمر، کفارہ ادا کرنا ہو گا تمہیں۔“

وہ راحم کو کراس کرتا سائیڈ ٹیبل کے پاس آ کر تھما، جگ اٹھایا۔

”آپ مجھے ایک موقع دے دیں، پولیس کو نہ بتائیں، کسی کو بھی نہ بتائیں۔ یقین دلاتا ہوں آگے سے کچھ ایسا نہیں کروں گا۔“

اس نے راحم کے ہاتھ میں موجود گلاس کو اوپر تک بھر دیا۔ آخری کوشش، آخری التجا۔

”میں کر دیتا ایسا لیکن ثمر سزا ضروری ہے۔ جب تک تمہیں اپنے گناہ کا احساس نہیں ہو گا دل پشیمان نہیں ہو گا۔ میں نہیں چاہتا مستقبل میں بھی تم کبھی جانور بنو۔ صبح تم میرے ساتھ مام ڈیڈ کو سب بتاؤ گے۔“

ثمر کے چہرے کے تاثرات یک لخت سخت ہوئے۔ وہ بدل گیا، بالکل ویسے جیسے گرینا کو مارنے کے وقت بدلا تھا۔ اب سامنے کھڑا راحم کا بھائی نہیں تھا جو اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا، اب جو سامنے کھڑا تھا وہ فقط ایک قاتل تھا جو صرف قتل کرنا جانتا ہے اور بس۔

''پہلے پانی پی لیں آپ، پھر بات کرتے ہیں۔''

اس کی پیٹھ راحم کی طرف ہو چکی تھی جو بیڈ پر پاؤں لٹکائے ٹک گیا تھا۔ وہ دراز میں سے شاپر نکال رہا تھا۔ یہ وہ سیاہ پلاسٹک بیگ تھا جو اس نے خصوصی طور پر ادا کیلئے نیو یارک میں خریدا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا اس پر راحم کا نام درج ہے۔

''یعنی تم میری بات سمجھنے کیلئے تیار ہو، جانتا تھا میرا بھائی مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہر وقت رہوں گا ثمر، تمہاری بہت حفاظت کروں گا۔'' اس نے ایک گھونٹ پانی کا بھرا۔ حلق میں جیسے تراوٹ سی اتر آئی۔ ثمر نے دراز بند کی، شاپر کی تہیں کھولیں۔

''تمہیں پتا ہے تمہاری ٹینشن کی وجہ سے کل سے مجھے بخار چڑھا ہے۔ آج تو گلے اور کمر میں بھی بہت درد تھا۔ آنکھیں بھی بھاری ہو رہی ہیں لیکن اس کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی۔''

اس نے شاپر کو جھاڑا اور مڑا۔

''میں بتاؤں ایسا کیوں ہے؟'' آنکھوں میں جنون، دل پر قفل اور دماغ پر چڑھی سیاہ پٹی، صمم بکمم عمم فہم لا یرجعون۔

''اچھا تو میرا بھائی ڈاکٹر بھی بن گیا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے دوسرا سپ لے رہا تھا۔ ثمر نے قدم اٹھائے اس کے سر پر آ کر رکا۔

''موت کا فرشتہ بھی بن چکا ہوں یہ بات تو آپ جانتے ہیں، کیا نہیں جانتے؟'' خود کو تھوڑا سا جھکائے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔ لمحہ لگا تھا راحم کے دل کو تھمنے میں، بات کو سمجھنے میں۔ اس کی سانسیں اب بھی تیز تھیں لیکن حواس ثمر کی باتوں سے مختل ہو رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ کیا کرنے جا رہا ہے مگر ہمت نہیں تھی اسے روکنے کی۔ وہ اس سے چھوٹا تھا پھر وہ اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔

''ہابیل اور قابیل کا قصہ سنا ہے نا، ایک عورت کے پیچھے ایک بھائی دوسرے بھائی کو قتل کر دیتا ہے۔ ہم سنا ہے نا وہ قصہ؟''

راحم کے ہاتھ میں موجود گلاس لرزا تھا، پلکوں نے بڑی مشکل سے جنبش کی۔

''کر سکتے ہو میرے ساتھ ایسا؟'' ماتھے پر بل اور آنکھوں میں نمی کی چڑھتی تہہ لیے سوال کیا، ہاتھوں کی لرزاہٹ سے زیادہ آواز میں لہریں تھیں۔

''آج تاریخ دوہراؤں گا میں۔'' کہتے ساتھ ہی اس نے سیاہ شاپر اس کے منہ پر جھٹکے سے چڑھا کر گرہ لگائی اور دونوں ہاتھ منہ پر سختی سے جما دیے۔ راحم کے ہاتھ سے گلاس پھسلا تھا۔ وہ ٹوٹا نہیں تھا ہاں پانی ضرور چھلک کر قدموں میں جا گرا تھا۔

''میں اعتراف نہیں کروں گا راحم غفور بلکہ ہر اس شخص کو راستے سے ہٹا دوں گا جو میرا سچ جانے گا۔'' وہ سختی سے اس کے منہ پر ہاتھ جمائے ہوئے تھا۔ مزاحمت کرتے ہوئے وہ دونوں بیڈ پر گر گئے تھے۔ ثمر نے اپنی ٹانگ راحم کے پیٹ پر رکھ کر اسے ہلنے سے روک دیا تھا۔ وہ مسلسل بیڈ پر ہاتھ مار کر خود کو چھڑوانے کی سعی میں لگا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ بیڈ کی چادر کو کھینچ رہا تھا تو دوسرے سے وہ ثمر کے کندھے کو دھکیل رہا تھا مگر نا جانے کہاں سے ثمر میں اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ ایک انچ بھی نہیں ہل رہا تھا یا شاید یہ اس کی طاقت نہیں تھی اس کے ساتھ موجود شیاطین تھے جو مسلسل اس کے کان میں بول رہے تھے۔

''ختم کر کے ہی دم لینا۔''

''پیچھے نہیں ہٹنا۔''

''اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو تم مکمل تباہ ہو جاؤ گے، جانے دو، مرنے دو اسے۔''

اور اس نے مرنے دیا۔ بخار کی وجہ سے نحیف ہوتے راحم کے ہاتھ جو کبھی اپنی پوری جان

استعمال کر رہے تھے اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ سیاہ پتلے شاپر میں آہستہ آہستہ نمی پھیل گئی تھی۔ سانسوں کی نمی، اس نمی کی پتلی سی تہہ کے پیچھے سے دیکھا جا سکتا تھا دو بیمار آنکھیں ایک جگہ ساکت ہو گئی ہیں۔ مزاحمت رک گئی، آنکھوں سے گرتے آنسو تھم گئے۔ آسمان نے دھاڑیں مارنا شروع کیا، ہواؤں میں تیزی آئی۔ راحم کی ساکت آنکھوں کی بینائی جانے لگی۔ ثمر کے وجود کا بوجھ اس کی ناک کی ہڈی توڑ چکا تھا جس میں سے خون کی بوندیں چھلک اٹھی تھیں۔ اس کے ہاتھ کا زور ہونٹوں کے اندر کے گوشت کو پھاڑ چکا تھا۔ اس کے کئی دانت بھی تو کڑک گئے تھے۔ اگر ذرا سی مزید قوت لگائی گئی تو وہ باہر آن گریں گے۔ سیاہ شاپر پر پھیلی نمی پر وہ دھندلی آنکھیں گاڑے ہوئے تھا۔ وہ سیاہ شاپر خلاء سا تھا اور اس پر پھیلی نمی بادلوں سی جن پر انیشہ کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھ رہا تھا، پھر وہاں ایلاف آئی اور اس کے بعد ادا، اس کی محبت، پہلی اور آخری محبت۔

''بھائی! اس لڑکے نے مجھے دھکا دیا تھا اس لیے میں نے اسے مارا۔''

''آنٹی سوری، یہ سراسر میری غلطی ہے، ثمر کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے ہی آپ کے بیٹے کو دھکا دیا تھا۔ آپ جو سزا دینا چاہیں مجھے دے لیں مگر میرے بھائی کو کچھ نہ کہیں۔''

''راحم بھائی! آج آپ کے شانے پر سر رکھ کر سونے کا دل کر رہا ہے، کیا میں یہاں سو جاؤں؟''

''میری گڑیا کیلئے تو پورا بیڈ ہے۔ کہیں بھی سو جاؤ تم سے بڑھ کر کچھ نہیں۔''

''ہاں اس موٹی سے بڑھ کر کچھ نہیں اور میں تو کچرے سے اٹھائی گئی تھی نا۔''

منظر دھندلانے لگے تھے دل بس بند ہوا ہی چاہتا تھا۔

''میرا پیارا بیٹا، میری سب سے اچھی اولاد۔''

"اور ہم سب برے ہیں۔"

وزن بڑھا، اینڈ کا دانت ٹوٹ کر زبان پر گرا تھا اور پھر وہیں دانتوں کے درمیان ہی اٹک گیا۔ اس نے ایک آخری بار بیڈ پر ہاتھ مارا تھا، ڈھیلے انداز میں۔ بالکل ایسے جیسے جان وہاں سے نکل رہی ہو اور ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وہ ایسا اس لیے کر رہا تھا کہ کیا پتا اس کے بھائی کو اس پر رحم آجائے، وہ اسے چھوڑ دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے راحم کو نہیں چھوڑا۔ ساڑھے بیس سالہ دل کو موت کا فرشتہ لینے آگیا تھا۔ ٹانگوں سے تو کب کی جان نکل گئی تھی اب ہاتھ تھے جو بے جان ہو رہے تھے، اس کے ساتھ سینہ بھی کیونکہ وہاں پر درد کی شدت بڑھ گئی تھی۔ اس کی کمر ٹوٹ رہی تھی، ثمر کا بوجھ مردہ ہوتا وجود برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

"راحم۔" ادا کی آواز اس کی سماعت میں آخری بار گونجی تھی۔ اس کا چہرہ کھلکھلاتا ہوا تھا اور وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی اس سے دور بہت دور جا رہی تھی۔ ٹوٹی ہوئی ناک نے آخری بار زور کا سانس لیا۔ ایک آخری سانس۔۔۔۔ راحم کا ہاتھ ڈھلک گیا، بصارت مفقود ہوئی، لب آخری بار کچھ پڑھ کر جامد ہوئے۔ وجود بری طرح کانپا، ایک زوردار ہچکی آئی اور وہ ساکت ہو گیا۔ ساڑھے بیس سالہ راحم غفور ساڑھے سترہ اٹھارہ ثمر کے ہاتھوں اپنی جان گنوا گیا۔

☆......☆......☆

رات سوا تین کا وقت تھا جب وہ اچانک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ ایسے کہ پورا وجود پسینے سے شرابور تھا اور دل کی رفتار حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے انگلیوں سے اپنی گردن اور گال کو چھوا اور تیز تیز سانس لینے لگی۔ ایک بیڈ کے قریب ہی بستر لگائے سویا ہوا تھا جبکہ اس کی دائیں سائیڈ پر ماما، اس نے یونہی نظریں گھمائیں، نظریں گھمانے کی دیر تھی دل اچھل کر حلق میں آگیا کیونکہ وہاں اس کی ماما نہیں تھیں۔ وہ کہاں جا سکتی تھیں۔ اس نے جلدی سے کمفرٹر کو پاؤں

سے ہٹایا، بال سمیٹ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی حجاب کیپ پہنی پھر اسی پر مفلر لپیٹ کر وہ پاؤں نیچے اتار رہی تھی۔ اتنی احتیاط کے ساتھ کہ بے سدھ سویا ایک اٹھ نہ جائے۔

واش روم کا ڈور اوپن کر کے اس نے دیکھا ماما وہاں نہیں تھیں۔ باہر سے بارش گرنے کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔ کھڑکی کا تھوڑا حصہ شاید کھلا رہ گیا تھا تبھی مٹی اور گھاس کی ملی جلی خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک منٹ، غور کرو ذرا سانس اندر کھینچو اور آنکھیں بند کر لو وہاں مٹی اور گھاس کی خوشبو کے علاوہ بھی کوئی خوشبو موجود تھی۔ گلاب اور جاسمین کی ملی جلی جیسے یہاں کوئی کچھ دیر ٹھہر کر گیا ہو یا پھر کوئی ابھی آیا ہو اور کوئی آیا ہی تھا۔ وہ جو دروازے کو آہستہ سے بند کر رہی تھی، قدموں کی مدھم و محتاط چاپ پر تھم گئی، تھم کر جامد ہو گئی، جامد ہو کر آنکھیں گیلی کر وا گئی، کوئی اس کے کان کے بیحد قریب آ کر بولا تھا۔ الفاظ یہ تھے۔

''یہاں سے چلی جاؤ، بھاگ جاؤ۔''

کہنے والے کے لب ولہجہ سے وہ اچھے سے واقف تھی۔ وہ اور کسی کی نہیں راحم کی آواز تھی مگر اس آواز میں ایک خوشبو گھلی تھی، انجانی سی، نایاب سی۔

''وہ تمہیں مار دے گا چلی جاؤ۔''

پھر اس نے محسوس کیا خوشبو اس سے کچھ دور گئی ہے۔ وہ مڑ گئی لیکن جیسے ہی مڑی، بری طرح چیخ کر خود کو واش روم کے دروازے سے لگا گئی۔ ایک اس کی چیخ سے لمحے کے ہزارویں حصے میں اٹھا اور جھٹ سے لائٹ جلا دی۔ مڑا تو دیکھا اس کی بہن دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھے دھاڑیں مار رہی ہے، وہ فوراً اس کی طرف لپکا۔

''ششش، سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ آنکھوں سے ہٹا انہیں سینے سے لگاتا کہہ رہا تھا۔ گزشتہ چار دنوں سے وہ اسی طرح آدھی رات کو اٹھ کر ڈر رہی تھی۔

”وہ، وہ راحم، سفید کپڑوں میں سفید چہرے کے ساتھ یہیں تھا۔ ایبک میں سچ کہہ رہی ہوں وہ یہیں تھا اور کہہ رہا تھا میں یہاں سے چلی جاؤں، یقین کرو میرا۔“ وہ روتے ہوئے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ بول رہی تھی۔ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ ایبک نے اس کے سر کو تھپکتے ہوئے شانے سے لگایا اور تحمل سے گویا ہوا۔

”میں نے یقین کرلیا، میں نہیں کروں گا تو کون کرے گا بس تم چپ ہو جاؤ، ریلیکس ہو جاؤ۔“ وہ ہولے ہولے اس کے سر کو تھپک رہا تھا۔ ادا اس بار کچھ زیادہ ہی ڈر گئی تھی تبھی اس کا وجود زلزلے کی طرح کانپ رہا تھا۔ ہچکیاں بندھ گئیں، آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ ایبک کو اپنا آپ بیحد بے بس محسوس ہوا۔ کاش اس کے پاس ٹائم ریورس گھڑی ہوتی تو وہ وقت میں پیچھے جا کر ادا کو وہ سب کرنے سے روک دیتا جس نے اس کی زندگی کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ کوئی تو سبیل ہو جس سے رہائی کا سندیسہ ملے، سکون ملے، آزادی ملے، خوف ختم ہو اور خوشیاں شروع۔

”اس نے سفید کپڑے پہنے تھے۔ اس کا چہرہ بھی برف کی طرح سفید تھا۔“ وہ تاہنوز روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ایبک کی نظریں وال کلاک پر گئیں۔ تین بج کر پچیس منٹ تھے۔ اس نے گھڑی سے نظریں سرکا کر بیڈ پر ڈالیں۔ ماما والی جگہ خالی تھی، وہاں کا بستر کچھ زیادہ ہی سلوٹ زدہ تھا۔ اسے ادا کی آواز سنائی دی۔

”وہ کہہ رہا تھا ثمر مجھے مار دیگا، میں یہاں سے چلی جاؤں، وہ اس سے پہلے میرے خواب میں بھی آیا تھا، بہت تکلیف میں تھا۔ مدد مانگ رہا تھا۔ بخار کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کی آواز دبی ہوئی تھی، کچھ سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اسی خواب کی وجہ سے میں ڈر کر اٹھی، دیکھا ماما اپنی جگہ پر نہیں ہیں۔ میں انہیں ڈھونڈنے نکلی تھی

جب یہ سانحہ ہو گیا۔ وہ یہاں آیا تھا ایبک، وہ یہاں آیا تھا۔" گول گلے والی اس کی سیاہ ٹی شرٹ میں ڈر سے منہ چھپائے وہ سب بتائے جا رہی تھی۔ ایبک کی ساکت آنکھیں بستر کی سلوٹوں پر تھیں جو صاف بتا رہی تھیں کہ انہیں کھینچ کر وہاں سے لے جایا گیا ہے۔ ایبک کی گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی، اس نے ادا کو خود سے الگ کیا، نیند سے بوجھل و سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ کر بولا۔

"ماما کچن میں ہوں گی، میں انہیں لے کر آتا ہوں مگر تم نے یہاں سے نہیں ہلنا۔ ڈور اندر سے لاک کرو۔ میں انہیں لے کر آ رہا ہوں۔ کہا نا بحث نہیں بس چپ ہو جاؤ، ابھی آ رہا ہوں۔" اس کے واہوتے لبوں پر وہ ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ ادا کو ناچار اسے تنہا بھیجنا پڑا۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کیا تھا اور ایبک نے باہر سے۔ وہ بند دروازے کو دیکھ کر پھر سے آنسو گرا بیٹھی۔

"تمہارا چہرہ سفید کیوں تھا، تم نے سفید کپڑے کیوں پہنے ہوئے تھے۔" اس کا دل راحم سے مخاطب تھا۔ وہ راحم جو ہنستا تھا تو بہت بھلا لگتا تھا۔ جس کا دل شیشے کی مانند شفاف تھا۔ آنکھوں میں زندگی کی چمک اور گالوں پر جوانی کی سرخی۔ اسے یاد تھا وہ ایک بار اس سے کہہ رہا تھا۔

"جب میں تیس کا ہوں گا تو بہت بڑا سائنٹسٹ بن چکا ہوں گا، میرے پروفیسرز کہتے ہیں میں ایک لائق سٹوڈنٹ ہوں لیکن جب میں تمہیں میتھس کے کچھ سوال سکھانے لگتا ہوں تو خود کو دنیا کا سب سے نالائق انسان سمجھتا ہوں۔ شاید تم بہت ذہن ہو اس لیے یا شاید میں تمہارے سامنے کنفیوز ہو جاتا ہوں اس لیے۔"

اس کی آنکھیں اپنے ہاتھوں پر جمی تھیں اور دل راحم کی یادوں پر۔

"میرے سامنے کنفیوز کیوں ہوتے ہو؟"

”نہیں معلوم، شاید ایسے ہی۔“

اس نے کس کر آنکھیں بند کیں، آنسوؤں کا ڈھیر وہاں سے پھسلا تھا۔ رہ رہ کر راحم کا لٹھے کی مانند سفید چہرہ اور کپڑے یاد آ رہے تھے۔ جو وہ سوچ رہی تھی اللہ نہ کرے ویسا ہو لیکن جو وہ سوچ رہی تھی ویسا ہو چکا تھا۔ راحم ڈھائی بجے ہی اس دنیا سے پردہ کر گیا تھا۔ اس کی روح نے پرواز اختیار کی تھی مگر وجود اپنے ہی بھائی کے ہاتھوں بری طرح گھسیٹا جا رہا تھا۔

یہ غفور مینشن کے اندر کا منظر تھا جہاں ثمر اپنے کمرے سے چوروں کی طرح باہر آیا۔ ہر جانب نیم اندھیرا تھا۔ رات کو جاگنے والے مکین آج شاید تھکے ہوئے تھے اس لیے خواب خرگوش کے مزوں میں تھے اس بات سے انجان کہ ان کے گھر میں کیا قہر ٹوٹ پڑا ہے۔ کیسا طوفان و آندھی آئی ہے جو ان کے گھر کے شیرازے کو بکھیر گئی ہے۔

راستہ صاف تھا۔ راہداری کھلی، زیریں منزل پر فقط اس کا اور راحم کا ہی کمرہ تھا۔ اس کے بعد کمروں کے آگے سے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے اس پار بڑے سارے لاؤنج کو چھوڑ کر دائیں جانب مڑو، لمبی راہداری عبور کرو تو وہاں غفور صاحب اور زرینہ کا کمرہ تھا۔ اس سے تھوڑا سا آگے جا کر چار پانچ گیسٹ روم تھے۔ جبکہ اوپر انیشہ اور ایلاف کے کمرے تھے۔ باقی تین چار رومز خالی تھے۔ کوئی بھی ملازم اس سمے وہاں نہیں تھا کیونکہ سب اپنے اپنے کوارٹر میں تھے۔ سیڑھیوں کے عقب میں بنے اپنے کمرے سے باہر آ کر ثمر نے احتیاط سے راحم کے کمرے کا دروازہ کھولا، ایک بار پھر سے اوپر نیچے تسلی کرنے کے بعد وہ اس کی ڈیڈ باڈی کو کھینچتے ہوئے اس کے کمرے میں لا رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے بتی آن کی۔ پورے کمرے کی حالت بگڑی ہوئی تھی اور یہ حالت ڈینس اور اس نے مل کر کی تھی جو لان میں کھلتی کھڑکی سے راحم کے کمرے میں آیا تھا اور اسے ایسی شکل دے دی تھی جیسے وہاں چور

گھس آیا ہو۔

''دس منٹ پہلے سانسیں تھیں تھوڑی لیکن اب نہیں ہیں کام ہو گیا۔'' راحم کی یخ بستہ گردن پر ہاتھ رکھتا وہ کہہ رہا تھا۔ اس کا گرم وجود ہولے ہولے سرد پڑنا شروع ہو چکا تھا۔ ثمر نے ایک بے حس نظر بیڈ پر پڑے مردہ وجود پر ڈالی، ڈالنے کے بعد اس نے ڈینس کو دیکھا دیکھنے کے بعد لب ہلائے جو یہ کہہ رہے تھے۔

''ابھی نہیں ہوا، ابھی دو اور لوگوں نے قضا کرنی ہے۔''

جب شیطان دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے تب کوئی احساس، کوئی ندامت باقی نہیں رہتی یہی حال ثمر کا بھی ہو رہا تھا۔ شیطان نے اسے مکمل طور پر اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ وہ کوئی قاتل نہیں تھا مگر بن رہا تھا، ایک گناہ چھپانے کی خاطر ہزار گناہ کر رہا تھا اور اس پر پشیمان بھی نہیں تھا۔

وہ دونوں رات کے اندھیرے میں سیاہ رین کوٹ زیب تن کیے آگے پیچھے راحم کے کمرے کی مر روال پھلانگ کر باہر آ رہے تھے، اس بات سے انجان کہ کسی نے اوپر سے انہیں دیکھ لیا ہے۔ وہ عموماً دیر سے سونے کی عادی تھی لیکن راحم کو صبح صبح اٹھا کر واک کروانا اور دوا کھلانے کی وجہ سے جلد ہی سونے لگی تھی، نتیجہ اس کی آنکھ رات کے درمیان میں ہی کھل گئی۔ کافی دیر بیڈ پر بیٹھنے کے بعد وہ کھڑکی کے قریب آن کھڑی ہوئی۔ بارش دیکھ کر مزید اکتا گئی۔

''اف لگتا ہے اس بارش نے آج نہیں تھمنا، حد ہے۔'' آسمان پر نگاہ ڈال کر اس نے کھڑکی کے نم شیشے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ صاف ہو چکا تھا۔

''راحم بھائی سے صبح اگلوا کر ہی رہوں گی وہ مجھ سے کیا چھپا رہے ہیں، کیا وہ ادا کی وجہ سے پریشان ہیں۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ دن میں بیس بار یہ سوچ اس کے دماغ میں آ چکی تھی لیکن راحم

کی حالت کے پیش نظر اس نے پوچھنا یا کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ ان شاء اللہ کل جب وہ صحت یاب ہو جائے گا تو وہ اس سے پوچھ لے گی۔ راحم ان دونوں بہنوں سے کچھ نہیں چھپاتا تھا، ضرور بتا دے گا۔ طویل سانس بھر کر وہ سینے پر بازو باندھے مڑنے ہی والی تھی کہ ٹھٹک گئی۔ منہ کھڑکی کی صاف سطح کی طرف کیا اور آنکھیں سکیڑ کر نیچے دیکھنے لگی۔

''یہ لان میں کون لوگ ہیں؟'' اس نے شیشے کو ہلکے سے سلائیڈ کیا۔ اب منظر واضح تھا۔ بارش بھلے تواتر سے برس رہی تھی لیکن ایسے جیسے پھوار ہو اس لیے کچھ دھندلا نہیں تھا، سب واضح تھا اور اس سب واضح نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا۔ سیاہ رین کوٹ میں چلتے انسان کی چال سے پہچان گئی کہ وہ اور کوئی نہیں بلکہ اس کا بھائی ہے۔

''مگر اس کے ساتھ دوسرا کون ہے، راحم بھائی تو نہیں ہیں تو پھر کون ہے؟'' فطری تجسس کے باعث اس نے جلدی سے شال اٹھا کر شانوں پر پھیلائی اور کمرے کا دروازہ آہستہ سے بند کر کے باہر آ گئی۔ داخلی دروازے کے مضبوط چوکور آئینوں میں سے وہ دیکھ رہی تھی کہ دونوں نفوس گیٹ کو پھلانگ کر باہر گئے ہیں۔ ایلاف کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہوئیں۔

''ثمر گیٹ کیوں پھلانگ کر جا رہا ہے؟'' اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور دوڑتی ہوئی بیک ڈور کے قریب آئی جسے پھلانگ کر وہ دونوں گئے تھے۔ اس نے سیاہ سفید دھاریوں والے سلک کے ٹراؤزر شرٹ پر گرم بھوری شال اوڑھی ہوئی تھی۔ یہ اس کا نائٹ ڈریس تھا جس کا گلا گول کالر والا تھا۔ جلد بازی میں وہ گرم جوتے پہننا بھی بھول گئی تھی۔ کمرے کے باہر رکھے گھر کے فیروزی سلیپرز اس نے پاؤں میں ڈالے ہوئے تھے جس کی چوڑی پٹی مرر پلاسٹک کی تھی اور اس پر فیروزی ہی بو بنی ہوئی تھی۔ جوتا نرم اور پائیدار تھا تبھی گیٹ کی آہنی سلاخوں پر پاؤں رکھنے پر وہ دکھے نہیں تھے اور وہ با آسانی گیٹ کو عبور کر گئی تھی۔ رین کوٹ

میں ملوث وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس سے بہت آگے چل رہے تھے۔
ایلاف نے آس پاس دیکھا، وہاں کوئی وہیکل نہیں تھی۔ یہ اسلام آباد تھا یہاں اس وقت کوئی
بھی سواری دستیاب نہیں ہوتی اس وقت تو آدھا نیویارک بھی سو جاتا تھا تو اس کی کیا بات تھی۔

''کہاں جا رہے ہو تم ثمر، اوہ خدایا کیا کروں میں۔''

دور کھڑی سیاہ کار میں وہ دونوں سوار ہو چکے تھے۔ ایلاف شہادت کی انگلی کا ناخن دانتوں
میں جکڑے یہاں وہاں دیکھ رہی تھی، سڑک بالکل خالی تھی اور سنسان بھی۔

''کہاں جا رہے ہو تم، کہاں؟'' فیصلہ کر کے وہ مین گیٹ کی طرف دوڑی۔ اسے اپنی کار
لینی تھی۔ وہ جانتی تھی کار کو لینا اتنا آسان کام نہیں ہے مگر اسے یہ کرنا تھا، ہر حال میں کرنا تھا۔

کیوں؟

تجسس، یو نو!

☆......☆......☆
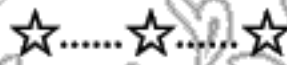
تین بج کر پچیس منٹ کا وقت تھا۔ دور دراز سے تہجد کی اذانوں کی آوازیں گونجنا شروع
ہو چکی تھیں۔ ایبک نے محتاط انداز میں ادا کے کمرے کا دروازہ لاک کیا، پھر چلتا ہوا کچن کی
طرف آ گیا۔ لائٹ آن کی، صاف ستھرا کچن بالکل تنہا تھا وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ مڑنے
ہی لگا تھا کہ اس کی سماعت سے ایک مخموری سی آواز ٹکرائی، وہ یقیناً اور کسی کی نہیں بلکہ ثمر کی تھی۔
ایبک لب چباتا مڑا، آنکھوں میں شعلے بھر آئے تھے کیونکہ وہاں ثمر تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ
ڈینس بھی تھا جس نے ایبک کے مڑتے ہی زوردار گھونسا اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

''کتنی بے قراری ہے نا ان نظروں میں، مگر جان لو یہ آخری نظر ہے اس دنیا میں تمہاری۔''
گھونسا بڑی زور کے پڑا تھا۔ اتنا کہ ہونٹ سے خون جاری ہو گیا۔

”یہ ان تین ماہ کیلئے جن میں ہم ہر پل خوف میں مبتلا رہے۔“

گھونسا پڑنے کی سبب وہ لڑکھڑایا تھا۔لڑکھڑا کر کچن کے دروازے سے سر ٹکرا گیا۔ڈینس نے اسے کالر سے پکڑ کر زمین پر پٹخا تھا۔پستول کی نال اس کے سر پر تان کر وہ پاؤں سینے پر رکھ گیا۔

”تم دونوں ظالم ہو، غلط کیا میں نے جو تمہاری ویڈیوز لیک نہیں کی۔“ اس کے بولنے کی دیر تھی، ڈینس اس کے سر پر پاگلوں کی طرح پستول کی بیک سائیڈ مارنا شروع ہو گیا تھا۔خون کے فوارے ابل پڑے تھے۔اس کی آنکھ میں بھی خون جانے لگا جس کے سبب اسے ڈینس کا چہرہ سرخ نظر آرہا تھا، سرخ تو یہاں کی ہر شے ہو گئی تھی۔ ہر شے۔

”دھمکی دو گے، تمہاری دھمکیوں کی موت ہے۔“ وہ غصے میں دھاڑا تھا۔ادا کسی غیر انسان کی دھاڑ پر دروازے کے قریب بھاگتی ہوئی آئی اور لاک کھول دیا مگر یہ کیا ڈور تو باہر سے بھی بند تھا۔وہ اسے کھڑکانا شروع کر چکی تھی۔

”ایبک، کون ہے باہر، ایبک تم سن رہے ہو مجھے۔“ وہ زور زور سے اسے پیٹنا شروع ہو گئی تھی۔صوفے پر بڑے تحمل سے بیٹھے ثمر نے نگاہ سفید دروازے پر ڈالی اور پھر ایبک کو دیکھنے لگا جو اچانک ہی گڑگڑا اٹھا تھا۔

”دیکھو ثمر، ہم ڈیل کرتے ہیں میں وعدہ کرتا ہوں جس فون میں تمہاری ویڈیوز ہیں میں تمہیں دے دوں گا مگر میری بہن اور ماں کو چھوڑ دو، چاہو تو مجھ پر غصہ اتار لو مگر پلیز ان کے نزدیک نہیں جانا۔“

وہ اٹھنے لگا تھا ڈینس کے پاؤں کے زور سے واپس زمین بوس ہوا۔ثمر کے پیچھے صوفے پر ہاتھ جمائے ڈیبن بھی کھڑا تھا۔وہ یہاں مکمل منصوبہ بندی سے آئے تھے۔ثمر کا قہقہہ اسے ڈرا

گیا۔ سر پر لگی بھاری پستول کی چوٹ اس کے حواس گما رہی تھی۔

''غصہ؟ تمہیں لگتا ہے میں غصہ اتارنے آیا ہوں۔ میں تم دونوں کو یہاں قتل کرنے آیا ہوں۔ رہی تمہاری ماں تو اس کی کار تو اب تک کہیں نہ کہیں ٹکرا ہی گئی ہو گی۔ وہ کیا پڑھتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایبک کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے قوت لگا کر ڈینس کو دھکیلا تھا، دھکیل کر ثمر پر جھپٹا جس نے ساتھ پڑا ڈنڈا بھرپور طاقت سے اس کے سر پر دے مارا تھا ایسے جیسے وہ کوئی بال ہو۔ ایبک کے کان میں سیٹیاں گونجنے لگیں، پھٹتے کان اور ماتھے سے خون کے چھینٹے ثمر کے کپڑوں پر بھی گرے تھے۔ کوئی کہہ سکتا تھا یہ تینوں ہائی سکول کے سٹوڈنٹس ہیں۔ یہ تینوں فقط اٹھارہ برس کے ہیں۔

''اتنی جرأت نہیں ہوئی تم میں ابھی کہ مجھ پر وار کر سکو، لے کر آؤ اس کی بہن کو۔''

ڈین مسلسل بجتے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ ایبک نے خون کے بوجھ اور درد کی شدت سے دھندلائی آنکھوں کے ساتھ اسے ادا کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ پھر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر تب تک ڈینس اسے قابو کر چکا تھا۔ کتنے ہی وار تھے جو اس نے اس خوش شکل لڑکے کے جسم پر کر دیے تھے۔ ہر جانب خون ہی خون تھا، ہر سو جنون ہی جنون تھا۔

''ایبک، دروازہ کھولو۔'' وہ روتے ہوئے اپنے بھائی کیلئے متفکر تھی اس بات سے انجان کہ اب سے کچھ دیر بعد اس نے بھی ابدی نیند سو جانا ہے۔ ''پلیز دروازہ کھولو، کیا ہو رہا ہے باہر۔'' وہ ناب کو پوری طرح جھنجھوڑ چکی تھی جب ایک سفاک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ہاں ہاں کھول رہے ہیں اتنی بے صبری کس لیے ہے۔''

امریکن لب ولہجہ، جانا پہچانا انداز، وہ سختی سے دونوں ہاتھ منہ پر جماتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہوئی۔ کلک کی آواز تھی اور ابلتے آنسو۔ لاؤنج کے وسط میں خون کا سمندر موجود

تھا اور جس جھرنے سے وہ خون گر رہا تھا وہ اور کوئی نہیں اس کا بھائی تھا جو ہاتھ کے اشارے سے اسے بھاگنے کا کہہ رہا تھا۔ ادا ٹھنڈی پڑ گئی، بالکل یخ بستہ، اس کے پاؤں زمین نے جکڑ لیے تھے اور دل ایک کی تکلیف نے۔

"بہت متفکر رکھا تم دونوں نے اب تم دونوں کی باری ہے۔" ڈین اسے کہنی سے تھام کر گھسیٹتے ہوئے باہر لایا۔ اس کے ہاتھ ابھی بھی منہ پر جمے تھے اور آنکھیں زخمی ایک پر جسے ڈینس وقفے وقفے سے پیٹ رہا تھا۔

"میرے، بھائی کو۔۔۔ چھوڑ دو۔" روتے ہوئے اسے یکدم ہوش آیا تھا وہ دونوں ہاتھ ثمر کے آگے باندھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ اسے اپنی فاش غلطی پر کڑھنا آیا۔ اس غلطی پر جس نے اس کے بھائی کو ان حالوں میں پہنچا دیا تھا۔ ثمر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا، اس کے پاس آ کر تھما، ایک نگاہ زخمی ایک پر ڈالی پھر لوڈڈ پستول ادا کے سر پر رکھ دی۔

"اپنے بھائی کو نہیں چھوڑا میں نے، اسے کیا چھوڑوں گا۔ مار کر آیا ہوں انہیں اور اب تمہاری باری ہے۔ شکر کرو ان کی وجہ سے آسان موت دے رہا ہوں ورنہ تمہارا حال بھی گرینا والا ہوتا، تمہیں نہیں دیکھنا چاہیے تھا مجھے اسے قتل کرتے ہوئے۔ تم نہ دیکھتی تو آج راحم بھائی میرے ہاتھوں نہ مرتے۔۔۔ تو آج تم دونوں نہ مرتے۔" وہ جو گڑگڑا رہی تھی، اپنے بھائی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی اس روح فرسا انکشاف پر سن ہو کر رہ گئی۔ راحم مر گیا؟ ہنستا، مسکراتا، اس سے نظریں چراتا چوری چوری دیکھتا، دبی مسکان پر دل کا حال تحریر کرتا، ذہین راحم جو وقت کا بہت بڑا سائنٹسٹ بننے والا تھا مر گیا؟

اس نے تحیر سے نم آنکھوں کے ساتھ ثمر کو دیکھا۔ خود سے ایک سال بڑے لڑکے سے اسے خوف آیا، ایسا خوف کہ موت کا خوف ہی ختم ہو گیا۔

''تمہیں نہیں دیکھنا چاہیے تھا وہ سب۔'' اس نے ٹریگر پر انگلی کا زور بڑھانا شروع کیا۔ زمین پر الٹا لیٹا ایک ہاتھ مارتے ہوئے اسے روک رہا تھا۔ اس کی جان سے پیاری بہن پر پستول تنی تھی مگر وہ بے بس تھا۔ اسے لڑنا نہیں آتا تھا، اسے لڑنا آنا چاہیے تھا۔ ایسا ہو جاتا تو آج وہ یوں زمین پر پڑا نہ ہوتا۔

''دیکھ لیا تھا تو ریکارڈ نہیں کرنا چاہیے تھا بالکل بھی نہیں۔'' بس تھوڑا سا اور زور پھر گولی نے آزاد ہو کر ادا کو بھی اس درد سے رہا کر دینا ہے جو راحم کی موت کا سن کر ملا تھا بس ایک سیکنڈ اور۔

''تم نے، تم نے راحم کو۔۔۔ مار۔۔۔ دیا۔'' وہ حیرت سے آنکھوں میں نمی لیے پھنسی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''تم نے راحم غفور کو مار دیا؟''

ایک نے ڈینس کے پاؤں کو ایک بار پھر سے جھٹکا، وہ لڑکھڑا کر گرا تھا۔ اس سے قبل ایک کھڑا ہو کر اس تک پہنچتا ثمر کی آواز کے ساتھ گولی کی آواز بھی گونج اٹھی۔

''نہیں میں نے خود کو مار دیا۔''

اس نے ایک ساتھ تین چار فائر کیے تھے۔ زخمی وجود کے ساتھ کھڑے ہوتے ایک کے جسم میں جان نہیں رہی تھی۔ وہ ادا کو بچانے کی غرض سے کھڑا ہوا تھا مگر اسے دیر ہو گئی۔ فائر کیا ہوا گویا اس کے پاؤں سے زمین ہی کھسک گئی۔ وہ منہ کے بل نیچے گرا تھا، بہن کو تھامنے والے ہاتھ بے جان ہوئے، کیوں؟ کیونکہ ڈینس نے اس کے پاؤں پر دو گولیاں چلائی تھیں۔ وہ ادا کے بالکل پاس اوندھے منہ گرا، خون آلود آنکھیں نیم وا ہوئیں، ادا کے اطراف میں پھیلتا سرخ رنگ اس کے حواس مختل کرنے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ مگر مسلسل۔

☆......☆......☆

''اف خدایا، کہاں جانا چاہیے کدھر گئی وہ کار۔'' اسٹیئرنگ تھامے وہ بے مقصد ہی روڈ پر پھر رہی تھی۔ آنکھیں متلاشی تھیں اور تجسس حد سے سوا۔

''ڈینس کیوں آیا ہے یہاں پر، تم کیا کرنے جا رہے ہو اس کے ساتھ مل کر۔''

ڈینس کا ریکارڈ خراب تھا، یہ بات ہائی سکول کا ہر ایک بچہ جانتا تھا۔نہیں سمجھتا تھا تو اس کا کم عقل بھائی شاید نا سمجھنے کی ایک وجہ اس کا خود کا کریکٹر لیس ہونا تھا۔کوئی نہیں آج وہ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے گی پھر دیکھے گی ثمر کیسے بچتا تھا۔

''واللہ، اگر تم کسی غلط ارادے سے گھر سے نکلے ہو تو آج تم بچو گے نہیں۔'' شیشے پر سے وائپر ننھی ننھی بوندوں کو پرے دھکیل رہے تھے۔ان بوندوں کا قافلہ اسے سندیسہ دینا چاہتا تھا کہ وہ نہ ڈھونڈے اپنے بھائی کو لیکن وہ ان کی زبان سے نا آشنا راستے پر بچھے پتھروں کی مانند ان مسیحاؤں کو بیدردی سے ہٹا رہی تھی۔ گاڑی اب بھی سڑک پر ہی تھی۔وہ بیس منٹ ضائع کر چکی تھی، کتنا اچھا ہوتا نا اگر اس کے یہ بیس منٹ بچ جاتے، کتنا اچھا ہوتا گر وہ اسے کھڑکی سے ہی پکار لیتی، کتنا اچھا ہوتا نا۔

''راحم بھائی کو کال کرتی ہوں۔'' فیصلہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی کے ڈیش بورڈ میں ہاتھ مارا، وہاں لاتعداد چپس کے ریپرز کے درمیان اس کا سپر فون مل گیا تھا جو تھا ہی اس سچویشن کیلئے کہ اگر وہ اپنا فون گھر بھول جائے تو اسے یوز میں لا سکتی ہے۔یہ آئیڈیا بھی راحم کا ہی تھا اپنی بہنوں کیلئے وہ یونہی پوزیسو رہتا تھا۔

''اف کال اٹینڈ کریں بھائی پلیز۔'' مگر وہ کال کیسے اٹینڈ کرتا، اس کا بھائی، اس کا پیارا بھائی تو اس وقت دنیا کو خیر باد کہہ چکا تھا۔بیڈ کے پاس گرا فون جو سائلنٹ پر تھا کی سکرین بار بار جل رہی تھی، جل کر بجھ رہی تھی لیکن آج وہ ہاتھ نہیں تھا جو فون اٹھاتا، وہ آواز نہیں رہی تھی جو محبت سے

اس کا نام لیتی، وہ مشفق لہجہ نہیں تھا جو اس کیلئے ہوا کرتا تھا۔ آج راحم غفور نہیں رہا تھا۔

اس نے سر نیچے کر کے ایک بار پھر سے نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کی، اسی لمحے وہ روڈ کی دوسری سائیڈ پر چند لوگوں کو اور ایک بڑے ٹریکٹر کو رکا دیکھ رہی تھی۔ لوگوں کا جمگھٹا بتا رہا تھا کہ وہاں ایکسیڈنٹ ہو چکا ہے۔ ایلاف نے سائیڈ پر گاڑی روکی کیونکہ جس کار کی جھلک اسے نظر آئی تھی وہ اس کا دل حلق میں لے آئی۔ یہ وہی کار تھی جس میں ثمر اور ڈینس گئے تھے۔ وہ بھاگ کر اپنی گاڑی سے نکلی، دل دھک دھک کر رہا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ گیلی قدرے کیچڑ آلود سڑک پر وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی سپاٹ پر پہنچی، لوگوں کو بری طرح پیچھے دھکیلا، دائرہ توڑ کر اندر داخل ہوئی، اسٹریچر پر لیٹے وجود پر نگاہ ڈالتے ہی اس کے ماتھے پر بے تحاشہ بل پڑے تھے۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ چکے تھے مگر اب اس مردہ وجود اور کار پر نظر جاتے ہی اس کا پورا بدن سن ہو گیا تھا۔ دماغ ماؤف ہوا، کانوں میں سیٹیاں سی بجیں اور آنکھیں پتھرا گئیں۔

''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں نا راحم بھائی؟'' اسے اپنی آواز سنائی دی۔ ایبک کی ماما کا خون آلود مردہ وجود گول دائرے کی مانند آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ بہت دقت ہوئی تھی اس سے نظریں ہٹا کر کار پر ڈالنے میں، اس کے دماغ میں فلیش بیک ہوا، درخت کے ساتھ لگی کار میں بیٹھتا ثمر اور ڈینس۔

''بابا کی ڈیتھ کے بعد سے ماما کی یہ کنڈیشن ہوئی ہے، ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ بیس پرسنٹ چانس ہیں ان کے ری کور ہونے کے، چھ سال ہو گئے ہیں وہ زندہ مجسمے سے انسان بن ہی نہیں رہیں۔'' ایبک کی آواز ہتھوڑوں کی طرح اس کے دماغ پر لگ رہی تھی۔ وہ مڑ گئی۔

''تمہارے خاندان کو بھی تو معلوم ہو تمہارے کرتوتوں کے بارے میں، بس بہت ڈر لیا

ہم لوگوں نے۔ اب مزید نہیں۔" اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ سن دماغ اور بیجان وجود کے ساتھ کار میں آ کر بیٹھی۔

"کیا ضرورت پڑی ہے بھائی کو اس لڑکی کے پیچھے خوار ہونے کی، چلی گئی ہے تو بھول جائیں، مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی اپنی زندگی کے گول کو چھوڑ کر وہ کیوں اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ حد ہو گئی یعنی۔" اگنیشن میں چابی بھرتے ہوئے اس نے اپنے بے جان وجود کو چار پہیوں پر آگے بڑھایا۔

"میری بہنوں سے بڑھ کر میرے لیے کوئی نہیں ہے، ادا بھی نہیں۔ ہم۔" اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھامے دوسرا ہونٹوں پر جمائے وہ رو رہی تھی۔ ایلاف غفور شاید زندگی میں پہلی بار رو رہی تھی۔ ماتھے پر سلوٹیں ڈالے گھٹی گھٹی سسکیوں کے ساتھ۔

"یہ میرا وہم ہو سکتا ہے ثمر ایسا نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے یہ کار کسی اور کی ہو مجھے نمبر بھی تو یاد نہیں ہے۔" دل کو دلاسا دیتے ہوئے اس نے آنسو رگڑے اور ایک کے گھر سے تھوڑی دور کار کے بریک لگا لیے کہ وہ اگر قریب یا اندر لے کر جاتی تو وہاں کے مکینوں کو اس کی آمد کی خبر ہو جاتی۔ یہی وہ نہیں چاہتی تھی کیوں اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔

شانوں پر بھوری شال ڈالے وہ گیٹ کی طرف بڑھی۔ رات کے اس وقت ہر کسی کا گھر تاریک تھا ماسوائے ان کے، بھلے پردے ڈلے تھے لیکن بیباک سفید شعاعیں پھر بھی شیشے کو چیر کر گھاس پر گر رہی تھیں۔ اس نے گیٹ کو ہاتھ لگایا وہ کھلتا چلا گیا۔ گیٹ کھلا کیوں تھا؟ اس نے اچھے سے اسے ٹٹولا، لاک ٹوٹا ہوا تھا۔ نہیں رکیں وہ ٹوٹا ہوا نہیں تھا بلکہ کٹا ہوا تھا۔ اسے ڈینیس کا وہ اوزار یاد آیا جس سے اکثر و بیشتر کم مارکس ملنے پر وہ غصے میں کلاسز کے لاکس کاٹ دیتا تھا۔ ان کی کلاس کا بھی کاٹا تھا تبھی اسے یاد تھا۔ ڈر بڑھا، ہیبت طاری ہوئی۔ اس کے حلق

میں اچانک کانٹے اگ آئے۔ پیاس کی طلب شدید سے شدید تر ہوئی۔ گردن پر پہلے بند انگلیوں کو رکھا پھر کھلی، وہ یونہی اسے سہلاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ داخلی دروازے کے پاس آ کر رکی جس کا ایک پٹ وا تھا مگر دوسرا بند تھا۔ اس نے فیروزی چپل والا قدم لکڑی کے بڑے سارے دروازے کے قریب رکھا، ایک ہاتھ اس کے پٹ پر جما کر خود کو تھوڑا سا اندر کیا۔

اندر کا منظر دیکھ کر اس نے جھٹ سے دوسرا ہاتھ لبوں پر جمایا پھیلی آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح گرنے لگے۔

''میرے بھائی کو چھوڑ دو۔''

ثمر نے ادا کی کہنی سختی سے تھامی ہوئی تھی۔ وہ اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی تھی جبکہ ایک خونم خون ہوا زمین پر چت لیٹا تھا۔ اس کے سینے پر ڈینس کا پاؤں تھا۔ ایلاف کا ہاتھ لرزا۔ اس کے ذہن پر وہ سب نقش ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''اپنے بھائی کو نہیں چھوڑا میں نے، اسے کیا چھوڑوں گا۔ مار کر آیا ہوں انہیں اور اب تمہاری باری ہے۔''

ایلاف کا ہاتھ بے جان ہو کر ہونٹوں سے نیچے گر گیا، آنسو جم گئے، زمین پھٹ گئی، آسمان کرلا گیا۔ راحم کا دکھ، اس کی چپ، وہ آنکھوں کی ان کہی سی کہانی یکدم وجود میں ڈھل گئی ڈھل کر اسے مار گئی۔

''شکر کرو ان کی وجہ سے آسان موت دے رہا ہوں ورنہ تمہارا حال بھی گرینا والا ہوتا۔''

انکشاف تھا، قیامت کی خبر، صور کی شروعات۔

''تمہیں نہیں دیکھنا چاہیے تھا مجھے اسے قتل کرتے ہوئے، تم نہ دیکھتی تو آج راحم بھائی

میرے ہاتھوں نہ مرتے، تو آج تم دونوں نہ مرتے۔"

غم کسے کہتے ہیں یہ اس وقت کوئی ایلاف سے پوچھتا، دل کس طرح ریزہ ریزہ ہوتا ہے یہ وہی بتا سکتی تھی۔ اسے لگا اب کچھ نہیں بچا سب ختم ہو گیا سب کچھ۔

"تم، تم نے راحم کو مار۔۔۔۔۔ دیا۔" محبت فقط راحم کو نہیں تھی محبت تو پوچھنے والی کو بھی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس کی تھوڑی سی جھلک وہ اس شخص کو دکھا دیتی جو اس وقت بیڈ پر بے جان پڑا زمین کے اندر جانے کا منتظر تھا۔ ایلاف نے دروازہ چھوڑا، دوسرا قدم اندر رکھا وہ پوری سامنے آ چکی تھی۔

"تم نے راحم غفور کو مار دیا۔" اس نے ایک اور قدم اٹھایا، شال کندھے سے تھوڑی سر کی۔

"نہیں میں نے خود کو مار دیا۔" اور وہ ٹھیک تھا انسانیت کا قتل کرنے والے اپنی انسانیت کو مار کر ہی ایسا کرتے ہیں۔ وہ مر گیا تھا۔ اس کا ضمیر مر گیا تھا تبھی تو کسی کی جان لیتے ہوئے اس کا ہاتھ نہیں کانپتا تھا۔ شیطان کا حملہ، شیطان کے وار اسی طرح سخت ہوا کرتے ہیں۔ گولی چلی تھی۔ سائیلنسر لگا تھا لیکن آواز پھر بھی تھی اتنی نہیں کہ کمرے سے باہر جا سکتی، اتنی کہ کمرے میں موجود نفوس سن سکتے تھے۔ ایلاف نے بھی سنی تھی پہلی گولی پر اس کے شانوں سے چادر سرکی تھی، کھلے بال کندھوں پر آن گرے، دوسری گولی پر اس نے قدم اٹھایا اور لڑکھڑا گئی۔

"پتا نہیں یہ محبت ہے کہ کیا، ادا کی تھوڑی سی پریشانی مجھے پریشان کر دیتی ہے۔ میں اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ جہاں کہیں رہے سلامت رہے۔"

تیسری گولی کے ساتھ دو اور فائر ہوئے تھے اور وہ ایبک کی پشت پر ہوئے تھے۔ ایلاف کا توازن بگڑا، دروازے کے قریب رکھی کنسول میز پر اس کا لڑکھڑاتا ہاتھ پڑا تھا۔ چھوٹی چھوٹی موم بتیوں کے کین اور کانچ کا واز ہاتھ لگنے سے میز پر ہی گر گیا۔ آواز اٹھی، آواز کے ساتھ ثمر

کی گردن بھی گھومی تھی۔ وہ جب مڑ کر دیکھ رہا تھا تب اداز مین پر گر رہی تھی۔ ایلاف میز کا سہارا لیے اکھڑے سانس کے ساتھ بلینک دماغ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ثمر کے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا۔ ڈینس اور ڈبن بھی چوکس ہوئے۔ وہ جانتے تھے راحم سے ثمر محبت کرتا ہے مگر ایلاف سے وہ بے انتہا کرتا تھا۔ اتنی کہ اس کیلئے کسی کو مار بھی سکتا تھا اور اس نے مارا تھا، جان سے نہیں لیکن اس کا ایکسیڈنٹ کردیا تھا۔ ہائی سکول کے سینئر نے ایلاف پر ہوٹنگ کی تھی وہ کیسے برداشت کرسکتا تھا یہ سب بھلا اس لیے پیسے دلوا کر اس کی کار کا زبردست ایکسیڈنٹ کروا دیا۔ وہ لڑکا مہینوں ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہا تھا۔

زمین پر گرتے ایک نے اس لڑکی کو دیکھا جس کیلئے کبھی اس کا دل دھڑکا تھا اور ایسا دھڑکا تھا کہ اب تک اس کی گونج کانوں میں سنائی پڑتی تھی۔ اسے دنیا میں سب سے زیادہ اپنی بہن سے محبت تھی پھر اس نے ماں کو چاہا تھا اس کے بعد ایلاف نے اس کے دل میں گھر کیا اور دروازہ بند کر کے تالا ایسا لگایا کہ پھر کوئی کھول نہ سکا، شاید کبھی کھولے بھی نا۔

''را۔۔۔حم، راحم بھا۔۔۔ئی۔'' سرگوشی نما آواز میں مختل حواسوں کے ساتھ اس نے ایک اور قدم اٹھایا، اب کے ہاتھ جب آگے بڑھایا تو شیشے کا واز لڑھکتا ہوا زمین پر آن گرا، گر کر چکنا چور ہوگیا۔ ثمر نے سختی سے دانت پر دانت جمائے، ایسے کہ ایک لمحے کو لگا پورا جبڑا ہی ٹوٹ گیا ہو۔

''تم نے، تم نے راحم بھائی کو۔۔۔'' اس کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ ایک اور قدم پر میز ختم ہوچکی تھی، ہاتھ کو سہارا چاہیے تھا، نہیں ملا تبھی وہ گھٹنوں کے بل نیچے گری تھی۔ گلدان کے ٹوٹے شیشے اس کے گھٹنوں اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں پیوست ہوئے تھے جس کے سبب خون نکل گیا تھا۔ اس کی چادر دوسرے شانے سے بھی سرک گئی۔ بال پورے کھل گئے۔ سیاہ اور سفید

دھاریوں والا ٹراؤزر شرٹ سلاخیں لگنے لگیں جن میں اس کا وجود قید ہو گیا تھا۔صدمے نے دماغ پر برا اثر ڈالا۔بہت برا۔

''راحم بھائی کو۔'' اٹھنے کے چکر میں وہ دوبارہ گری تھی۔کنسول میز پر اس کی ہتھیلیوں سے رستا خون لگ چکا تھا۔اس کے گرتے ہی ثمر بے قراری سے اس کی طرف لپکا۔ایبک نے سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھا۔وہ اسے اٹھانے کی سعی میں تھا مگر ایلاف ڈھیلے ہاتھوں کے ساتھ اسے جھٹک رہی تھی۔اس کا دماغ کام پر نہیں تھا۔صدمے نے اسے مفلوج کر دیا تھا۔

''اے،سنو۔۔۔سنو مجھے،میں وضاحت کرنے کیلئے تیار ہوں،ایلاف،دیکھو مجھے تم مجھے اگنور نہیں کر سکتی۔'' وہ دھاڑا تھا۔دھاڑ کر اسے کھڑا کر چکا تھا۔بے جان وجود کی مانند وہ اس کے سہارے کھڑی تھی۔ایبک اپنی انگلیوں کو ٹھنڈے فرش پر مار رہا تھا۔وہ ہمت مجتمع کر رہا تھا بولنے کی،وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ وہاں سے چلی جائے لیکن ایسا نہیں کر پا رہا تھا۔کتنا بے بس تھا ناوہ۔

''اس کی طرف کیا دیکھ رہی ہو،اس کی طرف کیا دیکھ رہی ہو،اس کی تو۔'' وہ اسے چھوڑتا طیش میں ایبک کی طرف لپکا اور ایک زوردار ٹھوکر اس کے منہ پر ماردی۔ثمر نے ایلاف کی کہنیاں جونہی چھوڑیں وہ ایک بار پھر سے گری تھی کہ اب نہ ٹانگوں میں جان تھی اور نہ ہی ہمت کہ وہ کھڑی رہ پاتی۔ٹوٹے شیشے مزید اس کے بدن میں چبھ گئے۔خون مزید رسنے لگا۔

''میری بہن کو گھورنا بند کرو ورنہ جان سے مار دوں گا۔'' اگر وہ بول سکتا تو پوچھتا کہ اب بھی مارنا باقی ہے۔تین ٹھوکریں مار کر وہ واپس ایلاف کی طرف مڑا تھا لیکن رک گیا،رکنا پڑا کیونکہ اس کا پاؤں خون آلود ہاتھ کی گرفت میں آچکا تھا۔

''جاؤ۔۔۔جاؤ۔'' پھنسی پھنسی آواز،خون کے آنسو روتی آنکھیں،درد سے چور لہجہ۔

"جاؤ۔" وہ یک ٹک زمین پر گری اسے تکتی رہی، یہ وہی انسان تھا جس کا اس نے مذاق بنایا تھا، بنا کر تھوڑا سا بھی گلٹ ظاہر نہیں کیا تھا۔ آج وہی انسان اسے اس کے خود کے سگے بھائی سے بچا رہا تھا۔ ڈوب مرنے کا مقام تھا نا، یہ ثمر کیلئے بھی اور اس کیلئے بھی۔

ایک نامحرم اس کا مسیحا بن رہا تھا اور محرم کے ہاتھوں پورا یقین تھا اس کی زندگی خطرے میں تھی۔

"تم میری بہن کو مجھ سے متنفر کرو گے مجھ سے؟" ثمر نے اتنی زور سے بوٹ کی ضرب اس کے منہ پر لگائی کہ ناک کی ہڈی کی کڑک کی آواز سب نے سنی۔ وہ اسے مار کر ایلاف کی طرف پھر سے جا رہا تھا جو اس کے قریب آنے پر زمین پر گھسٹتی ہوئی پیچھے کو ہو رہی تھی۔

"ایلاف! میں۔۔۔ میں ایکسپلین کروں گا، ایسے ری ایکٹ نہیں کرو پلیز ایسے نہیں کرو۔" اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر وہ ایک بار پھر سے کھڑا کر چکا تھا۔ پس منظر میں ڈینس اور ڈبن نیم بے جان ایبک اور مردہ ادا کو گھسیٹتے ہوئے کہیں لے جا رہے تھے۔ ایسا انہوں نے ثمر کے اشارے پر کیا تھا۔

"تم قاتل ہو تم نے اتنے لوگوں کو مارا۔" وہ اس سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے ماؤف ذہن سے کہہ رہی تھی۔ اس کے بولنے کا انداز ابنارمل سا تھا۔ ثمر ٹھہر گیا۔

"ایسا نہیں کرو مجھے مجبور نہیں کرو۔" اس نے منت کی، صدمہ تھوڑا اچھٹا، وہ حواس میں آئی اور گردن کی رگیں پھلاتے ہوئے چیخی۔

"میں سب کو بتا دوں گی تم قاتل ہو۔ میں کہہ دوں گی سب کو۔۔۔" اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ ثمر نے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر دروازے میں مارا تھا۔ ایک بار نہیں پورے چار بار۔ ہر بار اس کا سر دروازے کے لوہے کے موٹے لاک پر لگا تھا، اتنی بری طرح کہ خون کی ندی وہاں شروع ہو چکی تھی۔ ایبک نے آخری بار دیکھا، نیم بے جان سی خون میں لت پت

ایلاف ثمر کے چھوڑنے پر اس کے قدموں میں گری ہے۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا ہے۔ سرخ خون ہر جگہ تھا۔ پیر کا دن اور منگل کی رات اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ ختم ہوئی تھی لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ رات اب تاحیات ختم نہیں ہوگی کبھی نہیں۔

☆......☆......☆

حال:۔

''ایک سال اور چھ دن اتنا عرصہ لگا تھا ایلاف کو کومے میں سے باہر آنے کیلئے۔'' غفور صاحب کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی مانند شراحیل اور زرینہ کے کانوں میں ٹپک رہی تھی، بس خون نکلنے کی دیر تھی باقی درد تو وہ لوگ سہہ چکے تھے۔

''کومے سے باہر آنے کے بعد وہ ہرگز ایک نارمل انسان نہیں رہی تھی۔ اسے دورے پڑتے تھے۔ لیٹے لیٹے چیخیں مارنے لگ جاتی تھی تو کبھی بے طرح کانپ کر آنکھیں سسکیاں بھرتی تھیں۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا وہ کبھی بھی اتنا لمبا عرصہ کومے میں نہ رہتی کیونکہ اس کی وِل پاور بہت زیادہ تھی لیکن وہ خود ہی ہوش میں آنے سے کترا رہی تھی۔ وہ کیوں کترا رہی تھی ہم سب بخوبی دیکھ رہے تھے۔ سات ماہ تک اسے دورے پڑتے رہے تھے۔ سات ماہ اس نے مینٹل ہاسپٹل میں گزارے تھے۔ سات ماہ تک ہم انگاروں پر جلے تھے۔ غفور صاحب کی آنکھوں میں مینٹل کیسز سے بھرے ہوئے اس ہاسپٹل کی شبیہہ جھلک رہی تھی جو سفید ٹھنڈی ٹائلز سے بنا ہوا تھا۔ وہاں طرح طرح کے ہنسنے اور رونے کی ہیبت ناک آوازیں گونج رہی تھیں، ایسی آوازیں جو اچھے بھلے انسان کو روہانسا کر دے۔

''پھر رفتہ رفتہ وہ نارمل ہونے لگی، ہو کر بالکل صحت یاب ہوگئی لیکن اس کی یادداشت کا ایک حصہ کھو چکا تھا۔'' غفور صاحب کے ذہن میں ڈاکٹرز کے الفاظ گونجے۔ وہ ایک لمحے کیلئے

پھر سے ماضی میں جا پہنچے بس ایک لمحے کیلئے۔

"یوں تو بظاہر آپ کی بیٹی تندرست ہے مگر شدید چوٹ کی وجہ سے اسے ایک بیماری لاحق ہو گئی ہے۔" میز کے پیچھے بیٹھے سفید اوور آل اور نظر کے چشمے کے ساتھ اس ڈاکٹر نے ایک فائل ان کی جانب بڑھائی، قدرے کرسی کو دائیں جانب دھکیلا اور چند بٹن پش کر دیے۔ دیوار پر نصب سکرینز میں چھوٹے چھوٹے بلاکس کی صورت ایلاف کے دماغ کی ویڈیوز آن ہو چکی تھیں۔ کہیں دماغ ساکن تھا تو کہیں وہ گیند کی طرح سست روی سے اچھل رہا تھا بہت آہستہ اور بہت دیر بعد۔

"کیسی بیماری؟"

"ریٹروگریڈ امنیسیا ایک ایسی بیماری ہے جس میں مریض اپنے ماضی کو تو بھول ہی جاتا ہے ساتھ میں حال کو بھی بھلانے لگتا ہے۔ وہ کیا تھا کیا رہ چکا ہے حتیٰ کہ دو منٹ پہلے کی بھی بات، حالات، واقعات کو بھول جاتا ہے۔ اپنے نام پہچان کے ساتھ قریبی رشتے بھی اس کیلئے انجان بننے لگتے ہیں۔ لیکن یہ سچویشن آخری سٹیج کی ہے، پہلی اسٹیج میں وہ آدھے ماضی کو بھولتا ہے جیسے کہ سکول کالجز کے نام، پرانے دوست اور زندگی کے گولز، دوسری میں۔" ڈاکٹر ایک چھوٹی سی سٹک کے ساتھ دماغ کے دوسرے حصے کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو دل کی مانند دھڑکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ غفور صاحب بجھتے دل کے ساتھ انہیں سن رہی تھے۔

"وہ ماضی کو یکسر بھول جاتا ہے۔ اس نے کیا پڑھا، وہ کیا تھا اور کیا کیا کر چکا ہے سب کچھ۔ آپ کی بیٹی کی کنڈیشن اس وقت یہی ہے۔"

ان کے شانے ڈھلکے، راحم کی موت نے پہلے ہی انہیں گرا دیا تھا اور اب ایلاف کی یہ حالت۔۔۔ ان کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

”تیسری سٹیج میں وہ حال کو بھولنے لگتا ہے، ہر دو منٹ کی بات، ہر نئے ملے شخص کو، آپ کی بیٹی کا دماغ تیسری اسٹیج کی طرح بڑھ رہا ہے۔ کوشش کریں وہ چوتھے تک نہ جائے ورنہ آپ کون ہیں وہ بھول جائے گی، وہ کون ہے نہیں یاد رکھ پائے گی۔“ شبیہہ کے ساتھ آواز بھی دھیمی پڑی، حال میں موجود غفور صاحب نے کرب سے آنکھیں موندیں۔

”جب اس کے سیشنز ہوتے تھے تو میں اور ثمر اس کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ وہ کس ہائی سکول میں پڑھی ہے، اسے واقعی یاد نہیں تھا حتیٰ کہ وہ راحم کو بھی بھلا بیٹھی تھی۔ اب جو تھا بس ثمر تھا۔ ڈاکٹرز کی ہدایت کے مطابق اسے کسی بھی طرح کا دماغی دھچکا نہیں دینا ہے، اگر ایسا ہو گیا تو وہ بالکل بھی نارمل نہیں رہے گی۔ اس لیے ہم نے اسے ابروڈ بھیج دیا۔ ماضی دیوار پر چڑھتی اس چیونٹی کی مانند تھا جو ذرا سا پاؤں سلپ ہونے پر نیچے گر پڑتی ہے، گر کر زخمی ہوتی ہے اور مر جاتی ہے۔ ایلاف کے ڈاکٹر کے مطابق اگر اسے پرسکون ماحول میں رکھا جائے، اس سے اچھا برتاؤ کیا جائے تب وہ دوبارہ ماضی کو یاد کر سکتی ہے، سب کچھ ذہن کے پردے پر ابھر سکتا ہے اور اس کیلئے ہم سب جی توڑ کوشش کر رہے تھے ہم سب ماسوائے ثمر کے۔“

انہوں نے خود کو روکا، ایک طویل سانس بھرا۔ صوفے پر لٹی پٹی سی بیٹھی زرینہ پر نظر ڈالی۔ آنکھیں بند کر کے پھر سے کہنا شروع کیا۔

”ہم اسے ابروڈ لے گئے تھے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ایلاف جو میڈیسنز لیتی تھی وہ اینٹی بائیوٹکس یا پھر آئرن ٹیبلٹس تھی۔ اس کے کیپسولز میں سے سفوف نکال کر اس میں کیلشیم کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔ اس کی گولیاں آئرن کی گولیوں سے تبدیل کر دی گئی تھیں اور ایسا کون کر رہا تھا ظاہر ہے ثمر، وہی ثمر جو ان دنوں ٹریننگ پر تھا۔ بے خودی کے اس دور میں ایلاف نے تین سال عبور کر لیے تھے پھر تین سالوں بعد ایک رات وہ چیخنے چلانے لگی تھی، بالکل اسی

طرح جس طرح کومے سے جاگ کر چلائی تھی۔اس رات اس نے ہمیں سب بتا دیا تھا۔اس رات سب ختم ہو گیا تھا۔ایلاف کا ڈاکٹر جب مجھے اس کی کنڈیشن کے بارے میں بتا رہا تھا تو اس نے کہا تھا ماضی کی جھلک جو اس کے ذہن کے پردے پر تازہ ہو گی تو حیات برقرار رکھنے کیلئے ہمیں اسے اچانک ملنے والے شاک سے بچانا ہو گا۔ماتھے کی چوٹ اور اس کے نام کی پکار سے بھی، زوردار پکار سے لیکن۔"

انہوں نے آنکھیں جھکا لیں، لب کپکپائے اور وہ مضبوط اعصاب والے انسان پلکوں کو بھگو گئے۔

"دس دنوں بعد جب ثمر واپس آیا اور ڈاکٹر نے بتایا کہ ایلاف ریکور کر رہی ہے اس نے گارڈن میں ٹہلتی اپنی بہن کو پیچھے سے زور سے آواز دی اور بال اس کے سر پر مار دی۔یاد آیا سب مٹ گیا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ماضی نے رختِ سفر باندھا۔وہ پرندے کی مانند اڑ گیا کبھی واپس نہ آنے کیلئے، بیہوشی کے سبب گرتی ایلاف کی آنکھوں میں آخری چہرہ ثمر کا آن سمایا تھا جو تفکر، بے چینی سے اس کا گال تھپتھپا رہا تھا۔راحم بھول گیا، ثمر یاد رہ گیا۔"

ان کی آواز میں کپکپاہٹ تھی پدرانہ درد تھا۔تکلیف کی حد تھی۔

"آپ نے، آپ نے کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا۔" صدیوں بعد شراحیل کی آواز آئی تھی۔

"اس نے کہا تھا گھر میں چور آیا تھا جس نے پیسوں کی خاطر راحم کا قتل کر دیا اور ایلاف کو زخمی، میں نے اس کی بات کا یقین کر لیا، جس پلاسٹک بیگ میں میرے راحم کا چہرہ قید تھا وہ پلاسٹک کمپنی پاکستان کی نہیں تھی۔اس بیگ میں ثمر اپنے بیس بال کے گلوز رکھ کر آیا تھا۔ڈاکٹرز نے کہا ایلاف کے سر کو آٹھ بار ضرب لگی ہے۔وہ موت کے منہ سے بمشکل باہر آئی تھی۔جو انسان اپنے جان سے عزیز بھائی اور پیاری بہن کیلئے ظالم ہو گیا اس سے کیا توقع کرتا میں

مزید، جو بھی تھا وہ میری اولاد تھا۔ بزدل پیرنٹس کی طرح ہم نے چپ اختیار کر لی۔‘‘

’’حالانکہ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس نے ایلاف کو تکلیف پہنچائی، اگر اس عرصے میں، میں پڑھائی میں بزی نہ ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی قدم اٹھاتا۔ حیرت ہو رہی ہے خود پر کہ میں انجان کیسے رہا۔ آپ لوگوں نے مجھے یہ کہہ کر اندھیرے میں رکھا کہ ایلاف کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ آپ نے مجھ سے اتنی بڑی بات کیونکر چھپائی۔ میں تو آپ کا اپنا تھا نا۔‘‘ اس نے سختی سے کرسی کی بیک کو تھاما ہوا تھا۔ اگر ہاتھ لوہے کے ہوتے تو شاید دیار کی لکڑی سے بنی یہ کرسی انگلیوں کے زور سے ٹوٹ جاتی۔ آنکھوں میں نمی تھی اور لفظوں میں شکوہ۔

’’تم کچھ نہیں کرو بس میری انیشہ کو لے آؤ۔‘‘ زرینہ کی آواز بہت دور سے آئی تھی۔ ان کی آواز کے درد میں شراحیل بھیگ گیا، سر جھکایا اور اثبات میں ہلا دیا۔

’’میں ایسا ضرور کروں گا۔‘‘ اس کی آنکھوں کا افسوس تا ہنوز قائم تھا۔ اگر آج وہ پاکستان کو خدا حافظ کہہ دیتا تو کبھی یہ حقیقت جان نہ پاتا۔ اس کا یہاں آنے کا فیصلہ درست تھا۔

شاید۔۔۔!

☆......☆......☆

’’تم نے ڈیڈ سے جھوٹ کیوں بولا؟‘‘

وہ رات میں لائی گئی تھی۔ اندھیرا تھا لیکن اس گھر میں نہیں جہاں وہ موجود تھی۔ وہاں تو روشنیوں کا جہان آباد تھا۔ صاف ستھرا چمکتا ہوا وہ چھوٹا سا گھر جس کا باغیچہ سردی کی شدت کی وجہ سے مرجھایا ہوا تھا پھر بھی بھلا لگ رہا تھا۔ انیشہ فرنچ ونڈو کے قریب بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی تھی۔ وہیں جہاں سے مارگلہ کی پہاڑیوں پر بادل منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ اس وقت وہ ونڈو بند تھی اور اس پر سیاہ رنگ کے بالکل سادہ پردے گرے ہوئے تھے۔ ایک نے

کافی سے بھرا مگ اس کے سامنے موجود میز پر رکھا پھر سیدھا ہو کر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے اور ونڈو وان کے درمیان میں۔

''سچ بولتا تو کیا وہ تمہیں میرے ساتھ آنے دیتے، شاک دینا ضروری تھا۔''

میز پر موجود ایش ٹرے خالی تھی۔ایبک نے پاکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگائی اور ایک گہرا کش بھر دیا۔برہان وہاں موجود نہیں تھا۔

''یقین نہیں آتا میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔''

ایبک مسکرایا۔

''ہنہ، خود کو پہچاننے تو مجھے بھی عرصہ گزر گیا۔''

''میں نے سنا تھا تم مر گئے۔''اس نے کافی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ایسا ایبک نے بھی کیا تھا۔

''میں نے بھی یہی سنا تھا۔''

انیشہ نے ناک پر ہاتھ رکھا، اسے سگریٹ کے دھوئیں سے الرجی تھی۔

تمباکو نوشی سب کو معلوم ہے صحت کیلئے کتنی نقصان دہ ہے۔امریکن لنگ ایسوسی ایشن اور آئرلینڈ کی کینسر سوسائٹی کے اعداد و شمار کے مطابق تمباکو نوشی کرنے والے انسان کے جسم میں سگریٹ پیتے وقت داخل ہونے والے کیمیائی مادوں کی تعداد سات ہزار تک ہوتی ہے۔یہ کیمیائی مادے ایسٹک ایسڈ (بالوں کو ڈائی کرنے کیلئے بھی یہ کیمیکل استعمال ہوتا ہے) ایسیٹون (نیل پالش ریمور میں اس کیمیکل کا استعمال کیا جاتا ہے) سنکھیا (چوہے مار ادویات میں موجود ہوتا ہے) امونیا (فلو کلینرز میں موجود ہوتا ہے) بینزین (ربڑ سے بنی سیمنٹ اور ان سے بنی چیزوں میں شامل ہوتا ہے) کاربن مونو آکسائیڈ (اس گیس کے بارے میں تو آپ سب جانتے ہیں ہوں گے۔یہ وہ خطرناک ترین گیس ہے جس میں زیادہ دیر تک سانس لینے

کی وجہ سے انسان کی موت واقع ہوسکتی ہے۔روبری میں اس گیس کا استعمال بہت عام ہے۔ پٹرول،ڈیزل اور گیس سے چلنے والی گاڑیوں سے خارج ہونے والے دھوئیں میں بھی یہ شامل ہوتا ہے)اس کے علاوہ فارمیلڈ یہائیڈ،ہیکسامین،سیسہ،نیفتھالین،میتھنول،نکوٹین، تارکول اور ٹولوئین جیسے کیمیکلز فقط ایک سگریٹ کے دھوئیں میں موجود ہوتے ہیں۔یہ ابھی صرف چودہ کیمیکلز ہیں جبکہ اس کے علاہ ایک سگریٹ پھونکنے میں ہم چھ ہزار نوسواسی کیمیکلز کو اپنے جسم میں جگہ دیتے ہیں۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق سگریٹ پینے کی وجہ سے جسم میں نقصان دہ مالیکیولز بننے کا پروسیس تیز ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ڈی این اے کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اوکسیڈیٹو سٹرس بھی آلودگی،الٹراوائلٹ شعاعوں کے علاوہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی سٹریس کی وجہ سے بالوں کی عمر جلد ختم ہوجاتی ہے۔بال خشک ہوتے ہیں۔جھڑتے ہیں اور اس طرح ہوجاتے ہیں جیسے بڑھاپے میں ہمارے دادی یا نانیوں کے ہوتے ہیں۔تمباکو میں موجود نکوٹین بالوں کا قاتل ہے جو انہیں وقت سے پہلے موت دے دیتا ہے۔جگر کی بیماری،نظر کمزور ہونا اور دماغ کمزور،پھیپھڑوں کی بیماریاں بھی اسی وجہ سے ہوتی ہیں لیکن۔۔لیکن لیکن۔۔۔جو سب سے اہم ہے وہ کینسر ہے۔

سگریٹ پینے والا اور سگریٹ کے دھوئیں کو سونگنے والا کینسر جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔جی ہاں سونگھنے والا بھی کینسر جیسی بیماری کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔اوپر بتائے گئے سارے کیمیکلز جب ایک انسان کی ناک کے ذریعے اندر جاتے ہیں تو اتنا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جتنا کہ سگریٹ پینے والے کے جسم کو پہنچاتے ہیں۔اس لیے پلیز اگر کہیں بھی آپ کسی بھی سگریٹ نوش کو دیکھیں یا اس دھوئیں کو محسوس کریں تو فوراً اپنی ناک ڈھانپ لیں کیونکہ کینسر

جیسی مہلک بیماری آج کل خطرناک شکاری کی طرح آپ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ کیا آپ چاہیں گے فری میں خود کو سفر کروانا؟

نہیں نا۔۔تو پلیز خود کو تو بچائیں ہی، ساتھ میں اپنے عزیز رشتے داروں، دوستوں اور ہمسائیوں کو بھی اس سے باز رہنے کی تلقین کریں۔ آپ کے ہاتھوں بچی ایک جان پوری زندگی کیلئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوسکتی ہے۔

''یقین نہیں آتا تم وہی ایبک ہو تم بالکل بدل گئے ہو۔'' وہ سر کو پیچھے گرا کر ہنسا، انیشہ کو سگریٹ کا دھواں ڈسٹرب کر رہا ہے یہ بات وہ سمجھ گیا تھا اس لیے آدھی کے کش بھر کر باقی بچی بجھادی مگر پھر بھی اس کی بو ہر سو تھی۔

''تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ دس سالوں نے مجھے واقعی بدل دیا۔'' پھر اس نے بھوری شیشے سی چمکتی آنکھیں اٹھا کر انیشہ کے روہانسے چہرے پر ڈالیں اور لفظوں کو ترتیب دی۔

''وہ بھی بدل گئی، سب کچھ مکس اپ ہوگیا۔'' وہ سے کون مراد ہے یہ انیشہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔ اس کے دل میں درد اٹھا تھا۔ سامنے بیٹھا انسان آج بھی اس کی بہن کا ہے سوچ کر اسے خود پر رونا آیا۔ وہ کیوں بنا انویسٹی گیشن کے محبت کر بیٹھی۔ کاش اسے پتا چل جاتا، کاش وہ اس کی زندگی میں کبھی نہ آتا۔

''مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ پوچھا تھا۔ آنسو روکنے کی وجہ سے اس کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔

''ایک گھنٹے کا نکاح۔'' آنسو ٹپ ٹپ اس چھوئی موئی لڑکی کی آنکھوں سے گرے، مرمری کلائیوں سے انہیں پونچھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''تمہاری لڑائی ثمر بھائی سے ہے پھر میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو، میں نے تو تم

سے محبت کی تھی۔" اس کی ٹھوڑی پر بل پڑ چکے تھے۔ ابرو آپس میں مل گئیں۔ وہ دل جمعی سے رونے لگی۔ ایبک ساکت نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میری بہن نے بھی محبت کی تھی اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے تو یہ تک معلوم نہیں وہ کہاں دفن ہے۔"

لفظوں میں رستا خون آس پاس گر کر سب سرخ کرنے لگا تھا۔ انیشہ نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تو کیا یہ ضروری ہے تم بھی ثمر بنو اور مجھے ادا بنا کر بے بنیاد سزا دو۔" ایبک نے طیش میں آگے بڑھ کر کافی کا کپ اٹھایا، اٹھا کر اونچا کیا، وہ گرم کافی اس پر انڈیل دیتا مگر رک گیا کیوں؟ کیونکہ وہ واقعی میں ثمر نہیں بننا چاہتا تھا۔ ادا بننے کی تو یہاں کسی کی اوقات ہی نہیں تھی۔

"ثمر کو تکلیف تم دونوں سے ہی مل سکتی ہے۔" اس نے آنسوؤں سے لبریز چہرہ اٹھایا، بھرائی آواز میں بمشکل بولی۔

"کیا تمہیں اب بھی ایسا لگتا ہے، کیا تم راحم بھائی اور ایلاف کی حالت بھول گئے؟" اس کے سوال نے ایبک کو گنگ کر دیا۔ آنسو سے بھیگے چہرے والی وہ لڑکی جس سے اسے کبھی محبت نہیں ہوئی تھی بھنوؤں کو آپس میں ملائے اس سے سراپا سوال تھی۔ اس نے کافی مگ کو نیچے رکھا اور کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔

"عورتوں سے بدلہ لینے والے بزدل ہوا کرتے ہیں ایبک سلطان، میں نے تو تمہیں کبھی بزدل نہیں پایا تھا۔" اس کی آواز تا حنوز لڑکھڑائی ہوئی سی تھی۔

"بہت طویل عرصہ درد میں کاٹا ہے میں نے، ایسا کیا کروں کہ وہ بھی درد جھیلے، میری تکلیف اسے بھی محسوس ہو۔ وہ بھی روئے چیخے مگر کہیں سکون نہ ملے، کہیں دوا نہ ملے۔"

انیشہ نے جلدی سے چہرے کو پونچھا، گھڑی عین اس کی آنکھوں کے سامنے دیوار پر نصب تھی۔ وقت نو بجے کا تھا۔ اسے ہر صورت آج ہی گھر جانا تھا کچھ بھی کر کے لیکن جانا تھا۔

''تم تو بہت اچھے تھے نا، تم تو لڑکیوں کی عزت کرتے تھے۔ تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟''

برہان اس دوران کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ڈکٹ ٹیپ تھی جسے لیے وہ انیشہ کی طرف بڑھا۔ انیشہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔

''میرے ساتھ ایسا نہیں کرو ایبک، میں بے قصور ہوں۔'' وہ ہاتھوں پر سختی سے بندھتی ٹیپ دیکھ کر اونچی آواز سے رو دی تھی۔ ایبک کی نظریں اس کے ہاتھ پر ہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتا ہی کہہ رہا تھا۔

''ایک ویڈیو ریکارڈ کرواؤ، اس کے بعد برہان تمہیں چھوڑ آئے گا۔'' کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔ ہاتھ کو گھما کر اس نے ایک کاندھے پر جیکٹ کو ڈالا اور اس کی آواز نظر انداز کر کے وہاں سے باہر نکل آیا۔

''کس قسم کی ویڈیو ایبک، رک جاؤ، میرے ساتھ ایسا نہیں کرو، ایبک! تمہیں خدا کا واسطہ۔'' وہ مرے مرے قدموں کے ساتھ گھر سے باہر آیا۔ ادا کا مسکراتا چہرا اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

''سنو کیا تم اب بھی ایلاف کو۔۔۔''

ایبک نے جھٹ ادا کی بات کٹ کی۔

''میں کسی ایلاف کو نہیں جانتا۔''

یہ ان دنوں کی گفتگو ہے جب وہ نیویارک سے پاکستان لوٹے تھے۔

''اچھا ٹھیک ہے غصہ نہیں کرو، بابا کا گھر پیارا ہے۔'' وہ سیاہ گھر کے سامنے آ کر رکا جس پر تالا لگا ہوا تھا۔ حکومت اس مکان کو ضبط کر چکی تھی۔ ایک نے دیوار پھلانگی، اسے پرواہ نہیں تھی کہ کیمرا زا اسے دیکھ رہے ہیں کیونکہ وہ ان کو قبضے میں کر کے اپنی کلپس مٹا دے گا۔

''پاکستان آنے سے یہ سہولت ہے کہ اب ہمیں رینٹ نہیں دینا پڑے گا۔'' وہ اجڑے ہوئے باغیچے میں سے گزرنے لگا تھا، جہاں کبھی چھوٹے گڑھے کھود کر اس نے بیج اگائے تھے اب تو وہاں فقط بھوری مٹی کے کچھ نہ تھا۔

''ہاں صحیح کہا، اب ہم ہر خوف ہر پریشانی سے آزاد ہیں۔'' اس نے قدم آگے بڑھائے۔ داخلی دروازے پر بھی تالا پڑا ہوا تھا۔ وہ مرروال کی سمت بڑھنے لگا جو ٹوٹ چکی تھی۔

''تمہاری زندگی میں اب کوئی خوف پریشانی نہیں آئے گی وعدہ کرتا ہوں۔'' ٹوٹی ہوئی مرروال سے وہ اندر آیا۔ پورا لاؤنج خالی تھا۔ وہاں ایک شے بھی نہیں پڑی تھی۔ ایک نے اس جگہ نظر ڈالی جہاں اس کی بہن نے آخری سانسیں بھری تھیں۔ وہ اس جگہ آ کر گھٹنوں کے بل گرا۔

''تم بھی ایک وعدہ کرو۔'' اس نے ہاتھ مٹی سے اٹے ٹوٹے پھوٹے فرش پر پھیرا، یہ وہ جگہ تھی جہاں ادا کا سر گرا تھا۔

''کس طرح کا وعدہ۔'' وہ اس جگہ کو سہلانے لگا جیسے وہ اپنی بہن کے سر کو سہلا رہا ہو۔

''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم بدلہ نہیں لو گے معاف کر دو گے۔'' مٹی زمین سے اکھڑ کر اس کے پوروں پر لگنا شروع ہو چکی تھی۔ نیچے سے سفید ٹائل سہمے ہوئے بچے کی طرح نکل آئی تھی۔ وہ ڈر گئی تھی کہ کہیں اب دوبارہ ہولناک کیوں سے بھرا منظر اسے دیکھنے کو نہ ملے، اسی وجہ سے تو اس نے مٹی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی، اسی وجہ سے تو وہ اس چادر کے نیچے دبکی ہوئی تھی۔

”تمہیں کچھ ہونے سے پہلے خدا مجھے موت دے دے۔“

ٹائل ٹوٹی ہوئی تھی، تبھی اس کا کونا ایبک کی پہلی دو انگلیوں کو زخمی کر گیا۔ خون کی ننھی ننھی دو بوندیں اس کی انگلی سے ٹپکیں، مانو پورے گھر میں اس کا خون تیزی سے پھیل گیا ہو، جیسے رگوں میں پھیلتا ہے برق رفتاری سے گرم مگر طاقت ور خون۔

”تم بے قصور کو چھوڑ دو گے، میرے بھائی ہو میں جانتی ہوں ایسا کرو گے۔“ آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا فون کی بیپ بج اٹھی تھی۔ وہ میسج تھا اور ایلاف کی جانب سے آیا تھا۔ وہ کھڑا ہوا، جیکٹ کی جیب میں رکھا، موبائل فون نکال کر آنکھوں کے سامنے کیا۔ اندھیرے میں ڈوبے اس گھر میں زرد روشنی اس کے چہرے کو تاروں کی طرح جگمگا گئی۔

”کہاں ہو تم؟“

کوئی بھی جواب دیے بنا وہ وہاں سے باہر آیا۔ لان کو عبور کرتے اس کے قدم یکدم رکے تھے۔ گردن موڑی، ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ دل کو روک نہیں پایا تھا۔

”تم نے کہا تھا تم مجھ سے سیکرٹ شیئر کیا کرو گے، وہ سب جو تم ادا کو نہیں بتا سکتے، مجھے بتایا کرو گے۔ میرے کان کہہ رہے ہیں آج تمہیں وہ بتا ہی دینے چاہئیں۔“ اس نے گردن کے ساتھ قدم بھی موڑے، داخلی دروازہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

”ادا کو لڑائی جھگڑا پسند نہیں ہے، اسے بدلا بھی اچھا نہیں لگتا اس لیے میں اسے اس بارے میں نہیں بتا سکتا۔“ وہ لان جس میں کبھی گھاس اگا کرتی تھی اب فقط مٹی کا ڈھیر تھا۔ وہ زینے جس پر کبھی دو جینٹس شوز اور ایک گرل شوز نے آگے پیچھے قدم رکھے تھے اس سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے۔

”ہا یعنی تم نے لڑائی کی۔“ ایبک نے آخری زینے پر قدم رکھا، وہ دروازے کے پاس آ کر

تھم گیا تھا۔

"میں نے اس کا سر پھاڑ دیا۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کے اس کنارے پر رکھا جہاں سوکھے خون کے نشانات ابھی بھی موجود تھے شاید یہ وہ چھوٹے نشانات تھے جو دھلنے کے بعد بھی صاف نہیں ہوئے تھے۔ کچھ غم، کچھ درد اور کچھ کہانیاں یونہی تاحیات باقی رہ جاتی ہیں۔

"اگر کبھی کسی نے میرے ساتھ ایسا کر دیا تو، تم لڑتے ہوئے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

اس کی گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی تھی اور زخمی انگلیوں کی پوریں جو اس خون کے نشانات کو چھو رہی تھیں کپکپا اٹھی تھیں۔

"تو میں اسے جان سے مار دوں گا، اینڈ آئی مین اٹ۔" وہ آنکھیں بند کر چکا تھا۔ کئی احساس کے موتی تھے جو ٹوٹ کر گرے تھے۔ چاند آج بھی آدھا تھا لیکن دکھ پورا تھا۔

☆......☆......☆

بیجنگ پر سیاہ بادلوں کا راج تھا۔ بارش نہیں تھی، نہ ہی سنو فال لیکن گرے بادلوں نے ٹھنڈ کی شدت کو بڑھا دیا تھا۔ اس بڑھتی ٹھنڈ میں اوول شیپ انگیٹھی کے سامنے وہ کرسی بچھائے بیٹھا تھا۔ انگیٹھی میں موجود لکڑیاں چیخ کی آوازوں کے ساتھ دہک رہی تھیں۔ گول میز پر دھرا سرخ مشروب والا گلاس اس میں آگ کی شبیہہ بنا رہا تھا۔ تمر کے ماتھے پر سلوٹیں تھیں اور دماغ آگ کی طرح ہی تپا ہوا۔

"تو یعنی تم بچ نکلے۔" دہکتی آگ کے قریب بیٹھے اس کی آواز بھی انگاروں بھری تھی۔ سیاہ آنکھوں میں انگیٹھی میں موجود شعلے جگمگا رہے تھے۔

"مگر کب تک، اب کون تمہیں بچا سکے گا ایبک سلطان۔" اس نے فائل کو آواز کے ساتھ

بند کیا اور کچھ نمبرز ڈائل کرنے لگا۔ابھی اس نے فون کان سے لگایا ہی تھا کہ اس کا اسسٹنٹ بوکھلاتا ہوا دروازہ کھول کر اندر آیا۔ثمر نے اس کی اس طرح کی آمد پر فون رکھ دیا تھا۔

''سر، آپ کو فوراً کنٹرول روم میں چلنا چاہیے۔''

وہ اس کی حواس باختگی بھانپتے ہوئے ان چھوا گلاس چھوڑ کر گرم کمرے سے باہر آیا۔ دائیں جانب مڑ کر وہ دونوں آگے پیچھے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔اس کے اسسٹنٹ نے لوہے کے دروازے کو کھولا، ثمر اسے کراس کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''کیا ہوا ہے، سب ٹھیک ہے؟'' وہ ڈھیر سارے کمپیوٹرز کے سامنے بیٹھے اپنے ساتھوں سے مخاطب تھا۔ایک کے پاس آ کر تھما، اس کی کرسی کی پشت کو پکڑ کر جھکا۔

''سب بہت ٹھیک ہے سر، ہمیں کچھ ملا ہے۔'' وہی لڑکا جس کی کرسی کو پکڑے ثمر کھڑا تھا معمولی سے جوش سے استفسار کرنے لگا۔

''جیسا کہ؟''

''جیسا کہ ایک سلطان بیجنگ میں نہیں ہے، وہ اس وقت پاکستان میں ہے اور ابھی نہیں وہ ہر وقت ہی پاکستان میں تھا۔اس نے ہمیں گمراہ کیا ہے۔یہ دیکھیں۔'' وہ سکرین پر انگلی کے اشارے سے بتا رہا تھا۔بہت بڑی سکرین پر اب تک کی گئی آٹھ کالز کے ریکارڈ موجود تھے۔ وقت، جگہ اور ملک وہاں پر بیجنگ کا ہی تھا۔ثمر نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

''یہاں پر اس نے پہلی کال کی تھی، پیچھے کا سارا عملہ، ڈرمز اور دیوار پر نصب پینٹنگ سب یہاں کی ہیں مگر۔'' اس نے ایک جگہ کو زوم کیا، وہاں دیوار کے کونے کے ساتھ ایک کرکٹ بیٹ رکھا ہوا تھا جس پر موجود لوگو پر اس نے زومنگ کو سٹاپ کیا۔

''مگر یہ جو بیٹ ہے یہ یہاں کا نہیں ہے یہ کبھی بھی یہاں امپورٹ نہیں ہوا ہے۔''

ثمر نے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

''تو اس میں کیا بڑی بات ہے اِل لیگل طریقے سے لے آیا ہوگا وہ۔'' لڑکا ہولے سے مسکرایا۔اس نے پینٹنگ پر زوم کیا تھا جس کے شیشے پر دھوپ کی چمک تھی۔

''یہ اٹھارہ اکتوبر کی کال ہے، وقت اور ٹائم مینشن ہے لیکن کیا آپ کو پورا یقین ہے اٹھارہ اکتوبر کو یہاں پر دھوپ نکلی تھی؟'' لڑکے نے تھوڑا سا جھک کر دوسرے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر ہاتھ مارے۔ وہاں گزشتہ دنوں کی ویدر اپ ڈیٹس نکلی ہوئی تھیں۔لڑکے کے ہاتھ مارنے پر بیجنگ کا ہر چھوٹا بڑا شہر آگیا، جو یا تو بارش سے نہا رہا تھا یا پھر گدلے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

''اٹھارہ اکتوبر کو یہاں پر کہیں بھی دھوپ نہیں نکلی، آخری اور اہم پوائنٹ۔'' اس نے اٹھارہ اکتوبر کی کلپ کو سکپ کیا، ایک اور کلپ نکالی اور اس کا والیوم بڑھا دیا جہاں وہ اس سے بات کر رہا تھا، وہیں بیک گراؤنڈ میں ایک آواز آئی تھی۔وہ آواز بہت ہلکی تھی جس پر ایبک نے کڑوا منہ بنا کر چہرے کا رخ موڑا تھا۔لڑکے نے بیک گراؤنڈ والیوم کو فل کیا اور ایبک کی آواز کو دبا دیا۔ بیک گراؤنڈ آواز کچھ یوں تھی۔

''سنو اس گھر میں کوئی ہے؟ کیا کوئی نیا فارنر آیا ہے رہنے، پاکستان کو تو یہ لوگ کباڑہ بناتے جا رہے ہیں۔''

ثمر کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔خالص اردو زبان اوپر سے پاکستان کا لفظ، اس نے طیش میں آکر دانت کچکچائے۔

''اس سے بھی بڑھ کر ایک ثبوت ہے۔'' وہ چونکا تھا۔اس کے چونکنے کو دھچکے میں بدل دیا گیا۔

''آپ کی بہن کا کلپ اس نے اپ لوڈ کیا ہے بے فکر رہیں، وہ صرف ہم ہی دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔'' ثمر کو غصے میں بپھرتے دیکھ اس نے فوراً سے پیشتر کہا تھا۔''اس کلپ میں

آپ کی بہن نے کچھ کہا ہے، سن لیں۔" کہتے ساتھ ہی اس نے دومنٹ کے اس کلپ کو چلا دیا جس میں انیشہ سر جھکائے بندھے ہاتھوں کے ساتھ سکرین میں پوری نظر آ رہی تھی۔ ثمر کا خون ابلنے لگا۔

"بھائی۔" چہرہ، آواز دونوں بھیگے ہوئے تھے۔

"راحم بھائی اور ایلاف کے ساتھ اچھا نہیں ہوا، کیا وہ سب میرے ساتھ بھی ہوگا۔"

ثمر کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہا۔ ایبک نے اس کی بہن کو یرغمال بنایا۔ ایبک نے اس کی بہن کو یرغمال بنا کر سب کچھ بتا دیا۔ ایبک کی اتنی جرأت۔

"میں آپ سے کیا کہوں فقط اس کے کہ آپ وہ سب مان لیں جو ایبک چاہتا ہے ورنہ وہ، وہ سب میرے ساتھ کرے گا جو آپ نے ادا کے ساتھ کیا تھا۔ بھائی کیا آپ مجھے بچا لیں گے۔"

ثمر نے طیش میں کرسی کو چھوڑا اور مڑ گیا۔ اس کی شریان پھٹنے کے قریب تر ہوئی، دانت اتنی زور سے دبائے ہوئے تھے کہ مانو ٹوٹ جائیں گے۔

"سر، رکیں سر آپ کی بہن اس بات کا بولتا ثبوت ہے کہ وہ پاکستان میں ہی ہے۔ سر، آپ کی بہن کے آگے جو میز رکھی ہے اس پر دھرا اخبار پاکستان کا ہی ہے۔ سر سنیں تو سر، سر۔"

ثمر نے سب کی آوازوں کو اگنور کیا۔ وہ جارحانہ انداز میں سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر آیا۔ انگیٹھی اور وائن گلاس میں موجود مشروب جوں کا توں اس کا منتظر تھا۔ اس نے اوپر آ کر ٹھاہ کی آواز سے کمرا بند کیا اور دیوار پر نصب چھوٹی سی شیلف پر موجود بیجنگ کے ثقافتی شو پیسز کو زمین بوس کر دیا۔ ایک ہاتھ کی مٹھی بنا کر وہ اسے کال کر رہا تھا۔

کسٹم سے فارغ ہونے کے بعد ایبک جینز کی جیبوں میں ہاتھ اڑستا ائیر پورٹ کے احاطے سے باہر آیا۔ گرے جینٹس سوٹ پینٹس پر اس نے گرے ہی ہڈ جرسی پہن رکھی تھی جس

کی سامنے کی زپ بند تھی۔ اس ہڈ جرسی کا دامن اور ہڈ کے کنارے نیوی بلیو تھے۔ منہ پر سیاہ ماسک لگا تھا۔ کانوں میں ہینڈز فری تھی جس کی تاریں سینے پر جھول رہی تھیں۔ دونوں شانوں پر سیاہ بیگ ڈالے وہ مزے سے چل رہا تھا جب اس کا فون تھرتھرا اٹھا۔

''ہیلو ڈیول۔'' محظوظ ہوتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی تھی۔ اس نے کوئی سامان ساتھ نہیں رکھا تھا فقط ایک بیگ کے جسے شانوں پر ڈالے وہ ٹیکسی کو روک رہا تھا۔ ٹیکسی روکتے اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔

''ایبک سلطان، بچ گئے تم۔۔۔ہاں۔''

ماسک کے پیچھے چھپے چہرے پر پھیکی مسکان تھی جبکہ آنکھیں جل اٹھی تھیں، جل تو سماعت بھی گئی تھی اور لاہور کا آسمان بھی۔

''تو یعنی تمہیں پتا چل گیا۔'' ہوا میں معلق اس کا ہاتھ جو ٹیکسی بلانے کیلئے تھما تھا بینڈ تیج لگی دو انگلیوں کو لہرانے لگا۔

''نام بھی، کام بھی اور آرام کی جگہ بھی۔'' وہ ہنسا اپنے قریب رکی ٹیکسی میں آکر سوار ہوا۔ پہیوں کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی وہ کہہ رہا تھا۔

''ویل پھر تو بہت مزا آنے والا ہے، جانتے ہو اس وقت میں کہاں جا رہا ہوں۔''

گاڑی لیفٹ سائیڈ پر مڑی تھی۔ لاہور کا آسمان گرے بادلوں سے خالی تھا، بس کہیں کہیں موٹے سفید بادل تیرتے ہوئے دکھ رہے تھے۔

''مجھے تو ایک ہی جگہ پتا ہے۔''

ایبک نے یک لخت اس کی بات درمیان میں قطع کی۔

''اور تمہاری ڈکشنری میں اس جگہ کا نام قبر ہے، جانتا ہوں لیکن اس وقت میں ایلاف کے

پاس جارہا ہوں، سیلفی ضرور بھیجوں گا دیکھ لینا۔“
ثمر کی غراہٹ پر اس نے ایک ہینڈ فری کا سرا کان سے نکالا اور بھنویں چڑھا لیں۔
”تمہارا انجام دیکھنا کتنا برا ہوگا، تمہیں لگتا ہے میں تمہیں چھوڑ دوں گا، زندہ گاڑ دوں گا۔“
اس نے واپس اسے کان میں ٹھونسا اور برے سے انداز میں بولا۔
”ہاں ہاں کر لینا ایسا، ویسے بھی تم اس کام میں ماہر ہو۔“ کہتے ساتھ ہی اس نے کال ڈس کنیکٹ کی تھی۔ کرنے کے بعد ایک نگاہ ٹیکسی ڈرائیور پر ڈالی جو بالکل پڑھا لکھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ہوتا تو ضرور اس کی انگلش میں ہوتی بحث پر تاثرات ظاہر کرتا۔
وہ اس دن ایلاف کے پاس نہیں گیا تھا۔ ایک رات گزار کر اگلے دن وہ اس ہوٹل میں جا رہا تھا جس کی لوکیشن ایلاف نے اسے سینڈ کی تھی۔ اس نے ایلاف کو کہا تھا، وہ نو بجے کی خبریں سنے۔ نو بجے کی خبروں میں اس نے بم پھوڑنا تھا لیکن فی الوقت ٹال دیا۔
وہ ہوٹل کے سامنے آ کر رکا، سر اٹھا کر اس کی نیلی عمارت پر نگاہ دوڑائی پھر شانوں پر ڈلے بیگ کی سٹرپس پر اوپر نیچے ہاتھ پھیرتا ہوا اندر آ گیا۔ لابی میں ویلکم کیلئے ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص کھڑا تھا۔ وہ اس کی تقلید میں چلتا ہوا سیدھے سے دائیں جانب مڑا، لوگوں کا شور اور ہجوم دقت پیدا کر رہا تھا کہ وہ ایلاف کو ڈھونڈ سکے مگر دو سیکنڈ میں ہی اس نے اسے پا لیا۔ وہ ساتویں میز پر چھوٹے بالوں کی ٹیل پونی باندھے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ گود میں دھرے تھے اور نظریں عوام پر۔ ایبک نے اس کا نمبر ڈائل کیا، پھر سویٹ پینٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگا۔
”تم نے کہا تھا نو بجے کی خبریں دیکھوں وہاں بکواس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔“ وہ اس سے فاصلے پر کھڑا تھا۔ فون اٹھاتے ہی ایلاف کے اس جملے پر اس نے ماسک اتار کی ہڈ جرسی کی

جیب میں رکھا۔

"میں نے نوٹ کیا ہے تم مجھے سلام نہیں کرتی، کیا اتنی خار کھاتی ہو مجھ سے۔" وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جس کے ایک ہاتھ نے فون کو کان سے لگایا ہوا تھا جبکہ دوسرا میز پر دھرا تھا۔

"تمہیں سلام کر کے دس نیکیاں کمانے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ ایک ظالم انسان کبھی نیکی کا سبب نہیں بن سکتا۔" وہ میز پر دھرے ہاتھ کی انگلی سے میز پر گول گول دائرے بنا رہی تھی، ایبک نے قدم بڑھانے شروع کیے۔

"تو پھر تم اس ظالم انسان کو مجبور کر دو کہ وہ راہ راست پر آجائے۔"

وہ اس سے تین قدم کی دوری پر تھا۔ ایلاف کی شہادت کی انگلی تاہنوز دائروں کو بنا رہی تھی۔ ایبک کو اس بھنور میں اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا ہماری بحث بیکار ہوتی ہے، مجھے تم سے ملنے کی ہامی ہی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔" وہ بالکل اس کے قریب آ گیا، آ کر ہاتھ میز پر رکھا اور بولا۔

"ہم ملے ہی کب ہیں۔"

ایلاف نے سر اٹھایا تھا۔ وہ وہاں موجود تھا اور اب اس کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اس کی آواز نا جانے کیوں جانی پہچانی سی لگتی تھی۔ ایبک نے بیگ شانوں سے اتار کر قدموں میں رکھا۔ ویٹر کو دو انگلیوں سے بلا کر ناشتے کا آرڈر دیا۔ کرسی کے کنارے پر لٹکا اسے دیکھنے لگا جو ناخوش لگتی تھی۔

"او کے فائن آج ہم طنز نہیں کریں گے بلکہ ہیلدی گفتگو کریں گے۔"

ایبک کے لبوں پر مسکان تھی۔ ویٹر میز پر برتن سیٹ کرنے لگا تھا۔ ایبک کی بات سن کر مسکان تو اس کے لبوں پر بھی آ گئی تھی مگر اس نے فوری طور پر اسے کنٹرول کر لیا ورنہ نوکری سے

ہاتھ دھو بیٹھتا۔

”میں طنز نہیں کرتا، تم ہی کرتی ہو۔ اچھا اوکے فائن میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

ایلاف کی گھوری پر وہ ہاتھ سیز فائر میں کھڑے کر چکا تھا پھر اس ویٹر کے جانے کے بعد بولا۔

”تم نے کہا تھا تم میری شرط مان رہی ہو خود کو مجھے دے رہی ہو۔“

ایلاف نے چھوٹتے ہی اس کی بات قطع کی۔

”میں نے کہا تھا میں ان چار لڑکوں کی زندگی کے عوض خود کو تمہیں بیچ رہی ہوں۔“

ایبک کے ماتھے پر ڈھیروں ڈھیر شکنیں آن سمائیں، چھچھوں کانٹوں کا شور، آوازوں کی پھسپھساہٹ جیسے وہاں سے غائب ہوگئی۔ کان سماعت، دل دماغ، رگیں، شریان، پٹھے اور احساسات سب اسے سننے لگے جو اس کے سامنے بیٹھی تھی، بیٹھ کر اس کا دل جلا رہی تھی۔

”تم پھر فضول بول رہی ہو، اتنا برا بولنا کہاں سے سیکھا ہے تم نے۔“

”اپنی بتاؤ تمہاری نیت کیا ہے؟“

ناشتہ سرو ہو چکا تھا۔ فرائیڈ ایگ، سلاد اور فریش جوس۔

”اس ڈیمانڈ کا مطلب جو تم کر چکے ہو میں شرافت کے زمرے میں لوں یا نہیں؟ مجھے تم بتاؤ تم نے اتنی گھٹیا فطرت کہاں سے لی ہے۔“ ایبک نے دانت کچکچائے، ہوٹل کی خوبصورت ہاف وائٹ چھت پر لگا فانوس ان پر روشنی پھینک رہا تھا۔

”یہ ہیلدی گفتگو ہے؟“ ایبک کا سوال تھا۔

”تمہارے ڈاچ بہت برے ہوتے ہیں۔“ ایلاف کا جواب تھا۔

”میری فطرت بری۔“ ایبک نے انگلیوں پر گننا شروع کیا۔ ”میرے ڈاچز برے، میری سوچ بری، میں خود برا اور کیا کیا ہوں میں تمہاری نظر میں۔“

ایلاف سینے پر ہاتھ باندھے گردن موڑے بیٹھی تھی۔ طنزیہ انداز میں ابرو اچکا کر بولی۔

''یہاں ہم میری پسند کو جاننے نہیں بلکہ ان چار لڑکوں پر بات کرنے آئے ہیں جو تمہاری تحویل میں ہیں اور وہ سارے لوگ بھی جو تمہارے ایکٹر ہیں۔ وہ وہاں کیوں ہیں؟''

ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ بھوک کے باوجود دونوں میں سے ایک نے بھی اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''تمہیں پہلے میرا حال احوال پوچھنا چاہیے تھا۔ میں اتنی دور سے خاص تم سے ملنے آیا ہوں۔'' متبسم نگاہیں، ویسا ہی لہجہ۔

''تصحیح کرو خود کی تم مجھ سے ملنے نہیں بلکہ اپنے کام سے آئے ہو۔ تم ایک خود غرض انسان ہو۔''

ایبک نے پھر سے ہاتھ اوپر اٹھائے اور خود کو کرسی کی پشت پر گرا دیا۔

''دیکھو اب تم زیادتی کر رہی ہو ایک ہیلدی گفتگو میں کسی کو برا نہیں کہا جاتا۔ کیا اس سارے عرصے میں، میں نے کبھی تمہیں برا کہا، حالانکہ تم میرے ساتھ بہت غلط کر چکی ہو پھر بھی میں چپ ہوں کیوں؟ کیونکہ تمہارے آگے لفظ کم پڑ جاتے ہیں میرے، ارادے مردہ ہو جاتے ہیں۔''

وہ اس کی بات پر ٹھٹکی تھی۔ ٹھٹکی تو محبت والی بات پر بھی تھی جو پچھلی گفتگو میں اس نے چھیڑی تھی۔ ''مجھے پتا نہیں کیوں ایسا لگتا ہے جیسے میں تمہیں کہیں دیکھ چکی ہوں، کون ہو تم؟'' وہ سوال کر رہی تھی۔ ایبک کا دل بجھا رہی تھی۔

''ایبک سلطان۔''

اس کے جواب پر ایلاف کا حلق تک کڑوا ہوا بولی تو لفظ بھی کڑوے ہی تھے۔

''نام سے واقف ہوں شناخت سے نہیں۔''

ایبک نے میز پر ہاتھ رکھے اور تھوڑا آگے جھکا۔

”یونو۔“ یہاں وہاں دیکھا پھر رازداری سے گویا ہوا۔ ”تمہارا چھپا ہوا لور ہوں میں، خاموش اور انجان پریمی، تم مجھے نہیں جانتی مگر میں تمہیں اچھے سے جانتا ہوں۔ یک طرفہ محبت کہہ لو اسے لیکن ہاں یہی سچ ہے۔“ وہ اسے چھیڑ رہا ہے۔ اس کا مذاق بنا رہا ہے۔ ایلاف کو پتا چل گیا۔ اس نے جبڑے بھینچے۔

”ایسی یک طرفہ محبتیں گئیں بھاڑ میں، ہم یہاں کام کی بات کرنے آئے ہیں۔“

ایبک مسکراتے ہوئے پھر سے پیچھے ہوا۔ (تمہارا دل آج تک نہیں بدلا، ویسا ہی ہے خالی اور انجان)

”ہاں تو کرو میں کب منع کر رہا ہوں۔ ہم یہاں ڈیل کیلئے آئے ہیں۔ اس پر ہی بات کرتے ہیں۔“

ناشتہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اب کس نے کھانا تھا بھلا۔

”فائن تو بتاؤ تم نے ان لوگوں کو یرغمال کیوں بنایا، فقط امرا کی گردنیں تو تمہاری منزل نہیں ہو سکتی، کچھ اور ضرور ہے جو پوشیدہ ہے۔“

”تم درست ہو پس پردہ حقیقت کچھ اور ہے تبھی کہا تھا ایک رات اور پورے دن کیلئے میرے پاس آؤ، سب معلوم ہو جائے گا۔“

ایلاف نے کرسی کو جھٹکے سے پیچھے کیا اور کھڑی ہو گئی۔

”ٹھیک ہے چلتے ہیں پھر۔“ کھڑے ہونے کے بعد وہ بیگ اٹھاتی ٹک ٹک وہاں سے جانے لگی۔ ایبک نے ہونٹوں کو پھلاتے ہوئے سانس خارج کی۔

”دومن۔“ ناک بھوں چڑھا کر ایک لفظ ادا کرنے کے بعد وہ بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

☆......☆......☆

”پاکستان میں ریڈ الرٹ جاری کردو، ہر جانب ایک سلطان کی تصاویر مع اس کا نام چسپاں کرواؤ اور اس پر دس ملین کا انعام رکھ دو۔ مجھے وہ ہر صورت زندہ یا مردہ چاہیے۔“

بیجنگ سے ایک جہاز پاکستان کی سرزمین پر لینڈ ہوا تھا۔ اس جہاز میں جانباز سوار تھے جو اب تیز قدموں کے ساتھ دھول اڑاتے آگے بڑھ رہے تھے۔ ثمر نے کان سے لگے فون کو ہٹایا اور اپنی جیپ میں سوار ہو گیا۔ وہ گھر کے داخلی دروازے کو عجلت میں پار کر رہا تھا جب ادھر کے سناٹے نے اسے چوکنا کر دیا۔ وہ سنبھلتے ہوئے اندر آیا، خاموشی کان پھاڑے دے رہی تھی۔

”مام ڈیڈ“ اس نے آواز لگائی تھی۔ لگانے کے بعد وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ دستک دینے کے بعد کھلتا چلا گیا تھا۔ اس نے دیکھا نیم اندھیرے کمرے میں اس کی ماما بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ایک تصویر لیے بیٹھی ہیں۔ ان کی آنکھیں غیر مرئی نقطے پر ٹکی ہیں اور وہ تصویر الٹی ہو کر ان کے سینے پر دھری ہے۔ وہ تصویر کس کی ہے ثمر جان گیا تھا۔

”ماما، آپ ٹھیک ہیں؟ ڈیڈ کہاں ہیں۔“ پورا دروازہ وا کیے وہ اندر داخل ہوا۔

”آج تمہارے بھائی کو گئے گیارہ سال ہو گئے، آج وہ اکتیس سال کا ہو جاتا۔“

ثمر ان کے بیڈ کے کنارے ٹکا لرزتا ہاتھ ان کے ماتھے پر رکھا۔ وہ جل رہا تھا۔

”وہ شادی کر چکا ہوتا اسی لڑکی کے ساتھ جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ جانتے ہو اس نے مجھے کیا کہا تھا، جس کی وجہ سے میں اور غفور اس کی شادی کیلئے رضامند ہوئے تھے۔“

ثمر ان کے گال پر گرے اجڑے ہوئے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑس رہا تھا۔ اڑستے ہوئے اپنی ماں کے الفاظ سن رہا تھا جو وہ پچھلے دس سالوں سے اس دن کہا کرتی تھیں۔ ثمر کو یہ باتیں حفظ ہو گئی تھیں۔

”وہ کہتا تھا اسے گناہ گار نہیں بننا اس لیے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ وہ چھوٹی سی عمر میں کتنا

عقلمند تھا نا، کتنا حساس اور ذمہ دار۔"

ثمر آہستہ آہستہ زرینہ کے ماتھے کو اپنے ٹھنڈے ہاتھ سے سہلا رہا تھا۔ انہیں سکون ملنا چاہیے تھا، نہیں مل رہا تھا۔ یہ سکون صرف راحم کے ہاتھوں میں ہی تھا اور اس کے ہاتھ اب کہیں نہیں تھے۔

"ماما، پلیز آپ بیمار پڑ گئی ہیں۔" وہ ٹوک رہا تھا مگر زرینہ نہیں رکیں۔

"گھر آتے ہی سلام کرتا تھا۔ میرے ماتھے پر بوسہ دیتا تھا۔ جب یہاں نہیں ہوتا تھا تو روز فون کرتا تھا۔ کہتا تھا ہم لوگوں نے اسے اتنی دور بھیج کر اچھا نہیں کیا۔ پھر تم تینوں بھی چلے گئے اس کی تنہائی بٹ گئی۔ وہ سترہ سال کا تھا جب اس نے مجھے فون کر کے کہا تھا۔" زرینہ کی آنکھوں میں جس کا عکس تھا کاش وہ عکس سلامت ہوتا۔

"ثمر بہت سمجھدار ہو گیا ہے۔ اپنی بہنوں کا مجھ سے بھی بڑھ کر خیال رکھتا ہے۔ مجھے یہ تو سکون ہے جب میں یہاں سے یونیورسٹی چلا جاؤں گا تو ان دونوں کا خیال رکھنے والا کوئی ہو گا۔ ماما، مجھے ثمر سے بہت محبت ہے مگر یہ بات درست ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ ایلاف کو چاہتا ہے اس کی آنکھوں میں دکھتا ہے اور اس بات سے میں بیحد خوش ہوں۔"

ثمر نے پہلو بدلا تھا۔

"اس نے کہا تھا تم اپنی بہنوں کی حفاظت کرو گے۔ تمہاری دونوں بہنیں کل رات سے گھر نہیں ہیں۔ ایک کہاں ہے معلوم ہے، دوسری کہاں ہے نہیں معلوم، تم ان دونوں سے انجان ہو اس بارے میں راحم کو کیا جواب دو گے تم۔" اس کی جواب دینے کی صورت ہی نہیں رہی تھی۔ وہ اس بارے میں کیا کسی بارے میں بھی اس کے آگے سر نہیں اٹھا سکے گا۔ اس بات کا اسے ملال تھا۔ مضحکہ خیز بات ہے لیکن یہ سچ ہے۔

”ایلاف لاہور ہے۔“ اس نے لبوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”اور انیشہ آج آجائے گی۔“

وہ خاموش رہیں، کچھ نہیں کہا بس اس کا ہاتھ ماتھے سے ہٹا کر کروٹ بدل لی۔

”ماما، آپ بیمار ہیں، چلیں ہاسپٹل چلتے ہیں۔“ وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زرینہ نے جلتے ہاتھ سے اس کے ہاتھ کو پیچھے جھٹکا۔

”چلے جاؤ ثمر، پریشان نہیں کرو میں اپنے بیٹے کے ساتھ وقت بتانا چاہتی ہوں۔“

وہ دانت پیسے کمرے کا دروازہ بند کر گیا تھا۔ جہاں اس نے دروازہ بند کیا تھا وہیں ایلاف ہوٹل کے کمرے میں دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔ ایبک اس کے پیچھے ہی تھا۔

”آج ہم یہاں ہیں کل دن بھی، میں تمہاری شرط مان رہی ہوں۔“

ایبک نے اس بڑے سارے کمرے پر نگاہ دوڑائی جہاں دو جہازی سائز بیڈ رکھے ہوئے تھے۔ دیوار پر بڑی ایل ای ڈی نصب تھی۔ اس کے نیچے میز پر ڈھیر ساری سی ڈیز پڑی ہوئی تھیں جبکہ ایک جانب دیوار گیر شیشے کی الماری تھی جس کے اندرونی خانے خالی نظر آرہے تھے اور دوسری دیوار پر پردے گرے تھے۔ پردوں کے پیچھے کس قسم کی کھڑکی تھی نہیں معلوم تھا ہاں کمرے کا رنگ انگوری تھا اور بیڈ کی چادریں اور پردے بھی اسی رنگ کے تھے۔

”تمہیں یقین ہے ہم یہاں رہیں گے۔“ ایبک نے بیگ انگوری پوشش والے صوفے پر پھینکا، وہ ہڈ جرسی کی سامنے کی زپ کھول رہا تھا جب اس کے ہاتھ درمیان میں ہی رک گئے۔ وہ متحیر سا اس کی طرف مڑا تھا۔

”یہ ہنی مون روم بالکل نہیں ہے، دیکھنے سے صاف ظاہر ہے۔ میں نے باہر تمہیں اپنا بھائی بتایا ہے۔ چاہو تو بکنگ کی تصدیق کر سکتے ہو، دو بہن بھائی جو ابھی کراچی سے لاہور ریسرچ

ورک کیلئے آئے ہیں ان کیلئے ایک کمرہ درکار ہے۔"

ایبک نے ادھ کھلی زپ کو جھٹکے سے کھولا۔کھولنے کے بعد ہڈ جرسی کو اتار کر صوفے پر جارحیت سے پھینک دیا۔

"اور کوئی رشتہ نہیں ملا تھا تمہیں، باپ بنا لیتی اپنا۔" وہ سر جھٹک کر گول گلے والی گرے شرٹ کے بازو درست کر رہا تھا۔ایلاف نے اپنا پرس میز پر رکھا اور مڑ کر بولی۔

"آئیڈیا برا نہیں تھا،عمر زیادہ ہوتی تو یہ بھی کر لیتی۔"

اس نے کوٹ نہیں اتارا تھا۔وہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔فراک سٹائل کا وہ سبز رنگ کا کوٹ تھا جس نے اسے پورا چھپایا ہوا تھا۔ایبک بازوؤں کو کلائی تک لانے کے بعد انہیں ترتیب سے کہنیوں تک کر رہا تھا،ایلاف کی بات پر نظریں اٹھائیں۔

"ایک بات یاد رکھنا تمہاری یہاں کوئی چال نہیں چل سکتی اور یہ تم نے جرسی کیوں اتاری ہے؟" ماتھے پر بل ڈالے وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔ایبک کے لبوں نے مبہم مسکان کو چھوا۔

"کیونکہ مجھے لگا میں اس شرٹ میں زیادہ ہینڈسم لگتا ہوں۔" اس کی شرارتی مسکان ایلاف کی نظر میں نہیں پڑی تھی تبھی وہ سیل فون پر نگاہ گاڑے بولی۔

"یعنی لوفر بازیاں بغدادیوں میں بھی پائی جاتی ہیں، امیزنگ۔" جھک کر بیگ کی زپ کھولتا ایبک کا ہاتھ پل بھر کو تھما،گردن کو حرکت دی اور چہرہ اس کی جانب کر کے بولا۔

"میں بغدادی ہوں تم کیسے جانتی ہو؟"

ایلاف نے اس سوال پر فون کی سکرین اس کی جانب کی جس میں اس کی آئی ڈی موجود تھی۔وہاں سب درج تھا۔یقیناً یہ وہ کرپٹڈ فائل تھی جو برہان نے ایلاف کو سینڈ کی تھی۔وہ اس فائل تک رسائی پا چکی ہے تبھی اب اس کے بارے میں سب جانتی ہے۔

”کسی مہربان فرشتے کا کام ہے یہ ویسے تمہارا اترائے پانی کا بلبلہ ثابت ہوا، میں فلیٹ ہونے والی لڑکی نہیں ہوں۔“

”تمہیں لگتا ہے میں تمہارے ساتھ فلرٹ کر رہا ہوں۔“ سوال تھا بہت سنجیدہ سوال۔

”مجھے یقین ہے اس بات کا۔“ وہ فون کو صوفے پر رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھی تھی۔ اب گھٹنے پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے رکھ رہی تھی۔ ایبک نے سنجیدہ نگاہوں سے اسے تکا، خفگی، کرختگی اس کے بھورے لینز میں آن سمائی۔ بیگ کی زپ کو جھٹکے سے چھوڑ کر وہ تھوڑا آگے کو جھک گیا پھر اس نے صوفے پر پھینکی ہوئی ہڈ جرسی اٹھائی اور بازو اس میں ڈال کر شانوں پر جھٹکے سے سیدھی کی۔ زپ بند کرنے کی اس نے زحمت نہیں کی تھی، ہاں بازو کہنیوں تک موڑ لیے تھے۔

”مجھے تمہارے ساتھ فلرٹ کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں تم انگیجڈ ہو۔“

ایلاف کی اگلی بات نے اسے تکلیف پہنچائی تھی مگر وہ تکلیف معنی نہیں رکھتی تھی۔ نو عمر دل کی خاموش اور پرانی محبتوں میں اس طرح کے دردیوں بھی معنی نہیں رکھتے۔

”اور مجھے شراحیل سے بے انتہا محبت ہے، اضافہ کر لو اپنی معلومات میں۔“

سیل فون صوفے پر جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ وہ ٹانگ کو جھلاتے ہوئے اسے چڑا رہی تھی۔ نہیں جانتی تھی اس کے لفظوں سے سامنے والے کو کتنی ٹھیس پہنچی ہے، جانتی تو ہو سکتا ہے اس طرح نہ بولتی۔

”ہونی بھی چاہیے۔“ اس نے ہلکی سی سرگوشی کی، روم سروس والا آ کر ان کے کمرے میں جوس کے گلاسز رکھ گیا تھا۔ ایبک نے بیگ کو کھول کر اس میں سے لیپ ٹاپ نکالا اور دو کی

بورڈز بھی وہ چیزوں کو سیٹ کر رہا تھا۔ روم سروس والا کب کا جا چکا تھا۔ جوسز کے دو گلاس جن کا آرڈر ایبک نے کیا تھا کرسٹل کی میز پر ٹرے میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ ایبک کو اپنے کام میں مگن دیکھ کر پکار بیٹھی۔

''تم نے کہا پس پردہ حقیقت کچھ اور ہے اور میرے خیال سے میں حقیقت جاننے کیلئے ہی یہاں ہوں۔'' اس کا مخاطب ایبک تھا جس نے لیپ ٹاپ کی روشن سکرین سے نظریں اوپر کو اٹھائیں، نظریں اٹھانے پر اسے بیڈ کراؤن دکھائی دیا تھا۔ ایلاف اس کی لیفٹ سائیڈ پر تھی۔ بیڈ کراؤن کی سلور پلیٹنگ میں اسے انیشہ نظر آنے لگی جس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے مگر لب کھلے ہوئے۔ وہ کھلے لبوں سے کہہ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم سکول لائف سے ہی ایلاف کو پسند کرتے ہو، بدلے کی آگ میں تم یہ بات نہیں بھولے مطلب تم اب بھی مثبت انسان ہو۔''

اس نے آنکھیں موندیں اور خود کو کہتے ہوئے سنا۔

''کل بتاؤں گا۔'' بیڈ کراؤن کی سلور پلیٹنگ میں اب بھی انیشہ جاوید تھی۔

''تم سکول میں ہمیشہ اس کے پیچھے رہا کرتے تھے۔ وہ آگے بے خبر چلتی تھی اور تم اسے چیز کیا کرتے تھے۔ میری دوستوں نے مجھے کئی بار بتایا کہ تم ایلاف کو چوری چوری تکتے ہو۔ تمہاری آنکھوں میں اس کیلئے پوری داستان درج تھی۔ وہ تمہاری بہت اچھی دوست بن گئی تھی اتنی کہ آدھا سکول تم سے خار کھانے لگ گیا تھا۔''

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کھولنے پر اسے ایلاف کی آواز سنائی دی تھی۔

''کل تک کا انتظار کیوں کروں میں بھلا جو کہنا ہے آج ہی کہو۔'' پلکیں جھپک کر اٹھیں انیشہ کی آواز نہیں دبی تھی۔

”اس کے ہاتھوں ہوئی رسوائی کے بعد بھی تمہارا دل اسی کی طرف رہا تھا یہ میں اور راحم بھائی جان چکے تھے۔ تم اس سے محبت کرتے تھے اور ہو، کیا تم اپنی محبت کی خاطر اسے اپنے اور اس کے ماضی سے انجان نہیں رکھ سکتے؟ وہ ثمر میں راحم کو ڈھونڈتی ہے، کیا تم راحم کی خاطر سب کچھ پوشیدہ نہیں رکھ سکتے۔“

مدھم سرگوشی نما آواز کے ساتھ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

”میں فیصلہ نہیں کر پا رہا ہے کہ تمہیں حقیقت سے آشنا کروں یا نہ کروں۔ میں دوراہے پر کھڑا ہوں۔“

ایلاف نے بھنوؤں کو آپس میں ملایا۔ ماتھے پر کئی بل پڑ چکے تھے۔

”یہ کیا بات ہوئی، تم ڈیل نہیں توڑ سکتے۔“ انیشہ کے آخری الفاظ آخری بار اس کی سماعت میں گونجے۔

”ڈاکٹرز نے کہا ہے وہ کسی قسم کا کوئی بھی جھٹکا برداشت نہیں کر پائے گی۔ ایسا ہونے سے اس کی حالیہ یادداشت بھی چلی جائے گی، وہ کومے میں بھی جا سکتی ہے۔ تم اس کی زندگی کی خاطر ثمر کی حقیقت کو چھپا دو، میں جانتی ہوں تم ایسا کر لوگے۔“

اس نے ایک طویل سانس خارج کیا۔

”ٹھیک ہے میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ اس نے فیصلہ کیا تھا۔ بیڈ کراؤن کی سلور پلیٹنگ میں غائب ہوتی انیشہ اسے مدد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایبک نے اس سے نگاہیں چرائیں اور پل صراط سے گزرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میری بہن کا قتل ہو گیا تھا۔ مقتولوں سے بدلہ لینے کیلئے ہی میں یہ کر رہا ہوں۔“

ادا کی موت کا ذکر اس کیلئے ہمیشہ سے پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہی رہا تھا۔ وہ

نہیں جانتا تھا کہ اصل پل صراط کیسا ہوگا اس کیلئے اسے مرنا پڑے گا اور بہت عرصے انتظار کرنا پڑے گا لیکن جو زندگی کا پل صراط تھا وہ اس کیلئے یہی تھا۔

تو، تو کیا وہی چاروں۔"

ایبک نے اس کی بات قطع کی تھی۔ "نہیں۔" چہرہ اس کی طرف نہیں کیا کیونکہ وہاں کرب کے آثار رقم ہو چکے تھے۔

"وہ چاروں وہ نہیں ہیں وہ صرف ذریعہ ہیں اور تمہاری معلومات کیلئے بتاتا چلوں جو گولی میں نے اس لڑکے کو ماری تھی وہ پلاسٹک کی تھی۔ وہ زندہ ہے تھوڑا زخمی ہے لیکن زندہ ہے۔"

بھلے اس نے چہرہ اس کی جانب نہیں کیا تھا لیکن آواز کا زخمی پن ایلاف تک پہنچ گیا۔ چند لمحے وہ گنگ رہی پھر بولی تو فقط اتنا ہی۔

"پس پردہ حقیقت یہی ہے؟"

وہ مسکرایا، دکھ سے چور مسکراہٹ، بیگانی، بے مروت، انجان سی مسکراہٹ۔

"یہی کہہ لو۔" بالآخر رخ اس کی طرف موڑ ہی دیا، ایلاف کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے گھٹنے پر موجود کوٹ کو مٹھی میں جکڑا، نم آنکھوں والا وہ انسان اسے جانا پہچانا لگ رہا تھا مگر کیوں؟

"کیا۔۔۔ کیا ہم پہلے۔۔۔ مل چکے ہیں؟"

ایبک نے نفی میں سر کو ہلایا اور جھوٹ بول دیا۔

"نہیں۔"

ایلاف نے آنکھیں بند کر کے خود پر کنٹرول کیا، گہرا سانس بھرا پھر ترحم عود کر آیا۔ اس کے سر میں درد شروع ہو چکا تھا۔ وہ آنکھیں کھول کر اس سے مخاطب تھی۔

”بہنوں کا درد میں سمجھتی ہوں جب امیشہ کو چوٹ لگ جاتی ہے تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔“

ایبک نے اس کی بات پھر سے اچکی۔

”میری بہن کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا تھا۔ میں زخمی تھا گولی لگی تھی اس لیے کچھ نہیں کر سکا۔“

ایلاف دنگ ہوئی تھوک نگلا، پہلے سے زیادہ ترحم ہوا اس انسان پر۔

”ایم سوری۔۔“ مدھم آواز میں کہا۔ ”یقیناً تمہیں انصاف ملے گا میں تمہارے ساتھ ہوں میرا یقین کرو، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔“

”کیا واقعی تم میرے ساتھ ہو؟“ اس نے پوچھا کس انداز میں تھا اور وہ لے گئی اسے کس انداز میں سب ٹھیک کہتے ہیں وہ سب بھول چکی ہے۔

”ہاں نا، میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ اگر تمہاری کہانی سچ ہوئی تو کسی کی اتنی جرأت نہیں تمہیں ہاتھ بھی لگالے۔ میں ثمر بھائی سے بات کروں گی۔ تم اصل قاتلوں تک پہنچ جاؤ گے پھر تم ان کے ساتھ جو چاہے کرنا کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا بس تم یرغمالوں کو چھوڑ دو اور مزید بلیک میل کرنا بند کر دو۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے بیڈ کی پائنتی پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ واقعی سب بھول گئی تھی۔

”تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“

ایلاف نے لیپ ٹاپ کی بیک پر نظر ڈالی جہاں سنہری زمین پر آدھا کھایا ہوا سیب موجود تھا۔

”تم سرنڈر کر دو کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ میں نے ابھی ثمر بھائی کو لوکیشن سینڈ کی ہے وہ آتے۔۔۔“ فلو میں بولتے بولتے وہ یکدم چپ ہوئی تھی۔ ایبک کی ساکن نگاہیں اسے ہاتھ مسلنے پر مجبور کر گئیں۔

”یعنی مجھ پر یقین اس لیے کیا گیا، یعنی تم شروع سے ہی ثمر سے کانٹیکٹ میں تھی۔“
ایبک ایک دم کھڑا ہوا، کھڑکیوں کے پردے میں سے جھانکا تو ہر سو رینجر کھڑی نظر آئی۔
”ایبک! میری بات سنو میں تمہیں کہہ رہی ہوں کوئی تمہیں۔۔۔“
اس نے برق رفتاری سے سلور پسٹل نکال کر اس کے ماتھے پر رکھی، ایلاف اس حرکت سے ٹھٹھرا گئی تھی۔
”ایک لفظ اور نہیں۔“ ٹریگر پر انگلی مضبوطی سے جمی۔
”ورنہ جان سے ماردوں گا۔“

☆......☆......☆

آج صبح سے ہی موسم ابر آلود سا تھا۔ آسمان سرخ تھا اور ہوا میں مٹی کی مہک تھی۔ معلوم ہوتا تھا کسی بھی وقت گرد کے بگولے اٹھ جائیں گے۔ ایسے میں برہان کھڑکی کے پردوں کو کھسکا کر باہر جھانک رہا تھا۔ انیشہ کو انہوں نے باقی قیدیوں کے ساتھ نہیں رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی بندھے ہوئے تھے۔ موسم کے بگڑتے حالات اور انیشہ کی آواز پر وہ چونک کر پلٹا۔
”وہ ایلاف سے ملنے گیا ہے نا؟“
برہان مڑا، مڑ کر اثبات میں سر ہلا گیا۔
”اسے نہیں جانا چاہیے تھا۔“
اس بات پر حیرانی بھرا ”کیوں؟“ برہان کے لبوں سے برآمد ہوا تھا۔ انیشہ حزن سے مسکرائی۔
”چھوٹی موٹی ملاقاتیں الگ بات ہوتی ہیں لیکن وہ جس ملاقات کیلئے اس کے پاس گیا ہے تمہیں لگتا ہے ایلاف نے اسے خود تک ہی رکھا ہوگا۔“
برہان نے تیزی سے پردہ چھوڑا اور پورا مڑ گیا۔

”مطلب کیا ہے اس بات کا؟“

وہ مسکرائی پھر سر اٹھایا اور لبوں کو جنبش دی۔

”مطلب سادہ اور بہت واضح ہے ارکیٹیکچر صاحب، ایلاف اس طرح کی ملاقاتیں کبھی بھی ثمر سے پوشیدہ نہیں رکھتی، چاہے جینڈر کوئی بھی ہو وہ ثمر میں راحم کو دیکھ کر ہر بات اسے بتا دیتی ہے۔ضرور یہ بھی بتائی ہوگی۔“

انیشہ نے اسے دھچکا پہنچایا۔اس کی بات سنتے ہی برہان فون کی جانب لپکا تھا۔اس کی انگلیاں برق رفتاری سے ایک کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں مگر وہ تھا کہ فون اٹھا کر ہی نہیں دے رہا تھا۔اٹھاتا کیسے،ایلاف پر پستول جو تانے کھڑا تھا۔

یہ منظر لاہور کے فائیو سٹار ہوٹل کا تھا جسے ہر سمت سے رینجر نے گھیر لیا تھا۔یہاں تک کہ اس کے کمرے کے دروازے کو بھی،فون میز پر پڑا اسکرین کو جلا بجھا رہا تھا۔فون والا کھڑکی کے پاس ایلاف پر پستول تانے کھڑا تھا۔

”چاہوں تو ایک لمحہ لگا دوں گولی چلانے میں مگر یہ چاہت ہی تو نہیں ہوتی مجھ سے۔“

پستول کی ٹھنڈی نال اس لڑکی کے ماتھے پر تھی۔اندر کے پردے ساکن تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ باہر سرخ مٹی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

”دیکھو تم فضول میں گھبرا رہے ہو،ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔میں نے فقط ثمر بھائی سے بات کی ہے اور وہ بھی تم سے بات ہی کرنے آ رہے ہیں،اتنا اوور ری ایکٹ نہیں کرو تم۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک نے جھٹکے سے پردے کو کھینچا تھا۔وہ اسے پولیس کی نفری دکھانا چاہتا تھا لیکن سرخ مٹی کے بگولوں نے ایسا کرنے سے روک دیا۔شیشہ گرد آلود ہو گیا تھا۔سنائپر کا نشانہ خطا ہونے لگا۔

"اگر ایسا ہے تو چلو باہر میرے ساتھ۔" اس کی کہنی کو دبوچے وہ فون اور لیپ ٹاپ کو وہیں چھوڑے دروازہ کھول چکا تھا۔ اسکے دروازہ کھولنے کی دیر تھی چند جوان دھڑا دھڑ اندر داخل ہوئے۔ ملک کے امراء کے سپوت جو یرغمال تھے اس کے پاس۔ ہنہہ۔

"یہ سب۔۔۔کیا ہے؟" وہ متحیر تھی۔ ایک نے اسے سختی سے دبوچا ہوا تھا۔ دبوچے ہی دو قدم پیچھے ہٹا۔

"لڑکی کو چھوڑ دو ورنہ تم جان سے جاؤ گے۔"

ایلاف اسلحہ سے لیس اس جوان کی بات سن کر کانپی۔ اس نے سر ایبک کی طرف کیا پھر نظریں اٹھائیں، ایبک کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

"باہر جانے دو وعدہ کرتا ہوں ہوٹل سے باہر جا کر اسے چھوڑ دوں گا۔"

دروازہ پورا وا تھا اور اس کھلے دروازے سے اسے اتنی رینجر نظر آ رہی تھی جتنی شاید کبھی اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی ہوگی۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا، کیوں ہو رہا تھا اس کا دماغ بھک ہوا۔

"میں نے کہا لڑکی کو چھوڑو نہیں تو تم بھون دیے جاؤ گے۔" دھاڑنے کی آواز پر ایبک نے لوڈڈ پسٹل ایلاف کی کنپٹی میں گھسائی اور وہ سب کہا جو وہ کبھی کہنا نہیں چاہتا تھا۔

"یاد رکھو میرے ساتھ یہ ہے۔ ایک گولی لگی تو دوسری پر اسے شیلڈ بناؤں گا اور میں یہ کر گزروں گا۔"

سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ آگے قدم بڑھانے لگا تھا۔ ہدایت سخت تھی کہ لڑکی کو کچھ نہ ہو اس لیے اس کیلئے راستہ چھوڑ دیا گیا۔ وہ بڑے ڈگ بھرتا ایک ہاتھ سے اس کی کہنی دبوچے اور دوسرے میں پسٹل پکڑے اسے گھسیٹتا ہوا ساتھ لے جا رہا تھا۔ ایلاف دائیں بائیں کھڑی مسلح

رینجر کو دیکھ کر روہانسی ہو گئی۔ ثمر کہاں تھا۔ اس کی نظریں ثمر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"یہ سب تمہیں مارنے کیلئے یہاں موجود ہیں؟" وہ روہانسی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ شیشے کی لفٹ میں سے بھی وہ ایبک کے سر پر پڑتے بے تحاشہ سرخ ڈاٹس کو دیکھ سکتی تھی۔

"نہیں پارٹی کیلئے آئے ہیں۔ تمہارے گیسٹ ہیں نا، تم نے ہی تو بلایا ہے انہیں۔"

لفٹ کھل چکی تھی، وہ لابی کی طرف بڑھنے لگے۔ پورا ہوٹل خالی تھا یہاں تک کہ سٹاف بھی وہاں موجود نہیں تھا، بس رینجر تھی جو ہر جانب تھی۔

"ایک امیر ہیکر اور کڈنیپر کیلئے اس طرح کا استقبال تو ہونا ہی چاہیے۔ نہیں؟ ویسے تمہارا انداز مجھے پسند آیا۔"

ایلاف نے ہر سو دیکھ کر نتیجہ نکالا اور گھبراتے ہوئے بولی۔

"تم سرنڈر نہیں کرو، مجھے لے کر یہاں سے چلے جاؤ ورنہ یہ تمہیں مار دیں گے۔"

جانے کیا تھا کہ وہ اونچی آواز میں چیخ کر کہہ رہی تھی۔ پہلے اس کے ہاتھ ڈھیلے اور نیچے گرے تھے مگر اب اس نے ایبک کی کہنی کو سختی سے تھام لیا تھا۔ کچھ تھا اس کے اندر جو ایبک کیلئے اسے بے چین کر رہا تھا مگر کیا؟

"بہت جلدی پتا چل گیا مادام کو، ویسے تم بھی تو یہی چاہتی تھی۔"

وہ ابھی لابی کے سرے پر ہی تھے کہ سامنے اسے ثمر کھڑا نظر آیا۔ ثمر اس کا بھائی تھا وہ اس کی بات سمجھے گا، ایسا ایلاف کو لگتا تھا لیکن ثمر نے یہ کیا، کیا اتنی رینجرز۔ وہ کوئی دہشت گرد تو نہیں تھا تو پھر یہ سب کیوں؟

"مجھے چھوڑنا نہیں۔" وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ اس کے سر میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ فلیش بیکس ہوئے کسی سکول کے، کسی ہوٹل کے باہر کے، کسی کے اعتراف محبت کے۔

''ثمر کو ہرانا آسان کام نہیں ہے بچے، دیکھو چہار سو تمہاری موت کھڑی ہے۔''

سب شیلڈ میں تھے۔فقط ان تینوں کے۔ثمر نے یونیفارم پہنا ہوا تھاہاں گن بیلٹ میں لگی ڈھیر ساری گنز ضرور نظر آرہی تھی۔

''سامنے سے ہٹ جاؤ۔''

ہوٹل کا بڑا اسارا گیٹ کھلا تھا جس میں سے سرخ آندھی اندر داخل ہو رہی تھی۔ثمر کی شرٹ اس آندھی کے زور پر بری طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے میں اس صورت ہٹ سکتا ہوں جب میری بہن تمہاری قید میں ہو۔''

''مجھے نہیں چھوڑنا۔'' وہ ڈرتے ہوئے دماغ میں آئی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ایبک نے ایک جھٹکے سے اس کی کہنی چھوڑ کر اسے ثمر کی اور دھکیلا۔ثمر نے آگے بڑھ کر ایلاف کو اپنے بازوؤں میں پکڑا تھا۔ایلاف نے تحیر سے سر اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا۔اس کا خواب،اس کا خواب حقیقت کا روپ دھارنے والا تھا۔اس خواب میں جو انسان تھا وہ۔۔وہ یہ تھا۔

''ایبک۔''

اس کے لب ہولے سے ہلے۔وہ ایبک تھا کون ایبک؟ کیا وہ کسی ایبک کو جانتی تھی، کسی ایسے ایبک کو جس کیلئے وہ رو سکے جس کی موت پر وہ تڑپ سکے، کیا وہ کسی ایسے ایبک کو جان سکتی تھی؟

''لو چھوڑ دیا کیا کر لو گے اب، زیادہ سے زیادہ جان سے مارنے کے مگر ایک بات کہوں میری موت تم پر بھاری پڑے گی۔''

چھوڑنے سے پہلے اس نے ایلاف کے کان میں کچھ کہا تھا کیا؟ وہ بعد میں بتاؤں گی۔

اس کی دھمکی پر شمر بپھر گیا تھا۔ بپھرتے ہوئے ہی اس نے گن نکال کر لوڈ کی اور رخ اس کی طرف کر دیا۔

"بکواس بند کر اپنی ورنہ بکواس کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

"قابل تو تم نہیں رہو گے جینے کے۔" اس نے پسٹل والا ہاتھ اوپر اٹھایا تھا۔ ابھی اس کا ہاتھ مکمل طور پر اٹھا بھی نہیں تھا کہ۔۔۔۔

☆......☆......☆

"مجھے کچھ کرنا ہوگا، مجھے کچھ کرنا ہوگا۔" برہان یہاں سے وہاں ٹہلتا ہوا کہہ رہا تھا۔ اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے انیشہ کی طرف لپکا، اس کے قدموں میں بیٹھ کر گویا ہوا۔

"وہ لوگ کیا کریں گے اس کے ساتھ جبکہ وہ قاتل بھی نہیں ہے۔"

محبت میں ٹوٹی انیشہ کی آواز بھی ٹوٹے کانچ جیسی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے یہاں فقط قاتل مارے جاتے ہیں یہاں قاتل کے علاوہ سب مرتے ہیں۔ ایبک نے غلط کیا اس نے موت کو خود دعوت دی۔"

برہان کا دل کٹنا شروع ہوا۔ ایبک جب زخمی تھا تو اس نے اس پر اپنا سب کچھ ختم کر دیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح آہستہ آہستہ ٹھیک ہوا تھا۔ بولنا شروع ہوا تھا۔ چلنا شروع ہوا تھا۔ جذبات آئے تھے۔ احساسات ظاہر ہوئے تھے۔ ایبک کو اس نے جب کوڑے دان سے اٹھایا تھا تو اپنی ہڈیوں، اپنے مسلز، گوشت اور رگوں میں بہتے خون کا سہارا لیا تھا۔ وہ اس انسان کو کیسے مرتا دیکھ سکتا ہے جسے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ محبت؟ ناز۔۔ یک لخت ناز اس کے دماغ میں آئی تھی۔ وہ کھڑا ہوا اور جلدی سے اسے فون ملا دیا۔ وہ جو یہاں سے کوسوں دور برگر شاپ

میں بیٹھی، اپنا ڈنر انجوائے کر رہی تھی برہان کی کال پر چونکی۔

"آج اسے کیسے میری یاد آ گئی؟"

سوچتے ہوئے اس نے کال اٹھائی تھی، اٹھا کر جو اسے پتا چلا تھا وہ اسے دوڑنے پر مجبور کر گیا۔ اس کا برگر پلیٹ میں دھرا کا دھرا رہ گیا۔ کرسی کافی پیچھے ہو چکی تھی، میز خالی تھی۔

"ہم لاہور جا رہے ہیں اور تم میرے ساتھ لاہور چلو گی۔ میں کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گا۔ اگر تم نے ذرا سی ہوشیاری کی تو میں تمہیں مار دوں گا۔" وہ چاقو کی مدد سے ٹیپ کو کاٹتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ چھوٹا سا بیگ تیار کر کے وہ جہاز میں سوار ہو چکا تھا۔ انیشہ اس کے ساتھ ٹھس بیٹھی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ لڑکی کیا کرے گی؟"

برہان لب بھینچے بیٹھا تھا۔ پاؤں عجلت میں محو حرکت تھا۔ وہ جلد از جلد لاہور پہنچنا چاہتا تھا کسی بھی صورت۔

"اپنا منہ بند رکھو۔ اگر ایبک کو کچھ ہوا تو یاد رکھنا تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔"

"مگر کب تک؟" انیشہ نے اس کی بات قطع کی۔ وہ کل سے اتنی ٹوٹ چکی تھی کہ اب تھک گئی تھی۔ مزید کوئی جھٹکا ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"آخر کب تک یہ انتقام کا چکر چلتا رہے گا۔ میرے بھائی نے گناہ کیا اور ایبک کی بہن نے اسے دیکھا، اس دیکھنے نے سب ختم کر دیا۔ اس کی زندگی، میرے بھائی کی زندگی، ایلاف کی یادداشت سب کچھ۔"

لینڈنگ کی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی برہان نے کراہیت سے اس لڑکی کو سنا۔

"یعنی تم کہہ رہی ہو سب غلطی ادا کی تھی؟"

انیشہ نے سر کو نفی میں جنبش دی۔
"میں نے ایسا نہیں کہا یہ میرے بھائی کی بے رحمی ہے جو سب ختم کر رہی ہے۔ میرے بھائی جیسے نہیں بننا تم پلیز۔"
اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ پلین سے اترے، بورڈنگ پاس کرتے ہی برہان نے ناز کو کال ملائی تھی۔
"میں گنز کو ہیک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، یقین کرو کسی گولی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ایبک کے جسم کو چھو سکے۔ ہیلو برہان کیا ہو گیا تم خاموش کیوں ہو۔ برہان، میں تم سے بات کر رہی ہوں ہیلو۔۔ ہیلو۔"
اور وہ جو فون کو کان سے لگائے بیٹھا تھا اس کے ساتھ دل بھی نیچے گرا بیٹھا۔ ائیر پورٹ پر لگی بڑی سکرین پر پولیس کی تازہ ترین کامیابی کے بارے میں آگاہ کیا جا رہا تھا۔ بتایا جا رہا تھا کہ وہ ہیکر جس نے تمام نجی ریکارڈ چرا کر گورنمنٹ کو بلیک میل کیا تھا اور شہر کے امراء کو یرغمال بنایا ہوا تھا ایس پی ثمر کے ریڈ میں مارا گیا۔ اس کے خون سے بھرے چہرے کی تصویر پوری سکرین پر نظر آ رہی تھی۔ نیم وا آنکھیں کسی کی منتظر تھیں۔
"پاکستان میں موجود ایک بغدادی ہیکر اور کڈنیپر کا آج بہت بڑا کامیاب ریڈ کیا گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ یہ وہی انسان تھا جس نے پچھلے کچھ ماہ سے اندرونی معاملات میں مداخلت کی ہوئی تھی۔ ایبک نامی اس انسان کا را اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ رابطہ تھا جنہیں وہ یہاں کی معلومات چوری کر کے بھجوا رہا تھا۔ اے ٹی ایم مشینز اور بینکس کی چوریوں میں بھی اسی بغدادی ہیکر کا ہاتھ تھا۔ ڈارک نیٹ پر ڈیٹا کی بولی لگانے والے انسان کا آج کام تمام ہوا۔ اب سے پاکستان محفوظ ہے۔"

برہان گھٹنوں کے بل نیچے گرا تھا۔اس کی آنکھوں سے سیل رواں ہوا، وہ لوگوں کے بیچ گرا چیخ اٹھا تھا۔

''ایس پی ثمر پاشا کا کہنا ہے کہ ملک کی سالمیت کیلئے اس کی موت یا گرفتاری بہت ضروری تھی۔ملک کو اس طرح کے وائرسز سے پاک کرنا اشد ضروری ہے جس طرح آج ملک کی خدمت اور اس کی بقا کی خاطر انہوں نے جان کی بازی لڑئی ہے۔آئندہ بھی وہ ایسا کرتے رہیں گے۔''

نیم اندھیرے میں ڈوبے اس لاونج میں فقط ٹی وی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔غفور صاحب بت بنے صوفے پر بیٹھے تھے جبکہ اپنے کمرے میں راحم کی تصویر کو سینے سے لگائے زرینہ ماتم کناں تھی۔ایک اور راحم کی موت ہوئی تھی، ایک اور بے قصور مارا گیا تھا۔ان کا ثمر کیسے اتنا ظالم ہو سکتا تھا۔کیسے؟

''زمین زاد نامی اس ہیکر پلس کڈنیپر نے کئی جانوں کو ابدی نیند سلایا تھا۔وہ پاکستان کیلئے ہی نہیں بلکہ بیجنگ کیلئے بھی خطرے کا باعث تھا۔ایس پی ثمر غفور بیجنگ کی پولیس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی انہوں نے پاکستان کا ساتھ دیا اور امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح ایک ساتھ کام کرتے رہیں گے۔''

ناز گھٹنوں میں منہ دیے ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔اس کا سسٹم آن تھا، کئی سیاہ سکرین پر کئی لائنیں اوپر نیچے حرکت کر رہی تھیں۔

''حکومت پاکستان اور بیجنگ کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں پر خاص کام کرنا چاہے تاکہ فیوچر میں وہ اس طرح کے ٹاکسز انسان نہ بنیں۔زمین زاد نامی اس شخص کی موت بہت ضروری تھی ورنہ وہ معاشرے میں بہت خطرے کا باعث بنتا۔''

جوسف سجدے میں گرے ہچکولے لے رہے تھے۔مسز جوسف تسبیح کے دانوں کو آنسو

بہاتے ہوئے گرا جا رہی تھیں۔

"زمین زاد کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے دے دیا گیا ہے۔ فرانسک رپورٹ کل نشر کی جائے گی۔"

☆......☆......☆

دو دن بعد:۔

"میرا نام ایبک ہے، ایبک سلطان۔"

سرخ آندھی کب کی ہو کر چلی گئی تھی۔ جاتے جاتے بہت سے گھر اور بہت سے دل اجاڑ گئی تھی۔ یہ اب تک کی پاکستان میں ہوئی سب سے بھیانک قسم کی تیز ترین ہوا تھی جس میں سرخ مٹی کی مقدار ضرورت سے زیادہ تھی۔ کئی گھر اجڑے، کئی چھتیں گریں اور کئی دل ویران ہوئے مگر یہ فقط ایک گھنٹے کیلئے تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہوا کی مقدار معمول پر آ گئی تھی۔ رفتہ رفتہ موسم ٹھیک ہونے لگا تھا۔ موسم تو ٹھیک ہو رہا تھا لیکن جو اجڑ چکا تھا وہ کب اور کیسے ٹھیک ہوتا بھلا۔

یہ صبح کی نو بجے کی خبروں کا وقت تھا جب چائے پیتے سب کے ہاتھ یکلخت رکے تھے۔ ٹی وی کے والیوم، ریڈیو کی آواز اور فون کے سپیکر کو بڑھا دیا گیا تھا۔ سب دل تھامے، سانسیں روکے اسے سن رہے تھے جو ریوالونگ چیئر پر سیاہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس ٹی شرٹ پر آئی لو اللہ سفید رنگ سے لکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ سفید دل بھی بنا ہوا تھا۔ پہننے والا ایبک سلطان تھا جو کہہ رہا تھا۔

"میری یہ ویڈیو جب تک آپ لوگوں کے پاس پہنچے گی تب تک شاید میں خالق حقیقی سے جا ملوں گا۔ عجیب بات ہے لیکن مجھے لگتا ہے جیسے میں مرنے والا ہوں۔ مجھے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے، جیسے کوئی مجھے لینے آ رہا ہے اور میں ان چاپوں سے ڈر جاتا ہوں۔ ہاہاہا۔"

نیچے ٹی وی لاؤنج سے یہ آواز اس کے کمرے تک آ رہی تھی۔ برش کو بھورے رنگ میں ڈبوئے وہ کسی کی آنکھوں میں بھر رہی تھی، وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''ہر انسان کا اینڈ ہونا ہے اور میرا بھی ہونے والا ہے۔ اگر پولیس کی گولی نے مجھے نہیں مارا تو میں اس ان کیور ایبل ٹیومر سے مر جاؤں گا جو مجھے پچھلے ایک سال سے ہے۔ جس کی شدت، جس کا درد اور ڈاکٹر کا مایوس چہرہ مجھے بتا چکا ہے کہ وہ وقت بہت نزدیک ہے۔''

رومانیہ کے سمندر کنارے کھڑے برہان نے لہروں پر نظروں کو مرکوز رکھا ہوا تھا۔ دور کہیں سے کسی کے موبائل فون میں سے یہ آواز اس تک پہنچ رہی تھی۔ سمندر کی تیز چنگھاڑتی آواز بھی اس آواز کو اس تک پہنچنے سے روک نہیں پائی تھی۔ ایک کی آواز اس کے کانوں میں پڑنے سے کون روک سکتا تھا بھلا۔

''میں پوائنٹ پر آتا ہوں۔ آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ اس سے پہلے میں بھی ایک عام انسان تھا۔ آپ کی ہی طرح، یقیناً ایک پرسنٹ لوگ مجھے جانتے ہوں گے اور نوسو ننانوے نہیں اس لیے میں ان اکثریت سے مخاطب ہوں کہ مجھے سنیں اور سمجھیں۔''

اپنے کمرے میں قید ناز شیشے پر ہاتھ رکھے اس جگہ کو تک رہی تھی جہاں کبھی جوسف اور برہان نے ان دونوں کی جاسوسی کی تھی۔ اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا۔ یہ خبر پوری دنیا میں بیک وقت نشر ہو رہی تھی۔

''کوئی بھی انسان پیدائشی برا نہیں ہوتا۔ حالات، واقعات کسی بہت اپنے کی جدائی اسے ایسا بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ میری بہن کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ میری معصوم ماں کو مار دیا گیا۔ میری محبت کو میری آنکھوں کے سامنے مفلوج بنایا گیا۔ ٹارچر، اذیت سب ملی کیوں؟ کیونکہ میں کمزور تھا۔ فائنینشلی بھی اور فزیکلی بھی۔''

چکنے فرش پر دو پاؤں تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ ان کے دوڑنے کی آواز دور سے سنی جا سکتی تھی۔ اس دھمک میں غصہ، طیش اور جنون شامل تھا۔ وہ پاؤں ثمر کے تھے۔

"میری بہن کا جرم فقط اتنا تھا کہ وہ کسی کے قتل کی گواہ بن گئی تھی۔ اس نے وہ سب دیکھ لیا تھا جو اسے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ اس نے وہ سب سن لیا تھا جو اسے نہیں سننا چاہیے تھا۔ چند لمحوں کی غلطی نے اس سے اس کی پوری زندگی چھین لی۔ اگر آج وہ زندہ ہوتی تو میں ایسا نہ ہوتا جیسا کہ ہو چکا ہوں بے حس، خود غرض اور خود پسند۔"

وہ پاؤں دوڑتے ہوئے مین روم کی جانب آئے تھے۔ براڈ کاسٹنگ روم میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا جو کام کر سکے سب کمپیوٹرز، سب کی بورڈز سب سٹیشنز ہیک ہو چکے تھے، ہوئے تھے تبھی تو یہ خبر چل رہی تھی۔ بریکنگ نیوز، لائیو۔

"میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر میرے الفاظ کم پڑ رہے ہیں۔ خاموشی سے مرنا چاہتا تھا کیونکہ کسی نے مجھ سے کہا تھا کہیں تو اس انتقام کے چکر کو رکنا چاہیے بالکل رکنا چاہیے میں ہی وہ آخری انسان ہوں جو اس کہانی میں انتقامی چرخے کو روکے گا لیکن حقیقت بتانے کے بعد۔"

جوسف صوفے پر گردن لڑھکائے بیٹھے تھے کہ اب ان میں اتنی بھی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اسے حرکت دے سکتے۔ مسز جوسف ان کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ رات کی سیاہی میں ان کی آنکھوں کی نمی تاروں کی طرح ٹمٹما رہی تھی۔ ٹھیک کہتے ہیں محبت کیلئے کسی خون کے رشتے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ جب ہوتی ہے تو خون کے رشتوں سے بھی بڑھ کر اپنی ہوتی ہے۔

"یہ شرٹ میں نے اسے گفٹ کی تھی۔" وہ دل میں کہہ رہی تھیں کہنے کے بعد اسے سن رہی تھیں

"میری بہن کا قاتل صرف اس کا قاتل نہیں تھا اس سے پہلے بھی وہ دو قتل کر چکا تھا۔ ایک اس لڑکی کا جسے وہ تھریٹ کر رہا تھا دوسرے اپنے سگے بھائی کا۔"

چائے پیتے کئی ہاتھ کانپے تھے کئیوں کو اچھو چڑھا تھا۔
''میری بہن عینی شاہد ہے اور میں اس کے ثبوت کو رویل کر رہا ہوں اسی خوف سے اس نے میری بہن کو مار دیا اور پھر اپنی ہی بہن کا سر جو یہ سب دیکھ چکی تھی اتنی بار دروازے میں مارا کہ وہ ریٹرو گریڈ امنیسا جیسے مشکل مرض میں مبتلا ہو گئی، کوئی بھائی اتنا ظالم ہو سکتا ہے کیا؟''
ہسپتال کے ٹھنڈے سے کمرے میں دنیا و مافیہا سے بیگانی وہ نالیوں میں جکڑی ہوئی لیٹی تھی۔ شراحیل نے اس کے ہاتھ کو تھام رکھا تھا۔ شدید صدمے کے زیر اثر وہ کومے میں چلی گئی تھی۔ ڈاکٹرز اس کی کنڈیشن کو لے کر پر امید تھے۔ اس کے ٹھیک ہونے کے امکان زیادہ تھے۔
''ہاں ہو سکتا بشرطیکہ اس بھائی کا نام ایس پی ثمر غفور ہو۔'' وہ چند لمحے کو رکا، سب کا سانس کھینچ کر وہ خود گہرا سانس لے رہا تھا۔
''میں نے اپنے سسٹم کو دو دن کے بعد تک سیٹ کیا ہے اگر میں مر جاتا ہوں تب بھی یہ ریکارڈنگ چلے گی۔ اگر میں بچ جاتا ہوں تب بھی مگر ہاں ثمر نہ رہے ہو۔'' پوری سکرین پر اس کا چہرہ تھا۔ ثمر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا سب پر نظر ڈال رہا تھا جو بے اعتباری سے اسے تک رہے تھے۔ وہ ناں میں سر ہلاتا پھر سے سکرین کی جانب متوجہ ہوا جہاں ایک چپ نہیں ہوا تھا وہ کہہ رہا تھا جو یہ تھا۔
''میں نے جتنے بھی لوگوں کو اغوا کیا، وہ سب تمہارے ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم جیسے ہی بدفطرت اور منافق ہیں۔ افسوس کہ تمہارے جیسے آفیسر کو ملک کے امراء کی گردنیں عزیز ہیں لیکن معصوم اور بے قصور عورتوں کی عزت ہی نہیں۔''
''کسی نے مجھے کہا تھا کسی کی زندگی کیلئے یہ ضروری ہے کہ تم چپ رہو مگر میں نے فیصلہ کیا اگر میں نے ایسا کیا تو ناانصافی ہوگی گرینا کے ساتھ، تمہارے بھائی راحم کے ساتھ، میری بہن

کے ساتھ اور۔۔" وہ رک گیا۔ ثمر کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، کیا وہ ایلاف کا نام لے دے گا۔ اسے لگا اس کی ٹانگوں میں جان باقی نہیں رہی ہے تبھی اس نے کرسی کا سہارا لیا تھا۔

"اور اس کے ساتھ جس کے ساتھ میں نے یک طرفہ محبت کی تھی۔ میں یہ ناانصافی ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں آزاد چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ میں تمہیں یہ کانفیڈینس نہیں دینا چاہتا ہوں کہ تم کسی سے نہیں ہارتے، میں تمہیں مزید قتلوں کی جرأت نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں کھلا نہیں چھوڑ سکتا، جہاں سے شروعات ہوئی تھی وہیں چلتے ہیں، جس خوف سے تم بھاگ رہے تھے اتنے سال آج وہ پوری دنیا دیکھے گی۔ جس ویڈیو کی خاطر تم نے دو بے قصور جانیں لیں آج اس ویڈیو اور آڈیو کو پوری دنیا سنے گی، سو گائز آر یو ریڈی فار دیٹ؟"

اس نے آگے جھک کر کوئی بٹن پش کیا تھا۔ کرینا کا قاتل سامنے تھا۔ راحم کو مارنے والے کا چہرہ سب دیکھ رہے تھے۔ اداپر گن چلانے والا سب کی نظروں میں تھا۔ ایک پر تشدد کرنے والے کو اور ایلاف کو مفلوج کرنے والے کو سب دیکھ رہے تھے۔ الگ الگ جگہیں تھیں، الگ الگ وارداتیں تھیں۔ بس فرق اتنا تھا کہ مارنے والے کا چہرہ واضح تھا اور مرنے والوں کا دھندلا ماسوائے کرینا کے۔

"یہ، یہ سب جھوٹ ہے، بہتان ہے مجھ پر، میں سچ کہہ رہا ہوں، یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ بند کرواسے میں نے کہا بند کرو۔" وہ چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا لیکن کوئی اس کی بات کا یقین نہیں کر رہا تھا، جو دیکھ چکے تھے وہ ہی سچ تھا وہی حق تھا۔

اس نے کہا تھا بند کرو تو بند ہی کیا گیا، وہ بھی اسے، وہ بھی کال کوٹھڑی میں، پوری دنیا کے آگے اس کی وردی سے میڈلز نوچ گئے تھے۔ اسے سسپنڈ کر دیا گیا تھا۔ کرنے کے بعد اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈالیں اور کال کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ یہ معمولی سزا تھی بہت

معمولی۔ بہت جلد اس کیلئے عدالت کڑی سے کڑی سزا سنائے گی۔ ایسی سزا جو دیکھنے والوں کیلئے عبرت کا نشان ہو گی۔ ثمر غفور کی زندگی بس یہیں تک تھی۔ انصاف کا ہتھوڑا بول اٹھا تھا۔ ظلم کا اختتام ہوا تھا۔

☆......☆......☆

دو سال بعد:۔

"کیا کر رہی ہو؟"

ایلاف نے بال اونچے کر کے باندھے ہوئے تھے۔ ٹیل پونی اس کی گردن پر جھول رہی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ پر کسی کام میں مصروف تھی جب شراحیل نے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے پکارا۔ وہ آفس جانے کیلئے تیار ہو رہا تھا۔

"سیزن دیکھ رہی ہوں دی سٹی ہنٹر۔" سب ٹائٹل پر اس کی نظر تھی۔ کانوں پر لگے ہیڈ فونز میں آواز ہلکی آ رہی تھی ایسا اس لیے کیا گیا تھا تاکہ وہ شراحیل کو سن سکے جب وہ چلا جائے گا تب وہ آواز تیز کر لے گی۔

"پچھلے ہفتے تو دیکھا تھا تم نے اور میرے خیال سے کئی سال پہلے بھی۔" وہ کف لنکس لگاتے کہہ رہا تھا۔ ساتھ میں کن انکھیوں کے ساتھ اسے دیکھے بھی جا رہا تھا۔

"کیا بات کر رہے ہو۔ میں نے اسے کبھی بھی نہیں دیکھا یہ پہلی بار ہے۔ میرے ساتھ ایسے مذاق نہیں کیا کرو۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شراحیل نے آنکھیں بند کرتے ہوئے گہرا سانس لیا۔ دو سال پہلے کے ڈاکٹر کے الفاظ اس کے دماغ میں گونجے تھے۔

"بھلے یہ چار ماہ میں ہی کومے سے باہر آ گئی ہیں لیکن اس کے بعد ان کی دماغی کنڈیشن بالکل ٹھیک نہیں رہی ہے۔ وہ مزید اپنی میموری لوس کر چکی ہیں اور آگے بھی بھولنے کے چانسز زیادہ

ہیں۔ آپ کو ہر لمحہ ہر وقت انہیں یاد کروانا ہوگا، آپ کون ہو اور وہ کیا ہیں اور ہاں پلیز انہیں مزید کسی ٹینشن یا صدمے سے دور رکھنا ورنہ یادوں کے بھنور میں ہمیشہ کیلئے پھنس کر رہ جائیں گی۔"

ایلاف کی بات پر وہ چونکا تھا۔

"کہاں کھو گئے تھے، کہیں کسی لڑکی کو تو نہیں سوچ رہے۔ ایسا کرنے کی جرأت بھی مت کرنا۔ یاد رکھو میں ہمیشہ سے ایک سخت بیوی رہوں گی۔" وہ گردن موڑے آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ شراحیل سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

"جانتا ہوں بیگم صاحبہ، میں کسی اور لڑکی کے بارے میں نہیں بلکہ انیشہ کے بارے میں سوچ رہا تھا، صغیر کے ساتھ وہ خوش ہو گی نیویارک میں، کتنی بے مروت نکلی نا وہ، ہمیں ایک کال تک نہیں کی، کیا ہو گیا ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

وہ الجھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے شراحیل کو تک رہی تھی۔ پلکیں وقفے وقفے سے جھپک رہی تھی۔

"انیشہ؟"

"بس کرو اب یہ نہ کہنا کہ کون انیشہ، آف کورس تمہاری بہن جس کی سال بھر پہلے شادی ہوئی ہے۔ یاد آیا۔"

وہ ایک دم چونکی تھی، چونک کر ماتھے پر ہاتھ مار گئی۔

"اوہ ہاں مجھے دیکھو کتنی بھلکڑ ہو گئی ہوں پتا نہیں۔" یکدم اس کی آواز بھرائی، ہیڈ فونز اتار کر سائیڈ پر رکھ چکی تھی۔ "بڑھاپے میں میرے ساتھ کیا ہوگا۔ کیا تب تک تم میرا ساتھ دو گے؟" روہانسا چہرہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں، شراحیل اپنی ٹائی اٹھا کر اس کے نزدیک آیا۔

"مادام! بندہ بشر مرتے دم تک آپ کے ساتھ ہے۔ چلو اب اٹھو یہ ٹائی پہناؤ مجھے۔ جلدی

کرواٹھو بھی۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتا اسے کھڑا کر چکا تھا۔ ایلاف نے سیاہ ٹائی اس کے گلے میں ڈالی۔ وہ اس کی گرہوں میں الجھ رہی تھی۔ شراحیل اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے ٹائی کی گرہیں لگا رہا تھا۔ سفید شرٹ پر سیاہ سلک کی ٹائی کے سرے اوپر نیچے اٹھ رہے تھے۔

"ایسے ہی یاد کرواتے رہو گے نا جو میں بھولوں گی؟" وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔ پرانی ایلی کہیں کھو گئی تھی۔ نئی ایلاف خاصی ڈرپوک اور احساس کمتری میں مبتلا لڑکی تھی۔

"وعدہ ہے میرا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ایبک سلطان کون تھا، کیا تھا یہ ایلاف غفور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بھول چکی تھی۔ اس کے ویکلی سیشنز میں اس کے پیرنٹس، انیشہ، صغیر اور شراحیل شامل ہوتے تھے۔ راحم مر چکا تھا۔ ثمر کو وہ لوگ فراموش کر چکے تھے۔ ایبک سلطان کو انہوں نے یاد کرنا تھا نہ کبھی کیا تو پھر اسے کیا بتاتے۔ اس لیے وقت کے پنوں میں اس کی داستان، اس کی مسکراہٹ اور اس کی قربانیاں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گم ہو چکی تھیں۔

اچھے جلد مر جاتے ہیں۔ برے زیادہ زندہ رہتے ہیں۔

ہم زمین زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے۔

ایک اور ستارہ ڈوب گیا تھا۔

ایک اور شام کی اختتام ہوئی۔

ایک اور کہانی ختم ہوئی،

اور میں نے کی بورڈ سے انگلیاں ہٹا لیں۔

۞ ......ختم شد...... ۞